اثمار الہدایۃ
علی الہدایۃ
ہدایہ ثانی
۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ
احادیث کا عظیم ذخیرہ
شارح
حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
جلد ۷
ناشر
ثاقب بکڈپو دیوبند ۲۳۷۵۵۳
www.besturdubooks.net

نام کتاب	اثمار الہدایہ (جلد ہفتم)
نام شارح	حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
سن طباعت	۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء
تعداد	گیارہ سو (گیارہ سو)
باہتمام	مولانا نثار احمد قاسمی
کمپوزنگ	الفضل کمپیوٹرس دیوبند Mob. 09557514799
ناشر	ثاقب بکڈپو دیوبند

SAQIB BOOK DEPOT DEOBAND
SAHARANPUR U.P. 247554 (INDIA)
Tel: 01336-222999
Mob. 09412496688
Email:saqibbookdepot@gmail.com
Whatsapp:08937896482

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

چھٹی صدی ہجری کے فقیہ اعظم علامہ برہان الدین مرغینانی کی شہرۂ آفاق کتاب ''ہدایہ'' فقہ حنفی کی وہ مشہور ومعروف کتاب ہے جو مسلسل آٹھ صدیوں سے مسلک احناف کی محکم اور مستحکم بنیاد سمجھی جاتی ہے یہ وہ عظیم کتاب ہے جو تمام مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے، اس کتاب کو حق تعالیٰ نے انتہائی شرف وقبولیت بخشا ہے اس کتاب کے متعلق حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے تحریر فرمایا یہ ''**وھو مقبول بین الانام من الخواص والعوام**'' کتاب کی جامعیت ومقبولیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے بعد ہر دور کے علماء نے پیش نظر رکھا ہے، اور مستقل طور پر شروح وحواشی تحریر فرمائے ہیں؛ لیکن شروحات اکثر عربی زبان میں ہیں، جن کا سمجھنا آج کے علمی انحطاط وتنزل کے دور میں بہت مشکل تھا؛ اس لیے اردو زبان میں اس کی شرح لکھی گئی اس سلسلہ کی ایک عمدہ اور بہترین شرح اثمار الہدایہ شرح اردو ہدایہ جس کے شارح حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی نے کافی محنت وجانفشانی کے ساتھ تحقیق وتشریح کی ہے بالخصوص استنباط واستخراج مسائل بالدلائل احادیث وقرآن سے کیا ہے، یہ شرح صرف طلباء ہی کے لیے نہیں بلکہ اساتذۂ کرام ومفتیان عظام کے لیے ایک علمی تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے۔ آمین!

والسلام

مولانا نثار احمد قاسمی

ثاقب بکڈپو دیوبند

خصوصیات اثمار الہدایۃ

(۱) ہدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲) پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔

(۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۴) کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں۔

(۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کردی گئی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے۔

(۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۱۱) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔

(۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے 'اثر' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔

(۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی، یا پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔

☆☆☆

ہم اثمار الہدایہ ہی کو کیوں پڑھیں؟

(۱) اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔

(۲) کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔

(۳) صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔

(۴) ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

(۵) بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔

(۶) سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔

(۷) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلاً گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست اثمار الہدایہ جلد ہفتم

كِتَابُ السَّرِقَةِ

۱ السَّرِقَةُ فِي اللُّغَةِ أَخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ الْخُفْيَةِ وَالِاسْتِسْرَارِ، وَمِنْهُ اسْتِرَاقُ السَّمْعِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ ۲ وَقَدْ زِيدَتْ عَلَيْهِ أَوْصَافٌ فِي الشَّرِيعَةِ عَلَى مَا يَأْتِيكَ بَيَانُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. ۳ وَالْمَعْنَى اللُّغَوِيُّ مُرَاعًى فِيهَا ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً أَوْ ابْتِدَاءً لَا غَيْرَ، كَمَا إِذَا نَقَبَ الْجِدَارَ عَلَى الِاسْتِسْرَارِ وَأَخَذَ الْمَالَ مِنَ الْمَالِكِ مُكَابَرَةً عَلَى الْجِهَارِ.

کتاب السرقۃ

ترجمہ: ۱ سرقہ کا لغوی معنی ہے، دوسرے کے مال کو چھپ کر اور آہستگی سے لے لینا، اسی سے استرق السمع ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا ہے کہ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ (آیت ۱۸، سورۃ الحجر ۱۵) **ترجمہ:** جنات چرا کر فرشتوں سے جو سن لیتے ہیں، اس کے پیچھے پتھر پڑتا ہے۔

تشریح: یہاں سرقہ کا معنی بیان کر رہے ہیں، کہ اس کا معنی ہے چھپ کر مال لیجانا۔ چناں چہ آیت میں استرق السمع، استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب ہے کہ شیطان چھپ کر سنتا ہے تو اس پر پتھر کی بارش ہوتی ہے۔

سرقہ کا معنی ہے، چھپ کر مال لیجانا، پھر چوری کی تین قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم۔ نقب زنی، یعنی رات میں دیوار میں سوراخ کر کے چپکے سے گھر میں گھسا، پھر مالک سے مقابلہ کر کے مال لے گیا، تو اس صورت میں جب گھر میں داخل ہو رہا تھا تو چپکے سے داخل ہوا، اس لیے سرقہ کا معنی پایا گیا، یہ اور بات ہے کہ بعد میں مالک سے چھپ نہیں پایا، بلکہ کھلم کھلا مقابلہ کر کے مال لیا ہے، لیکن گھر میں داخل ہوتے وقت چھپنے کی شکل ہے، اس لیے سرقہ کا معنی پایا گیا ہے، اس لیے اس کی حد جاری کی جائے گی۔ (۲) دوسری بڑی چوری جس کو ڈاکہ زنی، کہتے ہیں، اس میں کھلم کھلا مقابلہ کر کے مال لیا جاتا ہے، لیکن اس میں بھی حکومت وقت سے چھپ کر ڈاکہ زنی کی جاتی ہے اس لیے اس میں بھی چھپنے کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے اس میں اس کے مناسب حد جاری ہوگی۔ (۳) اور تیسری ہے عام چوری، اس میں مالک سے یا جو اس کے قائم مقام ہو اس سے چھپ کر مال لیا جاتا ہے اس لیے اس میں سرقہ، یعنی چھپنے کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے اس میں بھی اس کے مناسب حد جاری کی جائے گی۔

لغت: **سرقۃ:** چھپ کر مال چرانا۔ **خفیۃ:** چپکے سے۔ **استسرار:** **سر** سے مشتق ہے، آہستہ سے۔ **استراق السمع:** چرا کر سننا۔

ترجمہ: ۲ شریعت میں کچھ اور اوصاف بڑھائے گئے ہیں، جس کا بیان آگے ان شاء اللہ آئے گا۔

تشریح: سرقہ اور چوری میں چھپ کر کرنے کا معنی ہے، البتہ شریعت میں کچھ اور اوصاف بڑھائے گئے ہیں، جنکا ذکر آگے آئے گا۔

ترجمہ: ۳ سرقہ کے لغوی معنی کا اعتبار ہر جگہ ہے، چوری کی ابتداء میں بھی اور اس کی انتہاء میں بھی، اور صرف ابتداء کی صورت میں بھی، جیسے کہ چپکے سے دیوار میں سوراخ کیا، اور مالک سے کھلم کھلا لڑ کر مال لیا۔

تشریح: چوری کے شروع میں بھی چھپنے کا معنی ہو اور اس کے آخیر میں بھی چھپنے کا معنی ہو، تو اس کو عام چوری، کہتے ہیں۔ لیکن اگر نقب زنی کی، یعنی دیوار میں سوراخ کر کے گھسا، اور بعد میں مالک سے مقابلہ کر کے مال لیا تو اگر چہ بعد میں چھپنے کا معنی نہیں پایا گیا، لیکن

۴؎ وَفِي الْكُبْرٰى: أَعْنِي قَطْعَ الطَّرِيقِ مُسَارَقَةُ عَيْنِ الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَصَدِّي لِحِفْظِ الطَّرِيقِ بِأَعْوَانِهِ. ۵؎ وَفِي الصُّغْرٰى: مُسَارَقَةُ عَيْنِ الْمَالِكِ أَوْ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ. قَالَ (۲۶۳۷) وَإِذَا سَرَقَ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيمَتُهُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةً مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَجَبَ الْقَطْعُ

شروع میں چھپنے کا معنی پایا گیا اس لیے اس میں سرقہ کا معنی پایا گیا ہے۔

لغت: **نقب:** دیوار میں سوراخ کرنا۔ **استسرار:** سر سے مشتق ہے، آہستہ سے گھسنا، چھپ کر گھسنا۔ **مکابرۃ:** مقابلہ کر کے۔ **جھار:** ظاہری طور پر۔

ترجمہ: ۴؎ اور بڑی چوری، یعنی ڈاکہ زنی میں بھی، چھپنے کا معنی ہے کہ وہ امام کی آنکھوں سے چھپ کر ڈاکہ زنی کر رہا ہے، کیوں کہ امام اپنے محافظوں کے ساتھ مل کر راستے کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے۔

تشریح: یہ دوسری قسم کی چوری ہے۔ بڑی چوری، یعنی ڈاکہ زنی میں کھلم کھلا مقابلہ کر کے مال لیا جاتا ہے، لیکن امام کی نظر سے چھپ کر ڈاکہ زنی کی جاتی ہے اس لیے اس میں بھی چھپنے کا معنی پایا گیا۔ کیوں کہ امام اپنے محافظوں کو لے کر راستے کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔

لغت: **قطع الطریق:** راستے کو کاٹنا، یعنی ڈاکہ زنی کرنا۔ **متصدی:** **صدء** سے مشتق ہے، مورچہ لگانا، مستعد رہنا۔ **اعوانہ:** **عون** سے مشتق ہے، مددگار، یہاں مراد ہے امام کا محافظ دستہ۔

ترجمہ: ۵؎ اور اور چھوٹی چوری [جسکو عام طور پر چوری کہتے ہیں] اس میں بھی مالک کے یا جو مالک کے قائم مقام ہے اس سے چھپا کر چوری کی جاتی ہے۔

تشریح: ڈاکہ زنی سے چھوٹی چوری، جسکو عام طور پر چوری، کہتے ہیں، اس میں ابتداء اور انتہاء دونوں میں مالک سے یا مالک کے جو قائم مقام ہو، جیسے امانت رکھنے والا سے مال چھپکے سے لیجائے تو اس میں بھی چپکے سے لیجانا ہوا، البتہ اس میں شروع میں بھی چپکے سے لیجانا ہوا اور آخیر میں بھی چپکے سے لیجانا ہوا، اس لیے اس کو صحیح چوری، کہتے ہیں۔

لغت: **مسارقۃ عین المالک:** مالک کی آنکھ سے چھپا کر لیجانا۔ **من یقوم مقامہ:** جو مالک کے قائم مقام ہو، جیسے امانت رکھنے والا۔ غصب کرنے والا، مانگ کر لیجانے والا، یہ لوگ مالک کے قائم مقام ہیں، ان سے بھی چپکے سے مال لیجائے تو اس کو بھی سرقہ کہا جائے گا، اور اس پر بھی سرقہ کی حد قائم ہوگی۔

ترجمہ: (۲۶۳۷) اگر بالغ عاقل آدمی نے چرایا دس درہم یا ایسی چیز جس کی قیمت دس درہم ہو، سکہ دار ہو یا بے سکہ ہو ایسی محفوظ جگہ سے جس میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے غلام اور آزاد اس میں برابر ہیں۔

تشریح: چوری چھ شرطوں کے ساتھ کرے تو ہاتھ کٹے گا۔

(۱) چوری کرنے والا عاقل بالغ ہو

(۲)، دوسری وہ چیز دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو۔

(۳) ایک تو محفوظ جگہ سے چوری کرے

لـ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى {وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا} الْآيَةَ ٢ـ وَلَا بُدَّ مِنَ اعْتِبَارِ الْعَقْلِ وَالْبُلُوغِ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ لَا تَتَحَقَّقُ دُونَهُمَا وَالْقَطْعُ جَزَاءُ الْجِنَايَةِ، ٣ـ وَلَا بُدَّ مِنَ التَّقْدِيرِ بِالْمَالِ الْخَطِيرِ لِأَنَّ الرَّغَبَاتِ تَفْتُرُ فِي الْحَقِيرِ، وَكَذَا أَخْذُهُ لَا يَخْفَى فَلَا يَتَحَقَّقُ رُكْنُهُ وَلَا حِكْمَةُ الزَّجْرِ لِأَنَّهَا فِيمَا يَغْلِبُ،

(۴) اور تیسری یہ کہ اس چیز میں چور کا کسی قسم کا حصہ نہ ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۵) مباح الاصل نہ ہو: یہ ایک محاورہ ہے، دار الاسلام میں جس چیز کو ہر آدمی لے سکتا ہے، جیسے پرندے کو ہر آدمی شکار کر کے لے سکتا ہے اس کو مباح الاصل، کہتے ہیں۔

(۶) چھپ کر مال لیا ہو

عاقل بالغ آدمی ہو اور وہ دس درہم یا دس درہم کی چیز چرا لے اور کسی ایسی محفوظ جگہ سے چرائے جس کے محفوظ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور غلام اور آزاد دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اس حد میں یہ نہیں ہے کہ آزاد کی حد پوری ہوگی اور غلام کی حد آدھی کہ مثلا ہاتھ کٹنے کے بدلے میں ان کو آدھے کوڑے لگے۔ بلکہ دونوں کی حد برابر ہیں یعنی ثابت ہونے پر دونوں کے ہاتھ کٹیں گے۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: لـ اصل اس میں اللہ تعالی کا قول وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ہے۔

وجہ: (۱) چور کا ہاتھ کٹنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (آیت ۳۸ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتا چلا کہ چور یا چورن چوری کر لیں تو دونوں کے ہاتھ کاٹیں گے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال قطع رسول اللہ ﷺ ید رجل فی مجن قیمتہ دینار او عشرۃ درھم** (ابو داؤد شریف، **باب ما یقطع فیہ السارق**، ص ۶۵۴ نمبر ۴۳۸۷ / ترمذی شریف، **باب ماجاء فی کم یقطع السارق**، ص ۲۶۷ نمبر ۱۴۴۶ / مسلم شریف، **باب حد السرقۃ و نصابھا**، ص ۷۴ نمبر ۱۶۸۵ / ۴۴۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دس درہم کی چیز ہو تو چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ـ چور کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر جرم نہیں ہوتا، اور ہاتھ کاٹنا جرم کا بدلہ ہے۔

تشریح: چور عاقل اور بالغ نہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنا جرم کا بدلہ ہے اور عقل، اور بلوغ کے بغیر جرم ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ مرفوع القلم ہیں، اس لیے مجنون اور بچہ چوری کر لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ قاضی مناسب سمجھے تو تعزیر کرے گا، اور مال واپس دلوائے گا۔

ترجمہ: ٣ـ ضروری ہے کہ چوری کا مال خطیر ہو، اس لیے کہ حقیر مال میں رغبت کم ہوتی ہے، اسی طرح اس کو لینے میں چھپانے کی کوشش کم کرتے ہیں [جو ایک ضروری شرط ہے]، پھر کم مال میں تنبیہ کرنے کی حکمت بھی نہیں ہوگی۔

تشریح: یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ زیادہ مال ہو تب ہی ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کی تین وجہ بتاتے ہیں [۱] کم مال چرانے کی رغبت کم ہوتی ہے [۲] کم مال کو چراتے وقت اس کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے، حالانکہ چھپا کر چرائے گا تب ہی ہاتھ کاٹا جائے گا [۳] ہاتھ

۴ وَالتَّقْدِيرُ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ مَذْهَبُنَا. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ التَّقْدِيرُ بِرُبْعِ دِينَارٍ. وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ. لَهُمَا أَنَّ الْقَطْعَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -ﷺ- مَا كَانَ إِلَّا فِي ثَمَنِ الْمِجَنِّ، وَأَقَلُّ مَا نُقِلَ فِي تَقْدِيرِهِ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ، وَالْأَخْذُ بِالْأَقَلِّ الْمُتَيَقَّنِ بِهِ أَوْلَى، ۵ غَيْرَ أَنَّ الشَّافِعِيَّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - يَقُولُ: كَانَتْ قِيمَةُ الدِّينَارِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -ﷺ- اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا وَالثَّلَاثَةُ رُبْعُهَا. ۶ وَلَنَا أَنَّ الْأَخْذَ بِالْأَكْثَرِ فِي هَذَا الْبَابِ أَوْلَى احْتِيَالًا لِدَرْءِ الْحَدِّ. وَهَذَا لِأَنَّ فِي الْأَقَلِّ شُبْهَةَ عَدَمِ الْجِنَايَةِ وَهِيَ دَارِئَةٌ لِلْحَدِّ، وَقَدْ تَأَيَّدَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ -ﷺ- لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ، أَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ

کاٹنے کا مقصد چور کو تنبیہ کرنا ہے، اور کم مال میں اس کو تنبیہ نہیں ہوگی، بلکہ اور شریعت سے ناراض ہو جائے گا، کہ ایک دو پیسے ہی میں میرا اتنا اہم ہاتھ کاٹ دیا۔

لغت: خطیر: اہم مال، زیادہ مال۔ **تفعر: فر** سے مشتق ہے، جذبہ کم ہو جاتا ہے۔ **لا یخفی:** مال کو چھپاتا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ ہاتھ کاٹنے میں دس درہم کو متعین کرنا یہ ہمارا مذہب ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار متعین ہے، اور امام مالکؒ کے یہاں تین درہم، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا گیا ہے، اور اس کا کم سے کم جو اندازہ تھا وہ تین درہم تھا، اور کم کو لینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ وہ یقینی ہے۔

تشریح: دس درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا یہ ہمارا مذہب ہے، اس کی دلیل آگے آرہی ہے، امام شافعیؒ کے یہاں چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور امام مالکؒ کے یہاں تین درہم کی قیمت ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشۃ قالت قال النبی ﷺ تقطع الید فی ربع دینار فصاعدا** (بخاری شریف، باب **قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ الخ وفی کم یقطع؟** ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۹ / مسلم شریف، باب **حد السرقۃ ونصابہا،** ص ۷۴۶ نمبر ۱۶۸۴ / ۴۳۹۸ / ابوداؤد شریف، **باب ما یقطع فیہ السارق،** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۳) اس حدیث میں چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ہے۔

وجہ: امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ قال قطع النبی فی مجن ثمنہ ثلاثۃ دراھم** (بخاری شریف، باب **قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ الخ وفی کم یقطع؟** ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۹۷ / مسلم شریف، باب **حد السرقۃ ونصابہا،** ص ۷۴۷ نمبر ۱۶۸۶ / ۴۴۰۶ / ابو داؤد شریف، **باب ما یقطع فیہ السارق،** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (۳) اور اقل قیمت میں کاٹنا احتیاط کا تقاضہ ہے۔

لغت: مجن: چمڑے کا ڈھال۔

ترجمہ: ۵ امام شافعیؒ کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی اس لیے تین درہم ایک چوتھائی دینار ہوا۔

تشریح: امام شافعیؒ امام مالک والی جو حدیث ہے، جس میں ہے کہ تین درہم میں ہاتھ کاٹا گیا، اس کی تاویل کرتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی، اس لیے تین درہم میں کاٹا گیا تو یہ چوتھائی درہم ہوئی۔

ترجمہ: ۶ ہماری دلیل یہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کے لیے اس باب میں اکثر کو لینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ کم لینے میں جرم کے نہ ہونے کا

ے وَاسْمُ الدَّرَاهِمِ يُطْلَقُ عَلَى الْمَضْرُوبَةِ عُرْفًا فَهٰذَا يُبَيِّنُ لَكَ اشْتِرَاطَ الْمَضْرُوبِ كَمَا قَالَ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ رِعَايَةً لِكَمَالِ الْجِنَايَةِ، حَتّٰى لَوْ سَرَقَ عَشَرَةً تِبْرًا قِيمَتُهَا أَنْقَصُ مِنْ عَشَرَةٍ مَضْرُوبَةٍ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ. ۸ وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ لِأَنَّهُ الْمُتَعَارَفُ فِي عَامَّةِ الْبِلَادِ.

شبہ ہے، جو حد کو ساقط کرتا ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس میں ہے کہ ایک دینار اور دس درہم سے کم میں نہ کاٹا جائے۔

تشریح: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کم قیمت لیں تو ممکن ہے کہ وہ جرم ہی نہ ہو، اور جرم نہ ہونے کی شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے اکثر کو لینا زیادہ بہتر ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں یہ ہے کہ ایک دینار، یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قطع رسول ﷺ يد رجل في مجن قيمته دينار او عشرة دراهم** (ابو داؤد شریف باب **ما يقطع فيه السارق**، ص ۶۱۷، نمبر ۴۳۸۷ / ترمذی شریف، **باب ما جاء في كم يقطع السارق**، ص ۳۵۱، نمبر ۱۴۴۶) (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباس لا يقطع السارق في دون ثمن المجن وثمن المجن عشرة دراهم** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴ **من قال لا تقطع في اقل من عشرة دراهم**: ۴/ ۴۳۷، نمبر ۲۸۰۹۵ / **سنن للبيهقي**، ۴۸ **باب اختلاف الناقلين في ثمن المجن وما يصح منه وما لا يصح**: ۸/ ۴۴۸، نمبر ۱۷۱۷۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دس درہم کی چیز ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا (۳) ہاتھ کاٹنے میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ زیادہ مال میں عضو کٹے۔ اگر چہ حدیث میں اس سے کم تین درہم اور چوتھائی دینار میں بھی ہاتھ کٹنے کا ثبوت ہے۔

ترجمه: ے اور عرف میں درہم کا نام ڈھلے ہوئے سکے پر بولا جاتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈھلا ہوا کی شرط ہے، جیسے کہ متن میں کہا، اور ظاہری روایت یہی ہے، اور جرم کے مکمل ہونے کی رعایت کرتے ہوئے یہی صحیح ہے، چناں چہ اگر چاندی کی دس ڈلی چرائی اور اس کی قیمت دس ڈھلے ہوئے سکے سے کم ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: قدوری کے متن میں یہ ہے کہ ڈھلے ہوئے دس درہم کی قیمت کے برابر ہو تب ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ عرف میں ڈھلے ہوئے سکے کو ہی درہم کہتے ہیں، تا کہ جرم کامل ہو، چناں چہ اگر کسی نے چاندی کی دس ڈلی چرائی، جس کی قیمت ڈھلے دس درہم سے کم ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، حدیث میں دس درہم کا ذکر تھا جسکا مطلب یہ ہے کہ مسروقہ چیز کی قیمت ڈھلا ہوا دس سکے کے برابر ہو تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **تبرا:** چاندی کا ڈلا۔

ترجمه: ۸ اور سات مثال والا درہم کا اعتبار ہے، اس لیے کہ عام شہر میں وہی متعارف ہے۔

تشریح: حضرت عمرؓ کے زمانے میں تین قسم کا درہم رائج تھا [۱] ایک درہم چھوٹا تھا یہ دس درہم پانچ ۵ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔ [۲] دوسرا درہم تھا جو دس درہم دس ۱۰ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔ [۳] تیسرا درہم جو دس درہم چھ ۶ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔ لوگوں کو زکوۃ دینے میں پریشانی ہوتی تھی کہ کس درہم سے زکوۃ دے، تو حضرت عمرؓ نے مشورے کے بعد تینوں درہموں کو ملایا تو تینوں درہم کا وزن اکیس ۲۱ مثقال ہوا، پھر اس سے تین درہم بنایا تو ہر درہم سات ۷ مثقال کا ہوا، یعنی دس درہم جمع کرو تو اس درہم کا وزن سات ۷ مثقال ہوگا، اسی کو وزن سبعہ کہتے ہیں، وزن سبعہ درہم کا وزن، ایک درہم کا وزن، تولہ کے اعتبار سے۔ 262.0 تولہ ہوتا ہے، اور گرام کے اعتبار سے۔ 3.061 گرام ہوتا ہے، اور دس درہم کا وزن تولے کے اعتبار سے 2.62 تولہ، اور گرام کے اعتبار سے 30.61 گرام چاندی بنے گی۔

۹؎ وَقَوْلُهُ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيمَتُهُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ غَيْرَ الدَّرَاهِمِ يُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ بِهَا وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا، ١٠؎ وَلَا بُدَّ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ دَارِئَةٌ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. قَالَ (۲۶۳۸) وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ ١؎ لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يُفَصِّلْ، وَلِأَنَّ التَّنْصِيفَ مُتَعَذِّرٌ فَيَتَكَامَلُ صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ.

ترجمہ: ۹؎ متن میں ہے کہ یا دس درہم کی قیمت کو پہنچے، یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے درہم کے علاوہ چرایا تو اس کی قیمت دس درہم کی ہونی چاہئے، چاہے وہ سونا ہی کیوں نہ چرائے۔

تشریح: متن میں **او ما یبلغ قیمة عشرۃ دراھم** ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دس درہم نہیں چرایا، بلکہ درہم کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہونی چاہئے تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١٠؎ اور ضروری ہے کہ محفوظ جگہ سے چرائے تب ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لیے کہ شبہ سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے، اس کو بعد میں بیان کروں گا ان شاء اللہ۔

تشریح: محفوظ جگہ سے چرانے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر جگہ محفوظ نہ ہو اور وہاں سے کوئی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ پھل کو چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ وہ درخت پر غیر محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن اس کو کھلیان پر لے آئے پھر کوئی چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیوں کہ اب وہ محفوظ جگہ پر آ گیا۔ حدیث یہ ہے۔ **فقال له رافع ﷺ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا قطع فی ثمر ولا کثر** (ابو داؤد شریف، **باب ما لا قطع فیه** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۸ / ترمذی شریف، **باب ماجاء لا قطع فی ثمر ولا کثر** ص ۲۶۹ نمبر ۱۴۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درخت پر پھل غیر محفوظ ہے۔ اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲)۔ **عن عمرو بن العاص عن رسول اللہ ﷺ انه سئل عن التمر المعلق فقال من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیء علیه و من خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة و من سرق منه شیئا بعد ان یؤویه الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع و من سرق دون ذلک فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة** (ابو داؤد شریف، **باب ما لا قطع فیه** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۹۰ / نسائی شریف، **الثمر یسرق بعد ان یؤویه الجرین**، ص ۶۸۰، نمبر ۴۹۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھل کھلیان پر لا کر محفوظ کر لیا ہو اور چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا یا پھل توڑ کر درخت کے پاس رکھا ہو اور وہاں محافظ حفاظت کر رہا ہو اور چرا لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درخت پر سے چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ درخت محفوظ جگہ نہیں ہے۔

لغت: حرز: محفوظ جگہ۔

ترجمہ: (۲۶۳۸) اور آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں۔

ترجمہ: ١؎ اس لیے کہ آیت میں غلام اور آزاد کے ہاتھ کاٹنے میں فرق نہیں کیا گیا ہے، اور اس لیے کہ ہاتھ کاٹنے میں آدھا کرنا ناممکن ہے اس لیے لوگوں کے مال کو بچانے کے لیے پورا ہی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: چوری کرنے سے جس طرح آزاد آدمی کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، غلام چوری کرے گا تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا آدھا نہیں ہوتا اور اس میں کوڑا مارنا منقول نہیں ہے۔ اس لیے اس بھی ہاتھ ہی کاٹا جائے گا

(۲۶۳۹) وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِإِقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يُقْطَعُ إِلَّا بِالْإِقْرَارِ مَرَّتَيْنِ ۱ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُمَا فِي مَجْلِسَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ لِأَنَّهُ إِحْدَى الْحُجَّتَيْنِ فَتُعْتَبَرُ بِالْأُخْرَى وَهِيَ الْبَيِّنَةُ كَذٰلِكَ اعْتَبَرْنَا فِي الزِّنَاءِ. ۲ وَلَهُمَا أَنَّ السَّرِقَةَ قَدْ ظَهَرَتْ بِالْإِقْرَارِ مَرَّةً فَيُكْتَفَى بِهِ كَمَا فِي الْقِصَاصِ وَحَدِّ الْقَذْفِ

(۲) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمر ؓ فی العبد الآبق یسرق قال یقطع** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸ **فی العبد الآبق یسرق مایصنع بہ؟**: ۴/۶۷۴، نمبر ۲۸۱۳۳ / **سنن للبیہقی، باب ماجاء فی العبد الآبق اذا سرق**: ۸/۲۶۶، نمبر ۱۷۲۳۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بھاگنے والے غلام بھی چرائیں تو ہاتھ کاٹا جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ غلام اور آزاد دونوں کی حد ایک ہی ہے۔

ترجمہ: (۲۶۳۹) کاٹنا واجب ہوگا ایک مرتبہ اقرار کرنے سے یا دو گواہوں کی گواہی سے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دو مرتبہ اقرار کے بغیر نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو مختلف مجلسوں میں دو مرتبہ اقرار کرے، اس لیے کہ اقرار بھی ایک حجت ہے تو دو گواہی کی طرح یہاں دو مرتبہ اقرار کرنا، جیسے کہ زنا میں چار مرتبہ اقرار کرنا پڑتا ہے [ایسے ہی یہاں بھی دو مرتبہ اقرار کرنا ہوگا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چور ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے تو اس سے حد جاری کی جاسکتی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو مرتبہ اقرار کرنا ہوگا، اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ دو مجلسوں میں دو مرتبہ کرنا ہوگا تب حد جاری کی جائے گی۔

وجہ: (۱) امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح گواہ ہونا چوری کے لیے حجت ہے اسی طرح اقرار کرنا بھی حجت ہے اور گواہ میں دو ہونا ضروری ہے، اسی طرح اقرار بھی دو مرتبہ کرنا ضروری ہوگا۔ (۲) جس طرح حد زنا میں چار مرتبہ اقرار کرنا پڑتا ہے تب جا کر حد جاری کی جاتی ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے چوری میں بھی دو مرتبہ اقرار کرنا پڑے گا تب جا کر حد جاری کی جائے گی۔ (۳) **عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابیہ قال کنت قاعدا عند علی ؓ فجاءہ رجل فقال یا امیر المومنین انی قد سرقت فانتھرہ ثم عاد الثانیۃ فقال انی قد سرقت فقال لہ علی ؓ قد شھدت علی نفسک شھادتین قال فامر بہ فقطعت یدہ** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷ **فی الرجل یقر بالسرقۃ کم یرد مرۃ؟**: ۵/۴۸۰، نمبر ۲۸۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ اقرار کرے تب حد لازم ہوگی اور امام پوری تحقیق بھی کرے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے۔ حدیث میں ایک مرتبہ اقرار کرنے سے آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ **عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال اتی رسول اللہ ﷺ بسارق قد سرق شملۃ فقال اسرقت ما اخالہ سرق؟ قال بلی! فقال رسول اللہ ﷺ اقطعوہ ثم احسموہ** (**دار قطنی، کتاب الحدود**: ۳/۸۲، نمبر ۳۱۳۹ / نسائی شریف، **تلقین السارق** ص ۶۷۲، نمبر ۴۸۸۱) اس حدیث میں ایک مرتبہ بلی کہہ کر اقرار کیا تو آپ ﷺ نے حد لگائی جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اقرار سے حد لگے گی۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ اقرار کرنے سے چوری ظاہر ہوگئی ہے اس لیے ایک ہی مرتبہ اقرار پر اکتفاء کیا جائے گا، جیسے کہ قصاص، اور حد قذف میں ہوتا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے، کہ ایک مرتبہ اقرار کیا تو چوری ظاہر ہوگئی اس لیے دوسری مرتبہ اقرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی دو مثالیں دیتے ہیں [۱] قصاص میں ایک مرتبہ اقرار سے ہی قصاص لازم ہوجاتا ہے، [۲] اسی طرح زنا کی تہمت کا

۳؎ وَلَا اعْتِبَارَ بِالشَّهَادَةِ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ تُفِيدُ فِيهَا تَقْلِيلَ تُهْمَةِ الْكَذِبِ وَلَا تُفِيدُ فِي الْإِقْرَارِ شَيْئًا لِأَنَّهُ لَا تُهْمَةَ. ۴؎ وَبَابُ الرُّجُوعِ فِي حَقِّ الْحَدِّ لَا يَنْسَدُّ بِالتَّكْرَارِ ۵؎ وَالرُّجُوعُ فِي حَقِّ الْمَالِ لَا يَصِحُّ أَصْلًا لِأَنَّ صَاحِبَ الْمَالِ يُكَذِّبُهُ، ۶؎ وَاشْتِرَاطُ الزِّيَادَةِ فِي الزِّنَا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ. قَالَ (۲۶۴۰) وَيَجِبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ ۱؎ لِتَحَقُّقِ الظُّهُورِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ، ۲؎ وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْأَلَهُمَا الْإِمَامُ عَنْ كَيْفِيَّةِ السَّرِقَةِ

اقرار ایک مرتبہ کرے تو حد قذف لگ جاتی ہے، انہیں پر قیاس کرتے ہوئے ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے گا تو حد لگ جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اور اقرار کو گواہی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ گواہ زیادہ ہوں تو جھوٹ کی تہمت کم ہوگی، اور اقرار کے زیادہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ اقرار میں کوئی تہمت نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، گواہ میں مدعی علیہ کی جانب سے تہمت ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اس لیے گواہ دو ہوں تو یہ تہمت کم ہو جائے گی، اور اقرار کرنے میں کوئی تہمت نہیں ہے، اس لیے اس کے زیادہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے اقرار کو گواہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ کئی مرتبہ چوری کا اقرار کیا ہو تب بھی اس سے رجوع کر سکتا ہے، یہ دروازہ بند نہیں ہوگا۔

تشریح: کئی مرتبہ چوری کا اقرار کیا پھر بھی حد لگنے سے پہلے اس سے رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے، اگر رجوع کر لیا حد ساقط ہو جائے گی، حد میں رجوع کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔

لغت: **حد:** سے کوئی بھی حد کی چیز ہے۔ **لا ینسد:** یہ سد سے مشتق ہے، بند نہیں ہوتا۔

ترجمہ: ۵؎ اور مال کے حق میں رجوع صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ مال والا اس کو جھٹلائے گا۔

تشریح: مثلاً ایک مرتبہ زید کے لیے مال کا اقرار کر لیا تو اب اس سے رجوع نہیں کر سکتا، کیوں کہ زید اس کو جھٹلائے گا۔

ترجمہ: ۶؎ زنا میں جو کئی مرتبہ اقرار کی شرط ہے وہ خلاف قیاس ہے اس لیے اس میں جو شریعت وارد ہوئی ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا، [اس پر چوری کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۴۰) اور حد لازم ہوگی دو گواہوں کی گواہی سے۔

ترجمہ: ۱؎ تا کہ ظہور متحقق ہو جائے، جیسے اور حقوق میں ہوتا ہے۔

تشریح: دو گواہ نے چوری کی گواہی دی تب بھی حد لازم ہوگی، اور دو گواہ کی شرط اس لیے ہے کہ تا کہ چوری متحقق ہو جائے۔

وجہ: (۱) جیسے اور حقوق میں دو گواہوں کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح یہاں بھی دو گواہ ضروری ہیں۔ (۲) آیت میں دو گواہ کا تذکرہ ہے۔ وَ اسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں دو گواہوں کی گواہی سے معاملات کا فیصلہ کیا گیا (۳) عمل صحابی میں ہے۔ **جاء رجلان برجل الی علی ﷺ بن طالب فشهدا علیه بالسرقة فقطعه** (دار قطنی، **کتاب الحدود:** ۱۲۸/۳ نمبر ۳۳۶۱) اس عمل صحابی میں دو آدمیوں کی گواہی سے کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ترجمہ: ۲؎ امام کے لیے مناسب ہے کہ گواہوں سے چوری کی کیفیت کے بارے میں پوچھے، اس کی حقیقت، پوچھے، چوری کرنے کا

وَمَاهِيَّتِهَا وَزَمَانِهَا وَمَكَانِهَا لِزِيَادَةِ الِاحْتِيَاطِ كَمَا مَرَّ فِي الْحُدُودِ، وَيَحْبِسُهُ إِلَى أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُودِ لِلتُّهْمَةِ.

(۲۶۴۱)قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِي سَرِقَةٍ فَأَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ، وَإِنْ أَصَابَهُ أَقَلُّ لَا يُقْطَعُ ا لِأَنَّ الْمُوجِبَ سَرِقَةُ النِّصَابِ وَيَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِجِنَايَتِهِ فَيُعْتَبَرُ كَمَالُ النِّصَابِ فِي حَقِّهِ

زمانہ پوچھے، اس کی جگہ پوچھے تاکہ زیادہ احتیاط ہو، جیسا کہ حدود کے باب میں گزرا، اور گواہوں سے پوچھنے کے عرصے میں چور کو جبس میں ڈالے رکھے، کیوں کہ اس پر چوری کی تہمت لگ چکی ہے۔

تشریح: گواہ جب چوری کی گواہی دے تو اس سے یہ پوچھے چوری کی کیفیت، کیا ہے، اس کی ماہیت، یعنی اس کی حقیقت کیا ہے، کس تاریخ میں چوری کی، کیوں کہ چوری بہت پرانی ہوگئی ہو تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی، کس جگی چوری کی ہے یہ بھی پوچھے، کیوں کہ چور نے اپنے ہی، یا اپنے بیٹے کے گھر سے چوری کی ہو تو حد ساقط ہو جائے گی، اس لیے چوری کی جگہ کے بارے میں بھی امام پوچھے، اور جتنے دنوں تک گواہوں سے پوچھ رہے ہوں اس دوران چور کو جبس میں رکھا جائے گا، کیوں کہ اس پر چوری کی تہمت لگ چکی ہے

نوٹ: حبس، اور جیل میں فرق۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کی تہمت لگی ہو، لیکن ابھی تک وہ جرم ثابت نہیں ہوا ہو تو اس درمیان مجرم کو حوالات میں رکھتے ہیں اس کو حبس کہتے ہیں، اور جرم ثابت ہونے کے بعد جور کھتے ہیں اس کو جیل کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۶۴۱) اگر ایک جماعت چوری میں شریک ہوئی اور ان میں سے ہر ایک کو دس دس درہم ملے تو کاٹا جائے گا۔ اور اگر اس سے کم ملے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا چوری کی حد کا سبب نصاب پورا ہونا ہے، اس لیے ہر ایک پر جرم مکمل ہونے پر حد واجب ہوگی، اس لیے ہر چور کے حق میں پورا نصاب ہونا ضروری ہے۔

تشریح: کئی آدمی چوری کرنے میں شریک ہوئے تو ہر ہر آدمی کو دس دس درہم کی چیز ملی ہو تب ہی ہر ہر آدمی کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر اس سے کم ملا ہو مثلا ہر ہر آدمی کو آٹھ آٹھ درہم ملے ہوں تو کسی بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ مال واپس دلوایا جائے گا، اور تعزیر ہوگی۔

وجہ: (۱) ہاتھ کاٹنے کا سبب نصاب پورا ہونا ہے، اور یہاں ہر ہر آدمی کے لیے سرقہ کا نصاب پورا نہیں ہوا اس لیے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر چہ مجموعہ ملا کر پچاس درہم ہو گیا ہو۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن القاسم قال اتی عمر بسارق فامر بقطعه فقال عثمان ان سرقته لا تساوی عشرة دراهم قال فامر به عمر فقومت ثمانية دراهم فلم يقطعه** (مصنف ابن ابی شیبة ۴من **قال لا تقطع فی اقل من عشرة دراهم**: ۴/ ۳/۷ ۴نمبر ۲۸۱۰۳ / **سنن للبيهقی، باب ماجاء عن الصحابة فيما يجب به القطع** ج ثامن ص ۵۳ ۴نمبر ۱۷۱۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آٹھ درہم ملے ہوں تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

☆——☆——☆

باب ما يُقْطَعُ فِيهِ وَمَا لَا يُقْطَعُ

(۲۶۴۲) وَلَا قَطْعَ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ كَالْخَشَبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ وَالطَّيْرِ وَالصَّيْدِ وَالزِّرْنِيخِ وَالْمَغَرَةِ وَالنُّورَةِ ا وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتِ الْيَدُ لَا تُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -ﷺ- فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ، أَيِ الْحَقِيرِ، ٢ وَمَا يُوجَدُ جِنْسُهُ مُبَاحًا، فِي الْأَصْلِ بِصُورَتِهِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهِ حَقِيرٌ تَقِلُّ الرَّغَبَاتُ فِيهِ وَالطِّبَاعُ لَا تَضِنُّ بِهِ، فَقَلَّمَا يُوجَدُ أَخْذُهُ عَلَى كُرْهٍ مِنَ الْمَالِكِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى شَرْعِ

باب ما يقطع فيه وما لا يقطع

(۲۶۴۲) (۴) اور نہیں کاٹی جائے گی اس میں جو حقیر اور مباح پائی جاتی ہو دار الاسلام میں جیسے جلانے کی لکڑی، گھاس۔ نرکل، مچھلی اور پرندے، اور وہ جانور جو شکار کئے جاتے ہیں، اور ہڑتال، اور گیرو، اور چونا وغیرہ۔

ترجمہ: ا اس مسئلے میں اصل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حقیر چیز میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

اصول: (۱) معمولی چیز ہو (۲) مباح الاصل ہو

(۳) غیر محفوظ ہو تو ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹیگا۔ نفیس اور قیمتی چیزوں میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے

تشریح: دار الاسلام میں جو چیزیں معمولی ہوں یا مباح ہوں، کہ جو کوئی اس کو لے لے اسی کی ہو جائے، یا ایسا ہو کہ وہ محفوظ نہ ہو تو اس کو چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے نرکل ہے یا کھیت کا گھاس ہے یہ معمولی چیزیں ہیں۔ ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت لم يكن يقطع على عهد النبي ﷺ في الشيء التافه** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹من قال لا تقطع في اقل من عشرة دراهم: ۵/ ۳۷۷ نمبر ۲۸۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معمولی چیز کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) اور مباح الاصل میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مثلا پرندہ مباح الاصل ہے کہ جو اس کو پکڑ لے وہ اس کا ہے۔ اس لیے اس میں نہیں کاٹا جائیگا۔ اس کے لیے قول صحابی یہ ہے **قال عثمان بن عفان ﷺ لا قطع في طير** (سنن للبیہقی، باب القطع في كل ماله ثمن اذا سرق من حرز و بلغت قيمته ربع دينار ج ثامن ص ۵۸ نمبر ۱۷۲۰۵) (۳) اور غیر محفوظ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس کے لیے حدیث یہ ہے۔ **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال سئل رسول الله ﷺ في كم تقطع اليد؟ قال لا تقطع في حريسة الجبل فاذا اوى المراح قطعت في ثمن المجن** (نسائی شریف، الثمر المعلق یسرق ص ۶۸۰ نمبر ۴۹۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہاڑ پر جو باڑہ ہو اس کو چرا لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اوپر کے اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ اوپر اثر میں تھا **لا قطع في طير** کہ پرندہ یعنی شکار کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ یہ چیزیں دار الاسلام میں مباح الاصل ہیں۔

لغت: تافه: گھٹیا چیز، **خشب:** جلانے کی لکڑی، **الحشيش:** گھاس، **القصب:** نرکل۔ **زرنيخ:** ہڑتال۔ **مغرة:** گیرو۔ **النورة:** چونا۔

ترجمہ: ۲ جو چیز مباح پائی جاتی ہو وہ مرغوب نہیں ہوتی، حقیر ہوتی ہے، اس میں رغبت کم ہوتی ہے، طبیعت اس کے دینے میں بخالت نہیں کرتی، اور مالک اس کے لینے پر برا نہیں مناتا اس لیے شریعت کو تنبیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نصاب سے کم ہو تو اس میں ہاتھ کاٹنا ضروری نہیں ہے۔

الزَّاجِرِ، وَلِهٰذَا لَمْ يَجِبِ الْقَطْعُ فِي سَرِقَةِ مَا دُونَ النِّصَابِ ۳ وَلِأَنَّ الْحِرْزَ فِيهَا نَاقِصٌ، أَلَا يُرَى أَنَّ الْخَشَبَ يُلْقَى عَلَى الْأَبْوَابِ وَإِنَّمَا يُدْخَلُ فِي الدَّارِ لِلْعِمَارَةِ لَا لِلْإِحْرَازِ وَالطَّيْرُ يَطِيرُ وَالصَّيْدُ يَفِرُّ ۴ وَكَذَا الشَّرِكَةُ الْعَامَّةُ الَّتِي كَانَتْ فِيهِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الصِّفَةِ تُورِثُ الشُّبْهَةَ، وَالْحَدُّ يَنْدَرِئُ بِهَا. وَيَدْخُلُ فِي السَّمَكِ الْمَالِحُ وَالطَّرِيُّ، وَفِي الطَّيْرِ الدَّجَاجُ وَالْبَطُّ وَالْحَمَامُ لِمَا ذَكَرْنَا وَلِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –

تشریح: جو چیز مباح الاصل ہوتی ہے، مالک اس کو دینے میں کراہیت نہیں کرتا، اور وہ حقیر سی چیز ہوتی ہے، اور یوں سمجھو کہ نصاب سے کم ہوتی ہے، جیسے جلانے کی لکڑی، یہ اصل میں مباح ہے کہ جو اس کو کاٹ لے یہ اس کی ہے، اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: لا تضن: بخالت نہیں کرتا۔ **فقلما یوجد اخذہ علی کرہ من المالک:** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مالک کو اس کے لینے سے کراہیت نہیں ہوتی۔

ترجمہ: ۳ اور اس لیے کہ حفاظت اس میں ناقص ہوتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھیے کہ لکڑی دروازے پر یوں ہی ڈال دیتے ہیں، اور عمارت بنانے کے لیے اس کو اندر لیجاتے ہیں حفاظت کے لیے نہیں لیجاتے، اور پرندہ اڑ جاتا ہے، اور شکار بھاگ جاتا ہے۔

تشریح: یہ تبصرہ اس اصول پر ہے کہ چیز محفوظ جگہ پر نہیں ہو تو اس کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جیسے جلانے کی لکڑی دروازے پر یوں ہی ڈال دیتے ہیں اور اچھی قسم کی لکڑی گھر میں بھی لیجاتے ہیں تو چھت وغیرہ بنانے کے لیے لیجاتے ہیں لکڑی کی حفاظت کے لیے اس کو گھر کے اندر نہیں لیجاتے، اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح پرندہ اڑ جاتا ہے اور شکار بھاگ جاتا ہے اس لیے وہ بھی محفوظ جگہ پر نہیں ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: احراز: حرز سے مشتق ہے، حفاظت کے لیے گھر میں رکھنا۔

ترجمہ: ۴ ایسے ہی جس میں ہر عوام کی شرکت ہو اس کو چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ اگر وہ اسی صفت پر ہو تو اس میں چور کے وارث ہونے کا شبہ ہے اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے، اور اس میں نمکین مچھلی، اور تر مچھلی دونوں شامل ہیں، اور پرندے میں مرغی، اور بطخ، اور کبوتر شامل ہیں، یعنی ان کے چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ حدیث میں یہ مطلق ہے کہ پرندے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: جن چیزوں میں خود چور کے شریک ہونے کا حق ہے اس کے چرانے سے حد ساقط ہو جائے گی، جیسے تر مچھلی، نمکین مچھلی، پرندے، اسی پرندے میں مرغی، بطخ، اور کبوتر بھی داخل ہیں، کہ ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ مرغی، اور بطخ میں بھی پرندے کی صفت پائی جاتی ہے۔

وجہ: (۱) اس کی ایک وجہ تو یہ ہے یہ ایسی چیزیں ہیں کہ کوئی بھی اس کو پکڑ لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، اس لیے اس میں چور کا حق ہو گیا، اس لیے اپنی ہی چیز لینے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) اس قول صحابی میں ہے کہ پرندے کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ **قال عثمان بن عفان ﷺ لا قطع فی طیر** (سنن للبیھقی، **باب القطع ھی کل مالہ ثمن اذا سرق من حرز وبلغت قیمتہ ربع دینار** ج ثامن ص ۵۸۴ نمبر ۱۷۲۰۵ / مصنف عبد الرزاق، **باب من سرق مالا یقطع فیہ: ۹/ ۵۱۰** نمبر ۱۹۱۸۰) (۳) **عن ھلال بن سعید... یعنی ان سارق الحمام لا یقطع** (مصنف عبد الرزاق، **باب سارق الحمام وما لا یقطع فیہ: ۹/ ۵۱۱** نمبر ۱۹۱۸۷) اس قول تابعی میں ہے کہ کبوتر کے

لَاقَطْعَ فِي الطَّيْرِ ۵ؕوَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ الْقَطْعُ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الطِّينَ وَالتُّرَابَ وَالسِّرْقِينَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِمَا مَا ذَكَرْنَا. قَالَ: (۲۶۴۳)وَلَا قَطْعَ فِيمَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ ۱ؕ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا فِي كَثَرٍ وَالْكَثَرُ الْجُمَّارُ، وَقِيلَ الْوَدِيُّ. وَقَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا قَطْعَ فِي الطَّعَامِ وَالْمُرَادُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْمُهَيَّإِ لِلْأَكْلِ مِنْهُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ كَاللَّحْمِ وَالتَّمْرِ لِأَنَّهُ يُقْطَعُ فِي الْحِنْطَةِ وَالسُّكَّرِ إِجْمَاعًا.

چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت:السمک المالح و الطیری: ایک مچھلی وہ ہوتی ہے جس کو نمک لگا کر دیر تک رکھتے ہیں، اور دوسری تازی مچھلی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۵ؕ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ہر چیز میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے سوائے گیلی مٹی، اور خشک مٹی، اور گوبر کے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور ان کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۶۴۳) اس میں بھی نہیں کاٹا جائے گا جو جلدی خراب ہوتی ہو جیسے، دودھ، گوشت، اور ترمیوے۔

ترجمہ: ۱ؕ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ پھل میں اور گوابھا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور اس سے مراد واللہ اعلم وہ چیز ہے جس میں فساد جلدی آتا ہے، اور جو چیز کھانے کے لیے تیار کی گئی ہو، یا جو کھانے کے معنی میں ہو جیسے گوشت اور پھل، اس لیے کہ گیہوں اور شکر میں بالاجماع ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول: جو چیز جلدی خراب ہونے والی ہو، یا غیر محفوظ جگہ پر ہو یا مباح الاصل ہو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں وہ اتنی نفیس اور عمدہ نہیں ہیں جن میں ہاتھ جیسا عظیم عضو کاٹا جائے۔ جیسے ترمیوے، دودھ، گوشت، تربوز وغیرہ، یا جو میوے درخت پر لگے ہوئے ہیں ان کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں دونوں کی دلیلیں موجود ہیں۔ **فقال له رافع سمعت رسول اللہ یقول لا قطع فی ثمر ولا کثر** (۲) دوسری روایت میں ہے۔ **عن عمرو بن العاص عن رسول اللہ ﷺ انه سئل عن التمر المعلق فقال من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیء علیه ومن خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة ومن سرق منه شیئا بعد ان یؤویه الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع** (ابو داؤد شریف، **باب ما لا قطع فیه** ص ۶۲۹ نمبر ۴۳۹۰/ نسائی شریف، **الثمر یسرق بعد ان یؤدیه الجرین** ص ۶۸۰، نمبر ۴۹۶۱/نمبر ۴۹۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھل اور شگوفہ کے چرانے میں نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ وہ جلدی خراب ہونے والے ہیں اور غیر محفوظ بھی ہیں اور ترمیوہ بھی ہیں۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھیتی کٹی ہوئی نہ ہو تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۳) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن الحسن ان النبی ﷺ اتی برجل سرق طعاما فلم یقطعه** (مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ **فی الرجل یسرق التمر و الطعام:** ۵۱۶/۴ نمبر ۲۸۵۷۹/ مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۸۹۱۵) اس اثر میں ہے کہ کھانے کی چیز چرائی تو نہیں کاٹا اس لیے گوشت اور دودھ کے چرانے میں بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ وہ جلدی خراب ہونے والی ہے۔ (۴) **قال سفیان**

۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُقْطَعُ فِيهَا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ فَإِذَا آوَاهُ الْجَرِينُ أَوْ الْجِرَانُ قُطِعَ ۳؎ قُلْنَا: أَخْرَجَهُ عَنْ وِفَاقِ الْعَادَةِ، وَالَّذِي يُؤْوِيهِ الْجَرِينُ فِي عَادَتِهِمْ هُوَ الْيَابِسُ مِنْ الثَّمَرِ وَفِيهِ الْقَطْعُ. قَالَ (۲۶۴۴) وَلَا قَطْعَ فِي الْفَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَدْ ۱؎ لِعَدَمِ الْإِحْرَازِ

وهو الذی یفسد من نهاره لیس له بقاء الثرید و اللحم و ما اشبه فلیس فیه قطع و لکن یعزر و اذا کانت الثمرة فی شجرتها فلیس فیه قطع و لکن یعزر (مصنف عبد الرزاق، باب سارق الحمام و ما لا یقطع فیہ: ۹/ ۵۱۲، نمبر ۱۹۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گوشت وغیرہ خراب ہونے والی چیز میں نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: الفواکه: میوہ، **اللبن:** دودھ، **البطیخ:** تربوز، کثر: کھجور کے گوابھے میں سفید سا گودا ہوتا ہے اس کو کثر، کہتے ہیں اور ودی بھی کہتے ہیں۔ **المهیا للاکل:** جو چیز کھانے کے لیے تیار ہو اس کو طعام کہا جاتا ہے اس کو چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن گیہوں، جس سے کھانا بنایا جاتا ہے اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ وہ جلد خراب ہوتا ہے اور حقیر چیز ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پھل میں اور گودے کچرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا، یونکہ ابھی حدیث گزری کی پھل میں اور گودے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر وہ کھلیان میں پہنچ گیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے اوپر والی کے اس حصے سے استدلال کیا کہ پھل اور گودا کھلیان میں پہنچ گیا ہو تو اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لیے وہ فرماتے کہ کھلیان سے پہنچنے سے پہلے پھل درخت پر بھی لگا ہوا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ ہم جواب دیتے ہیں کہ حدیث عرب کی عادت کے مطابق ہے، یونکہ انکی عادت یہ تھی کہ خشک پھل ہی کھلیان میں رکھتے تھے، اور خشک پھل میں ہمارے یہاں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ خسک کھجور کھلیان پر رکھتے ہیں، اور خشک کھجور کے بارے میں ہماری بھی رائے یہی ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

نوٹ: اور پھل تو سال بھر نہیں رہتا، لیکن کھجور سال بھر رہتا ہے، اس لیے اس کی چار حالتیں ہیں، [۱] کچا پھل جو درخت پر لگا ہوتا ہے یہ غیر محفوظ ہے اور حقیر چیز بھی ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا [۲] پھل لا کر ایسے کھلیان پر رکھا جو کھلا ہوا ہے، اور وہ غیر محفوظ ہے، اس سے بھی چرائے گا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا [۳] کھجور لا کر ایسے کھلیان پر رکھا جو محوظ ہے، یا اس پر نگرانی کرنے والا ہے، یہاں سے چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ محفوظ جگہ سے چرایا۔ [۴] خشک کھجور ہے، جسکو گھر میں رکھا، اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ محفوظ جگہ سے محترم چیز چرائی۔

ترجمہ: (۲۶۴۴) درخت پر جو پھل ہے، اور وہ کھیتی جو ابھی تک کاٹی نہیں گئی ہے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔

تشریح: وہ پھل جو ابھی درخت پر ہے، یا وہ کھیتی جو ابھی تک کاٹی نہیں گئی ہے، وہ محفوظ جگہ پر نہیں ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲۶۴۵) وَلَا يُقْطَعُ فِي الْأَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ لِأَنَّ السَّارِقَ يَتَأَوَّلُ فِي تَنَاوُلِهَا الْإِرَاقَةَ، وَلِأَنَّ بَعْضَهَا لَيْسَ بِمَالٍ، وَفِي مَالِيَّتِهِ بَعْضِهَا اخْتِلَافٌ فَتَتَحَقَّقُ شُبْهَةُ عَدَمِ الْمَالِيَّةِ. قَالَ (۲۶۴۶) وَلَا فِي الطُّنْبُورِ لِأَنَّهُ مِنَ الْمَعَازِفِ (۲۶۴۷) وَلَا فِي سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ

ترجمہ: (۲۶۴۵) اور نہیں کاٹا جائے گا ایسے شراب میں جو نشہ لاتی ہو۔ اس لیے کہ چور یہ تاویل کرے گا میں اس کو بہادینے کے لیے لیا تھا، اور اس لیے بھی کہ شراب مال نہیں ہے، اور بعض کی مالیت میں اختلاف ہے، اس لیے مال نہ ہونے کا شبہ ہو گیا۔

تشریح: پینے کی نشہ آور چیز چرالے تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ چور یہ کہے گا کہ میں نے اس کو بہانے کے لیے لیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ شراب مال ہی نہیں ہے، اور بعض نشہ اور چیز کے مال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا۔

وجہ: (۱) نشہ آور چیزوں کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ **ان عائشة قالت... فقال رسول الله ﷺ کل شراب اسکر فهو حرام** (بخاری شریف، **باب الخمر من العسل هو البتع** ص ۸۳۶ نمبر ۵۵۸۶) (۲) اور شراب بنانے والے برتنوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں نبیذ بھی نہ بناؤ۔ **عن علی ؓ قال نهی النبی ﷺ عن الدباء و المزفت** (بخاری شریف، **باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیه والظروف بعد النهی**، ص ۸۳۷ نمبر ۵۵۹۴) جب ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تو نشہ آور چیزوں کے چرانے سے کیسے ہاتھ کٹے گا۔

لغت: المطربة: خوشی میں لانے والی چیز، یہاں مراد ہے نشہ میں لانے والی چیز۔

ترجمہ: (۲۶۴۶) اور نہیں کاٹا جائے گا طنبورے میں **ترجمہ:** ا کیوں کہ وہ لہو لعب کے طور پر بجانے کا سامان ہے

وجہ: (۱) حدیث میں کھیل کود کی چیزوں کے بارے میں سخت وعید ہے۔ **عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنردشیر فکأنما صبغ یده فی لحم خنزیر و دمه** (مسلم شریف، **باب تحریم اللعب بالنردشیر**، ص ۲۴۰ نمبر ۲۲۶۰/۵۸۹۶) کتاب الشعر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نردشیر جو کھیل کود کی چیز ہے اس سے نہیں کھیلنا چاہئے بلکہ اس کو توڑ دینا چاہئے۔ اس لیے جب وہ قیمتی نہیں رہی تو اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) ایک قول تابعی سے بھی استدلال کی جا سکتا ہے۔ **عن ابن جریج سمعت بعض من ارضی یقول لا قطع فی باز سرق و ان کان ثمنه دینار ا فاکثر من ذلک** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸۸ **الرجل یسرق الطیر او البازی ما علیه؟** ۸: ۵۱۸/ نمبر ۲۸۶۰۱) اس قول تابعی میں ہے کہ باز کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا اور باز شکار کے لیے ہوتا ہے اور کھیل کود کے لیے بھی ہوتا ہے اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے بجانے کی چیز چرانے پر بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت: الطنبور: ستار، مراد ہے باجے کی چیز۔

ترجمہ: (۲۶۴۷) اور نہ قرآن کریم کے چرانے میں اگر چہ اس پر سونے کا کام ہوا ہو۔

تشریح: کوئی آدمی کسی کا قرآن پڑھنا چاہے تو عموما اس کی اجازت ہوتی ہے اور پڑھنے دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس لیے گویا کہ اس میں ہبہ کا شائبہ ہے۔ اور چوری کی چیز ہبہ کر دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔ اور اگر سونے کا نقش و نگار ہو اور اس کی قیمت دس درہم سے زیادہ ہو تب بھی نہیں کٹے گا۔ کیوں کہ وہ قرآن کریم کے تابع ہے۔

وجہ: اس حدیث میں ہے کہ اگر چیز چور کو ہبہ کر دے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ **عن صفوان بن امية قال كنت نائما فی**

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُقْطَعُ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ حَتَّى يَجُوزُ بَيْعُهُ. ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلُهُ. وَعَنْهُ أَيْضًا أَنَّهُ يُقْطَعُ إِذَا بَلَغَتِ الْحِلْيَةُ نِصَابًا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْمُصْحَفِ فَيُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهَا. ۳؎ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْآخِذَ يَتَأَوَّلُ فِي أَخْذِهِ الْقِرَاءَةَ وَالنَّظَرَ فِيهِ. ۴؎ وَلِأَنَّهُ لَا مَالِيَّةَ لَهُ عَلَى اعْتِبَارِ الْمَكْتُوبِ وَإِحْرَازُهُ لِأَجْلِهِ لَا لِلْجِلْدِ وَالْأَوْرَاقِ ۵؎ وَالْحِلْيَةِ وَإِنَّمَا هِيَ تَوَابِعُ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالتَّبَعِ، كَمَنْ سَرَقَ آنِيَةً فِيهَا خَمْرٌ وَقِيمَةُ الْآنِيَةِ تَرْبُو عَلَى النِّصَابِ.

المسجد على خميصة لي ثمن ثلاثين درهما فجاء رجل فاختلسها مني فاخذ الرجل فاتى به النبي ﷺ فامر به ليقطع قال فاتيته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثين درهما؟ انا ابيعه وانسئه ثمنها قال ﷺ فهلا كان هذا قبل ان تأتيني به (ابوداؤد شریف، باب فيمن سرق من حرز، ص ۵۵ ۲ نمبر ۴۳۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کو ہبہ کر دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ قرآن کریم میں ہبہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرآن شریف چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا اس لیے کہ یہ قیمتی مال ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کا بیچنا جائز ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرآن مال متقوم ہے اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس پر سونے کا نقش ونگار دس درہم کا ہو تو کاٹا جائے گا کیوں کہ وہ مال متقوم ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت تو امام شافعیؒ کی طرح ہے کہ قرآن کریم کے چرانے پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ قرآن کے چرانے پر تو نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اس پر لگی ہوئی زیور اگر نصاب تک پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اس لیے کہ وہ قرآن سے الگ چیز ہے، اس لیے قرآن سے الگ ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی دو روایت ہے، ایک روایت تو یہ ہے کہ قرآن کے چرانے پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ قرآن کے چرانے میں تو نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اس پر چڑھی ہوئی زیور ہے اس کی قیمت اگر دس درہم ہے تو اس پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ زیور قرآن کے تابع نہیں ہے، اس کو یوں سمجھو کہ وہ الگ ہے، اور الگ ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دس درہم ہو تو کاٹا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ظاہری روایت کی وجہ یہ ہے کہ چرانے والا یہ تاویل کر سکتا ہے کہ پڑھنے کے لیے اور قرآن میں دیکھنے کے لیے لیا ہے [اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

ترجمہ: ۴؎ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن میں جو لکھا ہوا ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے اور قرآن کو لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے لوگ محفوظ رکھتے ہیں چمڑے اور ورق کی وجہ سے نہیں۔

تشریح: اور قرآن کو گھروں میں محفوظ رکھتے ہیں وہ آیت کی وجہ سے رکھتے ہیں چمڑے اور ورق کی وجہ سے نہیں رکھتے، اور لکھی ہوئی آیت کی قیمت نہیں ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور یہ بھی تاویل کر سکتا ہے کہ میں نے قرآن کو پڑھنے کے لیے لیا ہے چرانے کے لیے نہیں، کیوں کہ اس کے لیے کسی کے قرآن کو پڑھنا جائز ہے، اس لیے اس تاویل کی بنیاد پر قرآن کو چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ترجمہ: ۵؎ اور زیور تو اس کے تابع ہے اور تابع کا اعتبار نہیں ہے، جیسے کسی نے برتن چرایا جس میں شراب تھی، اور برتن کی قیمت نصاب

(۲۶۴۸)وَلَا يُقْطَعُ فِي أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ **لِعَدَمِ الْإِحْرَازِ فَصَارَ كَبَابِ الدَّارِ بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّهُ يُحْرَزُ بِبَابِ الدَّارِ مَا فِيهَا وَلَا يُحْرَزُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ مَا فِيهِ حَتَّى لَا يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرِقَةِ مَتَاعِهِ.** **قَالَ (۲۶۴۹)وَلَا الصَّلِيبِ مِنَ الذَّهَبِ وَلَا الشِّطْرَنْجِ وَلَا النَّرْدِ** **لِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ مَنْ أَخَذَهَا الْكَسْرَ نَهْيًا عَنِ الْمُنْكَرِ،**

سے زیادہ ہے تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا[کیوں کہ برتن شراب کے تابع ہے، اسی طرح یہاں زیور قرآن کے تابع ہے اس لیے زیور کی قیمت دس درہم ہو تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۶۴۸) مسجد حرام کا دروازہ چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: اس لیے کہ دروازہ محفوظ نہیں ہے، تو ایسا ہو گیا جیسے گھر کا دروازہ ہو بلکہ اس سے زیادہ غیر محفوظ، اس لیے کہ گھر کے دروازے سے گھر کا سامان محفوظ کیا جاتا ہے اور مسجد کے دروازے سے اس کے اندر کا سامان محفوظ نہیں کیا جاتا، اس لیے مسجد کے سامان چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: گھر کا دروازہ محفوظ جگہ میں نہیں ہوتا وہ تو دیوار کے ساتھ لگا ہوا باہر ہوتا ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اس دروازے سے گھر کا سامان محفوظ ہو جاتا ہے، اور مسجد کا دروازہ بھی محفوظ جگہ پر نہیں ہے، اور اس دروازے سے مسجد کے اندر کا سامان محفوظ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مسجد کے اندر کا سامان چوری کر لے تو اس سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، جب مسجد کے سامان سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے تو اس کے دروازے چرانے سے بدرجہ اولی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ایک اور بات ہے کہ دروازہ عموما لکڑی کا ہوتا ہے، اور لکڑی کے بارے میں پہلے گزرا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے دروازہ چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: لانه يحرز بباب الدار ما فيها: گھر کے دروازے سے گھر کے اندر کا سامان محفوظ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کا سامان چوری کر لے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ **لا يحرز بباب المسجد ما فيه:** مسجد کے دروازے سے مسجد کے اندر کا سامان محفوظ نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ مسجد کا سامان چوری کر لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ اس میں سب کا حصہ ہے۔ یعنی چور کا بھی حصہ ہے۔

ترجمہ: (۲۶۴۹) اور نہیں کاٹا جائے گا سونے اور چاندی کی صلیب میں اور نہ شطرنج اور نہ نرد میں۔

ترجمہ: اس لیے کہ وہ یہ تاویل کرے گا کہ میں نے اس کو توڑنے کے لیے لیا تھا منکر سے روکنے کے لیے۔

تشریح: صلیب نصاری کے پوجنے کے لیے ہے جو ناجائز ہے اور غیر متقوم ہے۔ اور شطرنج اور نرد کھیل کود کی چیز ہے جو نفیس نہیں بلکہ حقیر ہے۔ اس لیے اگر صلیب سونے یا چاندی کی ہو تو ان کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح شطرنج سونے یا چاندی کا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وجہ: (۱) چرانے والا یہ تاویل کر سکتا ہے کہ میں نے بدی سے روکنے کے لیے توڑنے کے لیا تھا۔ (۲) اس کی حرمت کی دلیل آیت میں ہے۔ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ** (آیت ۶ سورۂ لقمان ۳۱) اس آیت میں کھیل کود کی چیزوں کی برائی بیان کی ہے۔ (۳) اور نرد شیر کے بارے

۲ بِخِلَافِ الدِّرْهَمِ الَّذِي عَلَيْهِ التِّمْثَالُ لِأَنَّهُ مَا أُعِدَّ لِلْعِبَادَةِ فَلَا يَثْبُتُ شُبْهَةُ إِبَاحَةِ الْكَسْرِ. ۳ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِنْ كَانَ الصَّلِيبُ فِي الْمُصَلَّى لَا يُقْطَعُ لِعَدَمِ الْحِرْزِ، وَإِنْ كَانَ فِي بَيْتٍ آخَرَ يُقْطَعُ لِكَمَالِ الْمَالِيَّةِ وَالْحِرْزِ. (۲۶۵۰) وَلَا قَطْعَ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ ۱ لِأَنَّ الْحُرَّ لَيْسَ بِمَالٍ وَمَا

میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سليمان بن بريدة عن ابيه ان النبی ﷺ قال من لعب بالنردشير فكأنما صبغ يده فی لحم خنزير ودمه** (مسلم شریف، **باب تحريم اللعب بالنردشير** ص ۲۴۰، نمبر ۲۲۶۰/۵۸۹۶) (۴) اور ابو داؤد میں میں ہے۔ **عن ابن عباس** ... **ثم قال ان الله حرم علی او حرم الخمر والميسر والكوبة** (ابو داؤد شریف، باب **في الاوعية** ص ۱۶۳ نمبر ۳۶۹۶) اس حدیث میں ہے کہ کوبہ یعنی طبلہ جو بجانے کا ہوتا ہے وہ سب حرام ہیں۔ اور جب حرام ہیں تو ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۵) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباس قال الدف حرام والمعازف حرام والكوبة حرام والمزمار حرام** (سنن للبیھقی، **باب ماجاء فی ذم الملاهی من المعازف والمزامير ونحوها**، ج عاشر، ص ۷۶ ۳ نمبر ۲۱۰۰۰) اس قول صحابی سے بھی کھیل کود کی چیزیں حرام ہوئیں اس لیے ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت: الصليب: نصاری کے پوجنے کی چیز، **الشطرنج**: ایک قسم کے کھیلنے کی چیز ہے، **نرو**: یہ بھی کھیلنے کی چیز ہے۔

ترجمہ: ۲ بخلاف وہ درہم جس پر تصویر بنی ہوئی ہو [اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا] اس لیے کہ وہ تصویر عبادت کے لیے نہیں بنائی گئی ہے اس لیے توڑنے کے مباح ہونے کا شبہ نہیں ہے۔

تشریح: درہم پر تصویر بنی ہوئی ہے ایسے دس درہم کو چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: کیوں کہ یہ تصویر عبادت کے لیے نہیں ہے اس لیے یوں نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے توڑنے کے لیے وہ درہم لیا تھا، اس لیے اس کا لینا مباح ہے، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر صلیب گرجا گھر میں تھی اور چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ گرجا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے، اور اگر صلیب کسی آدمی کے گھر میں ہے تو کاٹا جائے گا کیوں کہ نصاب کا مال بھی مکمل ہے اور محفوظ بھی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۶۵۰) آزاد بچے کے چرانے والے پر کاٹنا نہیں ہے اگر چہ اس پر زیور ہو اور نہ بڑے غلام کے چرانے والے پر۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ آزاد مال نہیں ہے، اور جو اس پر زیور ہے وہ بچے کے تابع ہے [اور بچے کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، تو اس کے تابع کے چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزاد بچہ مال نہیں ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

تشریح: آزاد بچہ کسی حال میں مال نہیں ہے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس لیے اس کو چرایا تو گویا کہ مال کو نہیں چرایا اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ تعزیر ہوگی، اور جو اس کے اوپر سونا ہے وہ بچے کے تابع ہے اس لیے اس کے چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: عن ابن عباس فی رجلين باع احدهما الآخر قال يرد البيع ويعاقبان ولا قطع عليهما (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۶ فی

عَلَيْهِ مِنَ الْحُلِيِّ تَبَعٌ لَهُ. ٢ وَلِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ فِي أَخْذِهِ الصَّبِيَّ إِسْكَاتَهُ أَوْحَمْلَهُ إِلَى مُرْضِعَتِهِ. ٣ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُقْطَعُ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ هُوَ نِصَابٌ لِأَنَّهُ يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرِقَتِهِ وَحْدَهُ فَكَذَا مَعَ غَيْرِهِ. ٤ وَعَلَى هَذَا إِذَا سَرَقَ إِنَاءَ فِضَّةٍ فِيهِ نَبِيذٌ أَوْ ثَرِيدٌ. ٥ وَالْخِلَافُ فِي الصَّبِيِّ لَا يَمْشِي وَلَا يَتَكَلَّمُ كَيْ لَا يَكُونَ فِي يَدِ نَفْسِهِ.

(۲۶۵۱) وَلَا قَطْعَ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ ١ لِأَنَّهُ غَصْبٌ أَوْ خِدَاعٌ

الرجل يبيع امرأته او يبيع الحر ابنته: ۵/۵۲۶ نمبر ۲۸۶۹۴ / مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يبيع الحر: ۹/۸۸ نمبر ۱۹۰۶۶) اس قول صحابی سے پتا چلا کہ آزاد کو بیچ دے یا چرالے تو اس میں تعزیر ہوگی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ اور اسلئے کہ چور یہ تاویل کر سکتا ہے کہ بچے کو چپ کرنے کیلئے اٹھایا تھا، یا اسکی دودھ پلانے والی تک پہونچانے کیلئے اٹھایا تھا۔

تشریح: آزاد کو چرانے پر ہاتھ نہ کاٹنے کی یہ دوسری دلیل ہے، چور یہ کہہ سکتا ہے کہ بچہ رو رہا تھا میں نے اس کو چپ کرنے کے لیے اٹھایا تھا، یا اس کی ماں تک پہونچانے کے لیے اٹھایا تھا، اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: **اسکاتہ:** **سکوت** سے مشتق ہے چپ کرنا۔ **مرضعۃ:** دودھ پلانے والی عورت۔

ترجمہ: ٣ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر بچے پر زیور ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہونچتی ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ اگر الگ سے زیور ہو تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو بچے کے ساتھ زیور ہو تو بدرجہ اولی کاٹا جانا چاہئے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر الگ سے زیور ہو اور وہ نصاب تک ہو تو اس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے پس اگر بچے کے ساتھ زیور ہو تب بھی اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جانا چاہئے۔ اصل کے نہ کاٹنے پر تابع کے چرانے پر بھی نہ کاٹا جائے یہ اصول صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ٤ اور اسی اصول پر یہ ہے کہ اگر چاندی کا برتن چرایا جس میں شراب یا نبیذ ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: چاندی کے پیالے میں نبیذ تھی، یا شراب تھی، اور پیالے کی قیمت نصاب تک پہونچتی تھی، یہاں پیالہ تابع ہے، اور نبیذ اور شراب اصل ہے، اور شراب کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹتا اس لیے اسکا تابع پیالے کے چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کیوں کہ یہ اصول گزرا کہ اصل پر ہاتھ نہ کٹے تو اس کے تابع سے بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔

ترجمہ: ٥ اور اوپر کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ بچہ نہ چل سکتا ہو اور نہ بات کر سکتا ہو، کیونکہ اس عمر میں بچے کو اپنی ذات پر قبضہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر آزاد بچہ بڑا ہو اور اس کو چرا لیجائے تو یہ چوری نہیں بلکہ غصب ہے، اور اس کی سزا بالاتفاق قتل یا سخت مار ہے، اس لیے فرما رہے ہیں کہ یہاں ایسا چھوٹا بچہ مراد ہے جو نہ چل سکتا ہو اور نہ بول سکتا ہو، اور نہ اپنا نام گاؤں بتا سکتا ہو تو ایسے بچے کو اپنی ذات پر قبضہ نہیں ہے، ایسے بچے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف ہے، کیوں کہ ایسے بچے کو اٹھانے میں چوری بنتی ہے، لیکن چونکہ وہ مال نہیں ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: **لا یکون فی یدنفسہ:** چھوٹے بچے کو اپنی ذات پر قبضہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۶۵۱) بڑے غلام کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١ کیوں کہ اس صورت میں چور یا غلام کو غصب کر رہا ہے یا اس کو دھوکا دیکر لیجا رہا ہے۔

(۲۶۵۲) وَيُقْطَعُ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ ۱؎ **لِتَحَقُّقِهَا بِحَدِّهَا** ۲؎ **إِلَّا إِذَا كَانَ يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ هُوَ وَالْبَالِغُ سَوَاءٌ فِي اعْتِبَارِ يَدِهِ.** ۳؎ **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يُقْطَعُ وَإِنْ كَانَ صَغِيرًا لَا يَعْقِلُ وَلَا يَتَكَلَّمُ اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّهُ**

تشریح: بڑے غلام چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) کیوں کہ وہ دفعیہ کرسکتا ہے اور لوگوں کو کہہ سکتا ہے کہ مجھے چرایا ہے پھر بھی نہیں کہہ رہا ہے تو گویا کہ غلام جانے پر راضی ہے۔ (۲) اور واویلا کرنے کے باوجود چور نے یرغمال کررکھا ہے تو یہ چوری نہیں ہے بلکہ غصب ہے اور غصب کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے بلکہ قتل یا ضرب شدید ہے۔ (۳) اور چور دھوکا دیکر غلام کو لے گیا تو یہ دھوکا ہے، اس کی سزا سخت مار ہے، بہر حال ان تینوں صورتوں میں چوری کا ثبوت نہیں ہوا اس لیے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۴) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سفیان یقول ماسرق من صغیر مملوک ففیه القطع ومن سرق من صغیر حرا او مملوکا بلغ فلا قطع علیه** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یبیع الحر، ۹/ ۴۸۹ نمبر ۱۹۰۷۵) اس قول تابعی میں ہے کہ چھوٹا غلام ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا، چھوٹا یا بڑا آزاد ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور بڑا مملوک ہو تو تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۵) قول صحابی میں ہے۔ **عن عمر بن الخطاب ؓ انه لم یر علیهم القطع قال هؤلاء خلابون قال اصحابنا معناه فی العبد اذا کان عاقلا، فقد روی عن عمر انه قطع رجلا فی غلام سرق (ای غلام صغیر)** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فیمن سرق عبدا صغیرا من حرز ج ثامن ص ۴۶۵ نمبر ۱۷۲۳۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بڑے غلام میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس پر جو سونا ہے وہ تابع ہے اس لیے وہ دس درہم سے زیادہ ہو تب بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۵۲) اور چھوٹے غلام کے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ چوری کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔

تشریح: چھوٹا بچہ مال ہے، اور نصاب سے زیادہ کی مالیت ہے، اور چونکہ بات نہیں کرسکتا اس لیے یہاں غصب کی صورت بھی نہیں ہوگی، بلکہ چوری کی تعریف صادق آئے گی اس لیے چھوٹے بچے کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا

وجہ: (۱) اوپر قول تابعی گزر چکا ہے (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **ثنا ابن ابی زناد عن ابیه عن الفقهاء من اهل المدینة کانوا یقولون من سرق عبدا صغیرا او اعجمیا لا حیلة له قطع** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی من سرق عبدا صغیرا من حرز ج ثامن ص ۴۶۵ نمبر ۱۷۲۳۰) اس قول تابعی سے بھی معلوم ہوا کہ چھوٹا غلام چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہاں اگر بچہ اپنی بات بتا سکتا ہے تو [اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا] کیوں کہ اپنی ذات پر قبضے کے اعتبار وہ اور بالغ برابر درجے میں ہے۔

تشریح: غلام کی عمر اتنی ہے کہ اپنی بات سمجھا سکتا ہے تو اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ اس کو اپنی ذات پر قبضہ ہے، اور اس کا حکم بالغ کی طرح ہے، یعنی اس کو چرانے والا چور نہیں ہے بلکہ غصب کرنے والا ہے، اس لیے چوری کی سزا اس پر نافذ نہیں ہوگی، بلکہ غصب کی سزا اس پر نافذ ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ چھوٹا بچہ جو نہ سمجھتا ہو اور نہ بات کرسکتا ہو اس کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں

آدمِيٌّ مِنْ وَجْهٍ مَالٌ مِنْ وَجْهٍ. ۲؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ مَالٌ مُطْلَقٌ لِكَوْنِهِ مُنْتَفِعًا بِهِ أَوْ بِعَرْضٍ أَنْ يَصِيرَ مُنْتَفِعًا بِهِ إِلَّا أَنَّهُ انْضَمَّ إِلَيْهِ مَعْنَى الْآدَمِيَّةِ. (۲۶۵۳)وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا ۱؎ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مَا فِيهَا وَذَلِكَ لَيْسَ بِمَالٍ (۲۶۵۴)إِلَّا فِي دَفَاتِرِ الْحِسَابِ لِأَنَّ مَا فِيهَا لَا يُقْصَدُ بِالْأَخْذِ فَكَانَ الْمَقْصُودُ هُوَ الْكَوَاغِدَ. قَالَ (۲۶۵۵)وَلَا فِي سَرِقَةِ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ ۱؎ لِأَنَّ مِنْ جِنْسِهَا يُوجَدُ مُبَاحُ الْأَصْلِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهِ وَلِأَنَّ الِاخْتِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ ظَاهِرٌ فِي مَالِيَّةِ الْكَلْبِ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً.

کہ وہ من وجہ آدمی ہے اور من وجہ مال ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بہت چھوٹا بچہ چرا لے تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ اگر چہ وہ من وجہ مال ہے، لیکن من وجہ آدمی بھی ہے، یعنی آزاد آدمی کی طرح ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جانا چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹا اصل میں مال ہی ہے ابھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، یا بعد میں اٹھایا جا سکتا ہے، آدمی ہونے کا معنی تو بعد میں لگایا گیا ہے۔ [اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

تشریح: ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹے غلام میں اصل میں مال ہونا ہے، اس سے ابھی فایدہ اٹھا جائے گا، یا بالغ ہونے کے بعد فائدہ اٹھایا جائے گا، اور آدمی ہونے کا معنی بعد میں لگایا گیا ہے اس لیے آدمی ہونے کا معنی تابع ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **مال مطلق:** اصل میں مال ہے۔ **عرض:** درجے میں ہے **انضم الیہ:** بعد میں لگایا گیا ہے۔

ترجمہ: (۲۶۵۳) ہاتھ کاٹنا نہیں ہے کسی دفتر کے چرانے میں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ دفتر کے اندر جو لکھا ہوا ہے وہ مقصود ہے اور وہ مال نہیں ہے [اس لیے اسکے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]۔

ترجمہ: (۲۶۵۴) سوائے حساب کے دفتر کے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے یہاں ان دفتروں کو چرانے کا مقصد اس کے اندر جو لکھا ہوا ہے نہیں ہے، بلکہ کاغذ مقصود ہے [اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: حساب کے علاوہ جو دفتر ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں جو لکھا ہوا ہے اس کو مطالعہ کیا جائے اور پڑھا جائے، اور جو تحریر پڑھی جاتی ہے اس کی قیمت نہیں ہوتی، اور کاغذ یہاں تابع ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور حساب کا جو دفتر ہوتا ہے اس کے چرانے کا مقصد حساب کو پڑھنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد کاغذ کو چرانا ہے، اور کاغذ قیمتی چیز ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۵۵) اور کتے کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ چیتے کے چرانے سے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ان دونوں [کتا اور چیتا] کو قتل کرنا مباح ہے، اس کو پالنے میں رغبت بھی نہیں ہوتی، اور اس لیے کہ اس کی مالیت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لیے مال ہونے میں شبہ ہو گیا، اس لیے اس کو چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: کتا ناپاک جانور ہے، اسی طرح چیتا ناپاک جانور ہے اس لیے وہ نفیس چیز نہیں رہی اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتا اور چیتا مال بھی ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مال ہونے میں ہی

(۲۶۵۶)وَلَا قَطْعَ فِي دَفٍّ وَلَا طَبْلٍ وَلَا بَرْبَطٍ وَلَا مِزْمَارٍ لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَا قِيمَةَ لَهَا وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ آخِذُهَا يَتَأَوَّلُ الْكَسْرَ فِيهَا. (۲۶۵۷)وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَا وَالْآبَنُوسِ وَالصَّنْدَلِ لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ مُحْرَزَةٌ لِكَوْنِهَا عَزِيزَةً عِنْدَ النَّاسِ وَلَا تُوجَدُ بِصُورَتِهَا مُبَاحَةً فِي دَارِ الْإِسْلَامِ.

شبہ ہو گیا اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے۔ **عن جابر قال امر نبی اللہ ﷺ بقتل الکلاب حتی ان کانت المرأۃ تقدم من البادیۃ یعنی بالکلب فنقتلہ ثم نہانا عن قتلھا و قال علیکم بالاسود** (ابو داؤد شریف، باب اتخاذ الکلب للصید وغیرہ ص ۴۷ نمبر ۲۸۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کو قتل کرنے کا حکم ہے اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی حکم چیتا اور شیر کا بھی ہے۔ (۲) ناپاکی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی ثعلبۃ ؓ ان رسول اللہ ﷺ نہی عن اکل کل ذی ناب من السباع** (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع ص ۹۸۰ نمبر ۵۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت ناپاک ہے اس لیے معمولی چیز ہو گئی۔

ترجمه: (۲۶۵۶) اور نہ دف اور نہ ڈھول اور نہ سارنگی، اور نہ بانسری کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

ترجمه: ۱؎ اس لیے کہ صاحبینؒ کے یہاں ان چیزوں کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس کی قیمت تو ہے لیکن یہ تاویل کر سکتا ہے کہ اس کو توڑنے کے لیا لیا ہو۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں ان چاروں چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ان کی قیمت تو ہے، لیکن یہ کہہ سکتا ہے کہ انکو توڑنے کے لیا تھا، چرانے کے لیے نہیں، اس لیے ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجه: (۱) دف، ڈھول اور سارنگی اور بانسری کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس ؓ... ان اللہ حرم علی او حرم الخمر و المیسر و الکوبۃ** (ابو داؤد شریف، باب فی الاوعیۃ ص ۱۶۳ نمبر ۳۶۹۶) کوبۃ کا معنی ڈھول ہے اس لیے ڈھول بھی حرام ہوا۔ (۲) سارنگی کے سلسلے میں بخاری کی لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **حدثنی ابو عامر الاشعری... سمع النبی ﷺ یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر و الحریر و الخمر و المعازف** (بخاری شریف، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر و یسمیہ بغیر اسمہ ص ۸۴۳ نمبر ۵۵۹۰) اس حدیث میں معازف کے حرام ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس لیے ان کے چرانے میں ہاتھ نہیں جائے گا۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جو چیز شریعت کی نگاہ میں معمولی ہے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا، اور حرام چیزیں شریعت کی نگاہ میں معمولی ہیں اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔

لغت: فہد: چیتا، **طبل:** ڈھول، طبلہ، **مزمار:** سارنگی۔ **بربط:** بانسری۔

ترجمه: (۲۶۵۷) اور کاٹا جائے گا ساگون، نیزے کی لکڑی، ابنوس اور صندل کی لکڑی چرانے میں۔

ترجمه: ۱؎ اسلیے کہ یہ سب محفوظ مال ہیں، اسلیے کہ لوگوں کے یہاں یہ بہت کم پایا جاتا ہے، اور دار الاسلام میں بھی یہ لکڑیاں مباح نہیں ہیں۔

تشریح: یہ لکڑیاں محفوظ مال ہیں، لوگوں کے یہاں یہ کم پایا جاتا ہے، اور اس کو ہر کوئی کاٹ کر لی جائے ایسا مباح بھی نہیں ہے اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

قَالَ (۲۶۵۸)وَيُقْطَعُ فِي الْفُصُوصِ الْخُضْرِ وَالْيَاقُوتِ وَالزَّبَرْجَدِ لِ لِأَنَّهَا مِنْ أَعَزِّ الْأَمْوَالِ وَأَنْفَسِهَا لَا تُوجَدُ مُبَاحَةَ الْأَصْلِ بِصُورَتِهَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ غَيْرَ مَرْغُوبٍ فِيهَا فَصَارَتْ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. (۲۶۵۹)وَإِذَا اتَّخَذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَانِيَ وَأَبْوَابًا قُطِعَ فِيهَا لِ لِأَنَّهُ بِالصَّنْعَةِ الْتَحَقَ بِالْأَمْوَالِ النَّفِيسَةِ؛ ۲ أَلَا تَرَى أَنَّهَا تُحْرَزُ بِخِلَافِ الْحَصِيرِ لِأَنَّ الصَّنْعَةَ فِيهِ لَمْ تَغْلِبْ عَلَى الْجِنْسِ حَتَّى يُبْسَطَ فِي غَيْرِ الْحِرْزِ،

نوٹ: یہ لکڑیاں جنگل میں ہوں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ محفوظ جگہ پر نہیں ہے، اور گھر میں محفوظ ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ اب یہ محفوظ مال بن گیا۔

لغت: الساج: ساگون کی لکڑی، **القناء:** نیزہ یا نیزے کی لکڑی، **الابنوس:** ابنوس کی لکڑی، **الصندل:** ایک قسم کی خوشبودار لکڑی۔

ترجمہ: (۲۶۵۸) سبز نگینوں اور یاقوت اور زبرجد کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ یہ کمیاب اور قیمتی مال ہیں اور دار اسلام بے رغبتی کے ساتھ، اس لیے یہ سونے اور چاندی کی طرح ہو گئے۔

لغت: فصوص: نگینہ۔ **یاقوت:** ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے، جو قیمتی ہوتا ہے۔ **زبرجد:** یہ بھی ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے جو قیمتی ہوتا ہے۔
اعز المال: ایسا مال کم پایا جاتا ہو، محبوب مال۔ **مباح الاصل:** یہ ایک محاورہ ہے، دار الاسلام میں جس چیز کو ہر آدمی لے سکتا ہے، جیسے پرندے کو ہر آدمی شکار کر کے لے سکتا ہے اس کو مباح الاصل، کہتے ہیں۔

تشریح: یہ تینوں پتھر ایک تو قیمتی ہیں، دوسرا یہ کم پائے جاتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ ایسا نہیں ہے جو چاہے اٹھا لے، یعنی یہ مباح الاصل نہیں ہے، اس لیے یہ قیمتی مال ہیں اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، جس طرح سونا چاندی سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

نوٹ: یہ پتھر پہاڑوں میں ہو تو غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور گھر میں محفوظ ہو تو اب محفوظ ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۵۹) اگر لکڑی سے برتن بنایا، دروازے بنائے تو ان میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ برتن بنانے کی وجہ سے اب یہ قیمتی مال ہو گیا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کو محفوظ کر کے رکھتے ہیں۔

تشریح: عام لکڑی تھی جس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن اس سے برتن بنا لیا یا دروازہ بنا لیا تو اب اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

وجہ: اب یہ معمولی نہیں رہی بلکہ قیمتی ہو گئی اس لیے یوں کہا جائے گا کہ برتن چرایا یا دروازہ چرایا۔ اس لیے اس کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

لغت: اوانی: جمع ہے **آنیۃ** کی برتن، **ابواب:** جمع ہے **باب** کی دروازہ۔

ترجمہ: ۲ بخلاف چٹائی کے اس لیے کہ اس پر کام کرنے سے اس کی جنس نہیں بدلی، یہی وجہ ہے کہ غیر محفوظ جگہ پر چٹائی بچھا دی جاتی ہے۔

تشریح: لکڑی جب تک جلانے کی لکڑی ہے تو اس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے کہ اس سے ہاتھ کاٹا جائے، لیکن اس کا برتن بنا دیا، یا دروازہ بنا دیا تو اب یہ قیمتی مال بن گیا، یہی وجہ ہے کہ اب اس کو گھر محفوظ جگہ میں رکھتے ہیں، اس لیے اب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چٹائی کھجور کی پتی کی بنتی ہے، اس میں کتنا ہی نقش و نگار کریں یہ چٹائی ہی رہتی ہے جو اتنی قیمتی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اس کو گھر سے باہر غیر محفوظ جگہ پر بچھا دیتے ہیں اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۳؎ وَفِي الْحَصِيْرِ الْبَغْدَادِيَّةِ قَالُوا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي سَرِقَتِهَا لِغَلَبَةِ الصَّنْعَةِ عَلَى الْأَصْلِ ۴؎ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي غَيْرِ الْمُرَكَّبِ، ۵؎ وَإِنَّمَا يَجِبُ إِذَا كَانَ خَفِيفًا لَا يَثْقُلُ عَلَى الْوَاحِدِ حَمْلُهُ لِأَنَّ الثَّقِيلَ مِنْهُ لَا يُرْغَبُ فِي سَرِقَتِهِ (۲۶۶۰) وَلَا قَطْعَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ ۱؎ لِقُصُوْرٍ فِي الْحِرْزِ (۲۶۶۱) وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ ۱؎ لِأَنَّهُ يُجَاهِرُ بِفِعْلِهِ، كَيْفَ وَقَدْ قَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا قَطْعَ فِي مُخْتَلِسٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا خَائِنٍ

لغت: صنعة لم تغلب علی الجنس: یہ ایک محاورہ ہے، کہ اس میں کتنا ہی نقش ونگار کرو اس سے اس کی جنس نہیں بدلتی، یعنی وہ چٹائی سے کچھ اور نہیں بنتا۔

ترجمہ: ۳؎ بغدادی کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا اس میں کام کرنے سے اصل پر غالب آجاتا ہے۔

تشریح: بغدادی چٹائی قیمتی ہوتی ہے اس لیے اس کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ اس پر نقش ونگار کرنے سے چٹائی باقی نہیں رہتی بلکہ وہ ایک قیمتی چیز بن جاتی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ جو دروازہ دیوار کے ساتھ چپکا ہوا نہ ہو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: دروازے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دیوار کے ساتھ چپکا ہوا ہو اس کے بارے میں پہلے آیا کہ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ وہ غیر محفوظ ہے، لیکن جو دروازہ گھر میں رکھا ہوا اور محفوظ ہو اس دروازے کے چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۵؎ دروازے کے چرانے سے اس وقت کاٹا جائے گا جبکہ وہ اتنا ہلکا ہو کہ ایک آدمی پر اٹھانا مشکل نہ ہو، اس لیے کہ بہت بھاری ہوگا تو اس کو چرانے کی رغبت نہیں کرے گا۔

تشریح: دروازے پر ہاتھ کٹنے میں یہ شرط لگا رہے ہیں کہ وہ اتنا ہلکا ہو کہ ایک آدمی اس کو اٹھا کر لیجا سکے، کیوں کہ بھاری ہوگا تو اس کو چرا نہیں سکے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۰) خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت پر کاٹنا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ یہ مال اس کے لیے محفوظ نہیں ہے۔

تشریح: کسی آدمی کے پاس امانت کی رقم تھی یا مال تھا اس نے اس میں خیانت کرلی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ تعزیر کی جائے گی۔

وجہ: (۱) اس میں چوری کا معنی نہیں پایا گیا، چوری کہتے ہیں محفوظ جگہ سے چپکے سے کسی مال کو اٹھا کر لے جانا۔ اور یہاں تو وہ مال خیانت کرنے والے کے پاس ہی ہے، اس لیے چوری کی تعریف نہیں پائی گئی، اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔

عن جابر عن النبی ﷺ قال لیس علی خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع (ترمذی شریف، **باب ماجاء فی الخائن والمختلس والمنتهب**، ص ۲۶۸ نمبر ۱۴۴۸ / ابو داؤد شریف، **باب القطع فی الخلسة والخیانة** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۱ / ۴۳۹۲ / نسائی شریف نمبر ۴۹۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۱) اور علانیہ طور پر لیجانے والے، اور اچک کر لیجانے والے پر کاٹنا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ وہ زبردستی کر کے لیجا رہا ہے، چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچکنے والے اور زبردستی والے، اور خیانت والے

(۲۶۶۲)وَلَا قَطْعَ عَلَى النَّبَّاشِ ۱؎ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. ۲؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ: عَلَيْهِ الْقَطْعُ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ نَبَشَ قَطَعْنَاهُ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوَّمٌ مُحْرَزٌ يُحْرَزُ مِثْلُهُ فَيُقْطَعُ فِيهِ.

پر کاٹنا نہیں ہے۔

تشریح:منتہب، یعنی زبردستی کر کے لیجانے والے، اور اچک کر لیجانے والے پر چوری کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے ان دونوں کا ہاتھ بھی کاٹا نہیں جائے گا۔

وجہ: اس کے لیے اوپر حدیث گزری۔ **عن جابر عن النبی ﷺ قال لیس علی خائن و لا منتہب و لا مختلس قطع** (ترمذی شریف، **باب ماجاء فی الخائن و المختلس و المنتہب**، ص ۲۶۸ نمبر ۱۴۴۸ / ابو داؤد شریف، **باب القطع فی الخلسۃ و الخیانۃ** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۱ / ۴۳۹۲ / نسائی شریف نمبر ۴۹۷۱)

لغت:منتہب: نہب سے مشتق ہے، لوٹ کر لیجانا۔ **مختلس: خلس** سے مشتق ہے، اچک کر لیجانا۔ **یجاھر:** اعلانیہ اپنا کام کرتا ہے۔

ترجمہ: (۲۶۶۲) اور نہ کفن چور پر ہاتھ کاٹنا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفن مال متقوم نہیں ہے، اس لیے نہیں کاٹا جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال متقوم ہے اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: جو آدمی کفن چراتا ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) کفن چرانے والا مقام محفوظ سے نہیں چراتا کیوں کہ قبرستان مقام محفوظ نہیں ہے۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ مردہ پر کفن ڈال دینے کے بعد وہ معمولی اور گھٹیا قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۳) صاحب ہدایہ کا قول تابعی یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال لیس علی النباش قطع** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۹ **ماجاء فی النباش یوخذ ما حدہ؟** ۴/ ۵۱۸ نمبر ۲۸۶۰۴) (۴) قول تابعی میں ہے۔ **عن الزہری قال اخذ نباش فی زمان معاویۃ کان مروان علی المدینۃ فسأل من بحضرتہ من اصحاب رسول اللہ بالمدینۃ و الفقہاء فلم یجدوا احدا قطعہ قال فاجمع رأیہم علی ان یضرب بہ و یطاف بہ** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۹ **ماجاء فی النباش یوخذ ما حدہ؟** ۴/ ۵۱۸ نمبر ۲۸۶۰۴) اس قول صحابی اور قول تابعی سے معلوم ہوا کہ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت:نباش: نبش سے مشتق ہے، کھودنا، یہاں مراد ہے، کفن چور۔ **مختفی:** چھپنے والا، مراد ہے چھپ کر کفن چرانے والا۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ، جس نے کفن چوری کی ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے، اور اس لیے بھی کہ وہ متقوم مال ہے، اور کفن کو جہاں محفوظ رکھنا چاہئے وہیں قبر میں محفوظ ہے، اس لیے کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کے لیے تین دلیلیں دے رہے ہیں۔

وجہ: (۱) کفن قیمتی مال ہے، جسکو مال متقوم کہتے ہیں (۲) قبر ایک محفوظ جگہ ہے اور وہیں کفن کو محفوظ رکھا گیا ہے، اور جب مال متقوم

۳؎ وَلَهُمَا قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا قَطْعَ عَلَى الْمُخْتَفِي وَهُوَ النَّبَّاشُ بِلُغَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، ۴؎ وَلِأَنَّ الشُّبْهَةَ تَمَكَّنَتْ فِي الْمِلْكِ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لِلْمَيِّتِ حَقِيقَةً وَلَا لِلْوَارِثِ لِتَقَدُّمِ حَاجَةِ الْمَيِّتِ، ۵؎ وَقَدْ تَمَكَّنَ الْخَلَلُ فِي الْمَقْصُودِ وَهُوَ الِانْزِجَارُ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ فِي نَفْسِهَا نَادِرَةُ الْوُجُودِ وَمَا رَوَاهُ غَيْرُ مَرْفُوعٍ أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ، ۶؎ وَإِنْ كَانَ الْقَبْرُ فِي بَيْتٍ مُقْفَلٍ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ لِمَا قُلْنَا

ہے اور محفوظ جگہ پر ہے تو اس کے چرانے سے ہاتھ کٹنا چاہئے (۳) قول تابعی میں جسکی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا، **بلغنی ان عمر بن عبد العزیز قطع نباشا**۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۹ ما جاء فی النباش یوخذ ما حده؟ ۵: ۵۱۸/ نمبر ۲۸۶۰۵) (۴) **عن الشعبی قال النباش سارق**، دوسری روایت میں ہے۔ **قال یقطع فی اموا لنا کما یقطع فی احیائنا** (**سنن للبیهقی، باب النباش یقطع اذا اخرج الکفن من جمیع القبر** ج ثامن ص ۴۶۸ نمبر ۱۷۲۳۹/ ۱۷۲۴۱/ مصنف ابن ابی شیبۃ **۸۹ ما جاء فی النباش یوخذ ما حده؟ ۵/۵۱۸** نمبر ۲۸۶۰۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مختفی پر کاٹنا نہیں ہے اور مختفی اہل مدینہ کی زبان میں کفن چور کو کہتے ہیں

تشریح: صاحب ہدایہ کا قول صحابی اوپر گزر گیا۔ **عن ابن عباس قال لیس علی النباش قطع** (مصنف ابن ابی شیبۃ نمبر ۲۸۶۰۴)

ترجمہ: ۴؎ اور اس لیے کہ ملکیت میں شبہ ہو گیا، کیوں کہ میت کے مردہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت نہیں ہوسکتی، اور وارث کی بھی ملکیت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ میت کی ضرورت پہلے ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے ہاتھ نہ کاٹنے کی یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ کفن کس کی ملکیت ہے اس میں شبہ ہو گیا، میت کی ملکیت اس لیے نہیں ہوسکتی کہ وہ مردہ ہے، اور وارث کی ملکیت اس لیے نہیں ہوسکتی، کہ میت کا حق مقدم ہے، اس شبہ کی وجہ سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۵؎ ہاتھ کاٹنے میں جو مقصد ہے، تنبیہ کرنا، اس میں بھی خلل ہو گیا اس لیے کہ اس قسم کا جرم بہت کم ہوتا ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے تیسری دلیل عقلی ہے۔ ہاتھ کاٹنے کا مقصد ہے لوگوں کو تنبیہ کرنا، اور کفن چرانا اتنا حقیر کام ہے کہ کوئی ذلیل آدمی ہی کر سکتا ہے، اس لیے اس کا ہاتھ کاٹ کر لوگوں کو تنبیہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۶؎ اور امام ابو یوسفؒ نے جو روایت کی ہے وہ مرفوع حدیث نہیں ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سیاست کے طور پر ہاتھ کاٹا تھا۔

تشریح: یہ امام ابو یوسف کو جواب ہے، کہ امام ابو یوسفؒ نے جو روایت پیش کی وہ حدیث مرفوع نہیں ہے، بلکہ تابعی کا قول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تابعی عمر بن عبد العزیزؒ نے جو کاٹا ہے، وہ سزا سمجھ کر نہیں بلکہ سیاست کے طور پر کاٹا ہے، اس لیے اس کو شرعی سزا نہیں سمجھی جائے گی۔

ترجمہ: ۶؎ ایک گھر ہے جس پر تالا لگا ہوا ہے اس کے اندر قبر ہے [وہاں سے کفن چرایا] تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔ صحیح روایت میں اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: قبر کسی گھر کے اندر ہے جس گھر پر تالا لگا ہوا ہے، اور اس کے اندر قبر ہے وہاں سے کفن چرایا ہے۔ یعنی بالکل محفوظ جگہ سے کفن چرایا ہے، تو اس صورت میں بھی اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نہیں کاٹا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کاٹا جائے گا، اور دونوں حضرات کی دلیل اوپر گزر گئی۔

ے وَكَذَا إِذَا سَرَقَ مِنْ تَابُوتٍ فِي الْقَافِلَةِ وَفِيهِ الْمَيِّتُ لِمَا بَيَّنَّاهُ. (۲۶۶۳) وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ مَالُ الْعَامَّةِ وَهُوَ مِنْهُمْ. وَلَا مِنْ مَالٍ لِلسَّارِقِ فِيهِ شَرِكَةٌ لِمَا قُلْنَا. (۲۶۶۴) وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ دَرَاهِمُ فَسَرَقَ مِنْهُ مِثْلَهَا لَمْ يُقْطَعْ ١ لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ لِحَقِّهِ، ٢ وَالْحَالُّ وَالْمُؤَجَّلُ فِيهِ سَوَاءٌ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ التَّأْجِيلَ

ترجمہ: ے قافلہ میت کا تابوت لیجار ہا تھا اس سے کفن چرایا تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔

تشریح: قافلہ میت کا تابوت لیجار ہا تھا اس میں سے چور نے کفن چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں اس میں بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نہیں کاٹا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۳) بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ [اس لیے کہ وہ عوام کا مال ہے، اور چور بھی عوام میں سے ہے] اور اس مال میں سے چور کی شرکت ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے کہا۔

تشریح: کوئی آدمی بیت المال سے چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یا چور کا بھی مال تھا اور دوسرے کا بھی مال ساتھ میں تھا اس میں سے چور نے چوری کر لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی مال میں چور کا کچھ بھی حصہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور مومن ہونے کی حیثیت سے بیت المال کے مال میں کچھ نہ کچھ چور کا بھی حصہ ہے اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح شرکت کے مال میں چور کا حصہ ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس ؓ ان عبدا من رقیق الخمس سرق من الخمس فرفع ذلک الی النبی ﷺ فلم یقطعه، وقال مال اللہ عز وجل سرق بعضه بعضا** (ابن ماجہ شریف، **باب العبد یسرق** ص ۳۷۲ نمبر ۲۵۹۰) اس حدیث میں ہے کہ اس کا حصہ تھا اس لیے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا (۳) **عن علی ؓ انه کان یقول لیس علی من سرق من بیت المال قطع** (سنن للبیہقی، **باب من سرق من بیت المال شیئا** ج ثامن ص ۴۸۹ نمبر ۱۷۳۰۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ **فی الرجل یسرق من بیت المال ما علیه؟** ۵: ۵۱۳ / نمبر ۲۸۵۵۴) (۴) قول صحابی میں یہ بھی ہے۔ **عن القاسم ان رجلا سرق من بیت المال فکتب فیه سعد الی عمر فکتب عمر الی سعد لیس علیه قطع له فیه نصیب** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ **فی الرجل یسرق من بیت المال ما علیه؟** ۵: ۵۱۳ / نمبر ۲۸۵۵۴ / مصنف عبد الرزاق، **باب الرجل یسرق شیئا له فیه نصیب** ج عاشر ص ۲۱۲ نمبر ۱۸۸۷۲) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ کسی کی شرکت ہو تو اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۴) کسی کا دوسرے پر کچھ درہم تھے اس آدمی نے اتنا درہم چرالیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ اس نے اپنا حق وصول کیا ہے۔

اصول: اپنا درہم واپس لے لے تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

تشریح: مثلا زید کا عمر کے اوپر دس درہم تھے، زید نے یہ دس درہم عمر کا چرالیا تو زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ گویا کہ زید نے اپنا حق وصول کیا ہے، اس لیے زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ اور قرضہ فی الحال والا ہو، یا تاخیر کے ساتھ وصول کرنے والا ہو استحسانا دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ تاخیر مطالبہ کو موخر

لِتَأْخِيرِ الْمُطَالَبَةِ. ۳؎ وَكَذَا إِذَا سَرَقَ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ لِأَنَّهُ بِمِقْدَارِ حَقِّهِ يَصِيرُ شَرِيكًا فِيهِ (۲۶۶۵) وَإِنْ سَرَقَ مِنْهُ عُرُوضًا قُطِعَ ۱؎ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الِاسْتِيفَاءِ مِنْهُ إِلَّا بَيْعًا بِالتَّرَاضِي. ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ عِنْدَ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ قَضَاءً مِنْ حَقِّهِ أَوْ رَهْنًا بِحَقِّهِ.

کرنے کے لیے ہے۔

تشریح: ایک قرضہ وہ ہوتا ہے جو فوری طور پر وصول کرنا ہوتا ہے، اور دوسرا قرضہ وہ ہوتا ہے جسکے لیے وقت متعین ہوتا ہے مثلا ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ وصول کرنا ہے، دونوں صورتوں میں زید اپنا درہم عمر سے چرالیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ درہم تو زید کا ہی ہے، تاخیر تو صرف اس لیے ہے کہ اس کا مطالبہ کرنا موخر ہو جائے، اس لیے اپنا درہم وصول کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: الحال: ابھی وصول کرنا ہے۔ الموجل: موخر کر کے وصول کرنا ہے، اسی سے ہے، تاجیل: موخر کر کے وصول کرنا۔

ترجمہ: ۳؎ ایسے ہی اگر اپنے حق سے زیادہ مقدار چرالیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ جتنا چور کا حق تھا اس میں وہ شریک ہو گیا۔

تشریح: مثلا زید کا عمر پر دس درہم قرضہ تھا، زید نے پندرہ درہم چرالیا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دس درہم زید کا تھا اس لیے زید پندرہ درہم میں شریک ہو گیا اور ابھی گزرا کہ شریک کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے زائد چوری کرنے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۵) اگر زید نے عمر کا سامان چرالیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ سامان عمر سے بیع کے طور پر رضامندی سے ہی لے سکتا تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے حق کے بدلے میں سامان نہیں لے سکتا۔

تشریح: زید کا عمر پر دس درہم تھے، زید نے درہم کے بجائے عمر کا سامان چرالیا تو اب زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ زید درہم تو لے سکتا تھا، عمر کا سامان نہیں لے سکتا تھا، ہاں عمر اپنی رضامندی سے دس درہم کے بدلے میں سامان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے، اور وہ بیچا نہیں ہے اس لیے زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہاں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ بعض علماء کے نزدیک زید کو اپنا حق لینے کا اختیار ہے، حق وصول کرنے کے لیے، یا حق بدلے رہن رکھنے کے لیے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، کہ اپنے حق کے بدلے میں سامان بھی لے سکتا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہاں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض علما نے فرمایا کہ۔ زید کو یہ حق ہے کہ اپنے درہم کے بدلے میں عمر کا سامان لے لیے، یا یوں کہا جائے کہ اپنے درہم کے بدلے میں عمر کا سامان لے کر اس کو اپنے پاس رہن رکھ لیا، چونکہ بعض علما کے نزدیک زید کا ایسا کرنا جائز ہے اس لیے زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۳ قُلْنَا: هٰذَا قَوْلٌ لَا يَسْتَنِدُ إِلَى دَلِيلٍ ظَاهِرٍ فَلَا يُعْتَبَرُ بِدُونِ اتِّصَالِ الدَّعْوَى بِهِ، حَتَّى لَوِ ادَّعَى ذٰلِكَ دُرِئَ عَنْهُ الْحَدُّ لِأَنَّهُ ظَنٌّ فِي مَوْضِعِ الْخِلَافِ. ۴ وَلَوْ كَانَ حَقُّهُ دَرَاهِمَ فَسَرَقَ مِنْهُ دَنَانِيرَ قِيلَ يُقْطَعُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ حَقُّ الْأَخْذِ، وَقِيلَ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ النُّقُودَ جِنْسٌ وَاحِدٌ (۲۶۶۶)وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيهَا فَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ

لغت:لقضاء من حقه، اور **رهنا من حقه:** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے عمر کا سامان لے لیا، یا اپنے درہم کے بدلے میں عمر کا سامان رہن رکھ لیا۔

ترجمہ: ۳ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ قول [کہ زید کو اپنا حق سامان لے کر لینے کا حق ہے] بغیر ظاہری دلیل کے ہے اس لیے بغیر دعوی کے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، چناں چہ اگر چور نے اگر اس کا دعوی کیا کہ [میں نے اپنا حق لیا ہے] تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی، اس کہ یہ گمان اختلاف کی جگہ میں ہے۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ امام ابو یوسف کا قول بغیر دلیل کے ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں زید چور یہ دعوی کرے کرے کہ میں نے عمر کا سامان اپنے درہم کی وجہ سے لیا ہے، تو چونکہ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ اپنا حق لے سکتا ہے، اس لیے اس شبہ سے زید سے حد ساقط ہو جائے گی۔

لغت:لانه ظن فی موضع الخلاف: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سامان چرا کر اپنا حق لے سکتا ہے، اس لیے یہ بھی ایک گمان کی چیز ہے اس لیے اس گمان کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی، کیوں کہ حد شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۴ اگر اس کا حق درہم میں تھا اور اس نے دینار چرا لیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ کاٹا جائے گا، اس لیے کہ اس کو دینار لینے کا حق نہیں تھا، اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ درہم اور دینار جو نقد ہیں وہ ایک ہی جنس ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ درہم اور دینار ایک ہی جنس ہے۔

تشریح: زید کا عمر پر دس درہم تھے، زید نے عمر کا دینار چرا لیا تو، کچھ حضرات نے فرمایا کہ ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ زید کا حق درہم میں تھا دینار میں نہیں تھا، یہ دوسری جنس ہے۔ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: درہم اور دینار ایک ہی جنس ہے، یہ دونوں نقود ہیں، اس لیے دینار لیا تو گویا کہ درہم ہی لیا جو اس کا حق تھا اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۶) کسی نے کوئی چیز چرائی اور اس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر دوبارہ اسی چیز کو چرائی، اور وہ چیز اسی حالت میں تھی تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: مثلا زید نے عمر کا بیل چرایا، اور اس کی وجہ سے زید کا ہاتھ کاٹا گیا، اور بیل عمر کو واپس دے دیا گیا، بیل اسی حالت میں تھا کہ زید نے دوبارہ اس بیل کو چرایا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) ہاتھ کٹنے کی وجہ سے زید کا کچھ حق اس بیل میں ہو گیا اس لیے اب زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) **عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ لا غرم علی السارق بعد قطع یمینه۔** (دار قطنی، باب کتاب الحدود، ۳/۱۲۹، نمبر ۳۳۶۳) اس

۱و القياس أن يقطع وهو رواية عن أبي يوسف وهو قول الشافعي، لقوله - عليه الصلاة والسلام - فإن عاد فاقطعوه من غير فصل، ۲ولأن الثانية متكاملة كالأولى بل أقبح لتقدم الزاجر، ۳وصار كما إذا باعه المالك من السارق ثم اشتراه منه ثم كانت السرقة. ۴ولنا أن القطع أوجب سقوط عصمة المحل على ما يعرف من بعد إن شاء الله تعالى، ۵والرد إلى المالك إن عادت حقيقة العصمة بقيت شبهة

حدیث میں ہے کہ ہاتھ کٹ جانے کے بعد چور اس چیز کا تاوان نہیں ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہاتھ کٹنے کی وجہ سے چور اس چیز کا مالک بن گیا ہے تب ہی تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے۔(۳) ایسا کوئی ذلیل ہی آدمی ہوگا، جو ایک مرتبہ ہاتھ کٹنے کے بعد دوبارہ اسی چیز کو چرائے گا، اس لیے دوبارہ ہاتھ کاٹنے سے اس کی تنبیہ نہیں ہوگی اس لیے دوبارہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کاٹا جائے، اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اگر دوبارہ چوری کرے تو دوسری مرتبہ کاٹ لو، بغیر کسی تفصیل کے ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ دوسری مرتبہ چرایا تو دوسری مرتبہ بھی کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ دوسری مرتبہ چرائے تو دوبارہ ہاتھ کاٹ لو، اور اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ چیز کی حالت بدلی ہو یا نہ بدلی ہو، حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا سرق السارق فاقطعوا يده و ان عاد فاقطعوا رجله فان عاد فاقطعوا يده فان عاد فاقطعوا رجله** (دار قطنی، **باب کتاب الحدود**، ۳/۱۲۸، نمبر ۳۳۵۹) اس حدیث میں ہے کہ بار بار چوری کرے تو بار بار کاٹو۔

ترجمہ: ۲ اور اس لیے کہ دوسری سزا پہلی کی طرح مکمل ہے بلکہ زیادہ قبیح ہے کیوں کہ ایک مرتبہ اس کو تنبیہ ہو چکی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ سزا کا مقصد ہے تنبیہ کرنا، اور اس سے پہلے ہاتھ کٹ چکا ہے اس لیے دوسری مرتبہ ہاتھ کٹنے سے زیادہ تنبیہ ہوگی اس لیے دوسری مرتبہ بھی ہاتھ کٹنا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ سزا بھی پہلی کی طرح کامل ہے۔

لغت: **زاجر:** یہ ایک محاورہ ہے، سزا دینے کا مقصد ہے چور کو تنبیہ کرنا، اور ڈرانا کہ آئندہ یہ کام نہیں کرنا۔

ترجمہ: ۳ اور ایسا ہو گیا کہ مالک نے چور کے ہاتھ بیچ دیا پھر مالک نے خرید لیا، پھر چور نے مالک سے چرایا [تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے] ایسے ہی یہ معاملہ ہو گیا۔

تشریح: زید نے جو بیل چرایا تھا اور اس کے بدلے ہاتھ کٹا تھا، عمر نے وہ بیل زید کے ہاتھ بیچ دیا، پھر عمر نے اس بیل کو خریدا، اس کے بعد زید نے عمر سے اس بیل کو چرایا تو اب زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح عمر کے پاس وہ رہا ہو اور زید نے دوبارہ چرایا تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے محل کی عصمت ہے وہ ساقط ہو گئی، جیسا کہ بعد میں معلوم ہوگا۔

تشریح: یہاں عبارت منطقی ہے اور پیچیدہ ہے، غور سے دیکھیں۔ بیل کی وجہ سے زید کا ہاتھ کاٹا گیا تو بیل محفوظ نہیں رہا بلکہ بیل میں زید کی بھی ملکیت آ گئی ہے۔

ترجمہ: ۵ اور مالک کی طرف لوٹانے کی وجہ سے اگر چہ حقیقت عصمت لوٹ آئی ہے ساقط ہونے کا شبہ باقی ہے اتحاد ملک اور اتحاد محل

السُّقُوطِ نَظَرًا إِلَى اتِّحَادِ الْمِلْكِ وَالْمَحَلِّ، وَقِيَامُ الْمُوجِبِ وَهُوَ الْقَطْعُ فِيهِ. ٦ بِخِلَافِ مَا ذُكِرَ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ اخْتَلَفَ بِاخْتِلَافِ سَبَبِهِ، ٧ وَلِأَنَّ تَكْرَارَ الْجِنَايَةِ مِنْهُ نَادِرٌ لِتَحَمُّلِهِ مَشَقَّةَ الزَّاجِرِ فَيَعْرَى الْإِقَامَةُ عَنِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجِنَايَةِ، ٨ وَصَارَ كَمَا إِذَا قَذَفَ الْمَحْدُودُ فِي قَذْفِ الْمَقْذُوفَ الْأَوَّلَ. قَالَ (٢٦٦٧) فَإِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ أَنْ يَكُونَ غَزْلًا فَسَرَقَهُ وَقُطِعَ فَرَدَّهُ ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ فَسَرَقَهُ قُطِعَ ١ لِأَنَّ الْعَيْنَ قَدْ تَبَدَّلَتْ

کی طرف دیکھتے ہوئے، اور سبب قائم ہے اور وہ ہے کاٹنا۔

تشریح: بیل عمر کی طرف لوٹا دیا گیا جسکی وجہ سے عصمت تو لوٹ آئی، لیکن عصمت کے ساقط ہونے کا شبہ باقی ہے، کیوں کہ مالک بھی وہی ہے اور ملکیت بھی وہی ہے، اور ہاتھ کٹنے کا سبب بھی وہی ہے۔۔ اصل بات یہ ہے کہ بیل کی وجہ سے زید کا ہاتھ کٹا تو گویا کہ زید بیل کا مالک بن گیا ہے اس لیے اس کو چرانے سے اس کا ہاتھ نہیں کٹنا چاہئے۔

ترجمہ: ٦ بخلاف جو ذکر کیا وہاں ملک بدل گئی سبب کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ عمر بیل کو زید کے ہاتھ بیچ دے، پھر زید عمر کے ہاتھ بیچ دے، اس کے بعد چرائے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اس کا جواب دیا رہا ہے کہ یہاں ملکیت بدل گئی ہے اس لیے گویا کہ وہ چیز بدل گئی اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن پہلی صورت میں ایسا نہیں ہوا ہے۔

ترجمہ: ۷ اور اس لیے کہ وہی چور دوبارہ جنایت کرے یہ نادر ہے کیوں کہ کٹنے کی مشقت برداشت کرنی ہوگی، اس لیے حد قائم کرنا مقصود سے خالی ہوگا اور وہ ہے جنایت کو کم کرنا۔

تشریح: کوئی ذلیل ہی چور ہوگا جو ایک مرتبہ ہاتھ کٹنے کے باوجود دوبارہ اسی چیز کو چرائے، اس لیے ایسا کم ہوتا ہے، اس لیے ہاتھ کاٹنے کا جو مقصد ہے تنبیہ کرنا وہ کم ہوگا، اس لیے ہاتھ کاٹنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۸ اور ایسا ہوگیا کہ پہلی مرتبہ حد قذف لگی ہو اسی کو پھر زنا کی تہمت لگائی۔

تشریح: زید نے عمر کو زنا کی تہمت لگائی، جسکی وجہ سے زید کو حد قذف لگی، اب دوبارہ زید نے عمر کو زنا کی تہمت لگائی تو اب دوسری مرتبہ زید کو حد قذف نہیں لگے گی، اسی پر قیاس کرتے ہوئے زید نے دوسری مرتبہ عمر کی وہی چیز چرائی تو دوبارہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۶۷) پس اگر اس کی حالت بدل گئی، مثلا سوت تھا اور اس کو چرایا اور ہاتھ کاٹا گیا پھر اس کو واپس کیا پھر اس کا کپڑا بن دیا پھر اس کو چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ عین بدل چکی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چیز کی حالت بدل گئی ہو تو اس جو چرانے سے دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: مثلا عمر کا سوت تھا زید نے اس کو چرایا جس سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا، اور سوت عمر کو دے دیا گیا، اب عمر نے اس کا کپڑا بن دیا اور زید نے کپڑا چرایا تو زید کا ہاتھ دوبارہ کاٹا جائے گا۔

وجہ: سوت کی حالت بدل جانے کی وجہ سے اب وہ پہلی چیز نہیں رہی بلکہ گویا کہ دوسری چیز بن گئی اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۲؎ وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الْغَاصِبُ بِهِ، وَهٰذَا هُوَ عَلَامَةُ التَّبَدُّلِ فِي كُلِّ مَحَلٍّ، وَإِذَا تَبَدَّلَ انْتَفَتِ الشُّبْهَةُ النَّاشِئَةُ مِنِ اتِّحَادِ الْمَحَلِّ، وَالْقَطْعِ فِيهِ فَوَجَبَ الْقَطْعُ ثَانِيًا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

فَصْلٌ فِي الْحِرْزِ وَالْأَخْذِ مِنْهُ

(۲۶۶۸) وَمَنْ سَرَقَ مِنْ أَبَوَيْهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ فَالْأَوَّلُ وَهُوَ الْوِلَادُ لِلْبُسُوطَةِ فِي الْمَالِ وَفِي الدُّخُولِ فِي الْحِرْزِ. وَالثَّانِي لِلْمَعْنَى الثَّانِي، وَلِهٰذَا أَبَاحَ الشَّرْعُ النَّظَرَ إِلَى مَوَاضِعِ الزِّينَةِ الظَّاهِرَةِ

ترجمہ: ۲؎ یہی وجہ ہے کہ غاصب اس سے مالک بن جاتا ہے، اور یہ ہر محل میں بدلنے کی علامت ہے، اور جب عین بدل گئی تو اتحاد محل اور اس میں کٹنے کا شبہ ختم ہو گیا، اس لیے اب دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: غاصب نے سوت غصب کیا اور اس کو کپڑا بنا دیا تو اب غاصب مالک بن جائے گا، اور غصب پر سوت کی قیمت لازم ہوگی، غاصب کا مالک ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ چیز کی حالت بدل گئی، اس لیے محل ایک نہیں رہا، اور جب محل دو ہو گیا تو دوسری مرتبہ بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

فصل فی الحرز والاخذ منه

ترجمہ: (۲۶۶۸) کسی نے چرائی اپنے والدین کی کوئی چیز، یا اپنے بیٹے کی یا ذی رحم محرم کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: کسی نے ماں باپ کی چیز دس درہم سے اوپر کی چرالی یا ماں باپ نے بیٹے کی چیز چرالی یا اپنے ذی رحم محرم کی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ مسئلے دو اصولوں پر متفرع ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب رہتے ہیں کہ اس کے لیے اس کا گھر محفوظ نہیں رہا، مثلا باپ کے لیے بیٹے کا اور بیٹے کے لیے باپ کا گھر محفوظ اور حرز نہیں ہے۔ اسی پر باقی مسئلے قیاس کر لیں۔ اور چوری کہتے ہیں مقام محفوظ سے چپکے سے اٹھانا۔ اس لیے چوری نہیں پائی گئی اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک کا دوسرے کے مال میں کچھ نہ کچھ حصہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلا بیٹا سمجھتا ہے کہ باپ کے مال میں میرا حصہ ہے اور باپ بھی سمجھتا ہے کہ بیٹے کا مال میرے لیے مباح ہے۔ اور اوپر اثر اور حدیث گزری کہ مال میں کچھ نہ کچھ حصہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہی حال غلام اور آقا کے درمیان کا ہے۔ اور یہی حال بیوی اور شوہر کے درمیان کا ہے۔ اس لیے غلام آقا کی چرالے یا آقا غلام مکاتب کی چرالے، بیوی شوہر کی چرالے یا شوہر بیوی کی چرالے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ **سأل ابن مسعود فقال عبدی سرق قباء عبدی قال مالک سرق بعضه بعضا لا قطع فیه وهو قول ابن عباس** ﷺ (سنن للبیهقی، باب العبد یسرق من متاع سیده ج ثامن ص ۴۸۸ نمبر ۱۷۳۰۲/ مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۱ فی العبد یسرق من مولاه ماعلیه؟ ۵: / ۵۱۴ نمبر ۲۸۵۵۹) (۳) اثر میں ہے۔ **فقال له عمر ماذا سرق قال سرق مرآة لامرأتی ثمنها ستون درهما فقال ارسله فلیس علیه قطع خادکم سرق متاعکم** (سنن للبیهقی، باب العبد یسرق من مال امرأة سیده ج ثامن ص ۴۸۹ نمبر ۱۷۳۰۳) ان قول صحابی سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کے مال کو چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ پہلا یعنی والدین اور اس کے بچے مال میں اور گھر میں داخل ہونے میں کھلا پن ہے، اور دوسرا یعنی ذی رحم محرم ہونے کی بنا پر داخل ہونے میں کھلا پن ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کی ظاہری زینت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے، بخلاف دو دوست

مِنْهَا، بِخِلَافِ الصَّدِيقَيْنِ لِأَنَّهُ عَادَاهُ بِالسَّرِقَةِ. ۲ وَفِي الثَّانِي خِلَافُ الشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - لِأَنَّهُ أَلْحَقَهَا بِالْقَرَابَةِ الْبَعِيدَةِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الْعَتَاقِ (۲۶۶۹)وَلَوْ سَرَقَ مِنْ بَيْتِ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مَتَاعَ غَيْرِهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يُقْطَعَ، وَلَوْ سَرَقَ مَالَهُ مِنْ بَيْتِ غَيْرِهِ يُقْطَعُ ا اعْتِبَارًا لِلْحِرْزِ وَعَدَمِهِ (۲۶۷۰)وَإِنْ سَرَقَ مِنْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ قُطِعَ ا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ

کے کہ چرانے کی وجہ سے دشمنی ہو جاتی ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ ماں باپ، اور ذی رحم محرم کے گھروں میں جانے کی کھلی اجازت ہوتی ہے اس لیے ان لوگوں کا گھر محفوظ جگہ نہیں رہی اس لیے یہاں سے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ تعزیر ہوگی اور مال واپس کروایا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ ذی رحم محرم عورت کی زینت ظاہرہ یعنی ہاتھ پاوں، پنڈلی، اور بال دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے، کیوں کہ ان لوگوں کے گھروں میں جانے کی کھلی اجازت ہوتی ہے۔ کھلا پن دو دوستوں کے گھروں میں ہوتا ہے، لیکن چوری کے بعد اس میں دشمنی ہو جاتی ہے، اس لیے وہاں چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، دسری بات یہ ہے کہ یہ شرعی کھلا پن نہیں ہے، بلکہ دوستی کی وجہ سے وقتی کھلا پن ہے جس کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت: اول: سے والدین اور ان کے بچے مراد ہیں۔ الثانی: سے ذی رحم محرم مراد ہیں۔

ترجمہ: ۲ اور دوسرے یعنی ذی رحم محرم کے سلسلے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے [یعنی ذی رحم محرم کے گھر سے چرالے تو ہاتھ کاٹا جائے گا] اس لیے کہ انہوں نے ذی رحم محرم کو دور کا رشتہ دار قرار دیا ہے، اور اس کو ہم نے کتاب العتاق میں بیان کیا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے گھر سے چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا، انہوں نے ذی رحم محرم کو دور کے رشتہ دار کے ساتھ ملایا ہے، کہ مثلا چچازاد بھائی نے چرایا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح اپنے بھائی نے چرایا تو اس کا بھی ہاتھا کاٹا جائے گا۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ دور کے رشتہ دار اور قریب کے رشتہ دار میں فرق ہے، دور کے رشتہ دار مثلا چچازاد بھائی کے ساتھ نکاح حلال ہے، جبکہ اپنے بھائی کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہے اس لیے ذی رحم محرم کو دور کے رشتہ دار کے ساتھ ملانا صحیح نہیں ہے۔، اس کو کتاب العتاق میں بیان کیا ہے۔

ترجمہ: (۲۶۶۹) اگر ذی رحم محرم کے گھر سے دوسرے کا سامان چرایا تو مناسب یہ ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

ترجمہ: ا اور اگر دوسرے کے گھر سے ذی رحم محرم کا سامان چرایا تو کاٹا جائے، محفوظ جگہ کے ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: ذی رحم محرم کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے اس لیے وہاں سے کسی اجنبی کا سامان چرائے تو قاعدے کے اعتبار سے اس کا ہاتھ نہیں کٹنا چاہئے۔ اور دوسرے کا گھر محفوظ جگہ ہے اس لیے وہاں سے ذی رحم محرم کا سامان چرایا تو قاعدے کے اعتبار سے اس کا ہاتھ کٹنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۶۷۰) اگر رضاعی ماں کے گھر سے چرایا تو کاٹا جائے گا۔

تشریح: یہاں نسبی ماں اور رضاعی کے گھر میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔۔ اپنی ماں ذی رحم بھی ہوتی ہے، اور محرم بھی ہوتی ہے، لیکن رضاعی ماں محرم تو ہوتی ہے کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے، لیکن ذی رحم نہیں ہوتی، یعنی رشتہ دار نہیں ہوتی، اس لیے اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے اس لیے اس کے گھر سے چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ اس کے گھر میں بغیر اجازت اور بغیر اطلاع کے داخل

وَحِشْمَةٍ، بِخِلَافِ الْأُخْتِ مِنَ الرَّضَاعِ لِانْعِدَامِ هَذَا الْمَعْنَى فِيهَا عَادَةً. ٢ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ لَا قَرَابَةَ وَالْمَحْرَمِيَّةُ بِدُونِهَا لَا تُحْتَرَمُ كَمَا إِذَا ثَبَتَتْ بِالزِّنَا وَالتَّقْبِيلِ عَنْ شَهْوَةٍ، وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْأُخْتُ مِنَ الرَّضَاعَةِ. ٣ وَهَذَا لِأَنَّ الرَّضَاعَ قَلَّمَا يَشْتَهِرُ فَلَا بُسُوطَةَ تَحَرُّزًا عَنْ مَوْقِفِ التُّهْمَةِ بِخِلَافِ النَّسَبِ.

ہوتا ہے، بخلاف رضاعی بہن کے اس لیے عادۃ اس میں یہ بات نہیں ہوتی[کہ بغیر اجازت اور بغیر اطلاع کے اس کے گھر میں داخل ہوجائے]

اصول: امام ابو یوسفؒ کے یہاں رضاعی ماں نسبی ماں کے درجے میں ہے اس لیے اس کے یہاں سے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: کیوں کہ رضاعی ماں کے گھر میں بغیر اجازت اور بغیر اطلاع کے داخل ہوتا ہے اس لیے اس کا گھر اس کے لیے محفوظ جگہ نہیں رہا، اس لیے اس کے گھر سے چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کے برخلاف رضاعی بہن سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، لیکن عادت میں ایسا ہے کہ اس کے گھر میں بغیر اجازت اور بغیر اطلاع کے داخل نہیں ہوتا اس لیے اس کا گھر اس کے لیے محفوظ مقام ہے اس لیے اس کے گھر سے چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **حشمة:** شرم وحیاء۔ یہاں مراد ہے اطلاع کرنا۔

ترجمہ: ٢ اور ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ رضاعی ماں سے نسب کی قرابت نہیں ہے، اور نسب کی قرابت کے محرم ہونے کا احترام نہیں ہے، جیسے کہ زنا اور بوسہ لینے سے حرمت ثابت ہو، اس سے قریب مال ہے رضاعی بہن۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی ظاہر روایت تھی کہ ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ یہاں دودھ پلانے کی وجہ سے رضاعی ماں محرم تو ہے لیکن ذی رحم نہیں ہے، یعنی نسبی رشتہ داری نہیں ہے، اس لیے اس کا گھر محفوظ مکان نہیں ہوگا، اس کی تین مثالیں دے رہے ہیں [۱] عورت سے زنا کر لے تو اس کی ماں ساس بن جاتی ہے اور اس سے نکاح کرنا حرام ہوجاتا ہے، اور وہ ذی رحم بن جاتی ہے، پھر بھی اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہوتی، [۲] عورت کا بوسہ لے لے تو اس سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے اور اس کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہوجاتا ہے پھر بھی اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہوتی۔ [۳] رضاعی بہن سے نکاح کرنا حرام ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہوگا، اسی طرح رضاعی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، لیکن اس کا گھر اس بچے کے لیے محفوظ مکان نہیں ہوگا اور اس کے گھر سے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **تحترم:** احترام نہیں کرتا، یہاں مراد ہے اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے۔ تقبیل: بوسہ لینا، جس کی وجہ سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے۔

ترجمہ: ٣ کی ایک وجہ یہ ہے کہ دودھ پلانے کی شہرت کم ہوتی ہے اس لیے تہمت سے بچنے کے لیے اتنا کھلا پن نہیں ہوتا، بخلاف نسب کے کہ اس کے گھر میں جانے میں کھلا پن ہوتا ہے۔

تشریح: دودھ پلانے کی وجہ سے رضاعی ماں بنتی ہے، لیکن لوگوں کو اس کا علم کم ہوتا ہے، اس لیے تہمت کی وجہ سے اس کے گھر میں کھلے عام نہیں جاتا، اس لیے اس کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے اس لیے اس کے یہاں سے چرانے سے ہاتھ کٹے گا۔

(۲۶۷۱) وَإِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخَرِ أَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنِ امْرَأَةِ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ لِوُجُودِ الْإِذْنِ بِالدُّخُولِ عَادَةً، ۲؎ وَإِنْ سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنْ حِرْزِ الْآخَرِ خَاصَّةً لَا يَسْكُنَانِ فِيهِ فَكَذَلِكَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - لِتَبَسُّطِهِ بَيْنَهُمَا فِي الْأَمْوَالِ عَادَةً وَدَلَالَةً وَهُوَ نَظِيرُ الْخِلَافِ فِي الشَّهَادَةِ.

ترجمہ: (۲۶۷۱) میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے کا چرایا، یا غلام نے مالک کا چرایا، یا مالک کی بیوی کا چرایا، یا مالکہ کے شوہر کا چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ عادۃ داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے [اس لیے یہ گھر محفوظ جگہ نہیں رہی]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہاں کسی کا گھر محفوظ جگہ نہیں رہی اس لیے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) میاں بیوی ایک دوسرے کے گھر میں بے محابہ داخل ہوتے ہیں، اسی طرح غلام مالک کے گھر اور اس کی بیوی کے گھر میں بے محابہ داخل ہوتا ہے، اسی طرح مالکہ کے شوہر کے گھر میں بے محابہ داخل ہوتا ہے اس لیے ان لوگوں کا گھر محفوظ جگہ نہیں ہے اس لیے اس کے سامان چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) بیوی شوہر کے بارے میں یہ قول تابعی ہے۔ **بلغنی عن عامر قال لیس علی زوج المرأۃ فی سرقۃ متاعها قطع۔** (۳) اور دوسری روایت میں ہے۔ **وقال عبد الکریم لیس علی المرأۃ فی سرقۃ متاعه قطع** (مصنف عبد الرزاق، **باب من سرق مالا یقطع فیه**، ج ۹/۵۱۰، نمبر ۱۹۱۸۱) (۴) اور اسی باب کے حدیث نمبر ۱۹۱۸۰ میں ذی رحم محرم کے بارے میں ہے۔ **قال الثوری ﷺ یستحسن الا یقطع من سرق من ذی رحم محرم خاله او عمه او ذات محرم** (مصنف عبد الرزاق ج تاسع نمبر ۱۹۱۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی شوہر کا یا شوہر بیوی کا مال چرائے یا ذی رحم محرم آدمی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کے خاص کمرے سے چرایا، جہاں دونوں رہتے نہیں تھے تب بھی ہمارے نزدیک یہی جواب ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، خلاف امام شافعیؒ کے اس لیے کہ عادت میں اور دلالت میں کھلا پن ہوتا ہے، اور اس کی مثال ہے گواہی دینے میں جو اختلاف ہے۔

تشریح: ایک تو صورت یہ ہے کہ میاں بیوی جہاں رہتے ہوں وہاں سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن بیوی کا یا شوہر کا کوئی مخصوص کمرہ تھا جہاں یہ لوگ رہتے نہیں تھے وہاں سے بیوی نے شوہر کا مال چرالیا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: میاں بیوی کے مال میں کھلا پن ہوتا ہے اور بغیر اجازت کے بھی لے لیا کرتے ہیں اس لیے گویا کہ لینے کی اجازت ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مخصوص کمرہ ہے اس لیے یہ محفوظ مقام ہے اس لیے اس کے یہاں چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا، اسطرح کا ایک اور مسئلہ ہے گواہی دینے کا اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں میاں بیوی کے حق میں اور بیوی میاں کے حق گواہی دے تو ہمارے یہاں قبول نہیں کی جائے گی، اور امام شافعیؒ کے یہاں قبول کی جائے گی۔

لغت: **بسوطة:** بساطت ہو، کھلا پن ہو۔

(۲۶۷۲)وَلَو سَرَقَ الْمَوْلَى مِنْ مُكَاتَبِهِ لَمْ يُقْطَعْ ١؎لِأَنَّ لَهُ فِي أَكْسَابِهِ حَقًّا (۲۶۷۳)وَكَذَلِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ ١؎لِأَنَّ لَهُ فِيهِ نَصِيبًا، وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - دَرْءًا وَتَعْلِيلًا. وَقَالَ (۲۶۷۴) وَالْحِرْزُ عَلَى نَوْعَيْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًى فِيهِ كَالْبُيُوتِ وَالدُّورِ. وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ ١؎قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: الْحِرْزُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّ الِاسْتِسْرَارَ لَا يَتَحَقَّقُ دُونَهُ، ثُمَّ هُوَ قَدْ يَكُونُ بِالْمَكَانِ وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُعَدُّ لِإِحْرَازِ الْأَمْتِعَةِ كَالدُّورِ وَالْبُيُوتِ وَالصُّنْدُوقِ وَالْحَانُوتِ، وَقَدْ يَكُونُ بِالْحَافِظِ كَمَنْ جَلَسَ فِي الطَّرِيقِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ وَعِنْدَهُ مَتَاعُهُ فَهُوَ مُحْرَزٌ بِهِ، وَقَدْ قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ - مَنْ سَرَقَ رِدَاءَ صَفْوَانَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ: (۲۶۷۲) اور اگر آقا نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١؎ اس لیے کہ مکاتب کے مال میں آقا کا حق ہے۔

وجہ: (۱) پہلے یہ اصول گزر چکا ہے کہ اگر کسی کے مال میں شرکت ہو یا حق ہو تو اس مال کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے، البتہ تعزیر ہوگی اور مال واپس دلوایا جائے گا۔ یہاں مکاتب کے مال میں آقا کا حق ہے، کیوں کہ مکاتب آقا ہی کا غلام ہے اس لیے آقا کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) ان سارے مسئلوں کے لیے اوپر کی حدیث ابن ماجہ شریف دلیل ہے۔ **عن ابن عباس ان عبدا من رقیق الخمس سرق من الخمس فرفع ذلک الی النبی ﷺ فلم یقطعه و قال مال الله عز و جل سرق بعضه بعضا۔** (ابن ماجہ شریف، باب العبد یسرق ص ۲۷۲ نمبر ۲۵۹۰) اس حدیث کے آخر میں ہے بعض بعض کا چرایا اس لیے نہیں کاٹا جائے گا (۳) یہ قول تابعی بھی ہے۔ **عن الثوری قال ان سرق المکاتب من سیده شیئا لم یقطع و ان سرق السید من المکاتب شیئا لم یقطع** (مصنف عبد الرزاق، باب الخیانۃ: ۹/ ۵۰۳ نمبر ۱۹۱۴۲) اس قول تابعی میں ہے کہ آقا نے مکاتب کا مال، یا مکاتب نے آقا کا مال چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۷۳) ایسے ہی مال غنیمت میں چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ١؎ اس لیے کہ چور کا اس مال غنیمت میں حق ہے، اور اسی طرح حضرت علیؓ سے حکم بھی منقول ہے اور وجہ بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح: مال غنیمت سے کوئی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ چور کا مال غنیمت میں حق ہے۔

وجہ: (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **ان عبدا من رقیق الخمس سرق من الخمس الخ** (ابن ماجہ شریف نمبر ۲۵۹۰) مال غنیمت میں چور کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے اس لیے بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ (۲) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **قال اتی علی برجل سرق من الخمس فقال له فیه نصیب هو جائز فلم یقطعه** (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یسرق شیئا له فیه نصیب: ۹/ ۵۰۳ نمبر ۱۹۱۴۳) اس قول صحابی میں فلم یقطعہ، کہ ہاتھ نہیں کاٹا یہ حکم بیان کرنا ہوا۔ اور لہ فیہ نصیب، میں نہ کاٹنے کی وجہ بیان کی، کہ اس کا حصہ ہے اس لیے نہیں کاٹتا ہوں۔

لغت: درء: حکم بیان کیا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ **تعلیل:** وجہ بیان کی، علت بیان کی، کہ چور کا اس مال غنیمت میں حصہ ہے۔

ترجمہ: (۲۶۷۴) حرز دو طرح کے ہیں، ایک یہ کہ وہ جگہ حفاظت کی ہو جیسے گھر اور کمرہ، اور حرز محافظ کے ذریعہ۔

ترجمہ: ١؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ چرانے کے لیے حرز یعنی محفوظ ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر چپکے سے لینا متحقق نہیں ہوگا، پھر حرز کبھی مکان کے ذریعہ سے ہوتا ہے، یعنی مکان سامان کی حفاظت کے لیے تیار کیا گیا ہو جیسے گھر، کمرہ، صندوق، دوکان، اور کبھی

(۲۶۷۴)وَفِي الْمُحْرَزِ بِالْمَكَانِ لَا يُعْتَبَرُ الْإِحْرَازُ بِالْحَافِظِ ۱ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مُحْرَزٌ بِدُونِهِ وَهُوَ الْبَيْتُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَابٌ أَوْ كَانَ وَهُوَ مَفْتُوحٌ حَتَّى يُقْطَعَ السَّارِقُ مِنْهُ، لِأَنَّ الْبِنَاءَ لِقَصْدِ الْإِحْرَازِ ۲ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ إِلَّا بِالْإِخْرَاجِ مِنْهُ لِقِيَامِ يَدِهِ فِيهِ قَبْلَهُ. بِخِلَافِ الْمُحْرَزِ بِالْحَافِظِ حَيْثُ يَجِبُ الْقَطْعُ فِيهِ، كَمَا

محافظ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے کوئی راستے میں، یا مسجد میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس سامان ہو تو وہ سامان اس آدمی کی وجہ سے محفوظ ہے، چناں چہ حضرت صفوانؓ مسجد میں سوئے تھے اس کے سر کے نیچے سے چادر چرائی تو حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹا۔

تشریح: جس حرز سے چرانے سے ہاتھ کٹتا ہے وہ دو طرح سے ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مکان ہی حفاظت کے لیے ہو۔ جیسے گھر یا کمرہ ہے کہ اس میں آدمی نہ بھی ہو تو خود گھر اور کمرہ محافظ کے معنی میں ہے۔ ان کے اندر کوئی آدمی چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے وہ کھلا ہوا میدان ہے یا مسجد ہے جس میں عام لوگ جاتے رہتے ہیں اس لیے وہ محافظ کے معنی میں نہیں ہے۔ لیکن وہاں آدمی حفاظت کے لیے بیٹھا ہوا ہے اس لیے آدمی کی حفاظت کی وجہ سے حرز بن گیا۔ اب محافظ کے پاس سے کوئی چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) گھر یا کمرہ خود محافظ اور حرز ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان عبد اللہ بن عمر حدثھم ان النبی ﷺ قطع ید رجل سرق ترسا من صفة النساء ثمنه ثلاثة دراھم** (ابو داؤد شریف، **باب ما یقطع فیه السارق** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۶) اس حدیث میں صفۃ النساء عورتوں کے کمرہ سے معلوم ہوا کہ کمرہ خود محافظ اور حرز ہے۔ (۲) اور آدمی کے ذریعہ حرز اور حفاظت ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن صفوان بن امیة قال کنت نائما فی المسجد علی خمیصة لی ثمن ثلاثین درھما فجاء رجل فاختلسھا منی فاخذ الرجل فاتی به النبی ﷺ فامر به لیقطع** (ابو داؤد شریف، **باب فیمن سرق من حرز** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴/ نسائی شریف، **باب ما یکون حرزا و ما لا یکون**، ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۵) اس حدیث میں حضرت صفوان کے سر کے نیچے چادر تھی اس لیے وہ خود اس کا محافظ بنے تو انسان کی حفاظت کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔

ترجمہ: (۲۶۷۴) مکان کے ذریعہ جو محفوظ ہو وہاں حفاظت کرنے والے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ صحیح بات یہی ہے، اس لیے کہ بغیر محافظ کے بھی مکان حفاظت کی چیز ہے، چاہے اس کا دروازہ نہ ہو، یا دروازہ ہو لیکن کھلا ہوا، یہاں تک کہ اس سے چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لیے کہ عمارت حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔

تشریح: عمارت اگر ہو تو وہ خود حفاظت کی چیز ہے، وہاں آدمی کی حفاظت کا اعتبار نہیں ہے، چناں چہ عمارت سے کوئی چیز چرائی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چاہے وہاں محافظ ہو یا نہ ہو، کیوں کہ عمارت حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔

لغت: ان لم یکن له باب: کمرے کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں [۱] یا تو کمرے کا دروازہ ہی نہ ہو۔ [۲] دروازہ تو ہو لیکن کھلا ہوا ہو۔ [۳] تیسری صورت اور ہے کہ دروازہ ہو اور اس پر تالا لگا ہوا ہو، یہ صورت یہاں بیان نہیں کی ہے۔

ترجمہ: ۲ یہ اور بات ہے کہ جب تک کہ گھر سے سامان نکال نہ لے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ جب تک گھر میں سامان ہے تو اس پر مالک کا ہی قبضہ ہے، بخلاف محافظ کے کہ وہاں جیسے ہی سامان ہاتھ میں لیا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ محض ہاتھ میں لینے سے مالک کی ملکیت ختم ہو گئی اور چوری مکمل ہو گئی۔

أُخِذَ لِزَوَالِ يَدِ الْمَالِكِ بِمُجَرَّدِ الْأَخْذِ فَتَتِمُّ السَّرِقَةُ، ۳؎ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ الْحَافِظُ مُسْتَيْقِظًا أَوْ نَائِمًا وَالْمَتَاعُ تَحْتَهُ أَوْ عِنْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَمْ يُعَدُّ النَّائِمُ عِنْدَ مَتَاعِهِ حَافِظًا لَهُ فِي الْعَادَةِ. ۴؎ وَعَلَى هَذَا لَا يَضْمَنُ الْمُودَعُ وَالْمُسْتَعِيرُ بِمِثْلِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَضْيِيعٍ، بِخِلَافِ مَا اخْتَارَهُ فِي الْفَتَاوَى. (۲۶۷۵) قَالَ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ قُطِعَ ۱؎ لِأَنَّهُ سَرَقَ مَالًا مُحْرَزًا بِأَحَدِ الْحِرْزَيْنِ

تشریح: مکان کی حفاظت اور محافظ کی حفاظت میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ مکان کی صورت۔ جب تک سامان گھر کے اندر ہو چاہے چور کے ہاتھ میں ہو تو ابھی تک مالک کی ملکیت ہے، اور جب گھر سے باہر نکال لے گا تب چوری سمجھی جائے گی، اور تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ محافظ کی صورت۔ اور محافظ کا حال یہ ہے کہ جیسے ہی چور نے سامان کو اپنے ہاتھ میں لیا تو چوری ہوگئی چاہے محافظ کے پاس ہی پڑا ہوا ہو اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ کوئی فرق نہیں ہے چاہے محافظ بیدار ہو، یا سویا ہوا ہو، اور سامان اس کے نیچے ہو، یا اس کے پاس ہو صحیح یہی ہے، اس لیے کہ سامان کے پاس محافظ سویا ہوا تب بھی عادت میں اس کو حفاظت کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں چار صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں محافظ کو حفاظت کرنے والا شمار کیا جاتا ہے [۱] محافظ بیدار ہو [۲] محافظ سویا ہوا ہو [۳] محافظ کے پاس سامان ہو [۴] محافظ کے نیچے سامان ہو ان چاروں صورتوں میں حفاظت کرنے والا شمار کیا جاتا ہے، اور ان صورتوں میں چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس حدیث میں حضرت صفوان سوئے ہوئے ہیں اور سامان سر کے نیچے ہے، جس کی بنا پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ **عن صفوان بن امیة قال كنت نائما في المسجد على خميصة لي ثمن ثلاثين درهما فجاء رجل فاختلسها مني فاخذ الرجل فاتي به النبي ﷺ فامر به ليقطع** (ابوداؤد شریف، **باب فيمن سرق من حرز** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴ / نسائی شریف، **باب مايكون حرزا و مالا يكون**، ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۵)

ترجمہ: ۴؎ یہی وجہ ہے کہ امانت رکھنے والا اور عاریت پر لینے والا اس طرح کے رکھنے سے ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ ضائع کرنا نہیں ہے، لیکن فتوی میں اس کے خلاف اختیار کیا گیا ہے۔

تشریح: یہ دو مثالیں ہیں اور دلیل عقلی بھی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ امانت رکھنے والا، اور عاریت لینے والا سامان کی حفاظت نہ کرے اور جان کر اس کو ضائع کر دے تو اس کو ضمان دینا پڑتا ہے، لیکن اگر سامان اس کے پاس ہو اور وہ سویا ہوا ہو اور سامان ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، کیوں کہ اس طرح رکھنے سے شریعت کی نگاہ میں وہ حفاظت کرنے والا ہے، جب یہاں حفاظت کرنے والا ہے تو چوری کی صورت میں بھی وہ حفاظت ہی کرنے والا ہے۔ لیکن فتوی میں یہ کہا گیا ہے کہ عاریت پر لینے والا، اور امانت رکھنے والا ضامن بن جائے گا۔

لغت: **مودع: ودیعت** سے مشتق ہے، امانت رکھنے والا۔ **مستعیر:** عاریت سے مشتق ہے، مانگ کر لینے والا۔

ترجمہ: (۲۶۷۵) کسی محفوظ جگہ سے چرائی، یا محفوظ جگہ تو نہیں تھی لیکن محافظ اس کے پاس موجود تھا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ محفوظ مال چرایا ہے، جو دو حفاظتوں میں سے ایک سے محفوظ تھا۔

تشریح: محفوظ جگہ سے کوئی چیز چرائی، یا جگہ تو محفوظ نہیں تھی، مثلا میدان تھا، لیکن وہاں محافظ موجود تھا تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں

(۲۶۷۶) وَلَا قَطْعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ مَالًا مِنْ حَمَّامٍ أَوْ مِنْ بَيْتٍ أُذِنَ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ ۱؎ لِوُجُودِ الْإِذْنِ عَادَةً أَوْ حَقِيقَةً فِي الدُّخُولِ فَاخْتَلَّ الْحِرْزُ ۲؎ وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ حَوَانِيتُ التُّجَّارِ وَالْخَانَاتُ، إِلَّا إِذَا سَرَقَ مِنْهَا لَيْلًا لِأَنَّهَا بُنِيَتْ لِإِحْرَازِ الْأَمْوَالِ، وَإِنَّمَا الْإِذْنُ يَخْتَصُّ بِالنَّهَارِ (۲۶۷۷) وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ ۱؎ لِأَنَّهُ مُحْرَزٌ بِالْحَافِظِ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا بُنِيَ لِإِحْرَازِ الْأَمْوَالِ فَلَمْ يَكُنِ الْمَالُ مُحْرَزًا بِالْمَكَانِ، بِخِلَافِ الْحَمَّامِ وَالْبَيْتِ الَّذِي أُذِنَ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ حَيْثُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ بُنِيَ لِلْإِحْرَازِ فَكَانَ

کہ حفاظت کی دو قسمیں تھیں، ان میں سے ایک کی وجہ سے محفوظ تھی، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۷۶) نہیں کاٹا ہے اس پر جس نے چرایا غسل خانے سے یا ایسے گھر سے جس میں لوگوں کے لیے داخل ہونے کی اجازت ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ حمام میں عادۃ ہر ایک کو داخل ہونے کی اجازت موجود ہے، یا حقیقت میں اجازت موجود ہے اس لیے حرز نہیں رہا [اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

تشریح: پچھلے زمانے میں غسل کرنے کے لیے حمام بناتے تھے جس میں ہر آدمی داخل ہو سکتا تھا اس لیے وہ مقام محفوظ نہیں رہا۔ اسی طرح ہر وہ مقام جس میں ہر آدمی کو داخل ہونے کی اذن عام ہو جیسے مسجد، سرائے خانہ وہ مقامات حرز نہیں ہیں تو ان مقامات سے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس قول صحابی میں ہے۔ **عن ابی الدرداء قال لیس علی سارق الحمام قطع** (سنن للبیہقی، **باب القطع فی کل مالہ ثمن اذا سرق من حرز وبلغت قیمتہ ربع دینار** ج ثامن ص ۴۵۸ نمبر ۱۷۲۰۶ / مصنف عبد الرزاق، **باب سارق الحمام وما لا یقطع فیہ: ۹/ ۵۱۱،** نمبر ۱۹۱۸۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حمام یعنی غسل خانہ سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اسی نہ کاٹنے میں داخل ہے تجارت کی دکان، اور مسافر خانے، ہاں اگر اس میں سے رات کو چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اس لیے کہ مال کی حفاظت کے لیے بنائے گئے ہیں، اور داخل کی اجازت تو دن میں ہے۔

تشریح: تجارت کی دکان اور مسافر خانوں میں دن کو داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے اس لیے دن کو چرائے گا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن رات کو اس میں ہر آدمی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی، اس لیے رات میں اس سے چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) ابو داؤد شریف کی حدیث میں گزرا۔ **ومن سرق منہ شیئا بعد ان یؤویہ الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیہ القطع ومن سرق دون ذلک فعلیہ غرامۃ مثلیہ والعقوبۃ** (ابو داؤد شریف، **باب ما لا قطع فیہ** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محفوظ مقام پر نہ پہنچا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ دو گنا تاوان لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۶۷۷) کسی نے مسجد سے سامان چرایا اور اس کا مالک اس کے پاس تھا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ محافظ کی وجہ سے محرز ہے اس لیے کہ مسجد مال کی حفاظت کے لیے نہیں بنائی گئی ہے اس لیے مکان یعنی مسجد کی وجہ سے محرز نہیں ہوا بلکہ محافظ کی وجہ سے محرز ہوا۔ بخلاف حمام اور وہ گھر جس میں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو یہاں محافظ ہونے کے باوجود نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ گھر احراز کے لیے بنایا گیا ہے، اس لیے گھر حرز ہے اس لیے محافظ کے ذریعہ حفاظت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

الْمَكَانُ حِرْزًا فَلَا يُعْتَبَرُ الْإِحْرَازُ بِالْحَافِظِ. (۲۶۷۸)وَلَا قَطْعَ عَلَى الضَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِمَّنْ أَضَافَهُ ۱؎ لِأَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يَبْقَ حِرْزًا فِي حَقِّهِ لِكَوْنِهِ مَأْذُونًا فِي دُخُولِهِ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ أَهْلِ الدَّارِ فَيَكُونُ فِعْلُهُ خِيَانَةً لَا سَرِقَةً. (۲۶۷۹)وَمَنْ سَرَقَ سَرِقَةً فَلَمْ يُخْرِجْهَا مِنَ الدَّارِ لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ لِأَنَّ الدَّارَ كُلَّهَا حِرْزٌ وَاحِدٌ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِخْرَاجِ مِنْهَا، وَلِأَنَّ الدَّارَ وَمَا فِيهَا فِي يَدِ صَاحِبِهَا مَعْنًى فَيَتَمَكَّنُ شُبْهَةُ عَدَمِ الْأَخْذِ

تشریح: گھر جس میں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی ہو، اور مسجد میں جو داخل ہونے کی اجازت ہے اس میں باریک فرق ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔ مسجد احراز اور حفاظت کے لیے نہیں بنائی گئی، اس میں دن اور رات دونوں میں لوگ داخل ہوتے ہیں، اس لیے وہاں محافظ ہو اسی سے احراز ہوگی، چناں چہ محافظ ہوگا تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں، چاہے دن ہو چاہے رات ہو۔ اور گھر حقیقت میں احراز کے لیے بنایا جاتا ہے، البتہ وقتی طور پر لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے وہاں محافظ ہو یا نہ ہو اس سے نہیں کاٹا جائے گا، جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ دن کے وقت محافظ ہو اور سامان چرایا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے اور رات کے وقت محافظ نہ بھی ہو تب بھی کاٹا جائے گا، کیوں کہ رات کے وقت داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی اس لیے گھر کے احراز کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا۔

وجہ: مسجد میں محافظ ہو تب ہاتھ کاٹا جائے گا اس کے لیے یہ حدیث ہے۔ **عن صفوان بن امية قال كنت نائما في المسجد على خميصة لي ثمن ثلاثين درهما فجاء رجل فاختلسها مني فاخذ الرجل فاتي به النبي ﷺ فامر به ليقطع** (ابو داؤد شریف، باب **فيمن سرق من حرز** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴/ نسائی شریف **ما يكون حرزا و مالا يكون** ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۵) اس حدیث میں مسجد میں حضرت صفوان محافظ تھے اس لیے چور کا ہاتھ کاٹا گیا

ترجمہ: (۲۶۷۸) نہیں کاٹا ہے مہمان پر اگر وہ چرائے اس کی جس نے میزبانی کی ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ مہمان کے حق میں گھر محفوظ نہیں رہا کیوں کہ اس کو گھر میں داخل ہونے اجازت ہے، اور اب مہمان گھر میں رہنے والے کی طرح ہو گیا، اس لیے یہ خیانت مانا جائے گا چوری نہیں۔

تشریح: مہمان نے میزبان کی چیز چرالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے۔ **سئل الزهري عن رجل ضاف قوما فاختانهم فلم ير عليه قطعا** (مصنف عبد الرزاق، **باب الخيانة** ۹/۵۰۲، نمبر ۱۷۳۱۳) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مہمان میزبان کے گھر سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) مہمان کے لیے میزبان کا گھر حرز نہیں رہا، کیوں کہ اس میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔

ترجمہ: (۲۶۷۹) چور نے چرایا لیکن ابھی تک سامان گھر سے نہیں نکالا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ پورا گھر ایک ہی حرز ہے اس لیے گھر سامان کو نکالنا ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گھر اور جو چیز گھر میں ہے سب اس کے مالک کے قبضے میں ہے تو نہ لینے کا شبہ بھی ہو گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سامان گھر سے باہر نکالے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر گھر سے باہر نہیں نکال سکا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ حرز سے باہر نہیں نکالا۔

(۲۶۸۰)فَإِنْ كَانَتْ دَارٌ فِيهَا مَقَاصِيرُ فَأَخْرَجَهَا مِنْ مَقْصُورَةٍ إِلَى صَحْنِ الدَّارِ قُطِعَ ا؎ لِأَنَّ كُلَّ مَقْصُورَةٍ بِاعْتِبَارِ سَاكِنِهَا حِرْزٌ عَلَى حِدَةٍ (۲۶۸۱)وَإِنْ أَغَارَ إِنْسَانٌ مِنْ أَهْلِ الْمَقَاصِيرِ عَلَى مَقْصُورَةٍ فَسَرَقَ مِنْهَا قُطِعَ ا؎ لِمَا بَيَّنَّا. (۲۶۸۲)وَإِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَيْتَ فَدَخَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِمَا ا؎ لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ الْإِخْرَاجُ لِاعْتِرَاضِ يَدٍ مُعْتَبَرَةٍ عَلَى الْمَالِ قَبْلَ خُرُوجِهِ. وَالثَّانِي لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ هَتْكُ

تشریح: چور نے چوری کی لیکن سامان گھر سے باہر نہیں نکالا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی دو دلیل عقلی دے رہے ہیں [۱] پورا گھر مالک کا ہے اس لیے وہاں سے نکالے گا تب چور کے ہاتھ میں آئے گا۔ [۲] دوسرا یہ کہ پورا گھر مالک کا ہے، اس لیے جب تک سامان گھر میں ہے تو ابھی تک مالک ہی قبضے میں ہے چور کے قبضے میں نہیں آیا ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ [۳] قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان عثمان قضی انه لا قطع علیه و ان کان قد جمع المتاع فاراد ان یسرق حتی یحوله و یخرج به۔** [۴] دوسری روایت میں ہے۔ **عن الشعبی قال لا یقطع السارق حتی یخرج بالمتاع من البیت** (مصنف عبد الرزاق، **باب السارق یوجد فی البیت و لم یخرج بسرقته، ج ۹/ ۴۹۰ / ۴۹۱** نمبر ۱۹۰۸۱ / ۱۹۰۸۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۰ **فی القوم ینقب علیهم فیستغیثون فیجدون قوما یسرقون فیؤخذون معهم؟ ج ۴/ ۵۴۹** نمبر ۲۸۹۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان ساتھ لے کر باہر آیا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۸۰) اگر بڑا گھر ہو اور اس میں بہت سے کمرے ہوں، پس ایک کمرے سے گھر کے صحن میں سامان لایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا؎ اس لیے کہ رہنے والے کے اعتبار سے ہر کمرہ الگ الگ حرز ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہر کمرہ الگ الگ حرز ہے، اس لیے کمرے سے باہر نکالا تو گویا کہ حرز سے باہر نکالا، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۸۱) اگر کمرے والے میں سے کسی نے دوسرے کمرے سے چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا؎ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ ہر کمرہ الگ الگ حرز ہے]

تشریح: بڑے گھر میں کئی کمرے تھے، ایک کمرے والے نے دوسرے کمرے سے دس درہم کی چیز چرائی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: ہر ہر کمرہ الگ الگ حرز ہے، اس لیے ایک کمرے والے کو دوسرے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اس لیے جب حرز سے چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۸۲) اگر چور نے گھر میں نقب لگایا اور داخل ہوا اور مال لیا اور دوسرے کو دے دیا جو گھر سے باہر تھا تو کسی پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔

ترجمہ: ا؎ اس لیے کہ پہلے چور سے سامان کا نکالنا نہیں پایا گیا، کیوں کہ مال کو نکالنے سے پہلے اس پر دوسرے کا ہاتھ لگ گیا، اور دوسرے نے حرز نہیں توڑی تو دونوں میں سے کسی کا سرقہ پورا نہیں ہوا [اس لیے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

تشریح: چور نے گھر میں سوراخ کیا جس کو نقب لگانا کہتے ہیں پھر اندر داخل ہو کر مال اٹھایا اور خود گھر سے باہر نہیں لایا بلکہ گھر سے باہر دوسرا چور تھا اس کو پھینک کر دیا وہ لے کر گیا تو نہ گھر میں داخل ہونے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور نہ باہر سے اچکنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوری اس کو کہتے ہیں کہ گھر کے اندر جا کر خود مال ساتھ لے کر باہر آئے تب اس کو چوری کہتے

الْحِرْزِ فَلَمْ تَتِمَّ السَّرِقَةُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ. ٢وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: إنْ أَخْرَجَ الدَّاخِلُ يَدَهُ وَنَاوَلَهَا الْخَارِجَ فَالْقَطْعُ عَلَى الدَّاخِلِ، وَإِنْ أَدْخَلَ الْخَارِجُ يَدَهُ فَتَنَاوَلَهَا مِنْ يَدِ الدَّاخِلِ فَعَلَيْهِمَا الْقَطْعُ. وَهِيَ بِنَاءً عَلَى مَسْأَلَةٍ تَأْتِي بَعْدَ هَذَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. ٣وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيقِ وَخَرَجَ فَأَخَذَهُ قُطِعَ

ہیں۔ یہ خود مال ساتھ لے کر باہر نہیں آیا ہے بلکہ دوسرے کو پھینک کر دیا اور باہر والے نے اچک لیا اس لیے چوری کا معنی کسی میں نہیں پایا گیا اس لیے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا نہ داخل ہونے والے کا کہ مال ساتھ لے کر باہر نہیں آیا اور باہر والے کا کیوں کہ وہ گھر کے اندر سے نہیں لایا بلکہ سڑک پر سے مال اٹھایا ہے جو غیر محفوظ جگہ ہے (۲)۔ **عن الشعبی قال لا یقطع السارق حتی یخرج بالمتاع من البیت** (مصنف عبد الرزاق، **باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج بسرقتہ، ۹/ ۱۹۴ نمبر/۱۹۰۸۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۰ فی القوم ینقب علیہم فیستغیثون فیجدون قوما یسرقون فیؤخذون معہم؟: ۵۴۹/۴ ۹ نمبر ۲۸۹۱۱**) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان ساتھ لے کر باہر آیا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہاں ساتھ لے کر باہر نہیں آیا اور دوسرے نے گھر کے اندر یعنی مقام محفوظ سے مال نہیں اٹھایا بلکہ دوسرے کے ہاتھ سے لیا ہے اس لیے اس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ اگر اندر والے نے اپنا ہاتھ کمرے سے باہر نکالا، اور باہر والے نے لیا تو اندر والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر باہر والے نے اپنا ہاتھ کمرے کے اندر داخل کیا، اور اندر سے سامان لیا تو اس پر بھی کاٹنا ہے، اور اس کا مدار ایک مسئلے پر ہے جو بعد میں آئے گا ان شاء اللہ

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے [۱] کہ اگر اندر والے نے کمرے سے ہاتھ باہر کر کے باہر والے کو دیا تو اندر والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ اندر والے نے حرز سے باہر نکالا ہے۔ [۲] اور اگر باہر والے نے کمرے کے اندر ہاتھ ڈالا اور سامان لیا تو باہر والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں باہر والے نے حرز سے نکالا۔ یہ مسئلہ مسئلہ نمبر میں آرہا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اگر سامان کو راستے پر ڈال دیا پھر گھر سے نکلا اور لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: اگر گھر کے اندر والے نے سامان گھر سے باہر پھینکا پھر باہر نکل کر خود ہی اس سامان کو اٹھا کر چلا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) اس مسئلے میں سڑک پر سے کسی دوسرے چور نے نہیں اٹھایا بلکہ اندر والے چور نے ہی اٹھایا ہے اس لیے یہی سمجھا جائے گا کہ سامان ساتھ لے کر گھر سے باہر آیا۔ کیوں کہ گھر سے باہر پھینکنا اور سامان کا اٹھانا ایک ہی چور کا کام ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ گھر اونچا ہو اور سڑک نیچی ہو تو گھر سے سامان سڑک پر پھینکتے ہیں پھر خالی ہاتھ نیچے اترتے ہیں پھر سامان لے کر بھاگتے ہیں۔ اس لیے سامان ساتھ لے کر نکلنا سمجھا جائے گا اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا، یا اس لیے سامان کو باہر پھینکتے کہ ہاتھ خالی ہوگا تو گھر والے سے جنگ کر سکے گا، یا جلدی سے بھاگ سکے گا۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن الزہری قال اذا جمع المتاع فخرج بہ من البیت الی الدار فعلیہ القطع** (مصنف عبد الرزاق، **باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج، ۹/ ۱۹۴ نمبر ۱۹۰۸۵** / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴۹ **فی الرجل یسرق فیطرح سرقتہ خارجا ویوخذ فی البیت ما علیہ؟: ۵/ ۵۴۹ نمبر ۲۸۹۱۰**) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ سامان گھر سے باہر نکالا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول: سامان گھر سے پھینکا اور خود ہی لیا تو یہ بھی چوری ہے۔

۴ وَقَالَ زُفَرُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ الْإِلْقَاءَ غَيْرُ مُوجِبٍ لِلْقَطْعِ كَمَا لَوْ خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْ. ۵ وَكَذَا الْأَخْذُ مِنَ السِّكَّةِ كَمَا لَوْ أَخَذَهُ غَيْرُهُ. ۶ وَلَنَا أَنَّ الرَّمْيَ حِيلَةٌ يَعْتَادُهَا السُّرَّاقُ لِتَعَذُّرِ الْخُرُوجِ مَعَ الْمَتَاعِ، أَوْ لِيَتَفَرَّغَ لِقِتَالِ صَاحِبِ الدَّارِ أَوْ لِلْفِرَارِ وَلَمْ تَعْتَرِضْ عَلَيْهِ يَدٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاعْتُبِرَ الْكُلُّ فِعْلًا وَاحِدًا. ۷ فَإِذَا خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَهُوَ مُضَيِّعٌ لَا سَارِقٌ. قَالَ (۲۶۸۳) وَكَذَلِكَ إِنْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَأَخْرَجَهُ ۱ لِأَنَّ سَيْرَهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ لِسَوْقِهِ.

لغت: نقب: گھر میں سوراخ کر کے سامان نکالنا۔

ترجمہ: ۴ امام زفرؒ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ سڑک پر ڈالنا کاٹنے کا سبب نہیں ہے، جیسے باہر نکلتا اور نہیں لیتا تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، یا گلی سے لیتا،

ترجمہ: ۵ یا جیسے کوئی اس سامان کو لے لیتا تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، [اسی طرح یہاں بھی نہیں کاٹا جائے گا]

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ باہر نکلنے کے بعد چور سامان لے تب بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

وجہ: انہوں نے یہاں تین دلیل دی ہیں [۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ باہر پھینکنا کاٹنے کا سبب نہیں، اس لیے جیسے باہر پھینکنے کے بعد سامان نہیں لیتا تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، اسی طرح باہر پھینکنے کے بعد لے لیا تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ گلی سے کوئی چرائے تو نہیں کاٹا جاتا، یہاں بھی یوں سمجھا جائے کہ گلی میں پڑا ہوا مال تھا اس کو چور نے لیا ہے۔ [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ گھر سے زید نے راستے میں ڈالا، اور راستے سے عمر اٹھا کر لے گیا تو زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، اسی طرح زید نے ہی راستے میں ڈالا، پھر زید ہی نے راستے سے اٹھایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۶ ہماری دلیل یہ ہے کہ راستے میں پھینکنا چوروں کے حیلے کرنے کی عادت ہے، کیوں کہ بعض مرتبہ سامان لے کر چلنا مشکل ہوتا ہے، یا گھر والے کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے فارغ ہو جائے، اور اس پر کسی معتبر آدمی کا ہاتھ نہیں لگا، اس لیے سب کام ایک ہی چور کا مانا جائے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ چوروں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ سامان گھر سے نکال کر راستے میں پھینک دیتے ہیں تا کہ ہاتھ خالی ہو تو گھر والے سے لڑ سکے، یا جلدی سے بھاگ سکے، یا سامان کے ساتھ گھر سے نکلنا مشکل ہے اس لیے سامان کو باہر پھینک دیا، اس لیے جب سامان کو راستے سے اٹھایا تو سامان کو اندر سے نکالنا، اور اس کو راستے سے لینا ایک ہی چور کا کام شمار کیا جائے گا، اور ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: لم تعترض علیہ ید معتبرۃ: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی معتبر ہاتھ نے اس سامان کو نہیں لیا، بلکہ دوبارہ چور ہی نے لیا۔

ترجمہ: ۷ اور اگر چور گھر سے نکلا اور سامان کو نہیں لیا، تو یہ سامان کو ضائع کیا چوری نہیں ہوئی۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ سامان چور نے نہیں لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اس صورت میں چوری ہی کی تعریف صادق نہیں آتی، بلکہ یہ سامان کو ضائع کرنا ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۸۳) ایسے ہی ہاتھ کاٹا جائے گا اگر لادا سامان گدھے پر اور اس کو ہانکا اور اس کو نکالا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ گدھے کا چلنا چور کی طرف منسوب ہے، کیوں کہ چور ہی اس کو ہانک رہا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جانور کا چلنا اس کے ہانکنے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

(۲۶۸۴)وَإِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلَّى بَعْضُهُمُ الْأَخْذَ قُطِعُوا جَمِيعًا لِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُقْطَعَ الْحَامِلُ وَحْدَهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -؛ لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ وُجِدَ مِنْهُ فَتَمَّتْ السَّرِقَةُ بِهِ. وَلَنَا أَنَّ الْإِخْرَاجَ مِنْ الْكُلِّ مَعْنًى لِلْمُعَاوَنَةِ كَمَا فِي السَّرِقَةِ الْكُبْرَى، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُعْتَادَ فِيمَا بَيْنَهُمْ أَنْ يَحْمِلَ الْبَعْضُ الْمَتَاعَ وَيَتَشَمَّرَ الْبَاقُونَ لِلدَّفْعِ، فَلَوْ امْتَنَعَ الْقَطْعُ لَأَدَّى إلَى سَدِّ بَابِ الْحَدِّ. قَالَ (۲۶۸۵)وَمَنْ نَقَبَ الْبَيْتَ وَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَأَخَذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ

تشریح: چور گھر کے اندر گیا اور گدھا بھی ساتھ لے گیا پھر سامان گدھے پر لادا اور گدھے کو ہانک کر گھر سے باہر نکالا تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا

وجہ: اس صورت میں سامان خود کندھے پر اٹھا کر باہر نہیں لایا لیکن گدھے پر لاد کر لانا بھی ساتھ لانا ہی ہے۔ کیوں کہ بھاری سامان لوگ گدھے پر لاد کر لاتے ہیں۔ اس لیے ایسا ہوا کہ کندھے پر اٹھا کر سامان باہر لایا اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: ساق: ہانکا۔

ترجمہ: (۲۶۸۴) اگر مکان محفوظ میں ایک جماعت داخل ہوئی اور بعض نے مال لیا تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوری میں پوری مدد کرنے والا بھی مال ہی اٹھانے والا اور ساتھ لے کر باہر آنے والا ہے۔

تشریح: مثلا پانچ آدمیوں کی جماعت محفوظ مکان میں چوری کے لیے داخل ہوئی۔ ان میں سے تین نے مال لیا اور باقی آنے والوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کوئی آکر پکڑ نہ لے۔ اور اتنا مال چرایا کہ ہر ایک کو دس دس درہم سے زیادہ ملے تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

وجہ: جماعت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض مال اٹھاتا ہے اور باقی گھر والوں پر نظر رکھتے ہیں کہ کوئی آکر پکڑ نہ لے۔ ان کی مدد سے ہی مال اٹھانے والے مال اٹھاتے ہیں تو گویا کہ مکان محفوظ سے مال اٹھا کر ساتھ لانے میں سب شریک ہوئے اس لیے سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

لغت: حرز: محفوظ مکان، **تولی:** دوسرے کے لیے خود لے گیا۔

ترجمہ: لِ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ استحسان کا تقاضہ ہے کہ [سب کے ہاتھ کاٹے جارہے ہیں] اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جس نے سامان اٹھایا ہے صرف اسی کا ہاتھ کاٹا جائے گا، یہی زفرؒ کا قول ہے اس لیے کہ اسی سے نکلنا پایا گیا ہے، اور اسی پر سرقہ ثابت ہوئی ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مدد کرنے کی وجہ سے سب ہی نکالنے میں شریک ہیں، جیسے کہ بڑی چوری، یعنی ڈاکہ زنی میں ہوتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چوروں میں یہ عام عادت ہے کہ بعض سامان اٹھاتے ہیں، اور باقی گھر والوں سے مقابلہ کے لیے تیار رہتے ہیں، پس اگر ہاتھ کاٹنا روک دیا جائے حد لگانے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۶۸۵) کسی نے کمرے میں نقب ڈالا اور اس میں ہاتھ داخل کیا اور کچھ لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: کسی نے کمرے میں سوراخ کر کے ہاتھ ڈالا خود داخل نہیں ہوا اور اندر سے کچھ نکال لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) کمرہ خود حرز ہے اس سے چرانے کا طریقہ یہ ہے کہ خود آدمی کمرے میں داخل ہو اور وہاں سے ساتھ سامان لائے تب چوری ہوگی۔ اور یہاں خود کمرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ ہاتھ ڈال کر نکالا ہے اس لیے چوری نہیں پائی گئی اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اس

۱؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْإِمْلَاءِ أَنَّهُ يُقْطَعُ لِأَنَّهُ أَخْرَجَ الْمَالَ مِنَ الْحِرْزِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ فَلَا يُشْتَرَطُ الدُّخُولُ فِيهِ، كَمَا إذَا أَدْخَلَ يَدَهُ فِي صُنْدُوقِ الصَّيْرَفِيِّ فَأَخْرَجَ الْغِطْرِيفِيَّ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ هَتْكَ الْحِرْزِ يُشْتَرَطُ فِيهِ الْكَمَالُ تَحَرُّزًا عَنْ شُبْهَةِ الْعَدَمِ وَالْكَمَالُ فِي الدُّخُولِ، وَقَدْ أَمْكَنَ اعْتِبَارُهُ وَالدُّخُولُ هُوَ الْمُعْتَادُ. ۳؎ بِخِلَافِ الصُّنْدُوقِ لِأَنَّ الْمُمْكِنَ فِيهِ إدْخَالُ الْيَدِ دُونَ الدُّخُولِ، ۴؎ وَبِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ حَمْلِ الْبَعْضِ الْمَتَاعَ لِأَنَّ ذَلِكَ هُوَ الْمُعْتَادُ.

قول صحابی میں ہے۔ اتی علی ﷺ برجل نقب بیتا فلم یقطعه و عزره اسواطا (مصنف عبد الرزاق، باب فی الرجل ینقب البیت ویوخذ منه المتاع ج تاسع ص ۱۹۳ نمبر ۱۹۰۹۲) اس اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ اس طرح سے نقب لگانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ سے املاء میں یہ روایت ہے کہ اگر مال کو محفوظ جگہ سے نکالا، جو مقصود ہے تو اس کے اندر داخل ہونا شرط نہیں ہے، جیسے کہ کوئی سنار کے صندوق میں ہاتھ داخل کرے اور غطریفی درہم نکال لے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے جو شاگردوں کو لکھوایا ہے، اس میں یہ روایت ہے کہ محفوظ گھر میں داخل ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس میں ہاتھ ڈال کر دس درہم نکال لے تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے سنار کے صندوق میں ہاتھ ڈال کر درہم نکال لے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **املاء**: شاگردوں کا املاء کرائی ہے، اس کتاب میں ہے۔ **حرز**: محفوظ جگہ۔ **صیرفی**: سنار، صراف۔ **غطریفی**: غطریف بن عطا کندی بادشاہ ہارون رشید کے زمانے میں خراسان کا امیر تھا اس کی امارت میں جو درہم بنے اس کی طرف منسوب کر کے اس درہم کو غطریفی درہم، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ محفوظ جگہ کو توڑنا اسی شرط پر ہوگا کہ اس میں کمال ہو نہ ہونے کے شبہ سے بچنے کے لیے، اور جسم کے ساتھ داخل ہونے سے کمال ہوگا، اور اس کا اعتبار کرنا بھی ممکن ہے، اور داخل ہونے کی عادت بھی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حرز کو توڑنے میں کمال ہونا چاہئے، اور کمال اس وقت ہوگا جبکہ صرف ہاتھ داخل نہ کرے، بلکہ جسم کے ساتھ داخل ہو جائے، اس کمال کا اعتبار کرنا ممکن ہے اور عادت میں بھی ایسا ہے کہ چور کمرے میں جسم کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، اس لیے کمرے میں داخل ہو کر چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف صندوق کے اس لیے کہ اس میں ہاتھ ہی داخل کر سکتا ہے، خود داخل نہیں ہو سکتا [اس لیے صندوق میں ہاتھ ڈال کر نکالنے سے ہی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ صندوق میں صرف ہاتھ ڈال کر نکالنے سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو کمرے میں بھی صرف ڈال کر نکالنے سے ہاتھ کاٹا جانا چاہئے، اس کا جواب دیا کہ صندوق میں صرف ہاتھ ہی ڈال سکتا ہے، جسم داخل نہیں کر سکتا، اس لیے یہاں صرف ہاتھ ڈال کر نکالنے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف جب بعض نے سامان اٹھایا، پھر بھی سب کا ہاتھ کاٹا گیا، وہ اس لیے کہ عادت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

قَالَ (۲۶۸۶)وَإِنْ طَرَّ صُرَّةً خَارِجَةً مِنَ الْكُمِّ لَمْ يُقْطَعْ، وَإِنْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْكُمِّ يُقْطَعُ ۱؎ لِأَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ الرِّبَاطَ مِنْ خَارِجٍ، فَبِالطَّرِّ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الظَّاهِرِ فَلَا يُوجَدُ هَتْكُ الْحِرْزِ. وَفِي الثَّانِي الرِّبَاطُ مِنْ دَاخِلٍ، فَبِالطَّرِّ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الْحِرْزِ وَهُوَ الْكُمُّ. ۲؎ وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الطَّرِّ حَلُّ الرِّبَاطِ، ثُمَّ الْأَخْذُ فِي الْوَجْهَيْنِ يَنْعَكِسُ الْجَوَابُ لِانْعِكَاسِ الْعِلَّةِ.

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اوپر کے مسئلے میں پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور دو نے سامان لیا تب بھی پانچوں کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، حالانکہ یہاں بھی کمال یہ ہے کہ سب آدمی کمرے سے سامان اٹھائیں تب سب کا ہاتھ کاٹا جانا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ چوروں کی عادت یہی ہے کہ کچھ سامان اٹھاتے ہیں اور باقی گھر والوں سے مقابلے کے لیے کھڑے رہتے ہیں اس لیے کچھ آدمی نے سامان اٹھایا تب بھی سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت: **صیرفی: صراف** سے مشتق ہے سنار یا جو نوٹ بھنتا ہو، کم: آستین، اہل عرب آستین میں جیب بناتے تھے اس لیے کم کہہ دیا۔ یہاں مراد ہے آستین کے اندر کی جیب جو حرز ہے اور محفوظ ہے۔ اس لیے اگر آستین کے باہر جیب ہو اور اس کو کاٹ کر درہم لے لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ باہر کی جیب حرز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۶۸۶) اگر ایسی تھیلی کو کاٹا جو آستین سے باہر تھی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور اگر آستین کے اندر ہاتھ ڈال کر درہم لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ پہلی صورت میں کپڑا آستین کے اوپر سے لگایا ہے اس لیے جب تھیلی کاٹا تو تو اوپر سے درہم لینا ہوا اس لیے حرز کو ختم نہیں کیا، اور دوسری صورت میں جیب اندر کو ہے اس لیے تھیلی کاٹنے سے حرز سے لینا ہوا، اور وہ آستین ہے، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ درہم آستین کے اوپر سے لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ حرز، محفوظ جگہ سے درہم نہیں لیا۔ اور اگر درہم آستین کے اندر سے لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ محفوظ جگہ سے درہم لیا۔

اصول: یہاں دوسرا اصول یہ ہے کہ آستین کے اوپر کا حصہ حرز نہیں ہے۔ اور اندر کا حصہ حرز ہے، یعنی محفوظ جگہ ہے۔

تشریح: آستین کے اوپر تھیلی لگی ہوئی تھی چور نے اس کو کاٹ کر درہم لیا تو حرز سے درہم نہیں لیا اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر آستین کے اندر تھیلی لگی ہو اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر درہم لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ آستین کے اندر کا حصہ حرز ہے اور اس میں سے درہم نکالا ہے اس لیے ہاتھ کاٹا جائے۔

لغت: **طر:** تھیلی کاٹنا۔ **صرة:** تھیلی۔ **رباط:** تھیلی سینا، باندھنا۔ **کم:** آستین۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر کاٹنے کے بجائے گرہ کھولی پھر لیا دونوں صورتوں میں جو جواب الٹا ہو جائے گا، کیوں کہ علت الٹی ہو گئی۔

تشریح: یہاں ذرا غور سے سمجھیں۔ [۱] درہم آستین کے اندر تھا اور آستین کے اوپر سے اس پر گرہ لگائی، اب چور نے اوپر کی گرہ کھولی تو درہم آستین کے اندر ہو گیا، پھر اس نے آستین کے اندر ہاتھ ڈال کر درہم لیا تو چونکہ حرز سے درہم لیا اس لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ درہم آستین کے اوپر رکھا اور آستین کے اندر سے گراہ لگائی، اب چور نے اندر سے گرہ کھولی تو درہم آستین

۳؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنَّهُ يُقْطَعُ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّهُ مُحْرَزٌ إمَّا بِالْكُمِّ أَوْ بِصَاحِبِهِ. ۴؎ قُلْنَا: الْحِرْزُ هُوَ الْكُمُّ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُهُ، وَإِنَّمَا قَصْدُهُ قَطْعُ الْمَسَافَةِ أَوْ الِاسْتِرَاحَةِ فَأَشْبَهَ الْجُوَالِقَ. (۲۶۸۷) وَإِنْ سَرَقَ مِنْ الْقِطَارِ بَعِيرًا أَوْ حِمْلًا لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُحْرَزٍ مَقْصُودًا فَتَتَمَكَّنُ شُبْهَةُ الْعَدَمِ، وَهَذَا لِأَنَّ السَّائِقَ وَالْقَائِدَ وَالرَّاكِبَ يَقْصِدُونَ قَطْعَ الْمَسَافَةِ وَنَقْلَ الْأَمْتِعَةِ دُونَ الْحِفْظِ. حَتَّى لَوْ كَانَ مَعَ الْأَحْمَالِ مَنْ يَتْبَعُهَا

کے اوپر رہ گیا، اب چور نے آستین کے اوپر سے درہم لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ حرز سے درہم نہیں لیا۔

لغت: حل الرباط: گرہ کھولنا۔ **ینعکس الجواب لانعکاس العلۃ:** کا مطلب اوپر تشریح میں ذکر کر دیا۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر حال میں کاٹا جائے گا اس لیے کہ یہاں یا آستین سے محفوظ ہے، یا آستین والے سے محفوظ ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ درہم آستین کے اوپر ہو یا اندر ہو ہر حال میں وہ حرز میں ہے، کیوں کہ آستین بھی محرز ہے، اور مالک بھی محرز ہے، اگر درہم آستین کے اوپر ہے تو مالک سے وہ محرز ہے، اس لیے چاروں صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول: انکا اصول یہ ہے کہ مالک بھی حفاظت کر رہا ہے اس لیے درہم مالک کے ذریعہ محرز ہے۔

ترجمہ: ۴؎ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ حرز صرف آستین ہے اس لیے کہ مالک اسی آستین پر اعتماد کرتا ہے، اس لیے کہ مالک کا مقصد ہے مسافت طے کرنا یا آرام کرنا اس لیے بوری کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں مالک محافظ، اور حرز نہیں ہے، بلکہ صرف آستین حرز ہے، کیوں کہ مالک اپنے آرام اور مسافت طے کرنے کے لیے اپنی آستین پر اعتماد کیا ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے بوری میں سامان ہو تو بوری حرز ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں آستین حرز ہے، اس لیے آستین کے اندر سے چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر اس کے باہر سے چرائے گا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: حمل: بوجھ، بوری کے اندر کی بوجھ۔ **جوالق:** بوری، گون۔

ترجمہ: (۲۶۸۷) اگر قطار میں سے ایک اونٹ چرا لیا، یا اس کا بوجھ چرا لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ یہاں مقصود کے اعتبار سے محرز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کو ہنکانے والا یا کھینچنے والا یا اس پر سوار کا ارادہ مسافت طے کرنا ہے، اور سامان کو منتقل کرنا ہے، اونٹ کی حفاظت کرنا مقصود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بوجھ کے ساتھ اس کے پیچھے محافظ بھی ہو تو علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قطار محفوظ جگہ نہیں ہے۔

تشریح: اونٹ کی قطار جا رہی تھی اس میں سے ایک اونٹ چرا لیا، یا اس کا بوجھ چرا لیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: جو اونٹ ہانک رہا ہے یا سوار ہے اس کا مقصد مسافت طے کرنا ہے، حفاظت کرنا مقصود نہیں ہے اس لیے یہ قطار اور اس کا بوجھ محرز نہیں ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں حفاظت کے مقصد سے ہی کوئی آدمی اس کے پیچھے ہو تو اب ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ اب محرز ہو گیا۔

لِلْحِفْظِ قَالُوا يُقْطَعُ (۲۶۸۸)وَإِنْ شَقَّ الْحِمْلَ وَأَخَذَ مِنْهُ قُطِعَ لِأَنَّ الْجُوَالِقَ فِي مِثْلِ هَذَا حِرْزٌ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بِوَضْعِ الْأَمْتِعَةِ فِيهِ صِيَانَتَهَا كَالْكُمِّ فَوُجِدَ الْأَخْذُ مِنَ الْحِرْزِ فَيُقْطَعُ (۲۶۸۹)وَإِنْ سَرَقَ جُوَالِقًا فِيهِ مَتَاعٌ وَصَاحِبُهُ يَحْفَظُهُ أَوْنَائِمٌ عَلَيْهِ قُطِعَ لوَمَعْنَاهُ إِنْ كَانَ الْجُوَالِقُ فِي مَوْضِعٍ هُوَ لَيْسَ بِحِرْزٍ كَالطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ حَتَّى يَكُونَ مُحْرَزًا بِصَاحِبِهِ لِكَوْنِهِ مُتَرَصِّدًا لِحِفْظِهِ.٢وَهَذَا لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَهُوَ الْحِفْظُ الْمُعْتَادُ وَالْجُلُوسُ عِنْدَهُ وَالنَّوْمُ عَلَيْهِ يُعَدُّ حِفْظًا عَادَةً وَكَذَا النَّوْمُ بِقُرْبٍ مِنْهُ عَلَى مَا اخْتَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ. ٣وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ، وَصَاحِبُهُ نَائِمٌ عَلَيْهِ أَوْ حَيْثُ يَكُونُ حَافِظًا لَهُ، وَهَذَا يُؤَكِّدُ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنَ الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: (۲۶۸۸)اگر بوری کو پھاڑا اور اس سے سامان لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ اس قسم کی بوری اسی صورت میں حرز ہے، اس لیے کہ اس میں سامان رکھنے کا مقصد اس کی حفاظت ہے، جیسے آستین حفاظت کے لیے ہوتی ہے، اس لیے حرز سے لینا ہوا اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: اونٹ پر بوری رکھی ہوئی تھی اس کو پھاڑ کر سامان چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس لیے یہاں بوری محرز ہے اور محرز سے لیا ہے اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا

ترجمہ: (۲۶۸۹)اگر ایسی بوری چرائی جس میں سامان تھا، اور اس کا محافظ اس کی حفاظت کر رہا تھا، یا بوری ہی پر سویا ہوا تھا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: یہاں محافظ کی وجہ سے بوری محرز میں ہوگئی اس لیے بوری چرائی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: لے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بوری ایسی جگہ تھی جو محرز نہیں ہے، جیسے راستہ وغیرہ، اس لیے اس کے مالک سے محرز ہوئی، اس لیے کہ وہ حفاظت پر لگا ہوا ہے

تشریح: بوری ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی جہاں محفوظ نہیں ہے، جیسے راستے میں رکھی ہو، تو یہاں محافظ کی وجہ سے محرز شمار کی جائے گی

ترجمہ: ۲ے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت میں جس طرح حفاظت کی جاتی ہے اس کا اعتبار ہے اور بوری کے پاس بیٹھنا، یا اس پر سونا عادت میں حفاظت شمار کی جاتی ہے، ایسے ہی سامان کے قریب سونا بھی حفاظت شمار کی جاتی ہے، چناں چہ پہلے میں نے اسی صورت کا اختیار کیا۔

تشریح: عادت میں سامان کے اوپر سونا، یا اس کے قریب سونا اس کی حفاظت شمار کی جاتی ہے، پس اگر محافظ سامان کے اوپر سو رہا ہے، یا اس کے قریب سو رہا ہے تو سامان محرز ہے، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ے بعض نسخے میں ذکر کیا ہے کہ سامان کا مالک سامان پر سویا ہو، یا ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان کی حفاظت ہوتی ہو، یہ عبارت قول مختار کی تاکید کرتی ہے۔

تشریح: یہاں سے بعض نسخے میں جو ہے اس کا ذکر ہے، اس میں یہ ہے کہ سامان پر سویا ہو، یا ایسی جگہ موجود ہو جس سے سامان کی حفاظت ہوتی ہو اس سے بھی محرز ہو جائے گا، یہ مختار قول ہے۔

☆☆☆

فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْقَطْعِ وإِثْبَاتِهِ

قَالَ (۲۶۹۰) وَيُقْطَعُ يَمِينُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَيُحْسَمُ لِ فَالْقَطْعُ لِمَا تَلَوْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، وَالْيَمِينُ بِقِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَمِنَ الزَّنْدِ لِأَنَّ الِاسْمَ يَتَنَاوَلُ الْيَدَ إِلَى الْإِبْطِ، وَهَذَا الْمَفْصِلُ: أَعْنِي الرُّسْغَ مُتَيَقَّنٌ بِهِ، كَيْفَ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَمَرَ بِقَطْعِ يَدِ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ، وَالْحَسْمُ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فَاقْطَعُوهُ وَاحْسِمُوهُ وَلِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُحْسَمْ يُفْضِي إِلَى التَّلَفِ

فصل فی کیفیۃ القطع واثباتہ

ترجمہ: (۲۶۹۰) اور کاٹا جائے گا چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے اور داغ دیا جائے گا۔

ترجمہ: لے کاٹنا تو اس دلیل کی وجہ سے ہے جو آیت ہم نے پہلے تلاوت کی، اور دایاں ہاتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت سے، اور گٹے سے کاٹا جائے اس لیے کہ ید کا اطلاق بغل تک ہے، اور یہ گٹے تک یقینی ہے، چناں چہ صحیح روایت میں ہے کہ چور کا گٹے سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اور داغنا حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے ہاتھ کو کاٹو اور اس کو داغ دو، اور اس لیے کہ اگر نہیں داغے گا تو آدمی مر سکتا ہے، اور حد لگانے کا مطلب تنبیہ کرنا ہے آدمی کو ہلاک کرنا نہیں ہے۔

تشریح: کامل ثبوت کے بعد چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے گا پھر گرم تیل میں ڈال کر داغ دیا جائے گا تا کہ خون زیادہ نہ بہہ جائے اور چور مر نہ جائے۔

وجہ: (۱) چور کا ہاتھ کٹنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** (آیت ۳۸ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتا چلا کہ چور یا چورن چوری کر لیں تو دونوں کے ہاتھ کاٹیں گے (۲) دایاں ہاتھ کاٹنے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں **فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا** کے بجائے **فاقطعوا ایمانهما** کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ قرأت یہ ہے۔ **عن مجاهد فی قرأة ابن مسعود والسارق والسارقة فاقطعوا ایمانهما** (سنن للبیہقی، باب السارق یسرق الا یقطع یده الیمنی من مفصل الکف ثم یحسم بالنار ج ثامن ص ۴۷۰ نمبر ۱۷۲۴۴) (۳) دار قطنی کی حدیث میں ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله لا غرم علی السارق بعد قطع یمینه** (دار قطنی، کتاب الحدود: ۳/۱۲۹ نمبر ۳۳۴۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کاٹا جائے۔

(۴) اور گٹے سے ہاتھ کاٹا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن عبد الله بن عمر** ؓ **قال قطع النبی** ﷺ **سارقا من المفصل** (سنن للبیہقی، باب السارق یسرق او لا یقطع یده الیمنی من مفصل الکف ثم یحسم بالنار: ۸/۴۷۰، نمبر ۱۷۲۵۰/مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۶ ما قالوا من این تقطع ؟: ۴/۵۱۷ نمبر ۲۸۵۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گٹے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۵) اور کاٹنے کے بعد زخم کو داغ دیا جائے گا تا کہ زیادہ خون نہ نکل جائے اور آدمی مر نہ جائے کیوں کہ ہاتھ کاٹنے سے شہ رگ بھی کٹ جاتی ہے۔ البتہ داغنے کے علاوہ خون روکنے کا کوئی نیا طریقہ ہو تو وہ کیا جا سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان... فقال رسول الله** ﷺ **اقطعوه ثم احسموه فقطعوه ثم حسموه** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات: ۳/۸۲ نمبر ۳۱۳۹/سنن

وَالْحَدُّ زَاجِرٌ لَا مُتْلِفٌ (۲۶۹۱)فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى، فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتَّى يَتُوبَ ۱وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَيُعَزَّرُ أَيْضًا، ذَكَرَهُ الْمَشَايِخُ - رَحِمَهُمُ اللَّهُ -. ۲وَقَالَ الشَّافِعِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - فِي الثَّالِثَةِ يُقْطَعُ يَدُهُ الْيُسْرَى، وَفِي الرَّابِعَةِ يُقْطَعُ رِجْلُهُ الْيُمْنَى لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوهُ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ وَيُرْوَى مُفَسَّرًا كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ،

للبیھقی، باب السارق یسرق اولا فتقطع یدہ الیمنی من مفصل الکف ثم یحسم بالنار ج ثامن ص ۴۷۱ نمبر ۱۷۲۵۳/ مصنف ابن ابی شیبۃ باب حسم الید: ۴/۵۱۷ نمبر ۲۸۵۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاٹنے کے بعد داغا جائے گا۔

لغت: زلد: گٹا، پہنچا۔ **تحسم:** داغا جائے گا۔ **مفصل:** گٹا۔

ترجمہ: (۲۶۹۱) (۳۱) پس اگر دوسری مرتبہ چرایا تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ پس اگر تیسری مرتبہ چرایا تو نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ توبہ کرلے۔

ترجمہ: ۱یہ استحسان کا تقاضہ ہے، لیکن تعزیر ہوگی، جیسا کہ مشائخ نے ذکر کیا ہے۔

تشریح: دوسری مرتبہ چرائے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر تیسری مرتبہ چرائے تو بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ ایسے چور کو قید میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ چوری سے توبہ کرلے۔ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چورانے سے بایاں ہاتھ کاٹا جائے، لیکن دونوں ہاتھ کٹنے سے وہ کھانے پینے سے مجبور ہو جائے گا اس لیے استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ کاٹا جائے، تاکہ وہ کھا پی سکے، البتہ تعزیر کی جائے گی، جیسا کہ مشائخ نے کیا ہے۔

وجہ: (۱) اگر دونوں ہاتھ کٹ جائیں یا دونوں پاؤں کٹ جائیں تو کھانا پینا، وضو، استنجا کیسے کرسکتا ہے وہ معذور ہو جائے گا اس لیے بایاں پاؤں کٹنے کے بعد قید میں ڈال دیا جائے گا (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **اتی علی رضی اللہ عنہ بسارق قد سرق فقطع یدہ ثم اتی بہ قد سرق فقطع رجلہ ثم اتی بہ الثالثۃ قد سرق فامر بہ الی السجن وقال دعوا لہ رجلا یمشی علیھا ویدا یاکل بھا ویستنجی بھا** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات: ۳/۱۲۷ نمبر ۳۳۵۴/ سنن للبیھقی، باب السارق یعود فیسرق ثانیا وثالثا ورابعا ج ثامن ص ۴۷۷ نمبر ۱۷۲۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بایاں پاؤں کاٹنے کے بعد نہیں کاٹا جائے گا تاکہ وضو استنجا کرسکے۔

ترجمہ: ۲امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پاون کاٹا جائے گا، حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ، جس نے چوری کی اس کا ہاتھ کاٹو پس اگر دوبارہ کیا تو پھر کاٹ لو، پھر دوبارہ کیا تو پھر کاٹ لو، اس روایت کو تفسیر کے ساتھ روایت کی ہے، یعنی بائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کی تفسیر بھی بیان کی ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

وجہ: (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال جیئ بسارق الی النبی ﷺ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ انما سرق فقال اقطعوہ قال فقطع ثم جیئ بہ الثانیۃ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ! انما سرق فقال اقطعوہ قال فقطع ثم جیئ بہ الثالثۃ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ! انما سرق فقال اقطعوہ ثم اتی بہ الرابعۃ فقال اقتلوہ فقالوا یا رسول اللہ! انما سرق قال اقطعوہ فاتی بہ الخامسۃ**

۳ وَلِأَنَّ الثَّالِثَةَ مِثْلُ الْأُولَى فِي كَوْنِهَا جِنَايَةً بَلْ فَوْقَهَا فَتَكُونُ أَدْعَى إِلَى شَرْعِ الْحَدِّ. ۴ وَلَنَا قَوْلُ عَلِيٍّؓ فِيهِ: إِنِّي لَأَسْتَحِي مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ لَا أَدَعَ لَهُ يَدًا يَأْكُلُ بِهَا وَيَسْتَنْجِي بِهَا وَرِجْلًا يَمْشِي عَلَيْهَا، وَبِهَذَا حَاجَّ بَقِيَّةَ الصَّحَابَةِؓ فَحَجَّهُمْ فَانْعَقَدَ إِجْمَاعًا. ۵ وَلِأَنَّهُ إِهْلَاكٌ مَعْنًى لِمَا فِيهِ مِنْ تَفْوِيتِ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ وَالْحَدُّ زَاجِرٌ، ۶ وَلِأَنَّهُ نَادِرُ الْوُجُودِ وَالزَّجْرُ فِيمَا

فقال اقتلوه قال جابر ﷺ فانطلقنا به فقتلناه (ابو داؤد شریف، **باب السارق يسرق مرارا** ص ۶۵۷ نمبر ۴۴۱۰/نسائی شریف، **باب قطع اليدين والرجلين من السارق** ص ۶۸۳ نمبر ۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا کیوں کہ چوری کی ہے۔ (۲) اس حدیث میں ہاتھ اور پاؤں کٹنے کی تفسیر بھی موجود ہے۔ **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا سرق السارق فاقطعوا يده و ان عاد فاقطعوا رجله فان عاد فاقطعوا يده فان عاد فاقطعوا رجله** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات: ۳/۱۲۸ نمبر ۳۳۵۹) اس حدیث میں ہاتھ پاؤں کٹنے کی تفسیر ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اس وجہ سے کہ تیسری مرتبہ کا جرم پہلی مرتبہ کی طرح ہے بلکہ یہ زیادہ خطرناک ہے اس لیے حد کی مشروع ہونے کی طرف زیادہ بلانے والا ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ تیسری مرتبہ کا جرم پہلی سے بھی زیادہ خطرناک ہے، یونکہ دو مرتبہ کٹ جانے کے بعد بھی اسی چیز کی چوری کر رہا ہے اس لیے تیسری مرتبہ بھی ہاتھ کٹنا چاہئے۔

ترجمہ: ۴ اور ہماری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے، کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ چور کے پاس بائیں ہاتھ بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ کھا سکے اور استنجاء کر سکے، یا پیر بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ چل سکے، باقی صحابہ نے بھی اس سے حجت پکڑی اس لیے ان کے حجت پکڑنے سے اجماع ہو گیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **کان علی ﷺ لا يقطع الا اليد والرجل وان سرق بعد ذلك سجن ونكل وكان يقول انی لاستحيی الله الا ادع له يدا ياكل بها ويستنجی** (مصنف عبد الرزاق، **باب قطع السارق** ج تاسع ص ۱۸۲ نمبر ۱۹۰۳۵/(دار قطنی، **کتاب الحدود والديات**: ۳/۱۲۸ نمبر ۳۳۵۵) اس قول صحابی میں ہے کہ میں کھانے اور استنجاء کے لیے بھی کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں اس سے شرمندگی ہوتی ہے اس لیے بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بایاں ہاتھ کاٹنے سے ایک طرح سے چور کو ہلاک کرنا ہے اس لیے کہ نفع اٹھانے کی جنس کو فوت کرنا ہے، اور حد لگانا تنبیہ کے لیے ہلاک کرنے کے لیے نہیں ہے۔

تشریح: حد لگانے کا مطلب ہے تنبیہ کرنا، یہاں بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے تو اس سے آدمی ہی ہلاک ہو جائے گا، تنبیہ نہیں ہو گی، اس لیے بھی بایاں ہاتھ نہیں کاٹنا چاہیے۔

ترجمہ: ۶ یہ بات بھی ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرے یہ نادر بات ہے [اس لیے یہ حد نہیں لگے گی] کیوں کہ حد وہاں لگتی ہے جہاں بار بار جرم ہوتا ہو۔

تشریح: جو جرم بار بار ہوتا ہو اسی میں حد لگتی ہے، لیکن تیسری مرتبہ ایک ہی چیز کو چرائے یہ بہت نادر ہے اس لیے اس میں حد نہیں لگنی چاہئے

ے يَغْلِبُ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ فَيُسْتَوْفَى مَا أَمْكَنَ جَبْرًا لِحَقِّهِ. ۸ وَالْحَدِيثُ طَعَنَ فِيهِ الطَّحَاوِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَوْ نَحْمِلُهُ عَلَى السِّيَاسَةِ (۲۶۹۲)وَإِذَا كَانَ السَّارِقُ أَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرَى أَوْ أَقْطَعَ أَوْ مَقْطُوعَ الرِّجْلِ الْيُمْنَى لَمْ يُقْطَعْ ۱ لِأَنَّ فِيهِ تَفْوِيتَ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ بَطْشًا أَوْ مَشْيًا، وَكَذَا إِذَا كَانَتْ رِجْلُهُ الْيُمْنَى شَلَّاءَ لِمَا قُلْنَا (۲۶۹۳)وَكَذَا إِذَا كَانَتْ إِبْهَامُهُ الْيُسْرَى مَقْطُوعَةً أَوْ شَلَّاءَ أَوِ الْأُصْبُعَانِ مِنْهَا سِوَى

ترجمہ: ے بخلاف قصاص کے اس لیے کہ وہ بندے کا حق ہے اس لیے جتنا ممکن ہو سکے بندے کے حق کو پورا کیا جائے گا۔

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ زید نے عمر کا چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دئے تو یہاں چاروں کیوں کاٹا جاتا ہے یہاں بھی ہلاک کرنا ہوا تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اس لیے چاروں کاٹے ہیں تو چاروں کاٹے جائیں گے۔

ترجمہ: ۸ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے اس پر حضرت امام طحاویؒ نے طعن کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، یا یہ حدیث سیاست پر محمول ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی بایاں ہاتھ، اور دایاں پاؤں کاٹا جائے گا، اس کا جواب دیتے ہیں کہ، اس حدیث میں حضرت امام طحاویؒ نے طعن کیا ہے، کہ یہ حدیث اتنی صحیح نہیں ہے، اور اگر تسلیم کر لی جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو یہ کاٹنا سیاست کے طور پر تھا، حد کے طور پر نہیں تھا۔

ترجمہ: (۲۶۹۲) اگر چور کا بائیں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دائیں پاؤں کٹا ہوا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اس صورت میں پکڑنے اور چلنے کا نفع ختم ہو جائے گا، اسی طرح اس کا دایاں پاؤں شل ہو تو اس کا بایاں پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: چور کا دائیں ہاتھ کاٹنا تھا لیکن پہلے ہی سے بائیں ہاتھ کٹا ہوا ہے یا شل ہے اس لیے اس ہاتھ سے وضو استنجاء نہیں کر سکتا اس لیے دائیں ہاتھ بھی کاٹ دیں تو دونوں ہاتھوں سے محروم ہو جائے گا۔ اور کسی ہاتھ سے وضو، استنجاء نہیں کر پائے گا۔ اس لیے اس کا دائیں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا تا کہ دائیں ہاتھ سے وضو استنجا کر سکے۔ اور اگر پہلے سے دایاں پاؤں کٹا ہوا ہے پس اگر دائیں پاؤں بھی کاٹ دیں تو بالکل نہیں چل پائے گا کیوں کہ ایک ہی طرف کے ہاتھ پاؤں دونوں کٹ جائیں تو بیلنس خراب ہونے کی وجہ سے چلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب دایاں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ توبہ کرنے تک قید میں ڈال دیا جائے گا۔

وجہ: قول صحابی میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ **کان علی ﷺ لا یقطع الاید و الرجل و ان سرق بعد ذلک سجن و نکل و کان یقول انی لاستحیی اللہ الا ادع لہ یدا یاکل بھا و یستنجی** (مصنف عبد الرزاق، **باب قطع السارق** ج تاسع ص ۱۸۲ نمبر ۱۹۰۳۵/ دار قطنی، **کتاب الحدود و الدیات**: ۱۲۸/۳ نمبر ۳۳۵۵) اس اثر میں ہے کہ میں کھانے اور استنجاء کے لیے بھی کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں اس سے شرمندگی ہوتی ہے اس لیے بایاں ہاتھ شل ہو تو دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لغت: **اشل:** شل ہوا ہاتھ، مرا ہوا ہاتھ۔ **بطشا:** پکڑنا۔

ترجمہ: (۲۶۹۳) پس اگر چور کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو، یا شل ہوی بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں شل ہوں ابہام کے علاوہ تو بھی دایاں ہاتھ

الْإِبْهَامِ ۔ لِأَنَّ قِوَامَ الْبَطْشِ بِالْإِبْهَامِ (۲۶۹۴)فَإِنْ كَانَتْ إِصْبَعٌ وَاحِدَةٌ سِوَى الْإِبْهَامِ مَقْطُوعَةً أَوْ شَلَّاءَ قُطِعَ ۔ لِأَنَّ فَوَاتَ الْوَاحِدَةِ لَا يُوجِبُ خَلَلًا ظَاهِرًا فِي الْبَطْشِ، بِخِلَافِ فَوَاتِ الْإِصْبَعَيْنِ لِأَنَّهُمَا يَتَنَزَّلَانِ مَنْزِلَةَ الْإِبْهَامِ فِي نُقْصَانِ الْبَطْشِ. قَالَ (۲۶۹۵)وَإِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِلْحَدَّادِ اقْطَعْ يَمِينَ هَذَا فِي سَرِقَةٍ سَرَقَهَا فَقَطَعَ يَسَارَهُ عَمْدًا أَوْخَطَأً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي الْخَطَإِ وَيَضْمَنُ فِي الْعَمْدِ

نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا اس لیے انگوٹھے سے ہی پکڑنا ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ انگوٹھے سے پکڑا جاتا ہے، اسی طرح انگوٹھا ہو لیکن دو انگلیاں نہ ہو تو نہیں پکڑا جاتا، تو اگر انگوٹھا نہ ہو تو پورا ہاتھ ہی نہیں ہے اس لیے اگر بائیں ہاتھ کا انگوٹھا نہ ہو یا شل ہو، تو دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح سے بایاں ہاتھ کی دو انگلیاں نہ ہو تو دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، تاکہ وہ کھا سکے، اور پی سکے۔

لغت: ابہام: انگوٹھا، بطش: پکڑنا۔

ترجمہ: (۲۶۹۴) پس اگر انگوٹھا کو علاوہ ایک انگلی کٹی ہو، یا شل ہو تو دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ ایک انگلی کے فوت ہونے سے پکڑنے میں کوئی ظاہری خلل نہیں ہے، بخلاف دو انگلیوں کے اس لیے کہ وہ پکڑنے کے نقصان میں انگوٹھے کے درجے میں ہیں۔

تشریح: بائیں ہاتھ کا انگوٹھا تو شل نہیں ہے، لیکن اس کی ایک انگلی کٹی ہوئی ہے یا شل ہے تو پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں ہے گویا کہ اس کا بائیں ہاتھ ٹھیک ہے اس لیے دائیں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ہاں دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو اب پکڑنا مشکل ہے اس لیے اب سمجھا جائے گا کہ بائیں ہاتھ نہیں ہے اس لیے اب دائیں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۹۵) حاکم نے حد لگانے سے کہا کہ چوری کی وجہ سے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ لو، حد لگانے والے نے جان کر یا غلطی سے اس کا بائیں ہاتھ کاٹ دیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حداد پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلطی سے کاٹا تو کچھ لازم نہیں ہوگا لیکن جان کر کے بایاں ہاتھ کاٹا تو حداد اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اجتہاد کی غلطی کا مطلب یہ ہے کہ حد لگانے والے نے، **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا** آیت میں غور کیا کہ اس میں دائیں ہاتھ کی قید نہیں ہے، اس لیے بائیں ہاتھ بھی کاٹ سکتا ہوں، اس طرح اس نے غلطی سے بائیں ہاتھ کاٹ دیا، اور جان کی شکل یہ ہے کہ حد لگانے والا جانتا تھا کہ آیت میں **ایدیھما**، سے دائیں ہاتھ مراد ہے، لیکن پھر بھی اس نے بائیں ہاتھ کاٹ دیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حداد پر کوئی ضمان نہیں ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں دائیں ہاتھ کی قید نہیں ہے اس لیے اس کو اجتہاد کی گنجائش ہے، اور بائیں ہاتھ کاٹنے میں معاف ہے (۲) بائیں ہاتھ کاٹا، تو اس کے بدلے دائیں ہاتھ جو اچھا ہے وہ چھوڑ دیا، اس لیے چور کے لیے تو اچھا ہی کیا، اس لیے اس پر ضمان نہیں ہونا چاہئے صاحبین فرماتے ہیں کہ بھول کر کاٹا تب تو ضمان نہیں ہے، لیکن جان کر کاٹا تو حداد پر ضمان لازم ہوگا۔

۱؎ وَقَالَ زُفَرُ - رَحِمَهُ اللَّهُ - يَضْمَنُ فِي الْخَطَإِ أَيْضًا وَهُوَ الْقِيَاسُ، ۲؎ وَالْمُرَادُ بِالْخَطَإِ هُوَ الْخَطَأُ فِي الِاجْتِهَادِ، وَأَمَّا الْخَطَأُ فِي مَعْرِفَةِ الْيَمِينِ وَالْيَسَارِ لَا يُجْعَلُ عَفْوًا. وَقِيلَ يُجْعَلُ عُذْرًا أَيْضًا. ۳؎ لَهُ أَنَّهُ قَطَعَ يَدًا مَعْصُومَةً وَالْخَطَأُ فِي حَقِّ الْعِبَادِ غَيْرُ مَوْضُوعٍ فَيَضْمَنُهَا. ۴؎ قُلْنَا إنَّهُ أَخْطَأَ فِي اجْتِهَادِهِ، إذْ لَيْسَ فِي النَّصِّ تَعْيِينُ الْيَمِينِ، وَالْخَطَأُ فِي الِاجْتِهَادِ مَوْضُوعٌ. ۵؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ قَطَعَ طَرَفًا مَعْصُومًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا تَأْوِيلٍ لِأَنَّهُ تَعَمَّدَ الظُّلْمَ فَلَا يُعْفَى وَإِنْ كَانَ فِي الْمُجْتَهَدَاتِ، وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَجِبَ الْقِصَاصُ إلَّا أَنَّهُ امْتَنَعَ لِلشُّبْهَةِ.

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بایاں ہاتھ معصوم عضو ہے اس کو نہیں کاٹنا چاہئے، لیکن جان کر اس کو کاٹا تو ظلم کیا، اس لیے حداد پر ضمان لازم ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ غلطی سے کاٹنے کی صورت میں بھی حداد ضامن ہوگا، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ یہاں غلطی کا مطلب یہ ہے کہ اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے، اگر دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ پہچاننے میں غلطی ہوئی ہو یہ معاف نہیں ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بھی عذر ہے۔

تشریح: یہاں اجتہاد کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ، حداد نے آیت السارق والسارقۃ ایدیہما، کے بارے میں سمجھا کہ اس میں دائیں ہاتھ کی قید نہیں ہے اس لیے بائیں ہاتھ بھی کاٹ سکتا ہوں، اور اس طرح اس نے بھول سے بائیں ہاتھ کاٹ دیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور اگر دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ پہچاننے میں غلطی ہوگئی ہو تو حداد کو معاف نہیں کیا جائے گا، اس پر ہاتھ کا ضمان لازم ہوگا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سورت میں بھی معاف ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس حداد نے ایک معصوم ہاتھ کو کاٹا ہے اور بندے کے حق میں غلطی معاف نہیں ہے اس لیے حداد ضامن ہوجائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴؎ ہمارا جواب یہ ہے کہ اجتہاد میں غلطی کی ہے، اور آیت میں دائیں ہاتھ کا تعین نہیں ہے، اور اجتہاد کرنے میں غلطی ہوجائے تو یہ معاف ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حداد نے معصوم ہاتھ کو ناحق کاٹا ہے اور جان کر کاٹنے میں کوئی تاویل نہیں ہے، کیوں کہ جان کر ظلم کیا ہے اس لیے معاف نہیں ہوگا، چاہے یہ اجتہادی چیز ہو، اور یہاں مناسب تو یہ تھا کہ حداد پر قصاص لازم ہوجائے لیکن چونکہ آیت میں دائیں ہاتھ کا بھی شبہ ہے اس لیے شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حداد نے معصوم عضو کو کاٹا ہے اور چونکہ جان کر کاٹا ہے اس لیے اس کی کوئی تاویل بھی نہیں ہے، یہ ظلم ہے، اور قاعدے کے اعتبار سے حداد پر قصاص لازم ہونا چاہئے، لیکن چونکہ ایدیھما میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس لیے اس شبہ کی وجہ

۶ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنَّهُ أَتْلَفَ وَأَخْلَفَ مِنْ جِنْسِهِ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَلَا يُعَدُّ إتْلَافًا كَمَنْ شَهِدَ عَلَى غَيْرِهِ بِبَيْعِ مَالِهِ بِمِثْلِ قِيمَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ، وَعَلَى هَذَا لَوْ قَطَعَهُ غَيْرُ الْحَدَّادِ لَا يَضْمَنُ أَيْضًا هُوَ الصَّحِيحُ. ۷ وَلَوْ أَخْرَجَ السَّارِقُ يَسَارَهُ وَقَالَ هَذِهِ يَمِينِي لَا يَضْمَنُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ قَطْعَهُ بِأَمْرِهِ. ۸ ثُمَّ فِي الْعَمْدِ عِنْدَهُ عَلَيْهِ ضَمَانُ الْمَالِ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ حَدًّا. ۹ وَفِي الْخَطَإِ كَذَلِكَ عَلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ، وَعَلَى طَرِيقَةِ الِاجْتِهَادِ لَا يَضْمَنُ

سے قصاص لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے بائیں ہاتھ کاٹ کر نقصان تو کیا ہے، لیکن اس سے بہتر جو دائیں ہاتھ تھا وہ اس کے بدلے میں چھوڑ دیا ہے، اس لیے یہ نقصان شمار نہیں کیا جائے گا، جیسے کسی نے دوسرے پر مثل قیمت میں بیچنے کی گواہی دی ہو پھر رجوع کر گیا ہو [تو یہ نقصان نہیں شمار کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کی مثلی قیمت مل گئی ہے]، اسی قاعدے پر یہ بھی ہے کہ حد لگانے والے کے علاوہ نے بایاں ہاتھ کاٹا تو وہ بھی ضامن نہیں ہوگا، صحیح روایت یہی ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے دایاں ہاتھ کاٹ کر نقصان تو کیا ہے، لیکن اس سے اچھا ہاتھ دایاں ہاتھ چھوڑ دیا ہے، اس لیے چور کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس کی ایک مثال دیا ہے کہ، مثلا زید نے گواہی دی کہ عمر نے خالد کے ہاتھ میں اپنا بیل پانچ سو درہم میں بیچا ہے، اور بیل کی قیمت بھی پانچ سو تھی، اور بعد میں زید اپنی گواہی سے رجوع کر جائے تو زید پر کچھ لازم نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ عمر کا بیل مل گیا تو اس کو اس کی مثلی قیمت پانچ سو درہم بھی مل گیا ہے، اسی طرح یہاں چور کا بایاں ہاتھ گیا ہے تو اس کے بدلے اس سے اچھا دایاں ہاتھ مل گیا ہے اس لیے حداد پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اسی قاعدے پر داد کے علاوہ کسے دوسرے نے بھی بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا، صحیح بات یہی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور اگر چور نے ہی اپنا بائیں ہاتھ نکال کر کاٹنے دیا، اور کہا کہ یہ میرا دائیں ہاتھ ہے تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کے حکم سے کاٹا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۸ پھر جان بوجھ کر کاٹنے کی صورت میں چور پر مال کا ضمان لازم ہوگا اس لیے کہ پوری حد نہیں ہوئی۔

نوٹ: آگے قاعدہ یہ آ رہا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد چوری کا مال چور کے پاس موجود ہو تو اس مال کو مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اگر مال موجود نہ ہو تو اس کا ضمان چور پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ ہاتھ کٹنا ہی مال کے بدلے میں ہو گیا۔

تشریح: حداد جانتا تھا کہ آیت میں اید سے مراد دائیں ہاتھ ہے پھر بھی جان بوجھ کر بائیں ہاتھ کاٹ دیا تو اس صورت میں چونکہ مقررہ حد پوری نہیں ہوئی اس لیے چور پر چوری کا مال واپس کرنا لازم ہوگا، اور مال ضائع کر دیا ہے تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۹ اور غلطی کی صورت میں بھی یہی حال ہے، اور اجتہاد کی صورت میں ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: حداد کا اجتہاد ہی یہ تھا کہ آیت میں ایدیہما، سے مراد بایاں ہاتھ ہے، اس لیے اس نے بایاں ہاتھ کاٹ دیا، تو حد مکمل ہو گئی ہے، اس لیے اب چور پر چوری کے مال کا ضمان لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ مال کے بدلے میں ہاتھ کٹ گیا ہے۔

(۲۶۹۶)وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ إِلَّا أَنْ يَحْضُرَ الْمَسْرُوقُ مِنْهُ فَيُطَالِبُ بِالسَّرِقَةِ ۱ لِأَنَّ الْخُصُومَةَ شَرْطٌ لِظُهُورِهَا، ۲ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الشَّهَادَةِ وَالْإِقْرَارِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْإِقْرَارِ، لِأَنَّ الْجِنَايَةَ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ لَا تَظْهَرُ إِلَّا بِخُصُومَتِهِ، (۲۶۹۷) وَكَذَا إِذَا غَابَ عِنْدَ الْقَطْعِ عِنْدَنَا، لِأَنَّ الِاسْتِيفَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي بَابِ الْحُدُودِ

ترجمہ: (۲۶۹۶) چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ جس کا چرایا ہے وہ حاضر ہو اور چوری ہونے کا دعوی کرے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ چوری کو ظاہر کرنے کے لیے دعوی کرنا شرط ہے۔

تشریح: ہاتھ کاٹنے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ایک تو یہ کہ مسروق منہ ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ کرے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے وقت مسروق منہ حاضر ہو۔

وجہ: (۱) ممکن ہے مسروق منہ معاف کر دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اس لیے حاکم کے سامنے مسروق منہ کا کاٹنے کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ کاٹنے سے پہلے ہبہ کر دے یا بیچ دے یا چور کو ہدیہ کر دے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی۔اس لیے ہاتھ کاٹتے وقت اپنے مطالبہ پر برقرار رہے اس کے اظہار کے لیے ہاتھ کاٹتے وقت مسروق منہ کا حاضر ہونا ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے کہ فیصلے سے پہلے مسروقہ چیز چور کو ہبہ کر دے یا معاف کر دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔حضرت صفوان کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن صفوان بن امیة... قال فاتیته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثین درهما؟ انا ابیعه و انسئه ثمنها قال فهلا کان هذا قبل ان تاتینی به** (ابو داؤد شریف، **باب فیمن سرق من حرز** ص ۶۵۵ نمبر ۴۳۹۴/نسائی شریف **مایکون حرزا و مالا یکون** ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاٹنے کا مطالبہ نہ کرے یا مطالبہ کرنے کے بعد معاف کر دے تو کاٹنا ساقط ہو جائے گا (۳) یوں بھی شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔حدیث میں حد معاف کرنے کی ترغیب بھی ہے۔**عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول اللهﷺ قال تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب** (نسائی شریف، **مایکون حرزا و مالا یکون** ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۹۰) (۴) اور کاٹتے وقت حاضر ہونے کی دلیل حد زنا میں گزر چکی ہے کہ پہلے گواہ مارے پھر امام مارے پھر لوگ مارے تاکہ اخیر تک حد کا ثبوت برقرار رہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہمارے نزدیک اور کوئی فرق نہیں ہے گواہی کے ذریعہ سے چوری ثابت ہوئی ہو یا چور کے خود اقرار سے چوری ثابت ہوئی ہو [دونوں صورتوں میں حد لگنے کے لیے مال کے مالک کا حاضر ہونا ضروری ہے] خلاف امام شافعیؒ کے اقرار کی صورت میں، اس لیے کہ دوسرے کے مال میں جرم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ نالش کرے۔

تشریح: گواہی کے ذریعہ چوری ثابت ہوئی ہو یا خود چور کے اقرار کے ذریعہ چوری ثابت ہوئی ہو دونوں صورتوں میں حد جاری کرنے کے لیے مال کے مالک کا حاضر ہونا بھی ضروری ہے اور حد کے مطالبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کے مال میں جرم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ قاضی کے پاس شکایت کرے، اس لیے اقرار اور گواہی دونوں صورتوں میں مالک کا مقدمہ کرنا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چور نے خود چوری کا اقرار کیا ہو تو اس صورت میں حد لگانے کے لیے مالک کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۶۹۷) ایسے ہی اگر مالک حد لگاتے وقت غائب ہو جائے تو حد نہیں لگائی جائے گی۔

(۲۶۹۸) وَلِلْمُسْتَوْدِعِ وَالْغَاصِبِ وَصَاحِبِ الرِّبَا أَنْ يَقْطَعُوا السَّارِقَ مِنْهُمْ وَلِرَبِّ الْوَدِيعَةِ أَنْ يَقْطَعَهُ أَيْضًا، وَكَذَا الْمَغْصُوبُ مِنْهُ. ا وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يُقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْغَاصِبِ وَالْمُسْتَوْدِعِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْمُسْتَعِيرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ وَالْمُضَارِبُ وَالْمُسْتَبْضِعُ وَالْقَابِضُ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ وَالْمُرْتَهِنُ وَكُلُّ مَنْ لَهُ يَدٌ حَافِظَةٌ سِوَى الْمَالِكِ، وَيُقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْمَالِكِ فِي السَّرِقَةِ مِنْ هَؤُلَاءِ

تشریح: نالش کرتے وقت اور حد کا فیصلہ ہوتے وقت مالک موجود تھا، لیکن حد جاری کرتے وقت مالک ماجود نہیں تھا تب بھی حد نہیں لگائی جائے گی، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ مالک چور کو اب معاف کر دیا ہو، اور پہلے گزرا کہ چور کو معاف کر دے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے حد لگاتے وقت بھی مالک کا حاضر رہنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ حد کے باب میں حد وصول کرنا بھی فیصلے کا ایک حصہ ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حد لگانا بھی فیصلے کا ایک حصہ ہے، اس لیے جس طرح فیصلے کے وقت مالک کا حاضر رہنا ضروری ہے اسی طرح حد کے لگتے وقت بھی مالک کا حاضر رہنا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۶۹۸) امانت رکھنے والا، اور غصب کرنے والا، اور سود پر لینے والے سے چور نے چرایا تو ان کو بھی حق ہے کہ چور کا ہاتھ کٹوادے، اور امانت کے مالک کو بھی حق ہے کہ چور کا ہاتھ کٹوادے، اور جس سے غصب کیا [یعنی اصل مالک] کو بھی حق ہے کہ چور کا ہاتھ کٹوادے۔

ترجمہ: ا امام زفر: اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غاصب اور امانت رکھنے والے کی نالش سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور اسی اختلاف پر ہے مانگ کر لینے والا، اجرت پر لینے والا، مضاربت پر لینے والا، اور احسان کے طور پر لینے والا، اور بھاؤ کے لیے قبضہ کرنے والا، اور رہن پر رکھنے والا، اور مالک کے علاوہ جس کا بھی قبضہ ہے [وہ نالش کر سکتا ہے یا نہیں، اور ہاتھ کٹوا سکتا ہے یا نہیں] اگر ان نو آدمیوں سے چرایا ہو تو خود مالک بھی نالش کر سکتا ہے اور ہاتھ کٹوا سکتا ہے۔

تشریح: یہاں بارہ مسئلے کو گھسایا ہے، اس لیے ہر ایک کو غور سے سمجھیں۔ یہاں اصول یہ ہے کہ اصل مالک کو حق ہوتا ہے کہ چوری کا مقدمہ کرے، اور مال کو واپس کرنے کا مطالبہ کرے، اور ہاتھ کاٹنے کا بھی مطالبہ کرے، تو کیا ان نو آدمیوں کو بھی [۱] نالش کرنے کا، [۲] اور مال کو واپس کرنے کا، [۳] اور ہاتھ کٹوانے کا حق ہوگا یا نہیں۔ کیوں کہ اوپر مسئلے میں کہا کہ ہاتھ کٹتے وقت مالک کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ یہاں اصل مالک کو بھی ہاتھ کٹوانے کا حق ہے، اور ان نو آدمیوں کو بھی نالش کرنے کا، اور ہاتھ کٹوانے کا حق ہے، جس کے پاس یہ مال ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف مالک کو ہاتھ کٹوانے کا حق ہے، باقی ان نو آدمیوں کو نہ نالش کرنے کا حق، اور نہ ہاتھ کٹوانے کا حق ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان نو آدمیوں کو مال واپس کرنے کے لیے نالش کرنے کا حق ہے، ہاتھ کٹوانے کا حق نہیں ہے۔

لغت: **مستودع:** **ودیعة** سے مشتق ہے، جس کے پاس امانت رکھا ہو۔ **صاحب ربوا:** یہاں سود کی شکل یہ ہے کہ زید نے عمر کے ہاتھ میں دس درہم کو بیس درہم کے بدلے بیچا، اور اس بیس درہم پر قبضہ کر لیا تو یہ سود کی شکل ہوئی، اور بیس درہم عمر کا ہے، اب زید سے بیس درہم چرا لیا تو زید کو نالش کرنے کا اور ہاتھ کٹوانے کا حق ہوگا یا نہیں۔ **رب الودیعة:** جسکی امانت ہے، یعنی اصل مالک، کو کٹوانے کا حق ہوگا یا نہیں۔

۲ إلَّا أَنَّ الرَّاهِنَ إِنَّمَا يَقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ حَالَ قِيَامِ الرَّهْنِ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ فِي الْمُطَالَبَةِ بِالْعَيْنِ بِدُونِهِ. ۳ وَالشَّافِعِيُّ بَنَاهُ عَلَى أَصْلِهِ أَنْ لَاخُصُومَةَ لِهَؤُلَاءِ فِي الْاسْتِرْدَادِ عِنْدَهُ. ۴ وَزُفَرُ يَقُولُ: وِلَايَةُ الْخُصُومَةِ فِي حَقِّ الْاسْتِرْدَادِ ضَرُورَةُ الْحِفْظِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَطْعِ لِأَنَّ فِيهِ تَفْوِيتَ الصِّيَانَةِ. ۵ وَلَنَا أَنَّ السَّرِقَةَ مُوجِبَةٌ لِلْقَطْعِ فِي نَفْسِهَا، وَقَدْ ظَهَرَتْ عِنْدَ الْقَاضِي بِحُجَّةٍ شَرْعِيَّةٍ وَهِيَ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ عَقِيبَ خُصُومَةٍ مُعْتَبَرَةٍ

مغصوب منه: جس سے غصب کیا، یعنی اصل مالک۔ **مستعیر:** عارت پر لینے والا، مانگ کر لینے والا۔ **مستاجر:** اجرت پر لینے والا۔ مضارب: مال زید کا ہو اور کام عمر کرے، اور نفع آدھا آدھا ہو تو ایسی تجارت کو مضاربت، کہتے ہیں، اور جو کام کر رہا ہے، اور اس کے پاس زید کا مال ہے اس کو مضارب کہتے ہیں، اس مضارب کے پاس سے مال چوری ہو گئی تو مضارب نالش کر سکتا ہے یا نہیں۔ **مستبضع: بضاعة** سے مشتق ہے، کسی کا مال احسان کے طور پر لیا، اور اس کو تجارت پر لگایا۔ احسان کے طور مال لینے والے کو **مستبضع**، کہتے ہیں۔ **قابض علی سوم الشراء:** زید نے عمر کا کپڑا ابھاؤ کرنے کے لیے لیا تو زید کو **قابض علی سوم الشراء**، کہتے ہیں، اب زید سے کپڑا چوری ہو گیا تو زید نالش کر سکتا ہے، اور ہاتھ کٹوا سکتا ہے یا نہیں۔ **مرتهن:** زید نے عمر سے بیس درہم لیے، اور اس کے بدلے میں عمر کے پاس بیل گروی رکھا، اب عمر [مرتہن] سے بیل چوری ہو گیا، تو عمر نالش کر سکتا ہے یا نہیں، اور چور کا ہاتھ کٹوا سکتا ہے یا نہیں۔ یہاں زید راہن ہے، اور عمر مرتہن ہے۔

ترجمہ: ۲ یہ اور بات ہے کہ راہن اس وقت نالش کر کے کٹوا سکتا ہے جبکہ قرض ادا کرنے کے بعد رہن کا معاملہ قائم ہو، اس لیے کہ قرض ادا کیے بغیر راہن کو شیء مرہون کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

تشریح: یہاں ایک اور چیز بیان کر رہے ہیں۔ مرتہن کے پاس سے شیء مرہون چوری ہو گئی تو راہن اس وقت نالش کر سکتا ہے جب مرتہن کا قرض ادا کر چکا ہو اور ابھی تک رہن کا معاملہ قائم ہو، کیوں کہ قرض ادا کرنے سے پہلے شیء مرہون کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس لیے قاضی کے پاس اس کے واپس کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ۳ امام شافعیؒ اپنے اصل قاعدے پر گئے، ان کے یہاں ان نولوگوں کو نالش کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ نولوگ جو مال کا مالک نہیں ہیں، انکو چوری کا مال واپس کرنے کے لیے قاضی کے پاس نالش کرنے کا بھی حق نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ مال کا مالک نہیں ہیں۔

ترجمہ: ۴ اور زفرؒ فرماتے ہیں کہ مال واپس کرنے کے لیے ان نولوگوں کو نالش کرنے کا حق ہے، کیوں کہ ان کو مال کی حفاظت کرنا ہے، لیکن اس کی وجہ سے ہاتھ نہیں کٹوا سکتا، کیوں کہ اس کٹوانے سے حفاظت کرنا فوت ہو جائے گا۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان نولوگوں کو مال کی حفاظت کرنا ہے اس لیے ان کو مال واپس لینے کے لیے نالش کرنے کا حق ہے، لیکن ہاتھ کٹوانے کا حق نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ ہاتھ کٹے گا، اور مال چور کے پاس ضائع ہو گیا تو وہ واپس نہیں ملے گا، اس لیے ہاتھ کٹوانے کا اختیار نہیں ملے گا۔

لغت: استرداد: رد سے مشتق ہے، واپس لینا۔ **تفویت الصیانة:** مال کو محفوظ ہو کر لوٹنا فوت ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ چوری خود ہاتھ کٹنے کا سبب ہے، کیوں کہ قاضی کے پاس حجت شرعیہ یعنی دو گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت

مُطْلَقًا إِذِ الْاِعْتِبَارُ لِحَاجَتِهِمْ إِلَى الْاِسْتِرْدَادِ فَيَسْتَوْفِي الْقَطْعَ. ٦ وَالْمَقْصُودُ مِنَ الْخُصُومَةِ إِحْيَاءُ حَقِّهِ ٧ وَسُقُوطُ الْعِصْمَةِ ضَرُورَةُ الْاِسْتِيفَاءِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ، ٨ وَلَا مُعْتَبَرَ بِشُبْهَةٍ مَوْهُومَةِ الْاِعْتِرَاضِ كَمَا إِذَا حَضَرَ الْمَالِكُ وَغَابَ الْمُؤْتَمَنُ فَإِنَّهُ يُقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَإِنْ كَانَتْ شُبْهَةُ الْإِذْنِ فِي دُخُولِ الْحِرْزِ ثَابِتَةً (۲۶۹۹) وَإِنْ قُطِعَ سَارِقٌ بِسَرِقَةٍ فَسُرِقَتْ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَا لِرَبِّ السَّرِقَةِ أَنْ يُقْطَعَ السَّارِقُ الثَّانِي ١ لِأَنَّ الْمَالَ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ فِي حَقِّ السَّارِقِ حَتَّى لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الضَّمَانُ بِالْهَلَاكِ فَلَمْ تَنْعَقِدْ مُوجِبَةً فِي نَفْسِهَا،

ہوئی ہے اور معتبر نالش بھی ہوئی ہے، کیوں کہ ان نو لوگوں کو مال واپس کرنے کے لیے نالش کرنے کا حق تھا، اس لیے ہاتھ کاٹنا بھی ہو جائے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ ان نو لوگوں کو مال واپس لینے کے لیے قاضی کے پاس نالش کرنے کا حق تھا، اس لیے دو گواہوں کے ذریعہ سے چوری ثابت ہوئی، اور چوری ثابت ہونا خود ہی ہاتھ کٹنے کا سبب ہے اس لیے چور کا ہاتھ کٹا۔

ترجمہ: ٦ اور نو آدمیوں کے نالش کا مقصد مالک کے حق کو زندہ کرنا ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ ان نو آدمیوں کا مقصد ہاتھ کٹوانا نہیں ہے، بلکہ مالک کے مال کو واپس لانا، اور اس کے حق کو زندہ کرنا ہے، اب چوری کے ثابت ہونے کی وجہ سے خود ہی کٹ جائے تو کیا کیا جائے۔

ترجمہ: ٧ اور مال کی حفاظت ساقط ہو گئی یہ مال وصول کرنے کی ضرورت میں سے ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت: **صیانۃ:** یہ ایک محاورہ ہے، مال محفوظ رہے، اور حفاظت کے ساتھ مالک کو مل جائے، اس کو صیانت کہتے ہیں۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے، کہ یہ نو آدمی ہاتھ کٹوائے گا تو مال کی حفاظت ختم ہو جائے گی، اور مالک کو وہ مال نہیں ملے گا، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ، نو آدمیوں کا مقصد صیانت ختم کرنا نہیں ہے، بلکہ مال واپس لینا ہے اب اس کے تحت میں صیانت ختم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ٨ اور وہمی شبہ کا اعتبار نہیں ہے، جیسے مالک حاضر ہو گیا اور امانت رکھنے والا غائب ہو گیا تو ظاہر روایت میں مالک کی نالش سے کاٹا جائے گا، اگر چہ یہ شبہ ہے کہ محفوظ جگہ میں خود امانت رکھنے والے نے چور کو جانے کی اجازت دی ہو۔

تشریح: امانت رکھنے والے کے پاس مال تھا اور وہیں سے چوری ہوا، اب امانت رکھنے والا غائب ہو گیا، اور اصل مالک آ گیا تو اصل مالک کی نالش پر ہاتھ کاٹا جائے گا، حالانکہ یہاں یہ شبہ ہے کہ امانت رکھنے والے نے ہی چور کو محفوظ جگہ پر جانے کی اجازت دی ہو، لیکن اس کے باوجود اس وہم کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، اور مالک کی نالش سے چور کا ہاتھ کٹتا ہے۔

ترجمہ: (۲۶۹۹) اگر چوری کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس چور سے بھی کسی اور نے چرا لیا تو پہلے چور کو اور اصل مالک کو حق نہیں ہے کہ دوسرے چور کا ہاتھ کٹوائے۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ دوسرے چور کے حق میں مال متقوم نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ ہلاک ہو جائے تو پہلے چور پر اس کا ضمان لازم نہیں ہے، اس لیے ہاتھ کٹنے کا سبب منعقد نہیں ہوا۔

اصول: قاعدہ یہ ہے کہ جس مال کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مال موجود ہو تو مالک کو دلوایا جاتا ہے، اور اگر موجود نہ ہو تو چور پر اس کی قیمت لازم نہیں ہے، اس لیے یہ مال غیر متقوم، یعنی غیر قیمتی ہو گیا، اس لیے اس مال کو دوسرے چور نے چرایا تو اس کی وجہ سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۲؎ وَلِلْأَوَّلِ وِلَايَةُ الْخُصُومَةِ فِي الْإِسْتِرْدَادِ فِي رِوَايَةٍ لِحَاجَتِهِ إِذِ الرَّدُّ وَاجِبٌ عَلَيْهِ (۲۷۰۰)وَلَوْ سَرَقَ الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يُقْطَعَ الْأَوَّلُ أَوْ بَعْدَ مَا دُرِئَ الْحَدُّ بِشُبْهَةٍ يُقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْأَوَّلِ ۱؎ لِأَنَّ سُقُوطَ التَّقَوُّمِ ضَرُورَةُ الْقَطْعِ وَلَمْ يُوجَدْ فَصَارَ كَالْغَاصِبِ (۲۷۰۱)وَمَنْ سَرَقَ سَرِقَةً فَرَدَّهَا عَلَى الْمَالِكِ قَبْلَ الْإِرْتِفَاعِ إِلَى الْحَاكِمِ لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقْطَعُ اعْتِبَارًا بِمَا إِذَا رَدَّهُ بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ. ۲؎ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْخُصُومَةَ شَرْطٌ لِظُهُورِ السَّرِقَةِ، لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ إِنَّمَا جُعِلَتْ حُجَّةً ضَرُورَةَ قَطْعِ الْمُنَازَعَةِ وَقَدْ انْقَطَعَتْ الْخُصُومَةُ،

تشریح: زید نے عمر کا بیل چوری کی، جسکی وجہ سے زید کا ہاتھ کاٹا گیا، اب خالد نے اس بیل کو چرا لیا تو نہ مالک خالد کا ہاتھ کٹوا سکے گا، اور نہ پہلا چور خالد کا ہاتھ کٹوا سکے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہاتھ کٹنے کی وجہ سے یہ مال غیر متقوم ہو گیا، کیوں کہ اس کے ہلاک ہونے پر پہلے چور پر ضمان نہیں ہے، اس لیے غیر متقوم چیز کی چوری سے دوسرے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ایک روایت میں ہے کہ پہلے چور کو مال واپس کرنے کے لیے نالش کرنے کا حق ہے، کیوں کہ اس پر واجب ہے کہ مال مالک کی طرف واپس کرے۔

تشریح: پہلا چور دوسرے چور کا ہاتھ تو نہیں کٹوا سکتا، لیکن مال کو واپس لینے کے لیے قاضی کے پاس نالش کر سکتا ہے، کیوں کہ جب تک مال موجود ہے اس پر لازم ہے کہ اس مال کو اصل مالک کی طرف واپس کرے۔

ترجمہ: (۲۷۰۰) پہلے چور کا ابھی ہاتھ نہیں کٹا تھا، یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو گئی اور دوسرے چور نے چرا لیا تو پہلے چور کی نالش سے دوسرے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ ہاتھ کے کٹنے کی وجہ سے مال کی قیمت ختم ہوتی ہے اور وہ پایا نہیں گیا [اس لیے ہاتھ کٹے گا،] جیسے پہلا چور مال غصب کرتا، اور اس مال کو کوئی چرا لیجاتا تو اس کا ہاتھ کٹتا ہے۔

تشریح: پہلے چور کا ہاتھ کٹتا تب چوری کا مال غیر متقوم ہوتا، یہاں ابھی ہاتھ نہیں کٹا ہے، یا کسی شبہ کی وجہ سے ہاتھ کٹنا ساقط ہو گیا، اس لیے یہ مال غیر متقوم نہیں ہوا اس لیے اس مال کو دوسرا چور چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لغت:تقوم: جس مال کی قیمت ہو، جس مال کا ضمان لازم ہوتا ہو۔**غیر مقوم:** جس مال کا ضمان لازم نہیں ہوتا ہو۔

ترجمہ: (۲۷۰۱) کسی نے چوری کی اور حاکم کے پاس نالش کرنے سے پہلے چور نے مال مالک کو واپس کر دیا تو نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول: ہاتھ کٹنے کے لیے ضروری ہے کہ فیصلے تک مقدمہ موجود ہو، پس اگر فیصلے سے پہلے پہلے مقدمہ ختم ہو گیا تو ہاتھ نہیں کٹے گا۔

تشریح: زید نے عمر کا مال چرایا، لیکن حاکم کے پاس نالش سے پہلے ہی زید نے مال عمر کو واپس کر دیا تو اب مقدمہ ہی نہیں رہا اس لیے ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا جیسے نالش کرنے کے بعد مال واپس کرتا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ظاہری روایت کی وجہ یہ ہے کہ چوری ظاہر کرنے کے لیے نالش ضروری ہے، اس لیے کہ جھگڑا کو ختم کرنے کے لیے گواہی کو

۳؎ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ لِانْتِهَاءِ الْخُصُومَةِ لِحُصُولِ مَقْصُودِهَا فَتَبْقَى تَقْدِيرًا (۲۷۰۲) وَإِذَا قُضِيَ عَلَى رَجُلٍ بِالْقَطْعِ فِي سَرِقَةٍ فَوُهِبَتْ لَهُ لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ مَعْنَاهُ إِذَا سُلِّمَتْ إِلَيْهِ (۲۷۰۳) وَكَذَلِكَ إِذَا بَاعَهَا الْمَالِكُ إِيَّاهُ

حجت بنایا، اور مال واپس کرنے کی وجہ سے جھگڑا ختم ہوگیا[اس لیے اب ہاتھ کٹنے کا فیصلہ بھی نہیں ہوگا]

تشریح: ہاتھ کٹنے کے فیصلے کے لیے مقدمہ ضروری ہے، اور مال واپس کردیا تو اب جھگڑا ہی ختم ہوگیا اس لیے نہ مقدمہ ہوگا اور نہ ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف اگر نالش کرنے کے بعد چور نے مال واپس کیا، تو مقصود حاصل کرنے کے لیے ابھی نالش باقی ہے، تو تقدیرا جھگڑا بھی باقی ہے اس لیے ہاتھ کٹنے کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح: نالش کرنے کے بعد چور نے مال واپس کیا تو اب نالش اور مضبوط ہوگئی اس لیے فیصلہ بھی ہوگا اور ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔

لغت: لانتهاء الخصومة: یہاں انتہاء کا ترجمہ ہے اور مضبوط ہوجانا۔ **فتبقی تقدیرا:** اندرونی اعتبار سے خصومت اور جھگڑا باقی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۰۲) کسی آدمی پر چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہوا پس مالک نے وہ مال چور کو ہبہ کردیا تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: ہاتھ کٹنے سے پہلے مالک نے وہ مال چور کو ہبہ کردیا اور وہ مال کسی نہ کسی طرح سے چور کا ہوگیا یا تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ترجمہ: (۱) ہاتھ کا کٹنا، اور حد جاری کرنا بھی فیصلے کا حصہ ہے اس لیے حد جاری ہونے سے پہلے پہلے چور ہبہ کے ذریعہ اس چیز کا مالک بن گیا تو اب ملکیت کا شبہ پیدا ہوگیا اور پہلے گزر چکا ہے کہ چور کا حصہ ہوجائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۲) اوپر والی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس لانے سے پہلے اس کو چور کے ہاتھ بیچ دیتا یا ہبہ کردیتا تو ہاتھ نہ کٹتا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **فاتيته فقلت اتقطعه من اجل ثلاثين درهما؟ انا ابيعه وانسئه ثمنها قال فهلا كان هذا قبل ان تاتيني به** (ابوداؤد شریف، باب فیمن سرق من حرز ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴/نسائی شریف **مایکون حرزا وما لا یکون** ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیچ دیا یا ہبہ کردیا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور نسائی شریف کی دوسری روایت میں یہ جملہ بھی ہے۔ **یا رسول الله قد تجاوزت عنه** جس سے معلوم ہوا کہ معاف کردیا تب بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد مال چور کو دے بھی دیا۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ صرف زبان سے ہبہ کرنے سے ہبہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد اس پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے تب ہبہ مکمل ہوتا ہے، اس لیے اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ مالک مال پر چور کو قبضہ دے، تب ہبہ مکمل ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۰۳) ایسے ہی مالک چور کے پاس اس مال کو بیچ دے [تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: چوری کے معاملے میں تین مراحل ہیں [۱] نالش سے پہلے [۲] نالش کے بعد فیصلے سے پہلے [۳] ہاتھ کٹنے کے فیصلے کے بعد، لیکن حد جاری کرنے سے پہلے،

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ فیصلے کے بعد، اور ہاتھ کٹنے سے پہلے پہلے بھی چور اس چیز کو خرید کر مالک بن جائے تو اب ہاتھ نہیں کٹے گا، کیوں کہ قاعدہ گزر گیا کہ چور مسروقہ چیز کا مالک بن جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کٹتا ہے۔

۱؎ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يُقْطَعُ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ السَّرِقَةَ قَدْ تَمَّتْ انْعِقَادًا وَظُهُورًا، وَبِهَذَا الْعَارِضِ لَمْ يَتَبَيَّنْ قِيَامُ الْمِلْكِ وَقْتَ السَّرِقَةِ فَلَا شُبْهَةَ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْإِمْضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي هَذَا الْبَابِ لِوُقُوعِ الِاسْتِغْنَاءِ عَنْهُ بِالِاسْتِيفَاءِ، إِذْ الْقَضَاءُ لِلْإِظْهَارِ وَالْقَطْعُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ ظَاهِرٌ عِنْدَهُ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يُشْتَرَطُ قِيَامُ الْخُصُومَةِ عِنْدَ الِاسْتِيفَاءِ وَصَارَ كَمَا إِذَا مَلَكَهَا مِنْهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ.

اصول: امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ فیصلے کے بعد اور ہاتھ کٹنے سے پہلے چور اس چیز کا مالک بن جائے تو چور کا ہاتھ کٹے گا، کیوں کہ فیصلہ ہو چکا ہے، اور چور چوری کرتے وقت اس چیز کا مالک نہیں تھا۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لیے کہ چوری پوری ہو گئی ہے اور گواہوں کے ذریعہ ظاہر بھی ہو چکی ہے۔ اور اس ملکیت کی وجہ سے چوری کے وقت مالک نہیں بنے گا، تو ملکیت کا شبہ نہیں ہوا۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہی ہے کہ ہاتھ کاٹنے سے پہلے پہلے چاہے خرید ار اس چیز کا مالک بن جائے تب بھی اس کا ہاتھ کٹے گا۔

وجہ: (۱) چوری ہوئی بھی ہے، اور گواہوں کے ذریعہ چوری ظاہر بھی ہو چکی ہے، اور فیصلہ بھی ہو چکا ہے اس لیے اس کا ہاتھ کٹے گا۔ (۲) حدیث صفوان میں حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد بیچنے کی خواہش ظاہر کی یا معاف کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس آنے سے پہلے اور فیصلے سے پہلے یہ سب کرنا چاہئے تب حد ساقط ہوتی فیصلے کے بعد ساقط نہیں ہوگی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **قال فاتیتہ فقلت اتقطعہ من اجل ثلاثین درھما؟ انا ابیعہ و انسئہ ثمنھا قال فھلا کان ھذا قبل ان تاتینی بہ** (ابو داؤد شریف، **باب فیمن سرق من حرز** ص ۲۵۵ نمبر ۴۳۹۴/ نسائی شریف **مایکون حرزا و ما لا یکون** ص ۶۷۳ نمبر ۴۸۸۷) اس حدیث میں ہے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں ایسا نہ کرلیا تو معاف ہو جاتا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ فیصلہ کرنے کے بعد تو کاٹا جائے گا۔ (۳) اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا۔ **عن صفوان بن امیہ... فقطعہ رسول اللہ ﷺ** (نسائی شریف، **باب الرجل یتجاوز للسارق عن سرقتہ** ص ۶۷۲ نمبر ۴۸۸۲)

لغت: انعقادا: یہ محاورہ ہے، چوری منعقد ہوئی، یعنی اس نے چوری حقیقت میں کی ہے۔ **ظھورا:** گواہوں کے ذریعہ یہ چوری ظاہر ہوئی ہے۔ **بھذا العارض:** اس عارض سے یعنی بیچ دینے اور ہبہ کرنے کی وجہ سے۔ **لم یتبین قیام الملک وقت السرقۃ:** چور کے ہاتھ میں بیچنے کی وجہ سے ہاتھ کٹنے سے پہلے پہلے چور مالک بنا، چوری کرتے وقت مالک نہیں بنا، اس لیے ہاتھ تو کٹنا ہی چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حد جاری کرنے کے باب میں ہاتھ کاٹنا بھی فیصلے کا حصہ ہے، کیوں کہ وصول کرنے کی وجہ سے فیصلے سے بے نیاز ہے، اس لیے کہ فیصلہ اظہار کے لیے ہوتا ہے اور کاٹنا اللہ تعالی کا حق ہے، اور وہ کاٹتے وقت ظاہر ہوتا ہے، اور جب بات یہ ہے تو کاٹتے وقت تک جھگڑا قائم رہنا ضروری ہے، اور ایسا ہو گیا کہ فیصلے سے پہلے ہی چور مالک بن گیا۔

تشریح: مصنف نے یہاں خالص محاورہ استعمال کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت تک قضاء ہے، کیوں کہ ہاتھ کٹنے سے پہلے قضاء کا کوئی معنی نہیں ہے، اور ہاتھ کٹنے سے پہلے چور چیز کا مالک بنا تو گویا کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے چور مالک بن گیا، اور قاضی کے فیصلے سے پہلے مالک بن جائے تو ہاتھ نہیں کٹتا ہے، اس لیے یہاں بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔

قَالَ (۲۷۰۴)وَكَذَا إِذَا نَقَصَتْ قِيمَتُهَا مِنَ النِّصَابِ ۱؎يَعْنِي قَبْلَ الْإِسْتِيفَاءِ بَعْدَ الْقَضَاءِ. ۲؎وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقْطَعُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ اعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ. ۳؎وَلَنَا أَنَّ كَمَالَ النِّصَابِ لَمَّا كَانَ شَرْطًا يُشْتَرَطُ قِيَامُهُ عِنْدَ الْإِمْضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا. ۴؎بِخِلَافِ النُّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ فَكَمُلَ النِّصَابُ عَيْنًا وَدَيْنًا، كَمَا إِذَا اسْتَهْلَكَ كُلَّهُ.

ترجمہ: (۲۷۰۴) اگر فیصلے کے بعد اور ہاتھ کاٹنے سے پہلے قیمت نصاب سے کم ہو جائے تو اسی طرح ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: چوری کرتے وقت چیز کی قیمت نصاب سے زیادہ تھی، لیکن فیصلے کے بعد اور ہاتھ کاٹنے سے پہلے اس کی قیمت نصاب یعنی دس درہم سے کم ہو گئی تب بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: (۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ ہاتھ کا کٹنا فیصلے کا حصہ ہے، اس لیے ہاتھ کے کٹنے تک پورا نصاب رہنا چاہئے، اور یہاں ہاتھ کے کٹنے سے پہلے نصاب سے کم ہو گیا ہے اس لیے ہاتھ نہیں کٹے گا۔ (۲) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ایمن قال لم تقطع الید فی زمان رسول اللہ ﷺ الا فی مجن و قیمته یو مئذ دینار** (سنن للبیھقی، باب اختلاف الناقلین فی ثمن المجن ج ثامن ص ۴۴۸ نمبر ۱۷۱۷۴ / ابوداؤد شریف، **باب مایقطع فیہ السارق** ص ۲۵۴ نمبر ۴۳۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نصاب سے قیمت کم ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمد سے ایک روایت ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، وہ قیاس کرتے ہیں خود چوری کے عین میں کوئی نقصان ہو جائے اور نصاب سے کم ہو جائے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ مثلا دس درہم چرایا اور ہاتھ کٹتے وقت ایک درہم گم ہو گیا تب بھی ہاتھ کٹتا ہے، اسی طرح اس کی قیمت نصاب سے کم ہو گئی تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اصل بات یہ ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد چاہے چیز کی قیمت نصاب سے کم ہو جائے تب بھی امام شافعیؒ کے یہاں کٹے گا، کیوں کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت بھی نصاب ہونا ضروری ہے، اس دلیل کی بناء پر جو ہم نے پہلے کہا کہ ہاتھ کا کٹنا بھی فیصلے کا حصہ ہے۔

تشریح: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہاتھ کا کٹنا بھی فیصلے کا حصہ ہے، اس لیے ہاتھ کے کٹنے تک نصاب مکمل ہونا چاہئے، اور یہاں ہاتھ کٹنے سے پہلے نصاب سے کم ہو چکا ہے اس لیے ہاتھ نہیں کٹے گا۔

ترجمہ: ۴؎ عین چوری کی چیز میں نقصان ہو جائے یہ پہلے کے خلاف ہے، کیوں کہ جو نقصان ہوا ہے اس کا ضمان خود چور پر ہے، اس لیے کچھ ضمان سے اور کچھ عین چیز سے نصاب پورا کر دیا جائے گا، جیسے پوری عین چیز ہلاک ہو جائے تب بھی ہاتھ کٹتا ہے، اسی طرح یہاں بھی کٹے گا۔

تشریح: یہ جملہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، مثلا چور نے دس درہم چرایا تھا، ہاتھ کٹنے سے پہلے ایک درہم گم ہو گیا اور عین درہم میں نقصان ہو گیا، پھر بھی ہاتھ کٹتا ہے، اس کا جواب دیا رہا ہے کہ یہ جو ایک درہم گم ہوا ہے اس کا ضمان چور پر ہے، اس لیے نو درہم جو عین ہے، وہ اور ایک درہم جو چور پر لازم ہے دونوں کو ملا کر نصاب پورا کر دیا جائے گا، اور ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں، جیسے چور سے

۵ أمّا نقصان السعر فغير مضمون فافترقا. (۲۷۰۵) وإذا ادعى السارق أن العين المسروقة ملكه سقط القطع عنه وإن لم يقم بينة لـ معناه بعدما شهد الشاهدان بالسرقة. ۲ وقال الشافعيؒ: لا يسقط بمجرد الدعوى لأنه لا يعجز عنه سارق فيؤدي إلى سد باب الحد.

پورے دس درہم گم ہو جائے تو اس کا ہاتھ کٹتا ہے، اسی طرح ایک درہم گم ہو جائے تب بھی ہاتھ کٹے گا۔

لغت: لانه مضمون علیه: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو درہم گم ہوا ہے اس کا ضمان چور پر ہے۔ **عینا:** عین وہ درہم جو ابھی تک چور کے پاس ہے۔ **دینا:** گم شدہ درہم، جس کا ضمان چور پر ہے۔

ترجمہ: ۵ بہر حال بھاؤ کا کم ہونا، تو اس کی ذمہ داری چور کی نہیں ہے، اس لیے گم کرنے میں اور بھاؤ کے کم ہونے میں فرق ہو گیا۔

تشریح: چور نے جس بیل کو چرایا تھا اس کی قیمت دس درہم تھی، ہاتھ کے کٹنے سے پہلے بازار میں اس کی قیمت نو درہم ہو گئی، تو یہ ایک درہم کا ضمان چور پر نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اس لیے اب اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور چور نے ایک درہم گم کر دیا تو اسکی ذمہ داری چور پر ہے، کیوں کہ اس نے گم کیا ہے اس لیے اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۲۷۰۵) چوری شدہ چیز کے بارے میں چور نے دعوی کیا یہ اس کی چیز ہے تو کاٹنا ساقط ہو جائے گا، چاہے اس نے گواہ بھی پیش نہ کیا ہو۔

ترجمہ: لـ اس کا معنی یہ ہے کہ دو گواہ نے چوری کی گواہی دی اس کے بعد چور نے دعوی کیا کہ یہ چیز میری ہے۔

اصول: پہلے یہ تھا اس کی ملکیت ہو گئی تب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اب یہ ہے کہ چور کی ملکیت کا شبہ بھی ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ شبہ سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح: دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے، اس کے بعد چور نے دعوی کیا کہ یہ چیز میری ہے، تو چاہے اس کی چیز ہونے پر گواہی پیش نہ بھی کی ہو، لیکن یہ شبہ ہو گیا کہ یہ چیز اس کی ہے اس لیے اب چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر گزرا کہ چوری کے مال میں چور کا حصہ ہو جائے یا حصے کا شبہ ہو جائے تب بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ یہاں ملکیت کے دعوی کے بعد حصے کا شبہ ہو گیا اس لیے حد ساقط ہو جائے گی (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے کہ خریدنے کا صرف دعوی کیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔ **قال عطاءؒ ان وجدت سرقة مع رجل سوء يتهم فقال ابتعتها فلم ينفذ ممن ابتاعها منه او قال وجدتها لم يقطع ولم يعاقب** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵۱ **فی الرجل المتهم یوجد معه المتاع:** ۵/۵۵۰ نمبر ۲۸۹۱۳ / مصنف عبد الرزاق، **باب التهمة:** ۹/۵۰۸ نمبر ۱۹۱۲۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ خریدنے کا دعوی کرے پھر بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ چاہے بینہ پیش نہ کیا ہو۔ کیوں کہ اس اثر میں خریدنے پر بینہ پیش نہیں کیا پھر بھی حد ساقط ہو گئی۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صرف دعوی سے حد ساقط نہیں ہو گی، کیوں کہ کوئی بھی چور کم سے کم دعوے تو کر ہی دے گا، اس طرح تو حد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

۳ولنا أن الشبهة دارئة وتتحقق بمجرد الدعوى للاحتمال، ۴ولا معتبر بما قال بدليل صحة الرجوع بعد الإقرار (۲۷۰۶)وإذا أقر رجلان بسرقة ثم قال أحدهما هو مالي لم يقطعا ۱لأن الرجوع عامل في حق الراجع ومورث للشبهة في حق الآخر، لأن السرقة تثبت بإقرارهما على الشركة (۲۷۰۷)فإن سرقا ثم غاب أحدهما وشهد الشاهدان على سرقتهما قطع الآخر في قول أبي حنيفة الآخر وهو قولهما ۱ وكان يقول أولا: لا يقطع، لأنه لو حضر ربما يدعي الشبهة.

ترجمہ: ۳ہماری دلیل یہ ہے کہ حد شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے اور محض دعوی سے شبہ کا احتمال تو ہے، اس لیے حد ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب چور نے اپنی ملکیت کا دعوی کر دیا تو ملکیت کا شبہ تو ہو گیا، اور حد اتنی سے شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۴امام شافعیؒ نے جو کہا اس کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اقرار کے بعد رجوع کر لے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ چور چوری کا اقرار کر لے پھر اس سے انکار کر دے تو یہ صورت جائز ہے، اسی طرح چور ملکیت کا دعوی کر لے تو یہ بھی جائز ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۷۰۶)دو آدمی چوری کا اقرار کرے پھر ایک دعوی کر لے کہ یہ میرا مال ہے تو دونوں کا ہی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱اس لیے کہ رجوع کرنا رجوع کرنے والے کے حق عمل کرے گا اور دوسرے کے حق میں بھی شبہ پیدا کر دے گا، اس لیے کہ دونوں نے اقرار کیا ہے کہ دونوں کی شرکت میں چوری ہوئی ہے۔

اصول: چوری کا اقرار کرے، پھر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے دونوں سے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح: یہاں دو آدمیوں نے اقرار کیا ہے کہ ایک ہی چوری دو آدمیوں کی شرکت میں ہوئی، پھر ایک آدمی دعوی کر لے کہ یہ میرا مال ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی، لیکن دوسرے کے بارے میں بھی شبہ پیدا ہو جائے گا کہ اس کی بھی ملک ہو اس لیے اس سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۲۷۰۷)دو آدمیوں نے چوری کی پھر ایک غائب ہو گیا اور دو گواہ نے ان دونوں کی چوری کرنے پر گواہی دی تو جو موجود ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ جو غائب ہو جاتا ہے گویا کہ وہ معدوم ہے، اس نے چوری ہی نہیں کی ہے، اس لیے جو موجود ہے اس پر حد جاری ہو جائے گی۔

تشریح: دو آدمیوں نے چوری کی پھر ایک آدمی غائب ہو گیا، اور جو موجود ہے اس پر چوری کی گواہی دی تو اس پر حد جاری ہو جائے گی، اور یہ وہم کہ جو غائب ہے ممکن ہے کہ وہ اپنی ملکیت کا دعوی کر دے اور جو موجود ہے اس سے بھی حد ساقط ہو جائے، کیوں کہ جو غائب ہے گویا کہ وہ معدوم ہے، یعنی وہ ہے ہی نہیں اس لیے موجود چور پر حد جاری کر دی جائے گی۔

ترجمہ: ۱اور امام ابو حنیفہؒ پہلے کہا کرتے تھے کہ جو موجود ہے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ جو غائب ہے وہ کوئی ایسا دعوی کر دے جو موجود کی حد میں بھی شبہ پیدا کر دے۔

۲ وَجْهُ قَوْلِهِ الْآخَرِ أَنَّ الْغَيْبَةَ تَمْنَعُ ثُبُوتَ السَّرِقَةِ عَلَى الْغَائِبِ فَيَبْقَى مَعْدُومًا وَالْمَعْدُومُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ ۳ وَلَا يُعْتَبَرُ بِتَوَهُّمِ حُدُوثِ الشُّبْهَةِ عَلَى مَا مَرَّ (۲۷۰۸) وَإِذَا أَقَرَّ الْعَبْدُ الْمَحْجُورُ عَلَيْهِ بِسَرِقَةِ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ بِعَيْنِهَا فَإِنَّهُ يُقْطَعُ وَتُرَدُّ السَّرِقَةُ إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ ۱ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ۲ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُقْطَعُ وَالْعَشَرَةُ لِلْمَوْلَى. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُقْطَعُ وَالْعَشَرَةُ لِلْمَوْلَى وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ. وَمَعْنَاهُ إِذَا كَذَّبَهُ الْمَوْلَى

تشریح: جو غائب ہے، ممکن ہے کہ وہ ملکیت کا دعوی کر دے، جس سے موجود چور کی بھی ہاتھ کٹنا ساقط ہو جائے، یہ شبہ ہے اس لیے جب تک کہ غائب آدمی نہ آجائے موجود پر حد جاری نہ کی جائے۔

ترجمہ: ۲ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو غائب ہے اس پر چوری ہی ثابت نہیں ہوئی تو گویا کہ وہ ہے ہی نہیں، اور جو ہے ہی نہیں وہ شبہ پیدا نہیں کرتا۔

تشریح: دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو غائب ہے وہ گویا کہ معدوم ہے اس لیے اس کے شبہ کا اعتبار نہیں ہے، اس لیے جو موجود ہے اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔

ترجمہ: ۳ پہلے گزر چکا ہے کہ شبہ پیدا کرنے کا جو وہم ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۰۸) جس غلام کو آقا نے تجارت کرنے سے روک دیا ہو، اس نے متعین دس درہم کے چرانے کا اقرار کیا تو غلام کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور یہ دس درہم اس کے مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

تشریح: یہاں سے مسئلہ نمبر ۲۷۰۹ تک ایک لمبی بحث ہے اور پیچیدہ ہے اس لیے اس بحث کو غور سے سمجھیں۔ جس غلام کو تجارت سے روک دیا گیا، اس نے اقرار کیا کہ اجنبی آدمی کا دس درہم میں نے چوری کی ہے، اور آقا کہتا کہ وہ دس درہم اجنبی کا نہیں ہے، بلکہ میرا ہے، تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور یہ دس درہم درہم والے کو دے دیا جائے گا۔

وجہ: اس کی لمبی وجہ مسئلہ نمبر ۲۷۰۹ میں آرہا ہے، اس کو وہاں دیکھیں۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور یہی دس درہم آقا کا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں چونکہ دس درہم کے بدلے میں ہاتھ کٹ چکا ہے، اور یہ ہاتھ آقا کا مال ہے اس لیے یہ دس درہم آقا کو ملنا چاہئے۔

ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور یہ دس درہم آقا کا ہوگا، اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ آقا نے چوری کو جھٹلا دیا۔

تشریح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا، اور یہ دس درہم بھی آقا کا ہوگا، یہ درہم بھی آقا کا ہو جائے یہ عجیب سی بات ہے، اس لیے صورت یہ ہوگی کہ غلام نے چوری کا اقرار کیا، اور آقا نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ مال مثلا زید کا نہیں ہے بلکہ خود آقا کا ہے، چونکہ یہ

(۲۷۰۹)وَلَوْأَقَرَّبِسَرِقَةِ مَالٍ مُسْتَهْلَكٍ قُطِعَتْ يَدُهُ وَلَوْ كَانَ الْعَبْدُ مَأْذُونًا لَهُ يُقْطَعُ فِي الْوَجْهَيْنِ ۱وَقَالَ زُفَرُ: لَايُقْطَعُ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَالِأَنَّ الْأَصْلَ عِنْدَهُ أَنَّ إِقْرَارَالْعَبْدِ عَلَى نَفْسِهِ بِالْحُدُودِوَالْقِصَاصِ لَايَصِحُّ لِأَنَّهُ يَرِدُعَلَى نَفْسِهِ وَطَرَفِهِ وَكُلُّ ذَلِكَ مَالُ الْمَوْلَى، وَالْإِقْرَارُ عَلَى الْغَيْرِ غَيْرُ مَقْبُولٍ إِلَّا أَنَّ الْمَأْذُونَ لَهُ يُؤَاخَذُ بِالضَّمَانِ وَالْمَالِ لِصِحَّةِ إِقْرَارِهِ بِهِ لِكَوْنِهِ مُسَلَّطًا عَلَيْهِ مِنْ جِهَتِهِ. وَالْمَحْجُورُ عَلَيْهِ لَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ بِالْمَالِ أَيْضًا، ۲وَنَحْنُ نَقُولُ يَصِحُّ إِقْرَارُهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ آدَمِيٌّ ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى الْمَالِيَّةِ فَيَصِحُّ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَالٌ،

درہم آقا کا ثابت ہوا اس لیے درہم آقا کو دے دیا جائے گا، اور آقا کے مال چرانے سے ہاتھ نہیں کٹتا اس لیے اس کا ہاتھ بھی نہیں کٹے گا۔

ترجمہ: (۲۷۰۹) اگر ہلاک شدہ مال کی چوری کا اقرار کیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر غلام کو تجارت کی اجازت تھی تو دونوں صورتوں میں [مال ہلاک ہوا ہو یا مال موجود ہو] ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: اوپر کی صورت یہ تھی کہ مال موجود تھا، اور غلام کو تجارت کی اجازت نہیں تھی، یہاں صورت یہ ہے کہ غلام کو تجارت کی اجازت نہیں ہے اور مال ہلاک ہو چکا ہے تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ آگے دوسری صورت یہ ہے کہ غلام کو تجارت کی اجازت ہے اور وہ چوری کا اقرار کرتا ہے تو چاہے مال موجود ہو، یا مال ہلاک ہو چکا ہے دونوں صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

ترجمہ: ۱ امام زفرؒ کی رائے ہے کہ چاروں صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ ان کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ غلام اپنی ذات پر نہ حدود کا اقرار کر سکتا ہے اور نہ قصاص کا، اس لیے اس کا نقصان اس کی جان پر ہوگا اور اس کے عضو پر ہوگا، اور یہ سب آقا کا مال ہے، اور دوسرے پر اقرار کرنا مقبول نہیں ہے، ہاں اگر تجارت کی اجازت دی ہو تو مال کی ہلاک کی صورت میں اس پر ضمان لازم ہوگا، اور مال موجود ہو تو وہ مال واپس کرنا ہوگا، کیوں کہ آقا نے ایسا کرنے پر مسلط کیا ہے، اور جس کو تجارت سے منع کیا ہے تو اس کے لیے مال کا اقرار کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

تشریح: یہاں چار صورتیں ہیں ہر ایک کے بارے امام زفرؒ کی رائے اور دلیل سنیں۔ [۱] غلام کو تجارت کی اجازت نہیں ہے اور وہ دوسرے کے لیے مال کا اقرار کرے [۲] یا حدود کا اقرار کرے [۳] غلام کو تجارت کی اجازت ہے اور وہ دوسرے کے لیے مال کا اقرار کرے [۴] یا وہ حدود کا اقرار کرے۔ پھر ہر ایک میں یہ ہے مال موجود ہے، یا مال ہلاک ہو چکا ہے، اس طرح دو صورتیں اور بھی نکل آئیں گی

اصول: امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ مال اور غلام کا عضو یہ آقا کا مال ہے اس لیے نہ حدود کا اقرار کر سکتا ہے، اور نہ قصاص کا اقرار کر سکتا ہے، کیوں کہ اس سے آقا کا عضو ضائع ہوگا، اور نہ مال کا اقرار کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ آقا کا مال ہے۔

جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہو اور وہ کسی کے مال کا اقرار کرے تو چونکہ تجارت کی اجازت مالک کی جانب سے ہے، اس لیے مال ہلاک ہو چکا ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، اور مال موجود ہو تو وہ مالک کی طرف واپس کرنا ہوگا۔ کیوں کہ آقا ہی نے ایسا کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور غلام کو تجارت کی اجازت نہ ہو تو وہ کسی کے لیے مال کا اقرار بھی نہیں کر سکتا، کیوں کہ آقا نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

ترجمہ: ۲ ہم کہتے ہیں کہ آدمی ہونے کے اعتبار سے حد کا اقرار کرنا صحیح ہے، پھر یہ مال کی طرف سرایت کرے گا اس لیے مال کا اقرار کرنا بھی صحیح ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلام بھی آدمی ہے، اور آدمی کو اپنی جان پر اقرار کرنے کا حق ہوتا ہے، اس لیے غلام کو ہاتھ کٹوانے

۳؎ وَلِأَنَّهُ لَا تُهْمَةَ فِي هٰذَا الْإِقْرَارِ لِمَا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَضْرَارِ، وَمِثْلُهُ مَقْبُولٌ عَلَى الْعَبْدِ. ۴؎ لِمُحَمَّدٍ فِي الْمَحْجُورِ عَلَيْهِ أَنَّ إِقْرَارَهُ بِالْمَالِ بَاطِلٌ، وَلِهٰذَا لَا يَصِحُّ مِنْهُ الْإِقْرَارُ بِالْغَصْبِ فَيَبْقَى مَالُ الْمَوْلَى، وَلَا قَطْعَ عَلَى الْعَبْدِ فِي سَرِقَةِ مَالِ الْمَوْلَى. ۵؎ يُؤَيِّدُهُ أَنَّ الْمَالَ أَصْلٌ فِيهَا وَالْقَطْعُ تَابِعٌ حَتَّى تُسْمَعَ الْخُصُومَةُ فِيهِ بِدُونِ الْقَطْعِ وَيَثْبُتُ الْمَالُ دُونَهُ، وَفِي عَكْسِهِ لَا تُسْمَعُ وَلَا يَثْبُتُ، وَإِذَا بَطَلَ فِيمَا هُوَ الْأَصْلُ بَطَلَ فِي التَّبَعِ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالْمَالِ الَّذِي فِي يَدِهِ صَحِيحٌ فَيَصِحُّ فِي حَقِّ الْقَطْعِ تَبَعًا. ۶؎ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَقَرَّ بِشَيْئَيْنِ: بِالْقَطْعِ وَهُوَ عَلَى نَفْسِهِ فَيَصِحُّ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ. وَبِالْمَالِ وَهُوَ عَلَى الْمَوْلَى فَلَا يَصِحُّ فِي حَقِّهِ فِيهِ، وَالْقَطْعُ يُسْتَحَقُّ بِدُونِهِ، كَمَا إِذَا قَالَ الْحُرُّ الثَّوْبُ الَّذِي فِي يَدِ زَيْدٍ سَرَقْتُهُ مِنْ عَمْرٍو وَزَيْدٌ يَقُولُ هُوَ ثَوْبِي يُقْطَعُ يَدُ الْمُقِرِّ وَإِنْ كَانَ لَا يُصَدَّقُ فِي تَعْيِينِ الثَّوْبِ حَتَّى لَا يُؤْخَذَ مِنْ زَيْدٍ.

کے اقرار کرنے کا حق ہوگا، اور جب چوری کے اقرار کرنے کا حق ہوا تو مال اس کے تابع ہوکر اس کا اقرار شامل ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور ہاتھ کٹنے کے اقرار میں کوئی تہمت بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں خود غلام کو نقصان ہے، اور اس کے تحت میں مال کا بھی اقرار ہو جائے تو یہ مقبول ہے۔

تشریح: چور چوری کا اقرار کرے اس سے خود چور کا ہاتھ کٹے گا اس لیے یہ تہمت نہیں ہے کہ آقا کو نقصان دینا چاہتا ہے، اور چوری کا اقرار کرلیا تو اس کے تحت میں تابع ہوکر یہ بھی اقرار ہو گیا کہ میں نے فلاں کا مال لیا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو وہ کسی کے لیے مال کا اقرار کرے یہ باطل ہے، اسی لیے وہ غصب کا اقرار نہیں کرسکتا، اس لیے یہ مال آقا کا رہا اور آقا کے مال کی چوری میں غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۲۰۸۷ میں فرمایا تھا کہ مجور غلام دس درہم کی چوری کا اقرار کرے تو یہ دس درہم آقا کا ہوگا اور ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا، یہاں اس مسئلے کی دلیل ہے، جس غلام کو تجارت سے روک دیا گیا ہو وہ مال کا اقرار کرے یہ باطل ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ غصب کا بھی اقرار نہیں کرسکتا، اس لیے یہ مال آقا کا ہوگا، اور آقا کے مال چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۵؎ اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ مال اصل ہے اور ہاتھ کاٹنا اس کا تابع ہے، اسی لیے بغیر ہاتھ کاٹنے کے مال کے بارے میں کیس کی شنوائی ہوگی، اور بغیر ہاتھ کاٹنے کے مال ثابت کیا جاسکتا ہے، اور اس کا الٹا ہو [یعنی مال ثابت نہ ہو اور ہاتھ کاٹا جائے] ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے جب اصل میں باطل ہو گیا تو اس کے تابع میں بھی باطل ہوجائے گا

تشریح: امام محمدؒ کی جانب سے یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ، مال اصل ہے، اور ہاتھ کاٹنا تابع ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مال بغیر قطع ید کے ثابت ہوتا ہے، لیکن قطع ید بغیر مال کے ثابت نہیں ہوتا، جس سے معلوم ہوا کہ مال اصل ہے، اور جب غلام مال کا اقرار نہیں کرسکتا، تو قطع ید کا بھی اقرار نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۶؎ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں غلام نے دو باتوں کا اقرار کیا، ایک ہاتھ کاٹنے کا یہ اس کی ذات کا نقصان ہے، اس لیے ہاتھ کاٹنے کا اقرار صحیح ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اور دوسرا مال کا یہ آقا کا حق ہے اس لیے اس کے حق میں اقرار کرنا صحیح نہیں

۷ولأبي حنيفة أن الإقرار بالقطع قد صح منه لما بينا فيصح بالمال بناء عليه لأن الإقرار لاقي حالة البقاء، والمال في حالة البقاء تابع للقطع حتى تسقط عصمة المال باعتباره ويستوفى القطع بعد استهلاكه.
۸بخلاف مسألة الحر لأن القطع إنما يجب بالسرقة من المودع. أما لا يجب بسرقة العبد مال المولى فافترقا

ہے، اور بغیر مال کے کاٹنے کا استحقاق ہوتا ہے، جیسے کہ آزاد آدمی کہے کہ زید کے ہاتھ میں جو کپڑا ہے اس کو میں نے عمر سے چرایا ہوں، اور زید کہے کہ وہ میرا کپڑا ہے، تو اقرار کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور کپڑا کس کا ہے اس کی تعین نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ زید سے کپڑا نہیں لیا جائے گا، اور عمر کو نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسف نے فرمایا تھا کہ مجور غلام دس درہم چوری کا اقرار کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ دس درہم آقا کو دیا جائے گا، اس کی دلیل دیتے ہیں، یہاں غلام نے دو باتوں کا اقرار کیا، ایک ہاتھ کے کٹنے کا، اس میں غلام کا نقصان ہے اس لیے اس کے اقرار سے ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، دوسرا دس درہم کا، یہ آقا کا مال ہے اس لیے یہ آقا کو دے دیا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ ہاتھ کا کٹنا بغیر مال کے ثابت ہونے کے بھی ممکن ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مثلا خالد کہتا ہے کہ زید کے ہاتھ میں جو کپڑا ہے میں اس کو عمر کے ہاتھ سے چرایا، اور زید کہتا ہے وہ میرا کپڑا ہے، تو کپڑا کس کا ہے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اور نہ عمر سے وہ کپڑا لے کر زید کو دلوایا جائے گا، لیکن خالد کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، اس مثال سے ثابت ہوا کہ مال کے ثبوت کے بغیر بھی ہاتھ کٹ سکتا ہے، اس لیے غلام کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور مال چونکہ آقا کا ہے اس لیے اس کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۷ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام سے اس کے ہاتھ کاٹنے کا اقرار صحیح ہے، کیوں کہ وہ آدمی ہے، اور کاٹنے کی بنیاد پر مال کے اقرار بھی صحیح ہے، اس لیے کہ مال کا اقرار بقاء کی حالت میں ہے، اور بقا کی حالت میں مال کاٹنے کے تابع ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بقا کی حالت میں مال کی عصمت یعنی حفاظت ساقط ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مال کے ہلاک کے بعد بھی کاٹنا ہوتا ہے۔

تشریح: غلام مجور نے دس درہم کی چوری کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا تھا کہ غلام کا ہاتھ کاٹا جائے اور دس درہم درہم کے مالک کو دیا جائے گا، اس کی دلیل دیتے ہیں کہ یہاں دو حالتیں [۱] ایک ہے چوری کے اقرار کی حالت، اس میں مال اصل ہے، اور ہاتھ کاٹنا تابع ہے۔ [۲] دوسرا ہے سزا دینے کی حالت، یہ بقاء کی حالت ہے، اس میں ہاتھ کاٹنا اصل ہے، اور مال اس کے تابع ہے، اور غلام چونکہ آدمی ہے اس لیے کاٹنے کا اقرار کر سکتا ہے، اور اس کے تحت میں مال بھی ثابت ہو جائے گا۔ اس کی دو دلیل دیتے ہیں [۱] ایک یہ کہ یہی وجہ ہے کہ ہاتھ کٹنے کے بعد مال کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔ [۲] اور دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ مال کے ہلاک کے بعد بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ان دونوں دلیلوں سے معلوم ہوا کہ یہاں ہاتھ کاٹنا اصل ہے اور مال اس کے تابع ہے۔

لغت: لما بینا: امام ابو حنیفہؒ نے پہلے بیان کیا ہے کہ غلام چونکہ آدمی ہے اس لیے آدمی ہونے کے ناطے وہ ہاتھ کاٹنے کا اقرار کر سکتا ہے۔ **تسقط عصمۃ المال:** جب ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور مال ضائع ہو چکا ہے تو چور پر اس کی قیمت لازم نہیں ہوتی، کیوں کہ مال کی عصمت ختم ہو گئی، اس کو **عصمۃ المال** کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۸ بخلاف آزاد کے مسئلے کے اس لیے کہ جس کے پاس امانت رکھی تھی وہاں سے چرانے سے بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور غلام آقا

۹ولو صدقه المولى يقطع في الفصول كلها لزوال المانع. قال (۲۷۱۰)واذا قطع السارق والعين قائمة في يده ردت على صاحبها لبقائها على ملكه وان كانت مستهلكة لم يضمن ا وهذا الاطلاق يشمل الهلاك والاستهلاك، وهو رواية أبي يوسف عن أبي حنيفة وهو المشهور. وروى الحسن عنه أنه يضمن بالاستهلاك

کا مال چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے، اس لیے آزاد اور غلام کے مسئلے میں فرق ہو گیا۔

تشریح: یہ جملہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ آزاد آدمی نے زید کا کپڑا عمر سے چرایا تو آزاد کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کپڑا زید کا ہی ہے، لیکن عمر کے پاس امانت ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ امانت والے کے پاس سے چرائے تب بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور متن میں مسئلہ دوسرا ہے، یہاں یہ ہے کہ آقا کا مال غلام چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

ترجمہ: ۹ اگر ان تمام صورتوں میں آقا تصدیق کر لے کہ یہ مال میرا نہیں ہے تو سب صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: تمام صورتوں میں مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ غلام کہتا ہے کہ میں نے فلاں کا مال چوری کی ہے اور آقا کہتا ہے یہ مال تو میرا ہے، اس لیے ائمہ میں اختلاف ہو گیا، لیکن اگر آقا کہہ دے کہ یہ مال فلاں دوسرے کا ہے تو اس کی چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا، کیوں کہ یہ مال آقا کا نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۱۰) اگر چور کا ہاتھ کاٹا گیا اور وہ چیز بعینہ اس کے ہاتھ میں موجود ہے تو اس کو واپس کرے گا [کیوں کہ مالک کی ملکیت ابھی بھی باقی ہے] اور اگر ہلاک ہو چکی ہے تو ضامن نہیں ہوگا

تشریح: چور نے مثلا برتن چرایا جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور برتن بعینہ موجود ہے تو چور پر لازم ہے کہ برتن مالک کی طرف واپس کرے۔ اور اگر برتن ضائع ہو چکا ہے تو چور پر اس کی قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

وجہ: (۱) برتن کے بدلے ہاتھ کاٹا گیا تو مالک کو کچھ نہ کچھ بدلا مل گیا ہے۔ اس لیے برتن کے بدلے قیمت لازم نہیں ہوگی۔ ہاں! برتن موجود ہو تو چونکہ حقیقت میں یہ مالک کا ہے اس لیے اس پر واپس کرنا لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے آگے ذکر کیا ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ لا غرم على السارق بعد قطع يمينه** (دار قطنی، **کتاب الحدود والدیات: ۱۲۹/۳** نمبر ۳۳۶۳ / نسائی شریف، **تعلیق ید السارق فی عنقه**، ص ۶۸۴ نمبر ۴۹۸۷ / **سنن للبیھقی، باب عزم السارق** ج ثامن ص ۴۸۱ نمبر ۱۷۲۸۳) (۳) اور چیز بعینہ موجود ہو تو مالک کی طرف واپس کرنا ہوگا اس کی دلیل یہ تابعی کا قول ہے۔ **عن عطاء قال لا يغرم السارق بعد قطع يمينه الا ان توجد السرقة بعينها فتو خذ منه** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷ **فی السارق تقطع یده ثم یوخذ بالسرقة: ۴۷۵/۵** نمبر ۲۸۱۲۹ / مصنف عبد الرزاق، **باب عزم السارق: ۵۰۸/۹** نمبر ۱۹۱۶۹) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ تاوان تو لازم نہیں ہوگا البتہ وہ چیز موجود ہو تو مالک کی طرف واپس کروائی جائے گی۔

ترجمہ: ا مستھلکۃ کا لفظ ہلاک ہو جانے اور ہلاک کر دینے دونوں کو شامل ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کی مشہور روایت یہی ہے، اور حضرت حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ ہلاک کر دینے سے ضمان لازم ہوگا۔

تشریح: متن میں ہے، **ان کانت مستھلکۃ لم یضمن:** اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ چور سے مال ہلاک ہو جائے، یا چور جان کر

۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضْمَنُ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ قَدْ اخْتَلَفَ سَبَبَاهُمَا فَلَا يَمْتَنِعَانِ فَالْقَطْعُ حَقُّ الشَّرْعِ وَسَبَبُهُ تَرْكُ الِانْتِهَاءِ عَمَّا نُهِيَ عَنْهُ. وَالضَّمَانُ حَقُّ الْعَبْدِ وَسَبَبُهُ أَخْذُ الْمَالِ فَصَارَ كَاسْتِهْلَاكِ صَيْدٍ مَمْلُوكٍ فِي الْحَرَمِ أَوْ شُرْبِ خَمْرٍ مَمْلُوكَةٍ لِذِمِّيٍّ. ۳ وَلَنَا قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَا غُرْمَ عَلَى السَّارِقِ بَعْدَمَا قُطِعَتْ يَمِينُهُ ۴ وَلِأَنَّ وُجُوبَ الضَّمَانِ يُنَافِي الْقَطْعَ لِأَنَّهُ يَتَمَلَّكُهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ مُسْتَنِدًا إلَى وَقْتِ الْأَخْذِ،

ہلاک کردے دونوں صورتوں میں وہ ضامن نہیں بنے گا، چناں چہ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہی ہے، جو مشہور ہے، لیکن حضرت حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ چور جان کر مال ہلاک کردے تو چور پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ چور ہلاک کردے یا خود ہلاک ہوجائے دونوں صورتوں میں چور ضامن بنے گا، اس لیے کہ ہاتھ کٹنا، اور مال کا ضمان لازم ہونا دونوں الگ الگ حق ہیں، اور دونوں کے اسباب بھی مختلف ہیں، اس لیے ایک دوسرے کو منع نہیں کریں گے، ہاتھ کا ٹنا شریعت کا حق ہے، اور اس کا سبب ہے چوری کرنا، اور ضمان بندے کا حق ہے اور اس کا سبب ہے دوسرے کا مال لینا، تو ایسا ہوگیا کہ حرم میں کسی کے مملوک شکار کو ہلاک کردیا [تو شکار کا بدلہ بھی لازم ہوتا ہے، اور مالک کے لیے قیمت بھی لازم ہوتی ہے] یا ذمی کے مملوک شراب کو پیا [تو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے لگتے ہیں، اور ذمی کے لیے قیمت بھی دینی پڑتی ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا، اور مال کی قیمت بھی دینی پڑے گی، چاہے مال ہلاک ہو چکا ہو یا چور نے جان کر ہلاک کردیا ہو۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو الگ الگ حقوق ہیں ایک ہے چوری کرنا جو شریعت کا حق ہے، جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا، اور دوسرا ہے مال لینا، جو بندے کا حق ہے اس کی وجہ سے مالک کی طرف قیمت حوالہ کرنا پڑے گا، اس کی دو مثالیں دی ہیں [۱] حرم میں کسی آدمی کا شکار مار دیا تو حرم کی وجہ سے اس کا بدلہ لازم ہوگا، اور آدمی کا جانور ہلاک کیا اس لیے اس کی قیمت مالک کی طرف حوالہ کرنا پڑے گا۔ [۲] دوسری مثال یہ ہے کہ ذمی آدمی کی شراب پی لی تو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے مارے جائیں گے، جو شریعت کا حق ہے، اور ذمی کی شراب ہے اس لیے اس کی قیمت مالک کی طرف حوالہ کرنا پڑے گا۔ (۲) ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن الحسن انه كان يقول هو ضامن للسرقة مع قطع يده۔** (۳) ایک دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابراهيم انه كان يقول يضمن لسرقة استهلكها او لم يستهلكها و عليه القطع (سنن للبيهقي، باب غرم السارق، ۸/ ۴۸۲، نمبر ۱۷۲۸۴ /۱۷۲۸۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۷ فی السارق تقطع يده يتبع السرقة: ۵/ ۶۷ ۴، نمبر ۲۸۱۳۰)** اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ تاوان لازم ہوگا۔

لغت: ترک الانتهاء عما نهي عنه: شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے اس کو چھوڑ دینا، مراد ہے چوری کرلی۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے چور پر ہاتھ کاٹنے کے بعد ضمان نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ لا غرم على السارق بعد قطع يمينه (دار قطنی، کتاب الحدود و الديات: ۳/ ۱۲۹، نمبر ۳۳۶۳ / نسائی شریف، تعليق يد السارق في عنقه، ص ۶۸۴، نمبر ۴۹۸۷)**

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ جب ہاتھ کاٹ لیا تو ضمان اس کے منافی ہے اس لیے کہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے چرانے کے وقت ہی

فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ وَمَا يُؤَدِّي إِلَى انْتِفَائِهِ فَهُوَ الْمُنْتَفِي، ۵ وَلِأَنَّ الْمَحَلَّ لَا يَبْقَى مَعْصُومًا حَقًّا لِلْعَبْدِ، إِذْ لَوْ بَقِيَ لَكَانَ مُبَاحًا فِي نَفْسِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ فَيَصِيرُ مُحَرَّمًا حَقًّا لِلشَّرْعِ كَالْمَيْتَةِ وَلَا ضَمَانَ فِيهِ ۶ إِلَّا أَنَّ الْعِصْمَةَ لَا يَظْهَرُ سُقُوطُهَا فِي حَقِّ الِاسْتِهْلَاكِ لِأَنَّهُ فِعْلٌ آخَرُ غَيْرُ السَّرِقَةِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّهِ، وَكَذَا الشُّبْهَةُ تُعْتَبَرُ فِيمَا هُوَ السَّبَبُ دُونَ غَيْرِهِ. ۷ وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ أَنَّ الِاسْتِهْلَاكَ إِتْمَامُ الْمَقْصُودِ فَتُعْتَبَرُ الشُّبْهَةُ فِيهِ، وَكَذَا يَظْهَرُ سُقُوطُ الْعِصْمَةِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ سُقُوطِهَا فِي حَقِّ الْهَلَاكِ لِانْتِفَاءِ الْمُمَاثَلَةِ. قَالَ (۲۷۱۱) وَمَنْ سَرَقَ سَرِقَاتٍ فَقُطِعَ فِي إِحْدَاهَا فَهُوَ لِجَمِيعِهَا، وَلَا يَضْمَنُ شَيْئًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ – وَقَالَا: يَضْمَنُ كُلَّهَا إِلَّا الَّتِي قُطِعَ لَهَا

مالک بن گیا تو ایسا ہو گیا کہ اپنی ملک کو چرایا تو شبہ کی وجہ سے نہیں کاٹنا چاہئے، اور آپ کو کاٹنا ہے اس لیے ضمان لازم نہیں کرنا چاہئے

تشریح: یہاں محاورہ استعمال کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چور کو ضمان لازم کر دیں تو جس وقت سے چوری کی ہے اسی وقت سے چور اس مال کا مالک بن جائے گا، تو گویا کہ اپنا ہی مال چرایا، اس لیے ہاتھ نہیں کٹنا چاہئے، اور آپ ہاتھ کاٹنا چاہتے ہیں تو اس پر ضمان لازم نہ کریں۔

ترجمہ: ۵ اور اس لیے کہ مال بندے کے حق میں معصوم نہیں رہا، اس لیے کہ اگر معصوم رہے تو ذات کے اعتبار سے مباح ہو جائے گا تو شبہ کی وجہ سے کاٹنا بھی نہ ہو تو شریعت کے حق کی وجہ سے حرام ہوگا، جیسے کہ مردار، اور اس پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح: یہاں بھی منطقی محاورہ استعمال کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد یہ مال معصوم نہیں رہا، یعنی چوری کے مال کے بدلے ہاتھ کٹ چکا ہے تو گویا کہ یہ مال چور کا ہو چکا ہے اس لیے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس پر اس کا ضمان لازم نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم

ترجمہ: ۶ لیکن چور نے جان کر ہلاک کر دیا تو ساقط ہونا ظاہر نہیں ہوگا، اس لیے کہ چوری کے علاوہ یہ الگ ایک فعل ہے، اور اس کا حق اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: جان کر چور نے ہلاک کر دیا تو یہ چوری کے علاوہ دوسرا الگ فعل ہے اس لیے اس میں مال کی عصمت ظاہر نہیں ہوگی، اس لیے چور کو ضمان دینا ہوگا۔

ترجمہ: ۷ مشہور روایت کی وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرنا بھی چوری کو پورا کرنا ہے اس لیے اس میں بھی شبہ کا اعتبار کیا جائے گا، ایسے ہی ضمان کے حق میں عصمت ساقط ہونا ظاہر ہوگا اس لیے کہ ہلاک کے حق میں ساقط ہونے کی ضروریات میں سے ہے، مماثلت کے نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: یہاں بھی منطقی محاورہ استعمال کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ چور مال ہلاک کر دے تب بھی اس پر ضمان نہیں ہے، کیوں کہ مال کی عصمت ختم ہو چکی ہے، چاہے اس کو ہلاک کیا ہو یا ہلاک ہوا ہو۔

ترجمہ: (۲۷۱۱) کسی نے کئی چوریاں کی اور ایک کے بدلے ہاتھ کاٹا گیا تو یہ سب چوری کے لیے کافی ہو گیا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی چوری کے مال کا ضامن نہیں بنے گا، اور صاحبین نے فرمایا کہ جس سے بدلے میں ہاتھ کاٹا ہے اس کا ضامن نہیں بنے گا باقی سب کا ضامن بنے گا۔

۱؎ومعنى المسألة إذا حضر أحدهم، فإن حضروا جميعا وقطعت يده لخصومتهم لا يضمن شيئا بالاتفاق في السرقات كلها. ۲؎لهما أن الحاضر ليس بنائب عن الغائب. ولا بد من الخصومة لتظهر السرقة فلم تظهر السرقة من الغائبين فلم يقع القطع لها فبقيت أموالهم معصومة. ۳؎وله أن الواجب بالكل قطع واحد حقا لله تعالى لأن مبنى الحدود على التداخل والخصومة شرط للظهور عند القاضي، فإذا استوفى فالمستوفى كل الواجب؛ ألا يرى أنه يرجع نفعه إلى الكل فيقع عن الكل،

ترجمہ: ۱؎اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی حاضر ہو کر ہاتھ کٹوایا، لیکن اگر سب حاضر ہوئے اور سب کے مقدمے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا تو بالاتفاق کسی کا ضامن نہیں بنے گا۔

تشریح: مثلا ایک آدمی نے پانچ چوریاں کیں، پانچواں آدمی قاضی کے سامنے نالش کر کے ہاتھ کٹوایا تو یہ کاٹنا سب چوریوں کے لائے کافی ہے، اور پانچوں آدمی کے مال کے بدلے میں بھی یہ کاٹنا ہو گیا، اس لیے کسی لے مال کا ضمان ادا نہیں کرے گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کاٹنا تو سب کے لیے کافی ہو گا، اور جس آدمی نے نالش کی اس کے مال کے بدلے میں بھی ہو گیا، باقی چار آدمیوں کے مال کا ضمان دے گا۔ اور اگر سب نے مل کر نالش کی اور سب نے مل کر ہاتھ کٹوایا تب تو سب کی جانب سے ہاتھ بھی کاٹا گیا، اور سب کے مال کا بھی بدلہ ہو گیا، یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

وجہ: حدود میں تداخل ہوتا ہے اس لیے سب کی جانب سے کاٹنا ہو جائے گا، اور یہ کاٹنا سب کے مال کے بدلے میں بھی ہو گیا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کاٹنے میں تو تداخل ہو جائے گا، لیکن مال بندے کا حق ہے، اس لیے مال میں تداخل نہیں ہو گا، اس لیے ہر ایک کے مال کا بدلہ دینا ہو گا، سوائے اس مال کے جس کی نالش سے ہاتھ کاٹا گیا ہے۔

ترجمہ: ۲؎صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جو آدمی حاضر ہے وہ غائب کا نائب نہیں ہے اور چوری کے ظاہر ہونے کے لیے نائب کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں غائب کی جانب سے چوری ظاہر نہیں ہوئی اس لیے ان غائب کی جانب سے ہاتھ نہیں کاٹا گیا، اس لیے ان لوگوں کا مال بھی محفوظ رہا ہے، اس لیے اس کی قیمت دینی ہو گی۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدود میں تداخل ہوتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک تداخل نہیں ہوتا۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو آدمی حاضر ہے اور جس نے نالش کی ہے وہ ان لوگوں کا جو غائب ہیں ان کا نائب نہیں ہے، اس لیے ان لوگوں کی جانب سے نالش بھی نہیں ہوئی، اور ان لوگوں کی جانب سے ہاتھ بھی نہیں کاٹا گیا، اس لیے ان لوگوں کے مال کا بدلہ نہیں ہوا اس لیے ان لوگوں کی طرف مال کا بدلہ دینا ہو گا۔

ترجمہ: ۳؎امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے حق کے لیے سب کے بدلے میں ایک ہی مرتبہ کٹنا تھا، اس لیے کہ حدود کا مدار تداخل پر ہے، اور چوری کے ظاہر ہونے کے لیے قاضی کے پاس ایک مرتبہ جھگڑا کرنا کافی ہے، اور ہاتھ کا کٹنا واجب ہے جرم کی وجہ سے، پس جب ایک مرتبہ ہاتھ کاٹ کر وصول کیا تو سب کی جانب سے وصول ہو گیا، آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ سب کو اس کا نفع پہنچتا ہے، اس لیے کل کی جانب سے کٹنا ہو گا۔

۲؎ وَعَلٰی ھٰذَا الْخِلَافِ إِذَا كَانَتِ النُّصُبُ كُلُّهَا لِوَاحِدٍ فَخَاصَمَ فِي الْبَعْضِ.

بَابُ مَا يُحْدِثُ السَّارِقُ فِي السَّرِقَةِ

(۲۷۱۲) وَمَنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَشَقَّهُ فِي الدَّارِ بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ أَخْرَجَهُ وَهُوَ يُسَاوِي عَشَرَةَ دَرَاهِمَ قُطِعَ ۱؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ لَهُ فِيهِ سَبَبَ الْمِلْكِ وَهُوَ الْخَرْقُ الْفَاحِشُ فَإِنَّهُ يُوجِبُ الْقِيمَةَ وَتَمَلُّكَ الْمَضْمُونِ وَصَارَ كَالْمُشْتَرِي إِذَا سَرَقَ مَبِيعًا فِيهِ خِيَارٌ لِلْبَائِعِ

اصول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ کٹنے میں بھی تداخل ہوگا، اور مال کے دینے میں بھی تداخل ہو جائے گا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام چوریوں کے لیے ایک مرتبہ کٹنا کافی ہے، اس لیے کہ حدود کا معاملہ تداخل پر ہے، یعنی ایک مرتبہ کٹنے میں تمام چوریاں داخل ہو جائے گی، اور ایک مرتبہ نالش کرنا اس لیے ہے کہ قاضی کے پاس چوری ظاہر ہو جائے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ چور کی چوری سے سب کو نجات مل جاتی ہے اور سب کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے، اس لیے ایک ہی ہاتھ کٹنا سب کے لیے کافی ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اسی اختلاف پر ہے جبکہ چوری کے کئی نصاب ایک ہی آدمی کے ہوں، اور بعض کے بارے میں ہی نالش کی۔

تشریح: مثلا زید نے عمر کا مال پانچ مرتبہ چوری کی، اور ہر مرتبہ اس کا مال دس درہم سے زیادہ کا تھا، عمر نے ایک مرتبہ نالش کر کے زید کا ہاتھ کٹوایا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سب کے لیے کافی ہو جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ سب چوری کے لیے کافی نہیں ہوگا، بلکہ صرف ایک مرتبہ کے لیے کافی ہوگا، باقی چار مرتبہ کے لیے چور سے ضمان لے سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کے یہاں تداخل نہیں ہوتا۔

بَابُ مَا يُحْدِثُ السَّارِقُ فِي السَّرِقَةِ

ترجمہ: (۲۷۱۲) کسی نے کپڑا چرایا اور اس کو گھر ہی میں دو ٹکڑے میں پھاڑ دیا، پھر اس کو گھر سے باہر نکالا، اور ہر ٹکڑے کی قیمت دس درہم تھی تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ اس میں مالک بننے کا سبب پیدا ہو گیا ہے، اور وہ ہے بہت زیادہ پھاڑنا اس لیے کہ وہ قیمت واجب کرتی ہے، اور جس چیز کا ضمان دیا اس کا مالک بن گیا، اور ایسا ہو گیا کہ بائع کو خیار شرط تھی اور مشتری نے اس مبیع کو چرا لیا [تو مبیع مشتری کی ہو گئی اس لیے یہاں مشتری کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا]

اصول: یہاں تین اصول ہیں [۱] چوری کا مال گھر سے باہر نکالے تب چوری ثابت ہوگی۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر کپڑے کو گھر ہی میں پھاڑ دیا تو اس پر ضمان لازم ہوگا،، اور ضمان چاہے بہت بعد میں لازم ہو لیکن پھاڑتے وقت ہی چور کپڑے کا مالک بن جائے گا۔

اصول: چوری سے پہلے چور مال کا مالک بن جائے تو ملکیت کے شبہ کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: مثلا زید عمر کے گھر میں داخل ہوا اور کپڑا لے کر اس کو دو ٹکڑے میں پھاڑ دیا، دونوں ٹکڑوں کی قیمت دس دس درہم تھی، پھر گھر سے باہر نکالا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زید کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کپڑا مکمل پھاڑ دیا تو اس پر کپڑے کی قیمت لازم ہو گئی، اور جب اس کی قیمت دے دیا تو چور پھاڑتے وقت سے کپڑے کا مالک بن گیا، تو گویا کہ اپنے ہی کپڑے کو چرایا اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ

۲؎ وَلَهُمَا أَنَّ الْأَخْذَ وُضِعَ سَبَبًا لِلضَّمَانِ لَا لِلْمِلْكِ، وَإِنَّمَا الْمِلْكُ يَثْبُتُ ضَرُورَةَ أَدَاءِ الضَّمَانِ كَيْ لَا يَجْتَمِعَ الْبَدَلَانِ فِي مِلْكٍ وَاحِدٍ، وَمِثْلُهُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ كَنَفْسِ الْأَخْذِ، ۳؎ وَكَمَا إِذَا سَرَقَ الْبَائِعُ مَعِيبًا بَاعَهُ، ۴؎ بِخِلَافِ مَا ذَكَرَ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ مَوْضُوعٌ لِإِفَادَةِ الْمِلْكِ، ۵؎ وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا اخْتَارَ تَضْمِينَ النُّقْصَانِ وَأَخَذَ الثَّوْبَ، فَإِنِ اخْتَارَ تَضْمِينَ الْقِيمَةِ وَتَرْكَ الثَّوْبِ عَلَيْهِ لَا يُقْطَعُ بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ مُسْتَنِدًا إِلَى وَقْتِ الْأَخْذِ فَصَارَ كَمَا إِذَا مَلَكَهُ بِالْهِبَةِ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً،

مشتری نے چیز خریدی، اور بائع نے تین دن کی خیار شرط لے لی، اس درمیان مشتری نے اس چیز کو چرالیا تو مشتری کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ یوں سمجھا جائے گا کہ مشتری خریدنے کے دن ہی سے اس چیز کا مالک بن گیا تھا، تو گویا کہ مشتری نے اپنی ہی چیز کو چرائی اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح یہاں بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کی قیمت مجبورا لازم کی ہے تا کہ کپڑا بھی اور اس کی قیمت بھی چور کے ہاتھ میں جمع نہ ہو جائے، اس سے چوری سے پہلے کپڑے کا مالک نہیں بنے گا، اس لیے اس کا ہاتھ کٹے گا

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ کپڑے کو لینا ضمان کا سبب ہے، لیکن ملکیت کا سبب نہیں ہے، ضمان کو ادا کرنے کی وجہ سے مجبورا ملکیت ثابت ہوگی، تا کہ دو بدل [کپڑا اور اس کی قیمت] ایک کی ملکیت میں جمع نہ ہو جائے، اور اس قسم کی ملکیت سے ہاتھ کاٹنے میں شبہ نہیں ہوتا، جیسے کود کپڑے کو لینا شبہ پیدا نہیں کرتا۔ جیسے کہ خود لینے سے ملکیت نہیں ہوتی۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کپڑے کا ضمان جو لازم کیا ہے وہ ملکیت کے لیے نہیں ہے، بلکہ صرف ضمان کے لیے ہے، البتہ کپڑا بھی اور اس کی قیمت بھی چور کی ملک میں جمع نہ ہو جائیں اس لیے مجبورا چور کی ملکیت ثابت کی ہے، اور اس قسم کی کمزور ملک سے ہاتھ کاٹنے میں شبہ نہیں ہوگا، اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ جیسے بائع نے عیب دار چیز کو بیچا، اور اس کو چرالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: زید نے عمر کے ہاتھ میں عیب دار بیل بیچا، اور پھر زید نے اس بیل کو چرالیا تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر چہ عیب نہ بتانے کی وجہ سے بیل زید کی طرف واپس ہونے کے قابل تھا، اس کے باوجود چرایا تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح یہاں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف جو امام ابو یوسفؒ نے مثال دی اس لیے کہ بیع ملک کے فائدے کے لیے ہوتی ہے۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، کہ بائع کو خیار شرط تھی، اس درمیان مشتری نے اس مبیع کو چرالیا تو مشتری کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، کیوں کہ بیع کی وجہ سے مشتری کی ملکیت ہو چکی تھی اس لیے مشتری کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۵؎ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ نقصان کا ضمان لیا اور چور سے کپڑا واپس لے لیا، اور اگر پورے کپڑے کی قیمت لی، اور کپڑا چور کے پاس چھوڑ دیا تو بالاتفاق ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ چوری کے وقت ہی سے چور مالک بن گیا، تو ایسا ہو گیا کہ چوری کے بعد مالک نے چور کو ہبہ کر دیا ہو، اس لیے ملک کا شبہ ہو گیا۔

۱؎ وَهٰذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ النُّقْصَانُ فَاحِشًا، فَإِنْ كَانَ يَسِيرًا يُقْطَعُ بِالْإِتِّفَاقِ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْمِلْكِ إِذْ لَيْسَ لَهُ اخْتِيَارُ تَضْمِينِ كُلِّ الْقِيمَةِ (۲۷۱۳) وَإِنْ سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا ثُمَّ أَخْرَجَهَا لَمْ يُقْطَعْ ۱؎ لِأَنَّ السَّرِقَةَ تَمَّتْ عَلَى اللَّحْمِ وَلَا قَطْعَ فِيهِ (۲۷۱۴) وَمَنْ سَرَقَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ فَصَنَعَهُ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ قُطِعَ فِيهِ وَتَرَكَ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: لَا سَبِيلَ لِلْمَسْرُوقِ مِنْهُ عَلَيْهِمَا ۱؎ وَأَصْلُهُ فِي الْغَصْبِ فَهٰذِهِ صَنْعَةٌ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لَهُ.

تشریح: چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں کاٹا جائے یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ چور سے کپڑا پھاڑنے کا نقصان لے لیا، اور کپڑا اپنے پاس رکھ لیا، لیکن اگر پورے کپڑے کی قیمت لے کر چور کو ہی کپڑا دے دیا تو چور چوری کے وقت ہی سے کپڑے کا مالک بن گیا، اس لیے ملکیت کی شبہ کی وجہ سے بالاتفاق ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ تمام اس وقت ہے جبکہ نقصان بہت زیادہ ہو، اور اگر نقصان کم ہو تو بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لیے کہ ملک کا سبب نہیں ہے اس لیے کہ پوری قیمت کے لازم کا اختیار نہیں ہے۔

تشریح: کپڑے کو بہت کم پھاڑا ہے تو اس صورت میں چور پر نقصان کی قیمت لازم ہے، اور کپڑا مالک کا ہی ہوگا، تو چونکہ چور کی ملکیت کا شبہ نہیں ہے اس لیے بالاتفاق چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۷۱۳) گھر کے اندر بکری چوری کی اور اس کو ذبح کیا پھر گوشت کو گھر سے باہر نکالا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ گوشت پر چوری واقع ہوئی، اور گوشت سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گوشت چوری کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور یہاں گھر سے جو باہر نکالا وہ گوشت ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۷۱۴) کسی نے چاندی، یا سونے کی اتنی بڑی ڈلی چرائی کہ اس میں ہاتھ کاٹا جاتا، اور اس کو درہم، یا دینار بنا دیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور مسروقہ چیز مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک کو مسروقہ چیز نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس کی اصل باب الغصب میں ہے، اور یہ درہم اور دینار بنانے کا کام صاحبینؒ کے نزدیک اہم ہے، برخلاف امام ابو حنیفہؒ کے [یہ کام اہم نہیں ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چاندی کو درہم بنانا کوئی اہم تبدیلی نہیں ہے بلکہ اس کو چاندی ہی کی حالت میں رکھنا ہے۔ اسی طرح سونے کی ڈلی کو دینار بنا دیا تو کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ اس کو سونے کی حالت میں رکھنا ہوا اس لیے اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے گا

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ چاندی کی ڈلی کو درہم بنانا اہم چیز ہے، بلکہ اس کی حالت کو تبدیل کرنا ہے، اسی طرح سونے کی ڈلی کو دینار بنانا اہم چیز ہے، گویا کہ اس کی حالت بدلنا ہے۔

تشریح: زید نے دس درہم سے زائد چاندی کی یا سونے کی ڈلی چورائی، اور اس کو درہم، اور دینار بنا دیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور چاندی اور سونا اس کے مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک مسروقہ مال مالک کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔

۲ ثُمَّ وُجُوبُ الْحَدِّ لَا يُشْكِلُ عَلَى قَوْلِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ، ۳ وَقِيلَ عَلَى قَوْلِهِمَا لَا يَجِبُ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ قَبْلَ الْقَطْعِ، وَقِيلَ يَجِبُ؛ لِأَنَّهُ صَارَ بِالصَّنْعَةِ شَيْئًا آخَرَ فَلَمْ يَمْلِكْ عَيْنَهُ (۲۷۱۵) فَإِنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ أَحْمَرَ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ الثَّوْبُ وَلَمْ يَضْمَنْ قِيمَةَ الثَّوْبِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُؤْخَذُ مِنْهُ الثَّوْبُ وَيُعْطَى مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ۱ اعْتِبَارًا بِالْغَصْبِ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا كَوْنُ الثَّوْبِ أَصْلًا قَائِمًا وَكَوْنُ الصَّبْغِ تَابِعًا.

وجه: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درہم اور دینار بنا کر کوئی خاص تبدیلی نہیں کی، اور صاحبینؒ کے نزدیک خاص تبدیلی کی ہے اس لیے چور اس کا مالک بن گیا اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر چور پر حد لگانے میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لیے کہ چور اس کا مالک نہیں بنا۔ اور کہا کہ صاحبینؒ کے نزدیک حد واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ کاٹنے سے پہلے چور اس کا مالک بن گیا ہے

تشریح: چاندی کی ڈلی کو درہم اور سونے کی ڈلی کو دینار بنانے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چور اس کا مالک نہیں بنا، اس لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک بن گیا اس لیے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ بعض حضرات نے فرمایا کہ درہم بنانے کی وجہ سے بالکل دوسری چیز بن گئی اس لیے چور عین چاندی، اور عین سونے کا مالک نہیں بنا۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ چاندی کی ڈلی کو درہم بنانے کی وجہ سے گویا کہ کوئی اور ہی چیز بن گئی اور اس کا مالک بنا، ڈلی کا مالک نہیں بنا اس لیے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۷۱۵) اگر کپڑا چرایا اور اس کو لال رنگ میں رنگ دیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اس سے کپڑا نہیں لیا جائے گا اور کپڑے کی قیمت کا بھی ضامن نہیں ہوگا، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ چور سے کپڑا لیا جائے گا، اور رنگنے کی وجہ سے جو قیمت میں زیادتی ہوئی ہے وہ چور کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ غصب پر قیاس کرتے ہوئے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس کی علت یہ ہے کہ کپڑا اصل ہے اور رنگ اس کا تابع ہے۔

اصول: لال رنگ سے رنگنا کپڑے میں ایک قسم کا اضافہ ہے

اصول: شیخین کا اصول یہ ہے کہ رنگنے کی وجہ سے چور کا کام غالب آگیا، اور کپڑا مغلوب ہو گیا اس لیے ہاتھ تو کاٹا جائے گا اس لیے نہ چور سے کپڑا لیا جائے گا، اور نہ کپڑے کا ضمان لازم ہوگا۔

اصول: امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ مالک کا اصل کپڑا موجود ہے، اس لیے کپڑا مالک کو دلوایا جائے گا، اور چور کے رنگنے کی وجہ سے جو قیمت میں زیادتی ہوئی ہے وہ چور کو دلوئی جائے گی۔

تشریح: زید نے عمر کا کپڑا چوری کی اور اس کو لال رنگ سے رنگ دیا تو شیخین کے نزدیک ہاتھ تو کٹے گا، لیکن چور سے نہ کپڑا واپس لیا جائے گا، اور نہ اس پر کپڑے کی قیمت لازم ہوگی،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ لال رنگ رنگنے کی وجہ سے کپڑا گویا کہ معدوم ہو گیا، اس لیے نہ کپڑا واپس لیا جائے گا، اور اس کا ضمان چور پر

۲؎ وَلَهُمَا أَنَّ الصَّبْغَ قَائِمٌ صُورَةً وَمَعْنًى، حَتَّى لَوْ أَرَادَ أَخْذَهُ مَصْبُوغًا يَضْمَنُ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ، وَحَقُّ الْمَالِكِ فِي الثَّوْبِ قَائِمٌ صُورَةً لَا مَعْنًى؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى السَّارِقِ بِالْهَلَاكِ فَرَجَّحْنَا جَانِبَ السَّارِقِ، ۳؎ بِخِلَافِ الْغَصْبِ، لِأَنَّ حَقَّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ صُورَةً وَمَعْنًى فَاسْتَوَيَا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ فَرَجَّحْنَا جَانِبَ الْمَالِكِ بِمَا ذَكَرْنَا (۲۷۱۶)وَإِنْ صَبَغَهُ أَسْوَدَ أُخِذَ مِنْهُ فِي الْمَذْهَبَيْنِ ۱؎ يَعْنِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، ۲؎ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ هٰذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ السَّوَادَ زِيَادَةٌ عِنْدَهُ كَالْحُمْرَةِ،

لازم ہوگا۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ کپڑا اصل ہے اس لیے کپڑا مالک کو دیا جائے گا، اور رنگ کی وجہ سے اضافہ ہوا ہے وہ چور کی طرف دلوائی جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رنگ صورت کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ کپڑے کا مالک کپڑے کو لینا چاہے تو رنگ سے جو قیمت میں زیادہ ہوئی وہ چور کی طرف دینا ہوگا، اور مالک کا حق کپڑے میں صورت کے اعتبار سے قائم ہے معنی کے اعتبار سے قائم نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کپڑا ہلاک ہونے سے چور پر کوئی ضمان نہیں ہے، اس لیے ہم نے چور کی جانب کو ترجیح دی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ کپڑا صرف صورت کے اعتبار سے قائم ہے، اور رنگ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے قائم ہے، اس لیے چور سے کپڑا واپس نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف غصب کے اس لیے کہ وہاں صورت اور معنی کے اعتبار دونوں سے قائم ہیں اس لیے وہاں دونوں برابر ہیں اس لیے ہم نے مالک کی جانب کو ترجیح دی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی۔

تشریح: غصب کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمر کا کپڑا غصب کیا اور اس کو لال رنگ سے رنگ دیا، تو قاعدہ یہ ہے کہ شیخین کے یہاں بھی کپڑا مالک کو دیا جائے گا، اور رنگ کی قیمت زید غاصب کو دیا جائے گا۔

وجہ: غصب کی صورت میں مالک کا حق بھی صورت اور معنی کے اعتبار سے قائم ہے اور رنگ بھی صورت اور معنی کے اعتبار سے قائم ہے اس لیے یہاں مالک کو ترجیح دی گئی، اس لیے اس کو کپڑا ملے گا اور غاصب کو رنگ کی قیمت ملے گی۔ واللہ اعلم

ترجمہ: (۲۷۱۶) اور اگر کالے رنگ میں رنگ دیا تو دونوں مذہب کے اعتبار سے چور سے کپڑا لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی۔

تشریح: چور نے کپڑے کو کالا رنگ سے رنگ دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گویا کہ اس میں نقصان کر دیا، اس لیے مالک کا کپڑا موجود رہا ہے اس لیے کپڑا مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور امام محمدؒ کے یہاں تو لال رنگنے میں بھی کپڑا مالک کی طرف لوٹایا جاتا تھا اس لیے دونوں بزرگوں کے یہاں کپڑا مالک کی طرف لوٹایا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لال رنگ اور کالا رنگ اضافے میں برابر ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں قیمت زیادہ کرنے میں کالا بھی لال کی طرح ہے۔

۳؎ وَعِندَ مُحَمَّدٍ زِيَادَةٌ أَيضًا كَالْحُمْرَةِ وَلٰكِنَّهُ لَا يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ، ۴؎ وَعِندَ أَبِي حَنِيفَةَ السَّوَادُ نُقْصَانٌ فَلَا يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ.

بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ

قَالَ (۲۷۱۷) وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الِامْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأُخِذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً،

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک کالا بھی اضافہ کرنے میں لال کی طرح ہے، لیکن اس سے مالک کا حق ختم نہیں ہوگا۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک کالا رنگ بھی لال کی طرح ہے، یعنی کالا سے بھی قیمت میں اضافہ ہی ہوگا، لیکن اس سے مالک کا حق ختم نہیں ہوتا اس لیے کپڑا مالک کی طرف لوٹایا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کالا رنگنا نقصان کرنا ہے اس لیے اس رنگ سے مالک کا حق ختم نہیں ہوگا، اس لیے ان کے یہاں بھی کپڑا مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

باب قطع الطریق

ضروری نوٹ: ایک جماعت جو لوٹ مار کرے اور ڈاکہ زنی کرے اس کو عربی میں قطاع الطریق: راستہ کاٹنے والا، اور ڈکہ زنی کہتے ہیں۔

وجہ: اس آیت میں ڈاکہ زنی کا ثبوت ہے۔ **إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾** (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ: (۲۷۱۷) اگر ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا ایک آدمی جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو اور انہوں نے ڈاکہ زنی کا ارادہ کیا۔ پس وہ گرفتار کر لیے گئے مال لینے سے پہلے اور خون کرنے سے پہلے تو امام ان کو قید کرے گا یہاں تک کہ توبہ ظاہر کریں۔

تشریح: لوگوں کے مال لوٹنے کے لیے کوئی ایسی جماعت نکل پڑے جو واقعی ڈاکہ زنی کرنے پر اور لوگوں کے راستے روکنے پر قدرت رکھتی ہو۔ یا ایک ہی آدمی اتنا بہادر اور دلیر ہو کہ ڈاکہ زنی کرنے اور راستے روکنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کام کے لیے نکل پڑا لیکن ابھی اس نے نہ مال لوٹا تھا اور نہ قتل کیا تھا اس سے پہلے وہ گرفتار کر لیا گیا تو امام نہ اس کا ہاتھ کاٹے گا اور نہ اس کو قتل کرے گا۔ بلکہ اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ کر لے اور حرکات و سکنات سے محسوس ہو کہ اس نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے۔

وجہ: (۱) ہاتھ پاؤں تو اس لیے نہیں کاٹے گا کہ ابھی مال نہیں لیا ہے اور قتل اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ ابھی کسی کا خون نہیں بہایا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کام سے پہلے وہ توبہ کر لیتا (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **ان عمر بن عبد العزیز کتب فی سارق لا یقطع حتی**

(۲۷۱۸)وَإِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، وَالْمَأْخُوذُ إِذَا قُسِّمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَا تَبْلُغُ قِيمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ،

یخرج بالمتاع من الدار لعله یعرض توبة قبل ان یخرج من الدار (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵ فی السارق یوخذ قبل ان یخرج من البیت بالمتاع: ۵/ ۴۷۷ نمبر ۲۸۱۱۴/ مصنف عبد الرزاق، باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج: ۹/ ۱۹۱ نمبر ۱۹۰۸۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مال چرا کر قبضہ کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ اس ڈاکہ زن نے ابھی مال لوٹا نہیں ہے اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا صرف قید کیا جائے گا (۳) آیت محاربہ میں اس کا اشارہ ہے۔ إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں چار قسم کی سزا بیان کی گئی ہیں کیوں کہ چار قسم کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے آخری سزا یہ ہے کہ **ینفوا من الارض** شہر سے باہر کر دیا جائے یعنی قید کر دیا جائے۔ یہ سزا اس وقت ہے جب نہ چوری کی ہو اور نہ قتل کر سکا ہو۔

لغت: ممتنع: روکنے والا یعنی راستہ روک کر ڈاکہ زنی کرنے والا۔ **قطع الطریق**: راستہ کاٹنا یعنی لوگوں کو راستے میں لوٹ لینا، ڈاکہ زنی کرنا، **حبسھم**: ان کو قید کر دے۔

ترجمہ: (۲۷۱۸) اگر انہوں نے مسلمان یا ذمی کا مال لوٹا اور لیا ہوا مال ان کی جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچے یا ایسی چیز لے جس کی قیمت دس درہم تک پہنچے تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے۔

تشریح: اس جماعت نے ذمی کا مال یا مسلمان کا مال لوٹا اور اتنا مال لوٹا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس درہم سے زیادہ ملے گا۔ یا لوٹا ہوا مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے گا۔

وجہ: (۱) ذمی یا مسلمان کا مال لوٹنے سے اس لیے کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ ہے۔ اور حربی کا مال لوٹا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔ اور ہر ایک کو دس درہم پہنچے تب کاٹا جائے گا اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف چور نہیں ہیں بلکہ ڈاکہ زن ہیں۔ ایک مرتبہ ڈاکہ زنی ہو جائے تو پورا علاقہ خوف سے مہینوں نہیں سوتے ہیں۔ اور پورے علاقے میں بدامنی پھیل جاتی ہے۔ اس لیے اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے تا کہ دوبارہ ڈاکہ زنی نہ کر سکے (۲) مال لوٹنے کی سزا آیت میں گزری أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے جائیں (۳) حدیث میں ہے کہ قبیلہ عکل اور قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔ لیکن ان کو بیماری لگ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ صدقہ کے اونٹ کا دودھ اور پیشاب پیو۔ وہ اس سے صحت یاب ہو گئے لیکن بعد میں مرتد ہو گئے اور اونٹ کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ بھی لوٹ کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کٹوایا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی جس سے وہ مر گئے۔ لمبی حدیث یہ ہے۔ **عن انس ؓ قال قدم علی النبی**

۱؎ وَإِنْ قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا ۲؎ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى {إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ} الْآيَةَ. وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ التَّوْزِيعُ عَلَى الْأَحْوَالِ وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: هَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ، وَالرَّابِعَةُ نَذْكُرُهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلِأَنَّ الْجِنَايَاتِ تَتَفَاوَتُ عَلَى الْأَحْوَالِ فَاللَّائِقُ تَغَلُّظُ الْحُكْمِ بِتَغَلُّظِهَا.

ﷺ نفر من عكل فاسلموا فاجتوروا المدينة فامرهم ان يأتوا ابل الصدقة فيشربوا من ابوالها و البانها ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتها و استاقوا الابل فبعث في آثارهم فاتي بهم فقطع ايديهم و ارجلهم وسمل اعينهم ثم لم يحسمهم حتى ماتوا (بخاری شریف، باب كتاب المحاربين من اهل الكفر والردة ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲/مسلم شریف، باب حكم المحاربين والمرتدين ص ۵۷ نمبر ۱۶۷۱/ ۴۳۵۳) اس حدیث میں محارب اور ڈاکہ زنوں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے ہیں کیوں کہ انہوں نے اونٹ چرایا تھا۔ اور چرواہوں کو قتل کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں سلائی پھیر دی تا کہ تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

ترجمہ: ۱؎ اور اگر انہوں نے آدمی قتل کیا اور مال نہیں لیا تو امام ان کو حد کے طور پر قتل کرے، [پس اگر اولیاء ان کو معاف کر دے تب بھی امام ان کی معافی کو نہ مانے]

تشریح: ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا لیکن کسی کی جان ماردی تو قصاص کے طور پر امام ان کو قتل کریں گے اور مقتول کے ولی ڈاکہ زنوں کو معاف کر دے تب بھی امام معاف نہ کرے بلکہ قتل ہی کر دے۔

وجہ: (۱) جان کے بدلے جان کے لیے آیت گزر چکی ہے۔ **وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ** (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتا چلا کہ قتل کیا ہے تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ (۲) آیت محاربہ میں بھی **او يقتلوا** (آیت ۳۳، سورۃ المائدۃ ۵) تھا۔ یعنی ڈاکہ زنوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ولی کے معاف کرنے سے بھی قصاص ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ ان کی شرارت بہت زیادہ ہے (۳) قول تابعی میں ہے۔ **عن الزهری قال عقوبة المحارب الى السلطان لا يجوز عفو ولى الدم، ذلك الى الامام** (مصنف عبد الرزاق **باب المحاربة** ج تاسع ص ۳۳، نمبر ۱۸۸۷۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اس کا معاملہ حاکم کے ذمے ہے ولی کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لغت: **یلتفت**: توجہ دینا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس بارے میں اصل یہ آیت ہے۔ **إِنَّمَا جَزَاؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ أَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ** (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے مراد اللہ اعلم اس میں چار حالتوں پر سزا کی تقسیم ہے، یہ تین حالتیں اوپر ذکر کی گئی ہیں اور چوتھی حالت آگے ذکر کریں گے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف احوال میں جرم مختلف ہوتے ہیں تو اس کے مطابق حکم میں بھی شدت آتی ہے۔

تشریح: آیت میں چار قسم کی سزا کا ذکر ہے، کیوں کہ جرم بھی چار قسم کے ہوتے ہیں

چار جرم کی تفصیل یہ ہے اور اس کی سزا کی تفصیل بھی یہ ہے، اس نقشے کو غور سے دیکھیں

۳أَمَّا الْحَبْسُ فِي الْأُولَى فَلِأَنَّهُ الْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ لِأَنَّهُ نَفْيٌ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ بِدَفْعِ شَرِّهِمْ عَنْ أَهْلِهَا، وَيُعَزَّرُونَ أَيْضًا لِمُبَاشَرَتِهِمْ مُنْكَرَ الْإِخَافَةِ. ۴وَشَرْطُ الْقُدْرَةِ عَلَى الِامْتِنَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَارَبَةَ لَا يَتَحَقَّقُ إلَّا بِالْمَنَعَةِ. ۵وَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ. ۶وَشَرْطٌ أَنْ يَكُونَ الْمَأْخُوذُ مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِتَكُونَ الْعِصْمَةُ مُؤَبَّدَةً، وَلِهَذَا لَوْ قَطَعَ الطَّرِيقَ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ.

نمبر	جرم	سزا
(۱)	صرف ڈرایا	تو قید کیا جائے گا، یا شہر سے باہر کر دیا جائے گا
(۲)	صرف مال لوٹا	دائیں ہاتھ، اور بائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں گے
(۳)	صرف قتل کیا	بدلے میں قتل کیا جائے گا
(۴)	مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا	ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں گے، اور قتل بھی کیا جائیگا یا صرف قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائیگا

ترجمہ: ۳ پہلی شکل [یعنی صرف ڈرایا ہو تو] قید کرنا ہے، اس لیے کہ آیت میں جو نفی یعنی شہر بدر ہے اس سے مراد قید کرنا ہے اس لیے کہ زمین سے نفی کرنا زمین والے سے اس کی شرارت کو دور کرنا ہے، اور ڈاکوں کو تعزیر کرنا ہے کیوں کہ اس نے ڈرانے دھمکانے کا گھناونا کام کیا ہے

تشریح: اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکو نے مال نہیں لیا اور قتل نہیں کیا ہے صرف ڈرایا ہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا، آیت **أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ** (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) سے یہی مراد ہے۔

لغت: نفی: یہاں نفی کا ترجمہ ہے مجرم کو شہر سے باہر نکال دینا، پچھلے زمانے میں قید خانہ نہیں تھا تو مجرم کو شہر سے باہر نکال دیتے تھے، ابھی اس کے بدلے میں قید خانہ میں رکھتے ہیں۔

ترجمہ: ۴ قدوری نے یہ شرط لگائی کہ روکنے پر قدرت ہو اس لیے کہ روکنے کی قدرت کے بغیر جنگ ممکن نہیں ہے۔

تشریح: متن میں ڈاکو کے لیے یہ شرط لگائی کہ اس کو روکنے کی قدرت ہو تب اس کو ڈاکو کہا جائے گا، فرماتے ہیں کہ اس قدرت کے بغیر لوگوں سے جنگ ناممکن ہے۔

لغت: منعۃ: ایسی قدرت جس سے لوگوں کو ڈرایا جا سکے اور اس کے مال کو زبردستی لے جائے، اس کو **منعۃ** کہتے ہیں۔ **محاربۃ:** حرب سے مشتق ہے جنگ۔

ترجمہ: ۵ دوسری حالت جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح: متن میں دوسری حالت یہ بیان کی کہ ڈاکو نے مال لوٹا ہے، اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو اور بائیں پاؤں کو کاٹا دیا جائے گا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۶ اور شرط یہ ہے کہ مسلمان کا مال لیا ہو یو ذمی کا مال لیا ہو تا کہ ہمیشہ اس کا محفوظ مال ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر امن لینے والے کو لوٹا تو ڈاکو کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوگا۔

ےوَشَرْطٌ كَمَالِ النِّصَابِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَيْ لَا يُسْتَبَاحَ طَرَفُهُ إِلَّا بِتَنَاوُلِهِ مَالَهُ خَطَرٌ. ۸وَالْمُرَادُ قَطْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى وَالرِّجْلِ الْيُسْرَى كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْوِيتِ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ. ۹وَالْحَالَةُ الثَّالِثَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ ۱۰وَيُقْتَلُونَ حَدًّا، حَتَّى لَوْ عَفَا الْأَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَا يُلْتَفَتُ إِلَى عَفْوِهِمْ لِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ. وَالرَّابِعَةُ (۲۷۱۹)إِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَالْإِمَامُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ

تشریح: متن میں یہ تھا کہ کسی مسلمان کے مال کو لیا ہو، یا ذمی کے مال کو لیا ہو تب ڈاکو کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا مال اور ذمی کا مال محفوظ مال ہے، ڈاکو محفوظ مال لیگا تب ہی ہاتھ کاٹا جائے گا، چناں چہ اگر حربی کا مال لے لیا، یا وہ حربی جو امن لے کر دار الاسلام میں آیا ہے، اس کا مال وقتی طور پر محفوظ ہے، ورنہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ نہیں ہے، ڈاکو نے اس کا مال لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمه: ےشرط یہ ہے کہ ہر ڈاکو کو دس دس درہم ملے ہوں تا کہ اس کا عضو بغیر بڑا مال کے مباح نہ ہو۔

تشریح: یہ بھی شرط ہے کہ ہر ڈاکو کو دس دس درہم سے زیادہ ملے ہوں، تا کہ اس کا ہاتھ بغیر نصاب کے نہ کٹے۔

ترجمه: ۸ آیت میں ہے کہ خلاف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں، کیوں کہ ایک ہی جانب سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں تو منفعت ختم ہو جائے گی۔

تشریح: دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں تو آدمی نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ چل سکے گا، اس لیے آیت میں یہ کہا گیا کہ من خلاف، یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں تا کہ وہ کھڑا ہو سکے اور بیساکھی کے ذریعہ چل سکے

وجه: آیت یہ ہے۔ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمه: ۹ اور تیسری حالت کو ہم نے بیان کیا ہے اس آیت کی وجہ سے جس کو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح: تیسری حالت ہدایہ کی عبارت میں بیان کی کہ قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو، تو آیت میں اس کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس کے بدلے میں ڈاکو کو قتل کر دیا جائے۔

وجه: آیت یہ ہے۔ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمه: ۱۰ اور حد کے طور پر ڈاکو کو قتل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ولی معاف بھی کر دے تو اس کی معافی کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ شریعت کا حق ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمه: (۲۷۱۹) اور چوتھی صورت یہ ہے کہ۔ اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے چاہے تو ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کاٹے اور ان کو قتل کرے اور سولی دے اور چاہے تو صرف قتل کرے اور چاہے تو سولی دے۔

تشریح: مال بھی لیا اور قتل بھی کیا ہے اس لیے دو جرم ہوئے اس لیے دونوں کی سزا دے سکتا ہے۔ یعنی مال کے بدلے ہاتھ پاؤں کاٹنا

قَتَلَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ. ۱؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُقْتَلُ أَوْ يُصْلَبُ وَلَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ وَاحِدَةٌ فَلَا تُوجِبُ حَدَّيْنِ، وَلِأَنَّ مَا دُونَ النَّفْسِ يَدْخُلُ فِي النَّفْسِ فِي بَابِ الْحَدِّ كَحَدِّ السَّرِقَةِ وَالرَّجْمِ. ۲؎ وَلَهُمَا أَنَّ هَذِهِ عُقُوبَةٌ وَاحِدَةٌ تَغَلَّظَتْ لِتَغَلُّظِ سَبَبِهَا، وَهُوَ تَفْوِيتُ الْأَمْنِ عَلَى التَّنَاهِي بِالْقَتْلِ وَأَخْذِ الْمَالِ، وَلِهَذَا كَانَ قَطْعُ الْيَدِ وَالرِّجْلِ مَعًا فِي الْكُبْرَى حَدًّا وَاحِدًا وَإِنْ كَانَا فِي الصُّغْرَى حَدَّيْنِ،

اور قتل کے بدلے بعد میں قتل کرنا۔ اور مناسب سمجھے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے بلکہ بڑی سزا قتل کرنا ہے وہ کرے اور چاہے تو اس سے بھی بڑی سزا سولی دے جس میں پیٹ پھاڑ کر مارنے کے علاوہ تین دن تک تختے پر لٹکانا بھی ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ان تینوں سزا کی تفصیل موجود ہے **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ** (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں او کے ذریعہ سے سزا بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو تینوں سزاؤں میں ایک کو اختیار کرنے کا اختیار ہے (۲) اوپر کی حدیث میں اہل عرینہ کا ہاتھ پاؤں بھی کاٹا تھا اور سلائی پھیر کر قتل کے بدلے مارا بھی تھا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن انس ... فاتی بھم فقطع ایدیھم و ارجلھم و سمل ثم لم یحسمھم حتی ماتو** (بخاری شریف، باب **کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ** ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲) اس حدیث میں ہاتھ پاؤں بھی کاٹا اور سلائی پھیر کر مارا بھی۔ (۳) اور امام کے لیے اختیار ہے کہ چھوٹی سزا چھوڑ کر ایک ہی مرتبہ بڑی سزا دیدے یعنی قتل کر دے یا سولی دیدے۔ اس کی دلیل اس قول تابعی میں ہے۔ **قال عطاء ای ذلک شاء الامام حکم فیھم ان شاء قتلھم او صلبھم او قطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف ان شاء الامام فعل واحدۃ منھن و ترک مابقی** (مصنف عبد الرزاق باب المحاربۃ ج تاسع ص ۳۳۴ نمبر ۱۸۸۷۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ الگ الگ سزا دے اور اس کا بھی اختیار ہے کہ بڑی سزا دے اور چھوٹی سزا چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۱؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی، اور ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے اس لیے کہ ایک ہی جرم ہے اس لیے دو حد واجب نہیں کرتا، اور اس لیے کہ جان سے کم درجہ جو سزا ہے وہ جان مارنے میں داخل ہو جائے گی، جیسے چوری رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کی رائے ہے کہ جب ڈاکو کو جان سے مارنا ہی ہے تو اب اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ڈاکہ زنی ایک ہی جرم ہے، جس میں مال بھی لیا ہے اور قتل بھی کیا ہے اس لیے قتل کر دینا اتنا ہی کافی ہے، ہاتھ پاؤں کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) دوسری دلیل دیتے ہیں کہ چھوٹی حد بڑی حد میں داخل ہو جائے گی، جیسے ایک آدمی نے چوری کی اور اس کے ساتھ زنا بھی کیا تو صرف رجم کیا جائے گا، اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گی، اسی طرح یہاں ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنا، پاؤں کاٹنا اور جان مارنا تینوں ایک ہی سزا ہے سبب کی شدت کی وجہ سے سزا میں شدت آئی ہے اور وہ ہے قتل کر کے اور مال لے کر لوگوں کے امن کو آخری درجے میں ختم کرنا، یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ زنی میں ہاتھ کاٹنا اور پاؤں کاٹنا ایک ہی حد ہوتی ہے، جبکہ چوری میں یہ دو الگ الگ سزا ہیں

۳؎ وَالتَّدَاخُلُ فِي الْحُدُودِ لَا فِي حَدٍّ وَاحِدٍ. ۴؎ ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الصَّلْبِ وَتَرْكِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَتْرُكُهُ لِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ، وَالْمَقْصُودُ التَّشْهِيرُ لِيَعْتَبِرَ بِهِ غَيْرُهُ. وَنَحْنُ نَقُولُ أَصْلُ التَّشْهِيرِ بِالْقَتْلِ وَالْمُبَالَغَةِ بِالصَّلْبِ فَيُخَيَّرُ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ (۲۷۲۰) وَيُصْلَبُ حَيًّا وَيُبْعَجُ بَطْنُهُ بِرُمْحٍ إلَى أَنْ يَمُوتَ ۱؎ وَمِثْلُهُ عَنْ الْكَرْخِيِّ. وَعَنْ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ يُقْتَلُ ثُمَّ يُصْلَبُ تَوَقِّيًا عَنْ الْمُثْلَةِ. وَجْهُ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ أَنَّ الصَّلْبَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ أَبْلَغُ فِي الرَّدْعِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِهِ. قَالَ (۲۷۲۱) وَلَا يُصْلَبُ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

تشریح: شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کا مال بھی لیا ہے، اور قتل بھی کیا ہے، اور امن کو بھی آخری حد تک برباد کیا ہے اس لیے تینوں سزا [ہاتھ کاٹنا، پاؤں کاٹنا، اور قتل کرنا] ایک ہی سزا ہے اس لیے تینوں دیے جائیں گے۔

ترجمہ: ۳؎ دو حد ہو تو تداخل ہوگی، ایک ہی حد میں تداخل نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، چوری کی حد الگ ہے، اور زنا کی حد رجم الگ ہے اس لیے یہاں چوری کی حد رجم میں داخل ہو جائے گی لیکن ڈاکہ زنی کی حد ایک ہی ہے اس لیے اس میں تین سزائیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی۔

ترجمہ: ۴؎ پھر متن میں یہ ذکر کیا کہ سولی دینے اور اس کو چھوڑ دینے میں اختیار ہے، ظاہر روایت یہی ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ سولی دینا نہیں چھوڑے گا، اس لیے کہ وہ تو آیت میں موجود ہے، اور سولی دینے کا مقصد تشہیر کرنا ہے تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم کہتے ہیں کہ اصل تشہیر تو قتل سے ہوگی اور سولی دینے سے اس میں مبالغہ ہوگا اس لیے امام کو سولی دینے اور نہ دینے کا اختیار ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ ہے کہ سولی دے یا نہ دے امام کو اس کا اختیار ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ چونکہ آیت میں سولی کا ذکر ہے اس لیے ضرور دینا چاہئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو عبرت ہوگی، مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ قتل کرنے سے ہی عبرت ہو جاتی ہے، البتہ سولی دینے سے عبرت میں مبالغہ ہوتا ہے، اس لیے امام کو اس کا اختیار ہوگا

ترجمہ: (۲۷۲۰) اور سولی دی جائے زندہ میں اور پھاڑا جائے پیٹ کو نیزے سے یہاں تک کہ مر جائے۔

تشریح: سولی دینے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزے سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے، سولی دینے کا یہی طریقہ ہے۔

لغت: **بعج:** نیزے سے پیٹ پھاڑنا، **رمح:** نیزہ۔

ترجمہ: ۱؎ اسی طرح امام کرخیؒ سے منقول ہے، اور امام طحاویؒ سے روایت ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے مثلہ سے بچنے کے لیے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جو صحیح ہے کہ اس طرح سولی دینا زیادہ خوفناک عبرت ہے اور اس سے مقصود بھی یہی ہے۔

تشریح: زندہ میں سولی پر لٹکایا جائے پھر پھاڑا جائے، یہ کرخیؒ سے منقول ہے، لیکن امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تا کہ مثلہ نہ ہو، لیکن پہل پہلی صورت میں عبرت زیادہ ہے اس لیے پہلی صورت بہتر ہے۔ ردع: عبرت۔

ترجمہ: (۲۷۲۱) اور سولی پر نہ رکھا جائے تین دن سے زیادہ۔

۱؎ لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَّى النَّاسُ بِهِ. ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُتْرَكُ عَلَى خَشَبَةٍ حَتَّى يَتَقَطَّعَ فَيَسْقُطَ لِيَعْتَبِرَ بِهِ غَيْرُهُ. قُلْنَا: حَصَلَ الِاعْتِبَارُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالنِّهَايَةُ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ. قَالَ (۲۷۲۲) وَإِذَا قَتَلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي مَالٍ أَخَذَهُ ۱؎ اعْتِبَارًا بِالسَّرِقَةِ الصُّغْرَى وَقَدْ بَيَّنَّاهُ (۲۷۲۳) فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَحَدُهُمْ أُجْرِيَ الْحَدُّ عَلَيْهِمْ بِأَجْمَعِهِمْ ۱؎ لِأَنَّهُ جَزَاءُ الْمُحَارَبَةِ، وَهِيَ يَتَحَقَّقُ بِأَنْ يَكُونَ الْبَعْضُ رِدْءًا لِلْبَعْضِ حَتَّى إذَا زَلَّتْ أَقْدَامُهُمْ انْحَازُوا إلَيْهِمْ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ الْقَتْلُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدْ تَحَقَّقَ.

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ تین دن کے بعد لاش میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے تو لوگوں کو اس سے اذیت ہوگی۔

تشریح: سولی پر لٹکانے اور پیٹ پھاڑنے کے بعد تین دن سے زیادہ لٹکا ہوا نہ رکھا جائے۔

وجہ: تین دن میں لوگوں کو عبرت ہو جائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو ہوگی اس لیے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ سولی دینے کے بعد اس لکڑی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ گوشت کا ٹکڑا ٹکڑا ہو کر گر جائے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ عبرت اسی سے حاصل ہوگئی جو ہم نے ذکر کیا، یعنی سولی دینے سے، اور بہت زیادہ عبرت مطلوب نہیں ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لاش سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اس وقت تک مجرم کو تختے پر لٹکائے رکھیں تاکہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ زیادہ عبرت ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۲) اگر ڈاکو کو قتل کر دیا گیا تو اب اس سے چوری کے مال کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ چوری پر قیاس کرتے ہوئے، اور اس بات کو چوری کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: مثلاً ڈاکو نے چوری کی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کٹا، اور چوری کا مال ڈاکو سے ہلاک ہوگیا تو اب اس مال کا ضمان اس پر نہیں ہے۔

وجہ: چوری کے بیان میں ذکر کیا کہ، چوری کی وجہ سے ہاتھ کٹا اور چور سے مال ضائع ہوگیا ہے تو اس پر اس مال کا ضمان نہیں ہے، بلکہ ہاتھ کٹنا ہی مال کا بدل بن گیا، اسی طرح ڈاکو نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا، اور مال ضائع ہوگیا تو اس پر بھی مال کا ضمان نہیں ہے۔

لغت: **السرقۃ الصغری:** سے مراد چوری ہے، اور **السرقۃ الکبری:** سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۳) اگر ایک ڈاکو نے قتل کیا تو سب ڈاکوؤں پر حد لگے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ یہ جنگ کا بدلہ ہے اور یہ متحقق ہے اس طور پر کہ بعض دوسرے بعض کا مددگار ہے یہاں تک کہ اگر ایک کا قدم اکھڑ گیا تو وہ مددگار کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں، البتہ ایک آدمی کو بھی قتل کرنا شرط ہے، اور وہ ہوگیا۔

اصول: ڈاکہ زنی میں ایک قتل کرے تو سب کی جانب سے شمار کیا جائے گا اور سب کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح: مثلاً دس آدمیوں نے ڈاکہ زنی کی اور ایک آدمی نے قتل کیا اور باقی مدد میں شریک ہوئے تو ان دسوں آدمیوں کو قتل کیا جائے گا۔

وجہ: چاہے ایک ہی آدمی نے قتل کیا لیکن شریک دسوں ہیں اس لیے دسوں کو قتل کیا جائے گا، کیوں کہ ڈاکہ زنی میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک دو آدمی قتل کرنے اور مال لوٹنے میں مشغول ہوتے ہیں اور باقی آدمی اس کی مدد کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس آدمی کا پاؤں اکھڑ

قَالَ (۲۷۲۴) وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بِعَصًا أَوْ بِحَجَرٍ أَوْ بِسَيْفٍ فَهُوَ سَوَاءٌ لِأَنَّهُ يَقَعُ قَطْعًا لِلطَّرِيقِ بِقَطْعِ الْمَارَّةِ (۲۷۲۵) وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَالًا وَقَدْ جَرَحَ أُقْتُصَّ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْقِصَاصُ، وَأُخِذَ الْأَرْشُ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْأَرْشُ وَذَٰلِكَ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِأَنَّهُ لَا حَدَّ فِي هٰذِهِ الْجِنَايَةِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَيَسْتَوْفِيهِ الْوَلِيُّ (۲۷۲۶) وَإِنْ أَخَذَ مَالًا ثُمَّ جَرَحَ قُطِعَتْ يَدُهُ وَرِجْلُهُ وَبَطَلَتِ الْجِرَاحَاتُ لِ لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ الْحَدُّ حَقًّا لِلّٰهِ سَقَطَتْ عِصْمَةُ النَّفْسِ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا تَسْقُطُ عِصْمَةُ الْمَالِ

جائے تو یہ لوگ باقی آدمی کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے ہیں

اصول: قتل میں سب شریک ہیں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔

لغت: ردء: مدد، حمایتی۔ **انحاز:** اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ **محاربۃ:** حرب سے مشتق ہے، جنگ۔

ترجمہ: (۲۷۲۴) ڈاکو قتل کیا جائے گا، چاہے لاٹھی سے مار کر کسی کو قتل کیا ہو، یا پتھر سے، یا تلوار سے تو یہ سب برابر ہیں اس لیے کہ ان سب چیزوں سے ڈاکہ زنی ثابت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی بھی چیز سے آدمی کی جان ماری ہو ان سبھی سے ڈاکہ زنی ثابت ہو جائے گی، اور اس پر ڈاکہ زنی کی سزا دی جائے گی، یہ قتل خطا نہیں ہوگی بلکہ قتل عمد ہی شمار کی جائے گی، مثلا لاٹھی سے مار کر ختم کیا، یا پتھر سے مار کر ختم کیا یا تلوار سے مارا ہر صورت میں ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، کیوں کہ یہ تمام صورتیں ڈاکہ زنی کی ہیں۔

ترجمہ: (۲۷۲۵) اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا اور نہ مال لیا لیکن آدمی کو زخمی کیا تو جس عضو میں قصاص ہے اس میں قصاص لیا جائے گا، اور جس عضو میں ارش ہے اس میں ارش لی جائے گی، اور اس بارے میں ولی کو اختیار ہوگا۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ ان جرم میں حد نہیں ہے تو ولیوں کا حق ظاہر ہو گیا اس لیے ولیوں کو لینے کا اختیار ہوگا۔

تشریح: ڈاکو نے صرف ایسا جرم کیا جس میں حد نہیں ہے، صرف قصاص ہے یا زخم کا تاوان ہے تو یہاں ولیوں کو حق ہوگا کہ وہ قصاص لے، یا جرم کا تاوان لے، یا معاف کر دے۔

وجہ: کیوں کہ بڑا جرم کرتا تو شریعت اس کا بدلہ لیتی اور ولیوں کو اس میں معاف کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن یہاں قصاص والا جرم کیا ہے، یا تاوان والا جرم کیا ہے اس لیے اب ولیوں کا حق ہو گیا، اس لیے اس کو لینے یا نہ لینے کا حق ہوگا۔ ارش: زخموں کا تاوان۔

ترجمہ: (۲۷۲۶) ڈاکو نے مال لیا پھر آدمی کو زخمی بھی کیا تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا اور زخم کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ جب اللہ کا حق واجب ہو گیا تو نفس کی حفاظت کے لیے بندے کا حق ختم ہو گیا، جیسے مال کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ شریعت کا حق نافذ کرنے کا ہو جائے تو بندے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کا حق ساقط ہو جائے تو بندے کا حق لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح: ڈاکوؤں نے مال بھی لیا اور گھر والے کو زخمی بھی کیا، تو مال لوٹنے کی وجہ سے شریعت کا حق غالب ہو گیا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے، اور اس کی وجہ سے زخم کا جو تاوان ہونا چاہیے وہ ساقط ہو جائے گا۔

(۲۷۲۷)وَإِنْ أُخِذَ بَعْدَ مَا تَابَ وَقَدْ قَتَلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأَوْلِيَاءُ قَتَلُوهُ وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا عَنْهُ ١ لِأَنَّ الْحَدَّ فِي هٰذِهِ الْجِنَايَةِ لَا يُقَامُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِلِاسْتِثْنَاءِ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ، ٢ وَلِأَنَّ التَّوْبَةَ تَتَوَقَّفُ عَلَى رَدِّ الْمَالِ وَلَا قَطْعَ فِي مِثْلِهِ، فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ فِي النَّفْسِ وَالْمَالِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْوَلِيُّ الْقِصَاصَ أَوْ يَعْفُوَ، وَيَجِبُ الضَّمَانُ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ أَوْ اسْتَهْلَكَهُ (۲۷۲۸)وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقُطَّاعِ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ

وجہ: چوری میں چور کا ہاتھ کٹتا ہے تو مال کا تاوان لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں ہاتھ پاؤں کٹے تو زخم کا تاوان ساقط ہو جائے گا، اسی کو نفس کی عصمت، کہتے ہیں جو ساقط ہو گئی۔

ترجمہ: (۲۷۲۷) اگر ڈاکو توبہ کرنے کے بعد پکڑے گئے، اور وہ قتل عمد کر چکے تھے تو ولی کو حق ہوگا کہ چاہے تو قتل کریں اور چاہے تو معاف کر دیں۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ توبہ کے بعد اس جرم میں حد لازم نہیں ہوتی، کیوں کہ آیت میں استثناء موجود ہے۔

تشریح: جس آیت میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لیں تو حد معاف ہو جاتی ہے، لیکن اس نے قتل کیا ہے اس لیے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا، اور یہ مقتول کے ولیوں کا حق ہوگا، اس لیے مقتول کے ولیوں کو یہ بھی حق ہوگا کہ چاہے تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

وجہ: پوری یہ ہے۔ إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آیت: ۳۳، ۳۴، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں الا الذین تابوا، سے ذکر کیا ہے کہ پکڑے جانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لے تو اللہ اس کی سزا کو معاف کر دیں گے۔

ترجمہ: ٢ اور اس لیے کہ مال کے لوٹانے پر توبہ موقوف ہے پھر تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ نفس اور مال کے بارے میں بندے کا حق ظاہر ہو گیا، اس لیے ولی قصاص لے گا یا معاف کر دے گا، اور ڈاکو مال ہلاک کر دے، یا خود ہلاک ہو جائے اس پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح: علماء نے توبہ کرنے کی صورتیں بیان کی ہیں [۱] توبہ کے ساتھ ڈاکو مال واپس کر دے تو توبہ سمجھی جائیگی، اور مال واپس نہ کرے تو توبہ نہیں سمجھی جائیگی [۲] بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ، کئے ہوئے پر شرمندہ ہو، اور آیندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے تو توبہ ہو گئی، مال واپس کرنا ضروری نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مال واپس کرنے پر توبہ مکمل سمجھی جائے گی، اور جب توبہ کر لی تو شریعت کی حد ختم ہو گئی، اس لیے اب بندے کا حق ظاہر ہو گیا، اس لیے ولی کو اختیار ہوگا کہ قصاص لے یا معاف کر دے، اور اس صورت میں ڈاکو مال ہلاک کر دے یا مال ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں اس پر ضمان لازم ہوگا، کیوں کہ دونوں صورتوں میں بندے کا حق موجود رہتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۸) پس اگر ڈاکہ زنوں میں سے کوئی بچہ ہو یا مجنون ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کا ذی رحم محرم ہو تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ ۱ فَالْمَذْكُورُ فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ. ۲ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَوْ بَاشَرَ الْعُقَلَاءُ يُحَدُّ الْبَاقُونَ وَعَلَى هَذَا السَّرِقَةُ الصُّغْرَى. لَهُ أَنَّ الْمُبَاشِرَ أَصْلٌ، وَالرِّدْءُ تَابِعٌ وَلَا خَلَلَ فِي مُبَاشَرَةِ الْعَاقِلِ وَلَا اعْتِبَارَ بِالْخَلَلِ فِي التَّبَعِ، ۳ وَفِي عَكْسِهِ يَنْعَكِسُ الْمَعْنَى وَالْحُكْمُ. ۴ وَلَهُمَا أَنَّهُ جِنَايَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِالْكُلِّ، فَإِذَا لَمْ يَقَعْ فِعْلُ بَعْضِهِمْ مُوجِبًا كَانَ فِعْلُ الْبَاقِينَ بَعْضَ الْعِلَّةِ وَبِهِ لَا يَثْبُتُ الْحُكْمُ فَصَارَ

ترجمہ: ۱ یہ جو ذکر ہے کہ باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے۔

تشریح: جس جماعت نے ڈاکہ ڈالا اس میں سے کچھ بچہ تھا یا پاگل تھا۔ اب ظاہر ہے کہ بچہ اور پاگل پر حد جاری نہیں ہوگی کیوں کہ وہ مرفوع القلم ہیں تو اس کی وجہ سے باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اس آدمی کا قریبی رشتہ دار تھے جس پر ڈاکہ ڈالا گیا تو باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ قتل کیا ہے تو قصاصا قتل کیا جائے گا جس کا اختیار مقتول کے ورثہ کو ہوگا۔ چاہے وہ قتل کریں چاہے وہ معاف کر دیں۔

وجہ: (۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جب بعض سے ساقط ہو گئی تو باقی لوگوں میں بھی شبہ ہو گیا اس لیے ان سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ (۲) اور رشتہ دار کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **قال الثوری** **ویستحسن الا یقطع من سرق من ذی محرم، خالہ او عمہ او ذات محرم** (مصنف عبد الرزاق، **باب من سرق ما لا یقطع فیہ** ج تاسع ص ۵۱۰ نمبر ۱۸۱۹۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم سے حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر عقل والوں نے ڈاکہ زنی کی تو بچے اور مجنون کو چھوڑ کر باقی لوگوں کو حد لگے گی، اور اسی اختلاف پر چھوٹی چوری بھی ہے، امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو ڈاکہ ڈالنے والے ہیں یہ اصل ہیں اور جو مدد کرنے والے ہیں یہ تابع ہیں اور عاقل آدمی کے ڈاکہ میں کوئی خلل نہیں ہے، اور تابع میں خلل ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جو عاقل بالغ ہے اس پر حد جاری ہوگی، اور جو نابالغ اور مجنون ہے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکہ ڈالنے والے اصل ہیں جو عاقل بالغ ہیں اور مدد کرنے والے تابع ہیں جو نابالغ اور مجنون ہیں، اور تابع کا اعتبار نہیں ہے، اس لیے اصل پر حد جاری ہوگی۔

لغت: **السرقۃ الصغری:** سے مراد چوری ہے، اور **السرقۃ الکبری** سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اس کے الٹے میں معنی بھی بدل جائے گا اور حکم بھی بدل جائے گا۔

تشریح: الٹے کی صورت یہ ہے کہ مجنون اور نابالغ نے مال لوٹا، اور عاقل بالغ نے مدد کی تو اصل لوٹنے والا نااہل ہے اس لیے اصل پر حد نہیں لگے گی، اس لیے اب تابع، یعنی عاقل بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ یہ عکس کی صورت ہے اور یہ عکس کا حکم ہے کہ کسی کو حد نہیں لگے گی۔

ترجمہ: ۴ اور امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈکہ زنی ایک جرم ہے جو تمام ڈاکوؤں سے انجام پاتی ہے، پس اگر بعض کا فعل حد سبب نہیں ہے تو باقی کا فعل بھی حد کی علت نہیں بنے گی اور حکم ثابت نہیں ہوگا، جیسے قتل کرنے میں جان کر قتل کرنے والا بھی ہو اور غلطی سے قتل کرنے والا بھی ہو تو [توسب سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے]

كَالْخَاطِئِ مَعَ الْعَامِدِ. ۴ وَأَمَّا ذُوالرَّحِمِ الْمَحْرَمِ فَقَدْ قِيلَ تَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِمْ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُطْلَقٌ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ وَاحِدَةٌ عَلَى مَاذَكَرْنَاهُ فَالِامْتِنَاعُ فِي حَقِّ الْبَعْضِ يُوجِبُ الِامْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْبَاقِينَ، ۵ بِخِلَافِ مَاإِذَاكَانَ فِيهِمْ مُسْتَأْمَنٌ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ فِي حَقِّهِ لِخَلَلٍ فِي الْعِصْمَةِ وَهُوَ يَخُصُّهُ،

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ پوری ڈکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے منعقد ہوتی ہے، پس اگر بعض کا فعل حد ثابت نہیں کرتی تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈاکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے مل کر منعقد ہوتی ہے، اس لیے اگر مجنون کے فعل سے حد ثابت نہیں ہوگی تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید نے جان کر عمر کو تیر مارا جس سے قتل عمد ہوا، اس لیے اس پر قصاص ہونا چاہئے اور خالد نے شکار سمجھ کر عمر کو تیر مارا، جس سے قتل خطاء ہوا، اور اس پر قصاص کے بجائے دیت لازم ہونی چاہئے تو یہاں خالد کے فعل کی وجہ سے نقص ہوگا اور زید سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور دونوں پر دیت ہی لازم ہوگی، پس جس طرح یہاں ایک کے نقص کی وجہ سے دونوں سے قصاص ساقط ہو گیا اسی طرح ڈاکہ زنی میں بھی بچے کے نقص کی وجہ سے بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی، تا کہ تعزیر ہوگی اور سخت قسم کی تعزیر ہوگی۔

لغت: **خاطی مع العامد:** خاطی سے مراد قتل خطاء ہے، جس سے دیت لازم ہوتی ہے۔ اور عامد سے مراد قتل عمد ہے جس سے قصاص لازم ہوتا ہے۔ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۴ بہر حال ذی رحم محرم تو کہا گیا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جن لوگوں پر ڈاکہ ڈالا ہے ان کا مال مشترک ہو، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مطلق ہے اس لیے کہ جرم ایک ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا، پس بعض کے حق کو منع ہونا باقی کے حق میں منع ہو جائے گا۔

تشریح: ذی رحم محرم کی دو صورتیں ہیں [۱] جن لوگوں کا مال لوٹا اس میں کچھ ڈاکہ زنی کرنے والے کا ذی رحم محرم ہے تو جس کا ذی رحم محرم ہے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ جرم ایک ہے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکو کا مال اور جن لوگوں کا مال لوٹا اس کا مال مشترک ہے، اس لیے مشترک والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مصنف فرماتے ہیں کہ مطلق کی صورت زیادہ صحیح ہے۔

اصول: یہ اصول پہلے گزر چکا ہے کہ بعض کے حق میں حد نہیں لگے گی تو باقی کو بھی حد نہیں لگے گی، کیوں کہ جرم ایک ہے۔

ترجمہ: ۵ بخلاف جبکہ اس میں سے کوئی امن لینے والا ہو اس لیے کہ اس کے حق میں حد نہ لگنا حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح: جو حربی امن لے کر دار الاسلام آیا اور ڈاکو نے اس کا مال لوٹ لیا تو ان ڈاکوؤں کا ہاتھ پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ [معصوم] نہیں ہے۔

لغت: **یخصہ:** خاص امن لینے والے کے ساتھ یہ خاص ہے کہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔ **عصمۃ:** یہ محاورہ ہے، اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔

۶؎ أَمَّا هُنَا الِامْتِنَاعُ لِخَلَلٍ فِي الْحِرْزِ، وَالْقَافِلَةُ حِرْزٌ وَاحِدٌ (۲۷۲۹) وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِظُهُورِ حَقِّ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا (۲۷۳۰) وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلَى الْبَعْضِ لَمْ يَجِبِ الْحَدُّ ۱؎ لِأَنَّ الْحِرْزَ وَاحِدٌ فَصَارَتِ الْقَافِلَةُ كَدَارٍ وَاحِدَةٍ (۲۷۳۱) وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالْحِيرَةِ فَلَيْسَ بِقَاطِعِ الطَّرِيقِ ۱؎ اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ يَكُونُ قَاطِعَ الطَّرِيقِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِوُجُودِهِ حَقِيقَةً.

ترجمہ: ۶؎ اور یہاں حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے اور قافلہ ایک ہی حرز ہے۔

تشریح: پہلے آیا تھا کہ حرز [محفوظ جگہ] سے چوری کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا، یہاں فرماتے ہیں کہ قافلہ ایک حرز ہے اب اس میں خلل واقع ہو گیا، کہ بعض رشتہ دار نکل گیا تو کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۷۲۹) اور جب حد ساقط ہو گئی تو قتل کا اختیار ولیوں کو ہوگا۔ [اس لیے کہ بندے کا حق ظاہر ہو گیا، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔] پس اگر چاہے تو ولی قتل کروائے اور چاہے تو معاف کر دے۔

تشریح: اوپر تین معاملے گزرے جنکی وجہ سے ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو گئی [۱] توبہ کرنے کے بعد ڈاکو پکڑے گئے تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔ [۲] بعض ڈاکو بچے، یا مجنون ہے تو باقی سے حد اقط ہو جائے گی۔ [۳] جس کا مال لوٹا وہ بعض ڈاکو کا ذی رحم محرم نکلا تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ان تین صورتوں میں شریعت کی حد ساقط ہو گئی تو اب بندے کا حق سامنے آئے گا، اور اس کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا، اور وہ چاہے تو قصاص معاف کر سکتا ہے، اس سے پہلے گزرا کہ شریعت کی وجہ سے حد لازم ہو تو ولی اس کو معاف کرنا چاہے تب بھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہاں معاف کر سکتا ہے، کیوں کہ اب اس کا حق ہو گیا۔

وجہ: آیت میں ہے۔ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ معاف کر دے تو یہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۰) بعض قافلے نے بعض کا مال لوٹ لیا تو حد جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ حرز ایک ہی ہے تو پورا قافلہ ایک گھر کی طرح ہو گیا۔

اصول: حرز سے نکالے گا تو ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، یہاں پورا قافلہ ایک حرز ہے اس لیے بعض نے بعض کا مال لوٹ لیا تو گویا حرز سے باہر نہیں نکالا، اس لیے ان ڈاکہ ڈالنے والوں پر حد جاری نہیں ہوگی، البتہ تعزیر ہوگی۔

ترجمہ: (۲۷۳۱) رات کو یا دن کو شہر میں ڈاکہ زنی کی، یا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ڈاکہ زنی کی تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اور قیاس یہ ہے کہ یہ ڈاکہ زنی ہے اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے، کیوں کہ حقیقی ڈاکہ زنی پائی گئی ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ جہاں پولس کی مدد فوری طور پر پہنچ سکتی ہے تو وہاں ڈاکہ زنی ہو تب بھی اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہو گا، اور جس جگہ فوری طور پر پولس کی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے وہاں ڈاکہ زنی ہو تو اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ ہوگا۔

تشریح: شہر میں دن کو رات کو ڈاکہ زنی کی تو وہاں پولس کی مدد فوری طور پر پہنچ سکتی ہے اس لیے اس کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی

۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ الْحَدُّ إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ إِنْ كَانَ بِقُرْبِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ. ۳؎ وَعَنْهُ إِنْ قَاتَلُوا نَهَارًا بِالسِّلَاحِ أَوْ لَيْلًا بِهِ أَوْ بِالْخَشَبِ فَهُمْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ لِأَنَّ السِّلَاحَ لَا يَلْبَثُ وَالْغَوْثُ يُبْطِئُ بِاللَّيَالِي، ۴؎ وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ قَطْعَ الطَّرِيقِ بِقَطْعِ الْمَارَّةِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي الْمِصْرِ وَيَقْرُبُ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ لُحُوقُ الْغَوْثِ، إِلَّا أَنَّهُمْ يُؤْخَذُونَ بِرَدِّ الْمَالِ أَيْضًا لَا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ، وَيُؤَدَّبُونَ وَيُحْبَسُونَ لِارْتِكَابِهِمُ الْجِنَايَةَ، وَلَوْ قَتَلُوا فَالْأَمْرُ فِيهِ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِمَا بَيَّنَّا

نہیں کہیں گے، اسی طرح کوفہ اور حیرہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے، یہاں پولس کی مدد جلدی پہنچ سکتی ہے اس لیے اس درمیان ڈاکہ زنی ہو تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے، یہ استحسان ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی ڈاکہ زنی کہی جائے، چناں چہ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، کیوں کہ حقیقت میں ڈاکہ زنی ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر شہر کے باہر ڈاکہ زنی ہوئی چاہے شہر کے قریب ہی کیوں نہ تو وہ ڈاکہ زنی ہے اور اس پر حد جارہ کی جائے گی اس لیے کہ وہاں مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

تشریح: شہر سے باہر ڈاکہ زنی کی چاہے شہر سے قریب ہی کیوں نہ ہو اس کو ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی، کیوں کہ وہاں تک جلدی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جہاں عام طور پر جلدی مدد نہیں پہنچ پاتی وہاں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ انہیں سے دوسری روایت ہے کہ اگر دن کو ہتھیار سے جنگ کی یا رات کو ہتھیار سے جنگ کی، یا لکڑی سے جنگ کی تو یہ سب ڈاکہ زنی ہے اس لیے کہ ہتھیار سے جلدی مار کر لے گا[اور اس وقت تک پولس کی مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات میں مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ شہر میں دن کو جنگ کی یا رات میں تلوار، یا لکڑی سے جنگ کی تو ڈاکہ زنی شمار ہوگی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہتھیار سے لوٹ مار ہو تو جلدی سے لوٹ کر چلا جائے گا، اور اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات کو ہتھیار سے جنگ کرے، یا لاٹھی سے جنگ کرے تو بھی اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، کیوں کہ رات کو مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے، اس لیے ان سب صورتوں میں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

لغت: **غوث:** مدد۔ **سلاح:** ہتھیار، تلوار۔ **خشب:** لکڑی، لاٹھی۔ **یلبث:** ٹھیرتا ہے، لایلبث: دیر نہیں ہوتی۔ **یبطی:** **بطی** سے مشتق ہے دیر ہوتی ہے سستی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ ہم کہتے ہیں کہ راستہ کاٹنے کی وجہ سے ڈاکہ زنی ہوتی ہے اور یہ شہر میں متحقق نہیں ہوتی، یا اس کے قریب میں متحقق نہیں ہوتی، اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں مدد پہنچ سکتی ہے، لیکن ان ڈاکوؤں سے مال وصول کیا جائے گا تا کہ حق والے کو حق پہنچ جائے اور ڈاکوؤں کو تادیب کی جائے گی کیوں کہ ان لوگوں نے جرم کیا ہے، اور اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا ہے مقتول کے ولیوں کو اس کا حق ہوگا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

لغت: **قطع الطریق:** **قطاع المارۃ:** راستہ کاٹ دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے میں ڈاکہ زنی ہوئی اس میں اتنا خوف

(۲۷۳۲)وَمَنْ خَنَقَ رَجُلًا حَتّٰى قَتَلَهُ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ١ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْقَتْلِ بِالْمُثَقَّلِ، وَسَنُبَيِّنُ فِي بَابِ الدِّيَاتِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ٢ وَإِنْ خَنَقَ فِي الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ سَاعِيًا فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَيُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

كِتَابُ السِّيَرِ

١ اَلسِّيَرُ جَمْعُ سِيرَةٍ، وَهِيَ الطَّرِيقَةُ فِي الْأُمُورِ، وَفِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيَرِ النَّبِيِّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -

---

چھا جائے کہ مہینوں تک اس سے گزرنے میں خوف محسوس ہوتا ہو، اور شہر میں اور شہر کے قریب ڈاکہ زنی ہوئی تو پولس کی مدد آجائے گی جس کی وجہ سے مہینوں تک وہاں سے گزرنے سے خوف محسوس نہیں ہوتا اس لیے قطع الطریق اور قطع المارۃ متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔ شہر میں اور شہر کے قریب میں پولس کی مدد جلدی سے آسکتی ہے اس لیے وہاں ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، لیکن حقیقت میں ڈاکہ زنی کی ہے اس لیے اس کو پکڑا جائے گا اور اس سے لوٹے ہوئے مال کو لے کر مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اس کو تعزیر کی جائے گی اور اس کو قید کیا جائے گا، اور اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو شرعی حد تو نافذ نہیں ہوگی، لیکن قصاص لازم ہوگا، اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے کا اور معاف کرنے کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۲) اگر ڈاکو نے کسی آدمی کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ١ یہ بھاری چیز سے قتل کرنے کا مسئلہ ہے جس کو ان شاء اللہ باب الدیات میں ہم بیان کریں گے۔

تشریح: ڈاکو نے گلا گھونٹ کر مارا تو اس پر ڈاکہ زنی کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، لیکن یہ قتل خطاء ہے اس لیے اس کے قریب کے خاندان [جس کو عاقلہ کہتے ہیں] اس پر مقتول کی دیت لازم ہوگی، اس کو ان شاء اللہ کتاب الدیات میں بیان کریں گے۔

ترجمہ: ٢ اور اگر شہر میں کئی مرتبہ قتل کیا تو اس آدمی کو قتل کیا جائے گا اس لیے کہ زمین میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے اس لیے اس کی شرارت کو قتل کے ذریعہ دفع کیا جائے گا۔

تشریح: ابھی اوپر گزرا کہ شہر میں ڈاکہ زنی کرے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اس لیے کسی آدمی نے کئی آدمیوں کو قتل کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا، کیوں کہ وہ شہر میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے، اس لیے قتل کر کے اس کے فساد کو دور کرنا ہوگا۔

لغت: **خنق:** گلا گھونٹنا۔ **مثقل:** بھار چیز، یہاں مراد ہے کہ اتنی بھاری چیز سے مارا کہ آدمی مر گیا۔ **ساعیا:** **سعی** سے مشتق ہے، کوشش کرنا، یہاں مراد ہے فساد پھیلانے میں کوشش کرنا۔

کتاب السیر

ترجمہ: ١ سیر: سیرۃ کی جمع ہے ایک طریقہ کو کہتے ہیں، لیکن شریعت میں جہاد میں حضور کا طریقہ کیا ہوتا تھا اس کو سیرۃ، کہتے ہیں

تشریح: سیر: سار یسیر سے مشتق ہے، لغوی ترجمہ ہے چلنا، اچھی عادت، لیکن شریعت میں یہ ہے کہ جہاد میں حضور ﷺ کی عادت کیا تھی اس کو سیرہ کہتے ہیں۔ اب سیر بولتے ہیں اس بات پر کہ جہاد کب واجب ہوگا۔ کس کے ساتھ واجب ہے۔ اور جہاد میں کفار کے ساتھ کیا معاملہ کریں اس کو سیر کہتے ہیں۔

فِي مَغَازِيهِ. قَالَ (۲۷۳۳)اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ ۱؎ أَمَّا الْفَرْضِيَّةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ} وَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَأَرَادَ بِهِ فَرْضًا بَاقِيًا، ۲؎ وَهُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ؛ لِأَنَّهُ مَا فُرِضَ لِعَيْنِهِ إِذْ هُوَ إِفْسَادٌ فِي نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی۔ اگر کافر مسلمان پر بلہ بول دے تو اس کے مقابلے کے لیے نکلنے کو جہاد دفاعی کہتے ہیں۔ یہ مرد، عورت، غلام سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اپنی جان، مال، عزت کو بچانا ضروری ہے۔ اور عام حالات میں جب کافر مسلمانوں پر دھاوا نہ بولا ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ کچھ لوگ جہاد کریں تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجه: (۱) جہاد کے ثبوت کے لیے بہت سی آیتیں ہیں۔ جہاد دفاعی کے ثبوت کے لیے یہ آیت ہے۔ **اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝** (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ** الخ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ** (آیت ۳۸/ ۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض ہے (۴) حدیث میں ہے۔ **عن انس بن مالک ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ... والجهاد ماض منذ بعثني الله الى ان يقاتل آخر امتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل** (ابو داؤد شریف، **باب في الغزو مع ائمة الجور**، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

ترجمه: (۲۷۳۳) جہاد فرض کفایہ ہے اگر قائم کرلیں لوگوں میں سے ایک جماعت تو ساقط ہو جائے گا باقی سے۔

ترجمه: ۱؎ جہاد فرض ہے اس کے لیے اللہ تعالی کا یہ قول ہے۔ مشرکین سے پورے طور پر جنگ کرو جیسا کہ اس نے پورے طور پر جنگ کی ہے اور حضور ﷺ کا قول جہاد قیامت تک جاری رہنے والا ہے، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ یہ فرض قیامت تک باقی رہے گا۔

تشريح: جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت نے جہاد کرلیا تو باقی سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجه: جہاد فرض ہونے کے لیے کچھ آیتیں پہلے گزر چکی ہیں اور کچھ یہ ہیں جن کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہیں (۱) **وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝** (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) اور صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن انس بن مالک ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ... والجهاد ماض منذ بعثني الله الى ان يقاتل آخر امتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل** (ابو داؤد شریف، **باب في الغزو مع ائمة الجور** ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

ترجمه: ۲؎ جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے اس لیے کہ وہ فرض عین نہیں ہے اس لیے کہ وہ حقیقت میں فساد پیدا کرنا ہے، صرف فرض ہوا ہے دین کو بلند کرنے کے لیے، اور بندوں سے شر دفع ہو، پس بعض کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا تو باقی سے جہاد ساقط ہو جائے گا

فَرْضٌ لِإِعْزَازِ دِيْنِ اللّٰهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ، فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُوْدُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ (۲۷۳۴)فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ لِأَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَى الْكُلِّ، ۲وَلِأَنَّ فِي اشْتِغَالِ الْكُلِّ بِهِ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنَ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ

جیسے جنازے کی نماز، اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

وجه: (۱) آیت میں ہے کہ ایک جماعت پر جہاد فرض ہے۔ آیت یہ ہے۔ **وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ** (آیت ۱۲۲، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت جہاد کے لیے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اقدامی میں سب پر جہاد فرض عین نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ **سمع جابر بن عبد اللہ یقول سمعت النبی ﷺ یقول لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامۃ** (مسلم شریف، **باب نزول عیسی ؑ ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا الخ**۔ ص ۸۷، نمبر ۱۵۶ / ۳۹۵ / ابو داؤد شریف، **باب فی دوام الجہاد**، ص ۳۴۳، نمبر ۲۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ اس ایک جماعت سے اشارہ ہوتا ہے کہ باقی پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے فرض کفایہ ثابت ہوتا ہے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فانفروا** (بخاری شریف، **باب فضل الجہاد و السیر الخ**، ص ۴۹۰، نمبر ۲۷۸۳ / مسلم شریف، **باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام و الجہاد و الخیر الخ**، ص ۸۳۰، نمبر ۱۸۶۴ / ۴۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ جب امیر بلائے تو جہاد میں جاؤ۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ بلائے اس پر جہاد میں جانا فرض نہیں ہے۔ اس سے بھی عام حالات میں فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۴) سب جہاد کرنے چلے جائیں تو گھر کا کام کون کرے گا اور گاؤں والوں کو کون سمجھائے گا۔ اس لیے بھی جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

نوٹ: متن میں یہ کہا کہ جہاد کا مقصد بندوں سے شر کو دفع کرنا ہے، اس لیے اگر نام کی اسلامی حکومت ہو، وہاں مسلمانوں کو اور غیر مسلم کو امن نہ ہو، اور انصاف نہ کیا جاتا ہو صرف اپنے لوگوں کو نوازتے ہوں اور دوسروں پر ظلم کرتے ہوں تو اس کے لیے جہاد کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ جہاد کا مقصد غیر مسلموں کے درمیان امن قائم کرنا تھا اور جب خود ہی امن قائم نہیں کر سکا تو جہاد سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

نوٹ: مسئلہ نمبر ۲۷۴۵ میں آرہا ہے کہ جہاد کا اصلی مقصد دین پھیلانا ہے، مال لوٹنا اور لوگوں کو غلام باندی بنانا نہیں ہے، اس لیے اگر کسی جماعت کا مقصد حکومت قائم کرنا، اور مال جمع کرنا ہو تو اس کے لیے جہاد کے نام پر قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۴) پس اگر کوئی بھی قائم نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ سب پر جہاد واجب تھا۔

تشریح: جہاد سب پر واجب تھا اس لیے سب کے چھوڑنے سے سب پر گناہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اس لیے کہ سب جہاد میں مشغول ہو جائے تو جہاد ہی ختم ہو جائے گا اس لیے کہ گھوڑا کون تیار کرے گا، ہتھیار کون تیار کرے گا اس لیے جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

(۲۷۳۵)إلا أن يكون النفير عاما ۱؎ فحينئذ يصير من فروض الأعيان لقوله تعالى {انفروا خفافا وثقالا} الآية. (۲۷۳۶)وقال في الجامع الصغير: الجهاد واجب إلا أن المسلمين في سعة حتى يحتاج إليهم، ۱؎ فأول هذا الكلام إشارة إلى الوجوب على الكفاية وآخره إلى النفير العام، وهذا لأن المقصود عند ذلك لا يتحصل إلا بإقامة الكل فيفترض على الكل (۲۷۳۷)وقتال الكفار واجب ۱؎ وإن لم يبدءوا للعمومات

تشریح: جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے، سب جہاد میں مشغول ہو جائیں تو گھوڑا کو تیار کون کرے گا، ہتھیار کو تیار کون کرے گا، اور جب کوئی نہیں کرے گا تو خود جہاد ختم ہو جائے گا، اس لیے جہاد فرض کفایہ ہے۔

لغت: **کراع:** گھوڑا وغیرہ۔ **سلاح:** ہتھیار۔

ترجمہ: (۲۷۳۵) مگر عام جنگ ہو جائے تو ہر آدمی پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کا قول ہلکے ہو تب بھی نکلو اور بھاری ہو تب بھی نکلو۔ یعنی تمہارے پاس سواری ہو تب بھی نکلو اور پیدل ہو تب بھی نکلو، فقیر ہو تب بھی نکلو اور دولت مند ہو تب بھی نکلو۔

تشریح: کفار نے مسلمانوں پر ہلا بول دیا تو تو ہر آدمی جنگ کرنا فرض ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہر آدمی پر اپنی جان اور مال کی حفاظت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

وجہ: اس آیت میں ہے کہ ایسے موقع پر ہر آدمی کو نکلنا ضروری ہے صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ **انفروا خفافا و ثقالا و جاهدوا بأموالكم و أنفسكم في سبيل الله ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون** (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹)

ترجمہ: (۲۷۳۶) جامع صغیر میں کہا گیا کہ جہاد واجب ہے مگر یہ کہ مسلمانوں کو گنجائش ہے، یہاں تک کی انکی ضرورت پڑ جائے۔

ترجمہ: ۱؎ **الجهاد واجب الا ان المسلمين في سعة حتى يحتاج اليهم** اس عبارت کے شروع سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، اور آخری لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر آدمی کو نکلنا پڑے گا، اس لیے اس کا مقصد نہیں پورا ہوگا گر یہ کہ ہر آدمی پر فرض ہو۔

تشریح: **الجهاد واجب الا ان المسمين في سعة** سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد واتو ہے، لیکن مسلمانوں کو اس میں نہ جانے کی بھی گنجائش بھی ہے، اس لیے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ **حتى يحتاج اليهم** سے پتہ چلا کہ اگر مسلمانوں کی ضرورت پڑ جائے یعنی کافر ہلہ بول دے تو پھر ہر ایک پر واجب ہو جائے گا۔

لغت: **النفير العام:** کوچ کرنے کا عام اعلان ہو جائے۔

ترجمہ: (۲۷۳۷) کفار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ابتدا نہ کریں۔

ترجمہ: ۱؎ عام آیت کی وجہ سے۔

تشریح: کفار جنگ کی ابتدا نہ بھی کریں تب بھی کفر سے قتال واجب ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ **فإن تولوا فخذوهم و اقتلوهم حيث وجدتموهم و لا تتخذوا منهم وليا و لا نصيرا** (آیت ۸۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کفر پشت پھیر کر بھاگ جائیں تب بھی ان کو پکڑو اور قتل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ

(۲۷۳۸) وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى الصَّبِيِّ؛ لِأَنَّ الصَّبِيَّ مَظِنَّةُ الْمَرْحَمَةِ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ التَّقَدُّمُ حَقُّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ لِعَجْزِهِمْ،

پشت پھیر کر بھاگ گئے تو اب وہ قتال نہیں کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتال نہ کرے تب بھی ان سے جہاد کرنا واجب ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جس طرح کفار تمہارے ساتھ قتال کرتے رہے تھے تم بھی سب کفار سے قتال کرو۔ اور کفار ابھی ہیں اس لیے قتال بھی کرنا ہوگا چاہے وہ قتال نہ کریں (۳) حدیث میں ہے کہ مدینہ کے یہود نے سازباز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضور ﷺ اس کی طرف چلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ انه قال بينا نحن في المسجد اذ خرج الينا رسول الله ﷺ فقال انطلقوا الى يهود فخرجنا معه حتى جئناهم فقال رسول الله ﷺ فناداهم فقال يا معشر يهود اسلموا تسلموا ... واني اريد ان اجليكم من هذه الارض** (ابو داؤد شریف، **باب كيف كان اخراج اليهود من المدينة:** ۲/۶۶ نمبر ۳۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ انہوں نے ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر قتال شروع کئے بھی جہاد کیا جا سکتا ہے۔

لغت: يبدأ: بدء سے مشتق ہے شروع کرنا۔

ترجمہ: (۲۷۳۸) واجب نہیں ہے جہاد بچے پر [اس لیے کہ وہ رحم کی جگہ پر ہیں] اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر [اس لیے کہ آقا اور شوہر کا حق مقدم ہے] اور نہ نابینا پر اور نہ اپاہج پر اور نہ لولے پر۔

وجہ: (۱) یہ لوگ جہاد کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں (۲) بچے کے بارے میں بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ **عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل** (ابو داؤد شریف، **باب في المجنون يسرق او يصيب حدا،** ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۳) جب بچوں سے قلم اٹھالیا گیا اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے جہاد میں جانا بھی چاہا تو نہیں جانے دیا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ عرضه يوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم يجزه وعرضه يوم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة فاجازه** (بخاری شریف، **باب غزوة الخندق وهي الاحزاب،** ص ۵۸۸ نمبر ۴۰۹۷ / ابو داؤد شریف، **باب الغلام يصيب الحد،** ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث میں پندرہ سال سے پہلے بچے کو جہاد میں جانے سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

غلام پر جہاد واجب نہیں ہے۔

وجہ: (۱) وہ تو آقا کے حکم کے تحت ہے۔ اس لیے اس کی اجازت کے بغیر جمعہ میں بھی نہیں جا سکتا تو جہاد میں کیسے جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن الحارث بن عبد الله بن ابی ربيعة ان رسول الله ﷺ كان في بعض مغازيه فمر باناس من مزينة فاتبعه عبد لامرأة منهم فلما كان في بعض الطريق سلم عليه فقال فلان؟ قال نعم قال ما شأنك؟ قال اجاهد معك، قال أذنت لك سيدتك؟ قال لا، قال ارجع اليها فاخبرها فان مثلك مثل عبد لا يصلي ان مت قبل ان ترجع اليها** الخ۔ (مستدرک

(۲۷۳۹) فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ

للحاکم، کتاب الجهاد: ۲/۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳/ **سنن للبیهقی، باب من لا یجب علیه الجهاد:** ۹/۳۹، نمبر ۱۷۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے۔ البتہ آقا کی اجازت سے جاسکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہجرت کے لیے بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کہتے تھے تو جہاد کے لیے کیسے کہیں گے۔ **عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی ﷺ علی الهجرة و لا یشعر النبی ﷺ انه عبد فجاء سیده یریده فقال النبی ﷺ بعنیه فاشتراه بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدا حتی یسأله اعبد هو** (نسائی شریف، باب **بیعة الممالیک**، ص ۵۸۴، نمبر ۴۱۸۹/ ابن ماجہ شریف، **باب البیعة**، ص ۴۱۵، نمبر ۲۸۶۹) جب ہجرت پر بیعت نہیں لیتے تو جہاد پر بیعت کیسے لیں گے۔ اس لیے اس پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے، ہاں انفیر عام ہوجائے تو اس پر بھی دفاعی جہاد فرض ہوگا۔

عورت پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة ام المومنین قالت استأذنت النبی ﷺ فی الجهاد فقال جهادکن الحج** (بخاری شریف، **باب جهاد النساء**، ص، نمبر ۲۸۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے بلکہ اس کا جہاد حج کرنا ہے۔ (۲) البتہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہوسکتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **عن الربیع بنت معوذ قالت کنا مع النبی ﷺ نسقی و نداوی الجرحی و نرد القتلی** (بخاری شریف، **باب مداواة النساء الجرحی فی الغزو**، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مریضوں کو پانی پلاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مقتول کے پاس آکر تیمار داری کرتی تھیں۔ عورتیں آج بھی ایسا کرسکتی ہیں۔

نابینا، اپاہج اور لولے پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط** (آیت ۹۱، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کمزور، بیمار اور جو خرچ کرنے کا مال نہیں رکھتا ہے ان پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جہاد نہیں ہے۔ (۲) آیت میں ہے۔ **لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ط** (آیت ۱۷، سورۃ الفتح ۴۸) (۳) دوسری آیت میں ہے۔ **لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ط** (آیت ۹۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا کہ جس کو ضرر ہو اور اپاہج ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے (۴) حدیث میں ہے۔ **فاتی عمرو بن الجموح رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ ان بنی هؤلاء یمنعون ان اخرج معک و الله انی لارجو ان استشهد فأطأ بعرجتی هذه فی الجنة فقال له رسول الله ﷺ اما انت فقد وضع الله عنک الجهاد** (سنن للبیهقی، باب من اعتذر بالضعف و المرض و الزمانة و العذر فی ترک الجهاد: ۹/۴۲، نمبر ۱۷۸۲۱) اس حدیث میں ہے کہ معذور پر جہاد نہیں ہے۔

لغت: تقعد: عقد سے مشتق ہے۔ جو بیٹھا ہوا ہو یعنی اپاہج، **القطع:** قطع سے مشتق ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یعنی لولا۔

ترجمہ: (۲۷۳۹) پس اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے۔ نکلے گی بیوی اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلَى لِـ لِأَنَّهُ صَارَ فَرْضَ عَيْنٍ، وَمِلْكُ الْيَمِينِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِي الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، بِخِلَافِ مَاقَبْلَ النَّفِيرِ؛ لِأَنَّ بِغَيْرِهِمَا مَقْنَعًا فَلَاضَرُورَةَ إِلَى إِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ (۲۷۴۰)وَيُكْرَهُ الْجُعْلُ مَا دَامَ لِلْمُسْلِمِينَ فَيْءٌ لِـ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْأَجْرَ، وَلَا ضَرُورَةَ إِلَيْهِ؛ لِأَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدٌّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: لِـ اس لیے کہ فرض عین ہو گیا اور ملک یمین اور ملک نکاح کا رشتہ فرض عین کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا جیسے نماز اور روزہ میں، بخلاف عام علان سے پہلے اس لیے کہ ان دونوں کے بغیر بھی جہاد ہو سکتا ہے اس لیے آقا اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: کافر دشمن کسی شہر پر چڑھ آیا، اس وقت اس شہر والوں پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور عام مسلمانوں پر بھی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ اس کے لیے عورت بغیر شوہر کی اجازت کے اور غلام بغیر آقا کی اجازت کے جہاد کے لیے نکل سکتے ہیں۔

وجہ: (۱) آیت میں نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ (آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) جب جنگ عام ہو جائے ایسے موقع پر نہ نکلنے پر ان آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ (آیت ۱۲۰، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں میں بھی جہاد کے لیے نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے (۴) حدیث میں ہے کہ ہنگامی حالات میں امہات المومنین جہاد کے لیے نکلیں۔ **عن انس ؓ قال لما کان یوم احد انہزم الناس عن النبی ﷺ قال و لقد رأیت عائشة بنت ابی بکر و ام سلیم و انہما لمشمرتان اری خدم سوقہما تنقزان القرب و قال غیرہ تنقلان القرب علی متونہما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملآنہا ثم تجیئان فتفرغانہ فی افواہ القوم** (بخاری شریف، **باب غزو النساء وقتالہن مع الرجال**، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۰/مسلم شریف، **باب غزوۃ النساء مع الرجال**، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۱/۴۶۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ جہاد میں شریک ہوئیں اور صحابہ کی تیارداری کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴۰) بیت المال میں جب تک کچھ مال ہو تو مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: لِـ اس لیے کہ یہ اجرت کے مشابہ ہے، اور اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ بیت المال کا مال تو اسی لیے ہے کہ حادثے کے وقت کام آئے۔

تشریح: بیت المال میں مال موجود ہو اور لوگوں کو جہاد میں جانا ہو تو ایسے وقت میں مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ بیت المال کا مال ایسے حادثے میں کام آنے کے لیے ہے اور جب اس میں مال موجود ہے تو جہاد میں جانے کے لیے عام مسلمانوں سے

(۲۷۴۱)فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَوِّيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ﴿۱﴾لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِإِلْحَاقِ الْأَدْنَى، يُؤَيِّدُهُ «أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَخَذَ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ» وَعُمَرُ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – كَانَ يُغْزِي الْأَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيلَةِ، وَيُعْطِي الشَّاخِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ.

بَابُ كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ

(۲۷۴۲)وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ لِمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا – أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَا قَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴۱) اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو ایک دوسرے کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ﴿۱﴾ اس لیے کہ اس میں ادنی نقصان کے بدلے میں اعلی نقصان کو دفع کرنا ہے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے حضور ﷺ نے حضرت صفوانؓ سے کچھ زرہ جہاد کے لیے لیے، اور شادی شدہ کی جانب سے بغیر شادی شدہ کو حضرت عمرؓ جہاد میں بھیجتے تھے، اور گھر میں بیٹھنے والے کا گھوڑا جہاد میں جانے والے کو دیا کرتے تھے۔

تشریح: اگر بیت المال میں مال نہیں ہے، یا جہاد کے اخراجات سے کم ہے تو مالداروں سے مال لے کر غریبوں کو دیکر اس کو جہاد میں بھیجا جا سکتا ہے، کیوں کہ لوگوں سے لینا ادنی کراہیت ہے اور کافروں کے شر کو دفع کرنا یہ اعلی ہے اس لیے ادنی کو برداشت کر کے اعلی کو دفع کیا جا سکتا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے، جس میں حضور ﷺ نے صفوان بن امیہ سے جہاد کے لیے زرہ لی تھی۔ **عن امية بن صفوان عن ابيه ان رسول الله ﷺ استعار منه أدرعا يوم حنين فقال أغصب يا محمد؟ فقال لا بل عارية مضمونة** (ابوداود شریف، **باب فی تضمين العارية**، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۶۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے جہاد کے لیے زرہ لیں۔ (۲) حضرت عمر شادی شدہ سے مال لے کر غیر شادی شدہ کو دیتے تھے اور اس کو جہاد میں بھیجتے تھے، عمل صحابی یہ ہے۔ جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **قال كان عمر يغزى العزب و يأخذ فرس المقيم فيعطيه المسافر** (**مصنف ابن ابی شیبة، باب ماقالوا فی العزب يغزی و يترک الزوج**: ۶/۴۷۸، نمبر ۳۳۰۴۱) اس عمل صحابی میں ہے کہ غیر شادی شدہ کو دوسروں کی جانب سے جہاد میں بھیجتے تھے۔

لغت: يقوی بعضهم بعضا: بعض آدمی دوسرے کی مدد کرے، قوی بنائے۔ **يغزی:** غزوہ میں بھیجتے تھے۔ **اعزب:** غیر شادی شدہ۔ **ذی الحليلة،** حلیل کا ترجمہ ہے بیوی، **ذی الحليلة:** بیوی والا۔ **الشاخص:** اس فاعل کا صیغہ ہے اوپر کو چڑھنا، یہاں مراد دشمن کی طرف جانا۔ **قاعد:** بیٹھنے والا، یعنی ایسا آدمی جو جہاد میں نہ جا سکتا ہو۔

باب كيفية القتال

ترجمہ: (۲۷۴۲) اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کر لیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ [کیوں کہ عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ جب تک اسلام کی طرف نہیں بلایا حضور ﷺ نے کسی قوم سے جنگ نہیں کی]۔ پس اگر وہ مان لیں تو ان

قَالَ فَإِنْ أَجَابُوا كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ لِـ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَقَدْ قَالَ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَدِيثَ. (۲۷۴۳)وَإِنِ امْتَنَعُوا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ لِـ بِهِ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أُمَرَاءَ الْجُيُوشِ،

کے قتل کرنے سے رک جائیں۔

ترجمہ: لِـ مقصد کے حاصل ہونے کی وجہ سے، چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں سے اس وقت قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ۔ لا الہ الا اللہ۔ کہیں۔

ترجمہ: کفار سے قتال کرنے کا مقصد مسلمان بنانا ہے اس لیے اگر وہ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں تو قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن ابن عباس قال ما قاتل رسول اللہ ﷺ قوما حتی دعاھم** (مستدرک حاکم، **کتاب الایمان:** ۱/ ۶۱ نمبر ۷۳/ مسند احمد، **باب مسند ابن عباس:** ۱/ ۳۹۰ نمبر ۲۱۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (۲) دوسری حدیث میں تفصیل ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن سلیمان بن بریدہ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش... و اذا لقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصال او خلال۔ فایتھن ما اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم ثم ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم... فان ھم ابوا فسلھم الجزیۃ، فان ھم اجابوک فاقبل منھم و کف عنھم، فان ھم ابوا فاستعن باللہ و قاتلھم** (مسلم شریف، **باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا**، ص: ۲/ ۸۲ نمبر ۱۷۳۱/ ۴۵۲۱/ ابوداؤد شریف، **باب فی دعاء المشرکین**، ص ۳۶۱ نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تب جزیہ کی پیشکش کرو۔ اس کو نہ مانے تب قتال کرو۔ (۳) اسلام قبول کر لے تو قتال سے رک جائے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔ فاذا قالوھا و صلوا صلاتنا و استقبلوا قبلتنا و ذبحوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دماؤھم و اموالھم الا بحقھا و حسابھم علی اللہ** (بخاری شریف، **باب فضل استقبال القبلۃ**، ص ۵۶ نمبر ۳۹۲/ مسلم شریف، **باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ**، ص ۳۷، نمبر ۲۰/ ۱۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام لے آئے تو اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔

لغت: حصن: محفوظ جگہ، قلعہ۔ **اجابوا** قبول کر لے۔ **کف:** رک جائے۔

ترجمہ: (۲۷۴۳) اگر وہ رک جائیں تو بلائیں ان کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف۔

ترجمہ: لِـ لشکر کے امیروں کو حضور ﷺ نے یہی حکم دیا کرتے تھے۔

تشریح: اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دینے کے لیے کہیں۔ کیوں کہ حضور ﷺ لشکر کے امیروں کو یہی حکم دیا کرتے تھے

وجہ: (۱) جزیہ کی طرف بلانے کی دلیل اوپر کی حدیث میں تھی اور یہ بھی ہے کہ وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے قتال روک دیا جائے گا۔

٢ولأنه أحد ما ينتهي به القتال على ما نطق به النص، ٣وهذا في حق من يقبل منه الجزية، ومن لا تقبل منه كالمرتدين وعبدة الأوثان من العرب لا فائدة في دعائهم إلى قبول الجزية لأنه لا يقبل منهم إلا الإسلام، قال الله تعالى [تقاتلونهم أو يسلمون] (۲۷۴۴)فإن بذلوها فلهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين ١لقول علي – رضي الله عنه –: إنما بذلوا الجزية ليكون دماؤهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا،

حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه... فان هم ابوا فسلهم الجزية، فان هم اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ: ۲/ ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ ۴۵۲۱/ ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ اسلام نہ لائے تو جزیہ کی طرف بلاؤ۔ اور یہ کر لے تو ان سے جنگ روک دو (۲) آیت میں ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾ (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔

ترجمہ: ٢ جزیہ بھی ایک طریقہ ہے جس سے قتال رک جائے گا، جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ۔ آیت سے پتہ چلا کہ قتال رکنے کے لیے جزیہ بھی ایک طریقہ ہے، جیسے اسلام قبول کرنا جنگ بند ہونے کے لیے ایک طریقہ ہے۔

ترجمہ: ٣ جزیہ کی طرف بلانا ان لوگوں کے لیے ہے جس سے جزیہ قبول کیا جاتا ہو، اور جس سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا ہو جیسے مرتد، اور عرب کے بت پرست تو انکو جزیہ کی طرف بلانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لیے ان دونوں کے لیے اسلام کے علاوہ کچھ قبول نہیں ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ (آیت ۱۶، سورۃ الفتح ۴۸)

تشریح: عرب کے جو بت پرست ہیں اور جو مرتد ہیں، ان کے لیے ایک ہی صورت ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار رہیں، ان کے لیے جزیہ ادا کرنا نہیں ہے، اس لیے انکو جزیہ کی طرف بلانا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴۴) پس اگر وہ جزیہ دیدیں تو ان کے لیے وہ ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔ اور ان پر وہ ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔

ترجمہ: ١ حضرت علیؓ کے قول کی وجہ سے کہ ذمی جزیہ اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائے، اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہو جائے۔

تشریح: اگر وہ جزیہ دینا منظور کر لیں تو ان کا خون، جان، مال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور جو حقوق مسلمانوں کو ملتے ہیں وہی حقوق ان کو بھی ملیں گے۔ اور غلطیوں کی جو سزائیں مسلمانوں کو دی جاتی ہیں وہی سزائیں ان کو بھی دی جائیں گی۔ گویا کہ معاملات میں وہ مسلمان کی طرح ہو گئے۔

وجہ: (۱) کفار جزیہ دینے لگیں تو اس کا حق مسلمانوں کی طرح ہے اس کی دلیل یہ حضرت علیؓ کا قول ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا

ع والمُرادُ بالبَذلِ القَبولُ وَكَذَا المُرادُ بِالإعطاءِ المَذكُورِ فِيهِ فِي القُرآنِ، وَاللهُ أَعلَمُ (۲۷۴۵) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتَلَ مَنْ لَمْ تَبلُغهُ الدَّعوَةُ إِلَى الإِسلامِ إِلَّا أَنْ يَدعُوهُ لِ لِقَولِهِ - عَلَيهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ - فِي وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الأَجنَادِ فَادعُهُم إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَلِأَنَّهُم بِالدَّعوَةِ يَعلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُم عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الأَموَالِ وَسَبيِ الذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُم يُجِيبُونَ فَنُكفَى مُؤنَةَ القِتَالِ،

ہے۔ قال علی رضی اللہ عنہ من كانت له ذمتنا فدمه كدمنا (دار قطنی، كتاب الحدود والديات: ۳/۱۰۷، نمبر ۳۲۶۷) اس اثر میں ہے کہ جو ہماری ذمیت میں آجائے تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہو جائے گا یعنی اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔ (۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال دية ذمي دية مسلم (دار قطنی، كتاب الحدود والديات: ۳/۱۰۶، نمبر ۳۲۵۸) کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے، یعنی ان کی جان اور مال محفوظ ہے۔

لغت: بذل: خرچ کرے۔

ترجمہ: ع متن میں بذل سے مراد جزیہ دینا قبول کرنا ہے، اسی طرح آیت میں جو اعطوا لفظ ہے اس سے بھی مراد قبول کرنا ہے۔

تشریح: ایک ہے جزیہ ادا کرنا یہ مرحلہ بعد میں آتا ہے، اور دوسرا ہے جزیہ دینے کو قبول کرنا، یہ پہلا مرحلہ ہے، اسی پہلے مرحلے پر قتال بند کر دی جائے گی، اور متن میں جو بذل کا لفظ ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جزیہ دینے کو قبول کر لیا، اور آیت میں جو یعطوا ہے اس کا مطلب بھی ہے کہ جزیہ دینا قبول کر لے۔ آیت یہ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (آیت ۲۹، سورة التوبة ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔ یعنی جزیہ دینا قبول کر لیں۔

ترجمہ: (۲۷۴۵) اور نہیں جائز ہے کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ کہ اس کو دعوت دے۔

ترجمہ: لِ لشکر کو وصیت کرنے میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ کفار کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف بلاؤ، اور اس وجہ سے بھی کہ دعوت سے وہ جان لیں گے ہم دین پھیلانے کے لیے قتال کر رہے ہیں مال لینے اور بچوں کو قیدی بنانے کے لیے نہیں، تو شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے اور جنگ نہ کرنا پڑے۔

تشریح: جن کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دیئے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ جب تک دعوت نہ دے لیتے کفار سے قتال شروع نہ کرتے۔ اس لیے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کو بھی پتا چل جائے کہ ہم اسلام کو عام کرنے کے لیے جہاد کر رہے ہیں۔ مال لوٹنے اور لوگوں کو غلام باندی بنانے کے لیے جہاد نہیں کر رہے ہیں (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ عن سليمان بن بريدة عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ اذا امر اميرا على جيش... واذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى ثلاث خصال او خلال۔ فايتهن ما اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم الى الاسلام فان اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم۔ (مسلم شریف، باب تامير الامام الامراء على البعوث ووصية اياهم بآداب الغزو وغيرها: ۲/ ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ ۴۵۲۱/ ابوداؤد شریف، باب فی دعاء

ﻟ لَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ، وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّيْنُ أَوْ الْإِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ (۲۷۴۶)وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ ﻟ مُبَالَغَةً فِي الْإِنْذَارِ، وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ . وَعَهِدَ إِلَى أُسَامَةَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – أَنْ يُغِيرَ عَلَى أُبْنَى صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقَ وَالْغَارَةُ لَا تَكُوْنُ بِدَعْوَةٍ.

المشركين، ص ۶۱ ۳، نمبر ۲۶۱۲) (۳) ایک اور حدیث گزری۔ **عن ابن عباس ؓ قال ما قاتل رسول اللہ ﷺ قوما حتی دعاھم** (مستدرک حاکم، **کتاب الایمان**: ۱/ ۶۱ نمبر ۴۷ /مسند احمد، باب مسند عبد اللہ ابن عباسؓ: ۱/ ۳۹۰ نمبر ۲۱۰۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دینے سے پہلے قتال نہ کرے۔

لغت: امراء الاجناد: اجناد: جند کی جمع ہے، لشکر کے امیر۔ **سلب الاموال**: سلب کا ترجمہ ہے چھین لینا، **سلب الاموال**: مال چھین لینا۔ **سبی الذراری: ذراری: ذریۃ** سے مشتق ہے، بچے اور عورتیں، **سبی الذراری**: بچے اور عورتوں کو غلام باندی بنانا۔ **تکفی مونۃ القتال: مونۃ**: خرچ، جنگ کے خرچ کو کافی ہو جائے، یعنی جنگ نہ کرنی پڑے۔

ترجمہ: ﻟ کفار کو دعوت دینے سے پہلے ہی اس سے جنگ کر لی تو حدیث میں منع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، لیکن قتل کرنے والے پر کفار کے قتل کا تاوان نہیں ہے اس لیے کہ اس کی جان کی حفاظت کی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اسلام ہونا، یا دار الاسلام ہونا، تو ایسا ہو گیا کہ اس کی عورتوں کو اور بچوں کو قتل کر دیا ہو۔

تشریح: بہتر تو یہ تھا کہ کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دیتا، اور وہ نہ مانتا تب جنگ شروع کرتے، لیکن اس کو دعوت دینے سے پہلے ہی قتال شروع کر دیا تو حدیث میں چونکہ منع کیا ہے اس لیے گناہ گار ہوگا، لیکن کفار کے قتل کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: دو وجہ سے جان محفوظ ہوتی ہے، اور اس کا تاوان لازم ہوتا ہے، یا تو مسلمان ہو، یا ذمی بن کر دار الاسلام میں ہو، اور یہ حربی نہ مسلمان ہے اور نہ دار الاسلام میں ذمی ہے بلکہ یہ حربی ہے اور مسلمان کے ساتھ جنگ کرنے آیا ہے اس لیے اس کی جان محفوظ نہیں ہے اس لیے اس کا تاوان بھی قاتل پر نہیں ہے، جیسے ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کر دیا تو اس کا تاوان قاتل پر نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی تاوان نہیں ہے۔

لغت: غرامۃ: تاوان۔ **عاصم: عصمۃ** سے مشتق ہے، حفاظت کی چیز۔ **احراز**: حرز سے مشتق ہے، حفاظت کرنے والی چیز، **احراز بالدار**: دار الاسلام سے حفاظت۔

ترجمہ: (۲۷۴۶) اور مستحب ہے کہ جس کو دعوت پہنچی ہو اس کو بھی دعوت دے اسلام کی لیکن واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ﻟ ڈرانے میں مبالغہ کے لیے، لیکن یہ واجب نہیں ہے کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے بنی مصطلق پر صبح کے وقت چھاپہ مارا اور وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، اور حضرت اسامہ سے عہد لیا تھا کہ ابنی پر صبح کے وقت چھاپہ مارے پھر اس کو جلا دے، اور صبح کے وقت چھاپہ مارنا بغیر دعوت کے ہی ہو سکتا ہے۔

تشریح: جن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو مستحب ہے کہ قتال سے پہلے ان کو دوبارہ دعوت دے۔ لیکن چونکہ دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے

قَالَ (۲۷۴۷)فَإِنْ أَبَوْا ذَلِكَ اسْتَعَانُوا بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوهُمْ ۱لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ فَإِنْ أَبَوْا ذَلِكَ فَادْعُهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ، إِلَى أَنْ قَالَ: فَإِنْ أَبَوْهَا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَلِأَنَّهُ تَعَالَى هُوَ النَّاصِرُ لِأَوْلِيَائِهِ وَالْمُدَمِّرُ عَلَى أَعْدَائِهِ فَيُسْتَعَانُ بِهِ فِي كُلِّ الْأُمُورِ. قَالَ (۲۷۴۸)وَنَصَبُوا عَلَيْهِمْ الْمَجَانِيقَ ۱كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللّٰهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - عَلَى الطَّائِفِ

دوبارہ دعوت دیناواجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **کتبت الی نافع فکتب الی ان النبی ﷺ اغار علی بنی المصطلق وھم غارون وانعامھم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتھم وسبی ذراریھم واصاب یومئذ جویریۃ** (بخاری شریف، باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وجامع وفدی وسبی الذریۃ، ص۴۳۵، نمبر ۲۵۴۱) اس حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا کیوں کہ انہوں نے مسلمانوں پر غارت گری کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ دعوت دیناضروری نہیں ہے (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ **فحدثنی اسامۃ ان رسول اللہ ﷺ کان عھد الیہ فقال أغر علی ابنیٰ صباحا وحرق۔** (ابوداود شریف، باب فی الحرق فی بلاد العدو، ص۳۷۸، نمبر ۲۶۱۶/ ابن ماجہ شریف، التحریق بارض العدو، ص۴۱۰، نمبر ۲۸۴۳) اس حدیث میں ہے کہ صبح کے وقت چھاپہ مارو۔ س کا حاصل یہ ہے کہ اس کو دوبارہ اسلام کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت: **بنی مصطلق:** قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے: **ابنی حبلی** کے وزن پر فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ **غارون:** غافل تھے، **الغارۃ:** **غر** سے مشتق ہے، دھوکا دینا، صبح کے وقت چھاپہ مارنا۔

ترجمه: (۲۷۴۷) پس اگر انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں۔

تشریح: جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

ترجمه: ۱ اس لیے کہ سلیمان بن بریدہ والی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کفار اسلام لانے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی طرف بلائیں، بعد میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں اور ان سے قتال کریں، اس لیے کہ اللہ ہی اپنے ولی کا مددگار ہے اور ان کے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے، اس لیے ہر معاملے میں اللہ ہی سے مدد مانگے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن سلیمان بن بریدہ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش... فان ھم ابوا فسلھم الجزیۃ فان ھم اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم، فان ھم ابوا فاستعن باللہ وقاتلھم** (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا: ۲/ ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ ۴۵۲۱/ ابوداود شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگے، اور اس سے قتال کرے۔ (۲) اس آیت میں ہے کہ اللہ ہی مدد مانگے۔ **وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ۖ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ** (آیت ۷۸، سورۃ الحج ۲۲)

ترجمه: (۲۷۴۸) اور ان پر منجنیق لگائیں۔

ترجمه: ۱ جیسے کہ حضور ﷺ نے طائف والوں پر منجنیق نصب کیا۔

(۲۷۴۹)وحرقوهم ل لأنه - عليه الصلاة والسلام - أحرق البويرة. قال (۲۷۵۰)وأرسلوا عليهم الماء وقطعوا أشجارهم وأفسدوا زروعهم ل لأن في جميع ذلك إلحاق الكبت والغيظ بهم وكسرة شوكتهم وتفريق جمعهم فيكون مشروعا،

تشریح: قتال کرنے کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار پر منجنیق نصب کریں، یہ اس زمانے میں اعلی ہتھیار تھا، آج کے زمانے میں بم گرانا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی عبیدۃ ان رسول اللہ ﷺ حاصر اهل الطائف ونصب عليهم المنجنيق سبعة عشر يوما** (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر حرق المنازل: ۹/ ۱۴۴ نمبر ۱۸۱۲۰/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاخذ من اللحیۃ ص ۶۲۵، نمبر ۲۷۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پر منجنیق نصب کرے۔

ترجمہ: (۲۷۴۹) ، ان کے گھروں کو آگ لگا دیں،

ترجمہ: ل جیسا کہ حضور ﷺ نے بویرہ والوں کو جلایا تھا۔

وجہ: جلانے کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال حرق رسول اللہ ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وھی البویرۃ فنزل ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليخزي الفسقين** (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹/ بخاری شریف، **باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین**، ص ۶۷۴، نمبر ۴۰۳۱/ مسلم شریف، **باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقھا**: ۲/ ۸۵، نمبر ۱۷۴۶/ ۴۵۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے گھروں کو جلا سکتے ہیں۔ اور اس کے درختوں کو کاٹ سکتے ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو۔ اس حدیث میں درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے کی بھی دلیل ہے۔۔ بویرہ: بنی نضیر کے باغات میں سے ایک باغ کا نام ہے۔

ترجمہ: (۲۷۵۰) اور ان کفار پر گرم پانی چھوڑیں، اور ان کے درختوں کو کاٹ دیں، اور ان کی کھیتی کو برباد کر دیں۔

ترجمہ: ل اس لیے کہ ان سب کی وجہ سے، اس کی ذلت ہوگی، اور انکو غصہ دلانا ہوگا اور ان کی شوکت کو توڑنا ہے اور ان کی اجتماعیت کو منتشر کرنا ہے اس لیے یہ سب کام مشروع ہوگا۔

تشریح: عام حالات میں یہ سب چیزیں جائز نہیں ہیں، لیکن جن چیزوں سے کفار مغلوب ہو جائیں جنگ میں ان کا کرنا مشروع ہے، مثلا قتال کے وقت اس پر گرم پانی چھوڑنا، اس کی کھیتی کو برباد کرنا، ان کے درختوں کو کاٹنا، یہ سب مشروع ہوگا۔

وجہ: کفار پر پانی چھوڑے یا اس کا پانی بند کرے اس کے لیے یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اغور ماء آبار بلدر** (سنن للبیہقی، **باب قطع الشجر وحرق المنازل**: ۹/ ۱۴۵، نمبر ۱۸۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا پانی بند کرے اور ضرورت پڑے تو گرم پانی اس پر ڈالے تا کہ میدان جنگ سے بھاگ جائے۔

یہ سب کام ضرورت پڑنے پر کرے ورنہ اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے پھل دار درختوں کو نہ کاٹے اور نہ کھیتیوں کو برباد کرے۔

وجہ: (۱) حضرت ابوبکرؓ کی وصیت میں ہے۔ **ان ابا بکر لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان وعمرو بن العاص**

(۲۷۵۱) وَلَابَأْسَ بِرَمْيِهِمْ، وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ ‌ا لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ، وَلِأَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُو حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ، فَلَوِ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَانْسَدَّ بَابُهُ

(۲۷۵۲) وَإِنْ تَتَرَّسُوا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأَسَارَى لَمْ يَكُفُّوا عَنْ رَمْيِهِمْ لِمَا بَيَّنَّاهُ وَيَقْصِدُونَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ

وشرحبيل بن حسنة ـــ وان هم ابوا فاستعينوا بالله عليهم فقاتلوهم ان شاء الله ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بيعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فى الصوامع فدعوهم وما حبسوا انفسهم له وستجدون آخرين اتخذوا الشيطان فى رؤوسهم افحاصا فاذا وجدتم اولئك فاضربوا اعناقهم ان شاء الله (سنن للبيهقی، باب من اختار الكف عن القطع والتحريق اذا كان الاغلب انها ستصير دار اسلام او دار عهد: ۹/۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵ / مؤطا امام مالک، باب النهی عن قتل النساء والولدان فی الغزو ص ۴۶۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من ينهى عن قتله فی دار الحرب، ج سادس، ص ۴۸۷، نمبر ۳۳۱۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت نہ پھل دار درخت کاٹے اور نہ کھیتی اجاڑے۔

لغت: مجانیق: منجنیق کی جمع ہے، پچھلے زمانے میں گولہ پھینکنے کا آلہ تھا اس کو میزائل کہنے لگے ہیں، **ارسل:** چھوڑنا، پھینکنا۔ **کبت:** ذلت۔ **غیظ:** غصہ۔ **کسر:** توڑنا۔ **تفرق جمعھم:** اس کی اجتماعیت کو منتشر کردے۔

ترجمہ: (۲۷۵۱) اور کوئی حرج نہیں ہے ان پر تیر چلانے میں اگر چہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں۔

تشریح: مسلمان قیدیوں یا تاجروں کو کفار نے پکڑلیا اور ان کو آگے کر دیا تا کہ مسلمانوں کا تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگے اور کفار بچ جائیں، ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر یا بندوق برسائے اور اس میں کفار کو مارنے کا ارادہ کرے۔ تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مر جائیں تو گناہ نہیں ہے کیوں کہ ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری کی وجہ سے ان پر تیر لگا ہے۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ تیر پھینکنے میں عام نقصان کو دور کرنا ہے، یعنی اسلام کی بڑی جماعت سے دفعیہ کرنا ہے، اور قیدی اور تاجر کو قتل کرنا خاص نقصان ہے، اور اس لیے کہ بہت کم قلعہ ہوگا جو مسلمان سے خالی ہوگا، اگر اس کا اعتبار کرتے ہوئے تیر پھینکنے سے رک جائیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

تشریح: کفار پر تیر پھینکنے سے یہ ہوگا ایک دو مسلمان قیدی، یا ایک دو مسلمان تاجر مر جائے گا، لیکن اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان کی بڑی جماعت کی جانب سے دفاع ہو جائے گا، اور یہ عام فائدہ ہے اس لیے عام فائدے کے لیے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت کم قلعہ ہے جس میں ایک دو قیدی نہ ہوں، پس اگر اس کی رعایت کرتے ہوئے تیر نہ پھینکیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، اس لیے تیر پھینکنا جائز ہوگا۔

لغت: ذب: دفعیہ کرنا۔ **بیضۃ:** عام جماعت۔ **حصن:** قلعہ۔ **انسد:** سد سے مشتق ہے، بند ہو جائے گا

ترجمہ: (۲۷۵۲) اور اگر وہ ڈھال کی طرح کرلیں مسلمان کے بچوں کو یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے۔ اور تیر مارنے کا ارادہ کریں کفار کو نہ کہ مسلمانوں کو۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو لیکن وہ درمیان میں آجائیں اور مقتول ہو جائیں تو گناہ نہیں ہے البتہ ارادہ

۱؎ لِأَنَّهُ إِنْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ فِعْلًا فَلَقَدْ أَمْكَنَ قَصْدًا، وَالطَّاعَةُ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ، ۲؎ وَمَا أَصَابُوهُ مِنْهُمْ لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّ الْجِهَادَ فَرْضٌ وَالْغَرَامَاتُ لَا تُقْرَنُ بِالْفُرُوضِ. بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ لِأَنَّهُ لَا يَمْتَنِعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءِ نَفْسِهِ. أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلَى إِتْلَافِ النَّفْسِ فَيَمْتَنِعُ حِذَارَ الضَّمَانِ

کر کے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن الصعب بن جثامة** رضی اللہ عنہ **قال مر بی النبی** ﷺ **بالابواء او بودان فسئل عن اهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم و ذراريهم؟ قال هم منهم** (بخاری شریف، **باب اهل الدار يبيتون فيصاب الولدان والذراری**، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۲) اور طبرانی کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ **انه قال يا رسول الله اطفال المشركين نصيبهم فی الغارة بالليل قال لا تعمدوا ذلك ولا حرج قال او لادهم منهم** (کنز العمال: ۲/۲۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد اور عورتوں کو ارادہ کر کے مت مارو لیکن درمیان میں ان کو لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اسی پر قیاس کر کے مسلمان بچوں کو اور قیدیوں کو تیر لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ ان کا ارادہ کر کے تیر نہ پھینکے۔

کافروں کی عورتوں اور بچوں کو بلا وجہ قتل کرنا ممنوع ہے (۱) اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله** ﷺ **فنهى رسول الله عن قتل النساء و الصبيان** (بخاری شریف، **باب قتل النساء فی الحرب**، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵) اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں! عورت حملہ آور ہو تو وہ قتل کی جائے گی۔ (۲) مسئلہ نمبر ۲۷۵۰ میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی قول گزرا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ **ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۲۵)

لغت: تترسوا: ترس سے مشتق ہے ڈھال، **الاساری:** اسیر کی جمع ہے قیدی، **لم يكفو: كف** سے مشتق ہے نہ رکے، **رمی:** تیر پھینکنا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ فعل کے اعتبار سے الگ الگ کرنا ناممکن ہے لیکن ارادے کے اعتبار سے تو ممکن ہے، اور عبادت طاقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تشریح: ایک ہی جگہ مسلمان اور کفار ہیں، اس میں سے کفار کو مارے اور مسلمان کو نہ مارے یہ ناممکن ہے، لیکن نیت تو کر سکتا ہے کہ میں کفار کو مار رہا ہوں، اور مسلمان کو نہیں مار رہا ہوں، اس لیے کہ جہاد عبادت ہے اور عبادت میں نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔

تشریح: ۲؎ اور مسلمان کو تیر لگا تو تیر پھینکنے والے پر ضمان نہیں ہے اور نہ کفارہ ہے اس لیے کہ جہاد فرض ہے، اور فرض ادا کرنے سے تاوان لازم نہیں ہوتا بخلاف مخمصے کی حالت کے، اس لیے کہ تاوان کے ڈر سے دوسرے کے کھانے سے نہیں رکے گا اس لیے کہ اپنی ذات کو بچانا ہے، اور جہاد کا مدار کفار کے نفس کو ختم کرنا ہے اس لیے ضمان کے ڈر سے جہاد سے ہی رک جائے گا۔

تشریح: کفار کو تیر مارا لیکن وہ تیر مسلمان کو لگ گیا اور وہ مر گیا تو مارنے والے پر نہ اس کا ضمان ہے، اور نہ کفارہ ہے۔ اس کے بر خلاف ایک آدمی بھوک کی شدت میں مر رہا تھا اس نے کسی کا کھانا کھا لیا تو اس کھانے کا ضمان دینا ہوگا۔

وجہ: دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاد میں تاوان اور کفارہ لازم کریں تو لوگ جہاد سے رک جائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کر کے فرض ادا کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ فرض کی ادئیگی میں تاوان لازم نہیں ہوتا اس لیے یہاں نہ تاوان لازم ہوگا اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔ اور

قَالَ (۲۷۵۳) وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانَ عَسْكَرًا عَظِيمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ تَعْرِيضَهُنَّ عَلَى الضَّيَاعِ وَالْفَضِيحَةِ وَتَعْرِيضَ الْمَصَاحِفِ عَلَى الِاسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخِفُّونَ بِهَا مُغَايَظَةً لِلْمُسْلِمِينَ، وَهُوَ التَّأْوِيلُ الصَّحِيحُ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ ۲؎ وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إِلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ إِذَا كَانُوا قَوْمًا يُوفُونَ بِالْعَهْدِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ،

بھوک کی شدت کی صورت میں دوسرے کا کھانا کھا کر اپنی جان بچا رہا ہے اس لیے کھانے والے پر کھانے کا تاوان لازم ہوگا۔

لغت: اصابو: جس کو تیر لگا۔ **غرامات: غرامۃ** کی جمع ہے **تاوان۔ تقترن: قرن** سے مشتق ہے ملتا ہے فرض کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ **مخمصۃ:** بھوک کی شدت میں جان جارہی ہو۔ **مبنی علی اتلاف النفس:** کفار کے نفس کو ضائع کرنے پر جہاد کا مدار ہے۔ **حذر:** بچتے ہوئے۔

ترجمہ: (۲۷۵۳) اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بڑا لشکر ہو اور ان پر اطمینان ہو [اس لیے کہ غالب یہ ہے کہ یہ لوگ محفوظ رہیں گے، اور غالب متحقق کی طرح ہے]۔ اور ان کو لے جانا مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ اس کو لیجانے میں ضائع ہونے اور رسوائی پر پیش کرنا ہے، اور قرآن کی بے حرمتی کرنے پر پیش کرنا ہے، اس لیے کہ کفار مسلمانوں کو غصہ دلانے کے لیے بے حرمتی کریں گے، اور صحیح حدیث میں جو منع کیا ہے اس کی تاویل یہی ہے کہ دشمن کی زمین میں قرآن لے کر سفر مت کرو۔

تشریح: لشکر بڑا ہو اور اطمینان ہو کہ ہار نہیں کھائیں گے اور کفار عورتوں کی توہین نہیں کر پائیں گے تو عورتوں اور قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر ہے جس میں خطرہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں عورتوں کی توہین ہوگی یا قرآن کریم کی توہین ہوگی تو ان کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں ہے۔

وجہ: احادیث میں دونوں کا ثبوت ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ؓ ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو** (بخاری شریف، **باب کراھیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو** ص ۴۱۹ نمبر ۲۹۹۰/ مسلم شریف، **باب النھی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدیھم:** ۳/ ۱۳۱ نمبر ۱۸۶۹/ ۴۸۳۹) اس حدیث میں قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لیجانے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری حدیث میں وجہ یہ بیان کی کہ دشمن کہیں اس کی توہین نہ کرے۔ **مخافۃ ان ینالہ العدو** (مسلم شریف، باب مذکور نمبر ۱۸۶۹/ ۴۸۴۰)

اور بڑا لشکر ہو تو لے جانا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر ؓ عن النبی و قد سافر النبی ﷺ و اصحابہ فی ارض العدو و ھم یعلمون القرآن** (بخاری شریف، **باب کراھیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو** ص ۴۱۹ نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان ہو تو قرآن ساتھ لے جاسکتا ہے۔

اسی پر عورت کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیوں کہ وہاں توہین کا خطرہ تھا اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں اس لیے کہ وہ جگہ مدینہ سے قریب ہے۔

لغت: عسکر: لشکر، **سریۃ:** دستہ، فوج، چھوٹا لشکر، **مصاحف: مصحف** کی جمع ہے قرآن کریم۔

ترجمہ: ۲؎ اگر مسلمان دار الحرب میں امن لے کر داخل ہوا تو اس کے ساتھ قرآن لے کر جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اگر وہ

٣ وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيْمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيْقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمُدَاوَاةِ، فَأَمَّا الشَّوَابُّ فَقَرَارُهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ، ٤ وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى ضُعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا عِنْدَ ضَرُوْرَةٍ، ٥ وَلَا يُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ، فَإِنْ كَانُوْا لَا بُدَّ مُخْرِجِيْنَ فَبِالْإِمَاءِ دُوْنَ الْحَرَائِرِ (٢٧٥٤) وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ لِمَا بَيَّنَّاهُ إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ لِلضَّرُوْرَةِ

لوگ عہد کو پورا کرتے ہوں تو، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ قرآن کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٣ بڑے لشکر میں بوڑھیاں جا سکتی ہیں تا کہ ان کے مناسب جو کام ہیں وہ کر سکیں، مثلا کھانا پکانا، پانی پلانا، دوادارو کرنا، اور جوان عورت کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر میں رہیں تا کہ فتنہ نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٤ بوڑھی عورتیں بھی قتال نہ کریں تا کہ کفار یہ سمجھیں کہ مسلمان کمزور ہو گئے، ہاں ضرورت پڑ جائے تو قتال بھی کر سکتی ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٥ جماع کے لیے اور خدمت کے لیے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری ہی ہو تو باندیوں کو لیجائے آزاد عورت کو نہیں۔

تشریح: جماع کرنے کے لیے اور اپنی ذاتی خدمت کے لیے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری ہی ہو تو باندیوں کو لیجائے اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرے، کیوں کہ اس کو ذلت پیش آئے تو اتنی بڑی ذلت نہیں ہے۔

لغت: **مباضعة:** بضع سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے شرم گاہ۔

ترجمہ: (٢٧٥٤) قتال نہ کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن چڑھ آئے۔

ترجمہ: ١ اس وقت جنگ کی ضرورت ہوگئی ہے

تشریح: دشمن چڑھ آئے تب تو اپنی اور قوم کی دفاع کے لیے بغیر شوہر کی اجازت سے عورت قتال کرے گی اور غلام بھی بغیر آقا کی اجازت کے قتال کرے گا۔ البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

وجہ: (١) غلام آقا سے اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن الحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعة ان رسول اللہ ﷺ کان فی بعض مغازیه فمر باناس من مزینة فاتبعه عبد لامرأة منهم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیه فقال فلان قال نعم! قال ما شانک؟ قال اجاهد معک قال اذنت لک سیدتک؟ قال لا! قال ارجع الیها فاخبرها فان مثلک مثل عبد لا یصلی ان مت قبل ان ترجع الیها** (مستدرک للحاکم، کتاب الجهاد: ٢/١٢٩، نمبر ٢٥٥٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عورت کے لیے اس مسئلے پر قیاس کر سکتے ہیں (٢)۔ **سمعت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یقول جاء رجل الی النبی ﷺ یستأذنه فی الجهاد فقال احی والداک؟ قال نعم! قال ففیهما فجاهد** (بخاری

(۲۷۵۵)وَيَنبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَايَغْدِرُواوَلَايَغُلُّوا وَلَا يُمَثِّلُوا ۱؎لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُواوَلَاتُمَثِّلُواوَالْغُلُولُ:السَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنَمِ،وَالْغَدْرُ:الْخِيَانَةُوَنَقْضُ الْعَهْدِ،۲؎وَالْمُثْلَةُ الْمَرْوِيَّةُفِي قِصَّةِ الْعُرَنِيِّينَ مَنْسُوخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَأَخِّرِهُوَالْمَنْقُولُ (۲۷۵۶)وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا مُقْعَدًا وَلَا أَعْمَى

شریف، **باب الجهاد باذن الابوین،** ص۴۲۱ نمبر ۳۰۰۴/مسلم شریف، **باب بر الوالدین ایهما احق به:** ۲/۳۱۲ نمبر ۲۵۴۹/۶۵۰۴، **کتاب البر والصلة**) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کی اجازت کے بغیر عام حالات میں جہاد میں نہ جائے، کیوں کہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت بھی عام حالات میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ جائے کیوں کہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے۔

ترجمہ:(۲۷۵۵) مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ دھوکا نہ کریں، خیانت نہ کریں، مثلہ نہ کریں۔

ترجمہ: ۱؎ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ امانت میں خیانت نہ کرو، اور دھوکا نہ دو، اور مثلہ نہ کرو۔ غلول کا مطلب ہے مال غنیمت میں چوری نہ کرو، اور غدر کا مطلب ہے خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا۔

تشریح: مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے دھوکا نہ کرے۔ امانت میں خیانت نہ کرے، قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش او سریة او صاه فی خاصته بتقوی الله عز و جل و من معه من المسلمین خیرا ثم قال اغزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله اغزوا فلا تغلوا و لا تغدروا و لا تمثلوا و لا تقتلوا ولیدا** (مسلم شریف، **باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها:** ۲/۸۲ نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۲/ابو داؤد شریف، **باب فی دعاء المشرکین،** ص۳۶۱ نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث میں ہے کہ دھوکا نہ دے، خیانت نہ کرے، مثلہ نہ کرے اور بچے کو قتل نہ کرے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اہل عرینہ کے قصے میں جو مثلہ کی روایت ہے وہ بعد میں منع کرنے کی وجہ سے منسوخ ہے۔

تشریح: قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے تھے، وہ مسلمان ہوئے، لیکن بعد میں یہ مرتد ہو گئے، اور اونٹ کے چرواہے جو مسلمان تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹ کو بھی بھگا لے گئے، حضور ﷺ ان لوگوں کا پیچھا کروایا، اور ان لوگوں کی ناک کان کٹوا دیا، اور دھوپ میں چھوڑ دیا وہ لوگ مر گئے، تو اس حدیث میں جو مثلہ کروایا وہ پہلے ہے بعد میں آپ نے منع فرمایا، اور اس بعد کی حدیث کی وجہ سے اب مثلہ کرنا منسوخ ہے۔

وجہ: عرینہ والی حدیث یہ ہے۔ **عن انس بن مالک قال قدم علی النبی ﷺ نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینة فامرهم ان یأتوا ابل الصدقة فیشربوا من ابوالها و البانها ففعلوا فصحوا فارتدوا و قتلوا رعاتها و استاقوا الابل فبعث فی آثارهم فأتی بهم فقطع أیدیهم و أرجلهم و سمل أعینهم ثم لم یحسمهم حتی ماتوا۔** (بخاری شریف، **باب کتاب المحاربین اهل الکفر و الردة (کتاب الحدود]** ص۱۱۷۲ نمبر ۶۸۰۲)

ترجمہ:(۲۷۵۶) عورت کو قتل نہ کریں، بچے کو قتل نہ کریں، بالکل بوڑھے اور اپاہج کو اندھے کو قتل نہ کریں۔

۱؎ لأنَّ المُبِيحَ لِلقَتلِ عِندَنَا هُوَ الحِرَابُ وَلَا يَتَحَقَّقُ مِنهُم، وَلِهٰذَا لَا يُقتَلُ يَابِسُ الشِّقِّ وَالمَقطُوعُ اليُمنَى وَالمَقطُوعُ يَدُهُ وَرِجلُهُ مِن خِلَافٍ. ۲؎ وَالشَّافِعِيُّ عَلَيهِ يُخَالِفُنَا فِي الشَّيخِ الفَانِي وَالمُقعَدِ وَالأَعمَى لِأَنَّ المُبِيحَ عِندَهُ

تشریح: عورت کو قتل نہ کرے، بچہ، بہت بوڑھا، اندھا اور اپاہج کو قتل نہ کرے۔

وجہ: (۱) اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر ؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول اللہ ﷺ فنھی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء والصبیان** (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵/مسلم شریف، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، ص ۸۴، نمبر ۱۷۴۴/ ۴۵۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اور اسی پر بہت بوڑھے کو قیاس کر لیں۔ (۲) ابو داؤد میں شیخ فانی کا لفظ بھی ہے۔ **حدثنی انس بن مالک ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملة رسول اللہ، ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین** (ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴) اس حدیث میں ہے کہ بہت بوڑھے کو بھی قتل نہ کرے۔ (۳) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ** (آیت ۱۹۰، سورہ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جو تم سے قتال کرے اسی کو قتل کرو اور اس سے زیادہ تجاوز نہ کرو، اور عورتیں قتال نہیں کرتی نہیں اس لیے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اور اس لیے کہ اس کو قتل کرنا مباح ہوگا جو جنگ کرتا ہو، اور ان عورت، بچے اور بوڑھے سے جنگ متحقق نہیں ہے [اس لیے اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا] یہی وجہ ہے کہ جس ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو [تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے]

تشریح: بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنے کی یہ دلیل عقلی ہے، ہمارے نزدیک اس کو قتل کرنا جائز ہے، جو میدان جنگ میں آکر جنگ کرتا ہو اور بچے، عورت، بوڑھے وغیرہ جنگ نہیں کر سکتے اس لیے ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس کی مثال یہ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس آدمی کا ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ کٹا ہوا، یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو تو یہ لوگ چونکہ جنگ نہیں کر سکتے اس لیے ان لوگوں کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لغت: **یابس الشق:** ایک پہلو سوکھا ہوا ہو۔ **مقطوع الیمنی:** دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ **مقطوع یدہ ورجلہ من خلاف:** دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعی بوڑھے اور اپاہج اور اندھے کے بارے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، اس لیے کہ خون کا مباح ہونا ان کے نزدیک کفر ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جہاد میں بوڑھے، اپاہج اور اندھے کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ: ان کے یہاں قتل کا سبب کفر ہے، اور یہ لوگ چونکہ کافر ہیں اس لیے وہ قتل کر دئے جائیں گے۔

الْكُفْرُ ۳؎وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّا، ۴؎وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ الصِّبْيَانِ وَالذَّرَارِيِّ وَحِينَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ - امْرَأَةً مَقْتُولَةً قَالَ: هَاهْ، مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فَلِمَ قُتِلَتْ؟ قَالَ (۲۷۵۷) إلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً ۱؎لِتَعَدِّي ضَرَرِهَا إلَى الْعِبَادِ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هَؤُلَاءِ دَفْعًا لِشَرِّهِ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيحٌ حَقِيقَةً

ترجمه: ۳؎ان کے خلاف وہ دلیل ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا، کہ یہ لوگ جنگ نہیں کر سکتے ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمه: ۴؎اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے بچے اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، اور جب حضور ﷺ نے ایک عورت کو قتل کیا ہوا پایا تو فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے تو تم لوگوں نے کیوں قتل کیا۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث کچھ اوپر گزری اور باقی یہ ہے۔ **حدثنی عن جده رباح بن ربیع قال کنا مع رسول الله ﷺ فی غزوة فرأی الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلا فقال انظر علی ما اجتمع هؤلاء فجاء فقال علی امرأة قتیل فقال ما کانت هذه لتقاتل، قال و علی المقدمة خالد بن ولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لا تقتلن امرأة و لا عسیفا۔** (ابو داود شریف، **باب فی قتل النساء**، ص ۳۸۵ نمبر ۲۶۶۹) اس حدیث میں ہے کہ عورتوں کو قتل مت کرو۔

ترجمه: (۲۷۵۷) مگر یہ کہ ان میں سے کوئی جنگ کے بارے میں صاحب رائے ہو تو قتل کیا جا سکتا ہے۔ یا عورت رانی اور ملکہ ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

ترجمه: ۱؎اس لیے کہ اس کا نقصان بندوں کو ہے، اسی طرح ان میں سے کوئی باضابطہ قتال کرے تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس کے شر کو دور کرنے کے لیے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کے کفر کی وجہ سے حقیقت میں اس کا قتل کرنا مباح ہے۔

تشریح: ہاں ان لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہو جو جنگ کے سلسلے میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ یا قتال میں شریک ہو تو کفار، ان کے بچے، بوڑھے، اندھے، عورت اور اپاہج کو قتل کر سکتا ہے۔

وجه: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن سمرة بن جندب ؓ قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم** (ابو داود شریف، **باب فی قتل النساء**: ۲/ ۶، نمبر ۲۶۷۰/ ترمذی شریف، **باب ماجاء فی النزول علی الحکم**، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کفار کے بوڑھوں کو قتل کرو اور اس کے نو عمر جوانوں کو چھوڑ دو۔ یہ وہی بوڑھے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں یا رائے دیتے ہیں۔ (۲) اور عورت جنگ میں شریک ہو یا وہ رانی ہو تو اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عکرمة ان النبی ﷺ رأی امرأة مقتولة بالطائف فقال الم انه عن قتل النساء؟ من صاحب هذه المرأة المقتولة؟ قال رجل من القوم انا یا رسول الله اردفتها فارادت ان تصرعنی فتقتلنی فامر بها رسول الله ﷺ ان توارى** (سنن للبیهقی، **باب المرأة تقاتل فتقتل**: ۹/ ۱۳۹، نمبر ۱۸۱۰۵) اس حدیث میں ہے کہ عورت نے مجاہد کو قتل کرنا چاہا تو وہ قتل کر دی گئی (۳) قتل کرنے کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو مجاہدین کے سامنے قتال کرنے آئے یا جوان ہونے کی وجہ سے آنے کا امکان ہو وہ قتل کئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام بلا وجہ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

(۲۷۵۸)وَلَا يَقْتُلَ مَجْنُونًا ۱؎ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُخَاطَبٍ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلَ فَيُقْتَلَ دَفْعًا لِشَرِّهِ، ۲؎ غَيْرَ أَنَّ الصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونَ يُقْتَلَانِ مَادَامَا يُقَاتِلَانِ، وَغَيْرُهُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِهِ بَعْدَ الْأَسْرِ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْعِقَابِ لِتَوَجُّهِ الْخِطَابِ نَحْوَهُ، ۳؎ وَإِنْ كَانَ يَجُنُّ وَيُفِيقُ فَهُوَ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ كَالصَّحِيحِ (۲۷۵۹)وَيُكْرَهُ أَنْ يَبْتَدِئَ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَقْتُلَهُ ۱؎ لِقَوْلِهِ تَعَالَى {وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا} وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إِحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِي إِفْنَائِهِ

لغت:شرخ: بچہ،نوعمر جوان۔

ترجمہ:(۲۷۵۸)اور نہ مجنون کو قتل کرے۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ مجنون مخاطب نہیں ہے مگر وہ جنگ کرے تو اس کی شرارت دور کرنے کے لیے اس کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح: جس طرح بچے کو عقل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی۔اور بچے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔لیکن اگر وہ قتال کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، تا کہ اس کی شرارت سے انسانوں کو نجات دی جائے۔

وجہ: اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخھم** (ابوداؤد شریف، **باب فی قتل النساء**:۲/۶نمبر ۲۶۷۰/ترمذی شریف، **باب ما جاء فی النزول علی الحکم**، ص۲۸۷نمبر ۱۵۸۳)اس حدیث میں ہے کہ بچوں کو قتل مت کرو اسی پر قیاس کر کے مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:۲؎ یہ اور بات ہے کہ بچہ اور مجنون جب تک قتال کر رہے ہیں اسی وقت تک قتل کیا جائے گا اور ان دونوں کے علاوہ کو قید کرنے کے بعد بھی قتل کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہیں۔

تشریح: بچہ اور مجنون پر شریعت کا خطاب نہیں ہے اس لیے جب تک قتال کر رہے ہوں اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے، جنگ کے بعد وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اور بوڑھا اور عورت اگر قتال کرے تو قتال ختم ہونے کے بعد بھی وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں قتل کیا جا سکے گا، کیوں کہ یہ لوگ عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے شریعت کے احکام کے مستحق ہیں۔

لغت:اسر:اسیر سے مشتق ہے، قید ہونا۔ **اھل العقاب**:سزا کے مستحق ہیں۔ **توجہ الخطاب**:ان پر شریعت کے احکام نافذ ہیں۔

ترجمہ:۳؎ اگر مجنون ہوتا ہو اور کبھی افاقہ بھی ہوتا ہو تو افاقہ کی حالت میں اس کا حکم صحیح آدمی کی طرح ہے۔

تشریح: مجنون آدمی افاقہ کی حالت میں قتال کر رہا ہے تو اس کے ساتھ تندرست اادمی کی طرح معاملہ کیا جائے گا، اور جنون کی حالت میں قتال کر رہا ہے تو اس کا حکم مجنون آدمی کی طرح ہوگا۔

ترجمہ:(۲۷۵۹)اور مکروہ ہے کہ مجاہد اپنے باپ پر قتل کرنے میں پہل کرے۔

ترجمہ:۱؎ کیوں کہ آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ دنیا اچھائی کا معاملہ کرے، اور اس لیے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ والدین پر خرچ کر کے اس کو زندہ رکھے، اب اس کو فنا کرنا اس کے مخالف ہے۔

تشریح: میدان جنگ میں باپ سامنے آجائے اب وہ بیٹے پر وار کر دے تب تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن اس نے وار نہیں کیا تو بیٹا پیش قدمی کر کے قتل کرے یہ مکروہ ہے۔

(۲۷٦٠) فَإِنْ أَدْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ ١ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَأْثَمَ، ٢ وَإِنْ قَصَدَ الْأَبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ شَهَرَ الْأَبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا بَيَّنَّا فَهَذَا أَوْلَى.

بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ

(۲۷٦١) وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ مَصْلَحَةً لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ ١ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ وَوَادَعَ رَسُولُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ ، وَلِأَنَّ الْمُوَادَعَةَ جِهَادٌ مَعْنًى إِذَا

وجه: (۱) آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اس لیے اس کو قتل کرنا آیت کے خلاف ہے، آیت یہ ہے۔ **وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا** (آیت ۱۵، سورۃ لقمان ۳۱) (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ لازم ہے تا کہ وہ زندہ رہے، اب اس کو موت کے گھاٹ اتارنا اس مسئلے کے خلاف ہے۔

ترجمہ: (۲۷٦٠) پس اگر بیٹا باپ کو پالے تو قتل کرنے سے رک جائے تا کہ دوسرا آدمی اس کو قتل کر دے۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ بغیر گناہ میں پڑے ہوئے غیر کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا۔

تشریح: باپ میدان جنگ میں مل گیا تو اس کو قتل نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ دوسرا مجاہد اس کو قتل کر دے، کیوں کہ اصل مقصود ہے اس کو قتل کرنا، اور بغیر گناہ میں پڑے دوسرے کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا تو کام بن گیا۔

لغت: اقتحام المعاصم: اقتحم کا ترجمہ ہے پڑنا، ارتکاب کرنا، معاصم: گناہ۔

ترجمہ: ٢ اور اگر باپ نے بیٹے کو قتل ہی کرنا چاہا، اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا مشکل ہے تو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لیا، ور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں ہے تو بیٹا باپ کو قتل کرے گا، تو یہاں تو زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ باپ کافر ہے۔

تشریح: میدان جنگ میں باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لی اور اس کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا ناممکن ہے تو ایسی صورت میں بیٹا باپ کو قتل کرے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مسلمان باپ نے مسلمان بیٹے پر تلوار کھینچ لیا اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں ہو تو بیٹے کے لیے گنجائش ہے کہ باپ کو قتل کر دے، جب مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے تو کافر باپ کو کیوں نہیں قتل کر سکتا ہے۔

باب الموادعة ومن يجوز امانه

ترجمہ: (۲۷٦١) اگر امام مصلحت سمجھے اس بات پر کہ صلح کرے اہل حرب یا اس کے کسی فریق سے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ اگر کفار صلح کے لیے جھکے تو آپ بھی ان کی طرف جھکئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور حضور پاک ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے مصالحت کی تھی کہ دس سال کے لیے ان کے درمیان جنگ بند رہے گی، اور اس لیے کہ اگر

كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ، ۲ وَلَا يُقْتَصَرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَرْوِيَّةِ لِتَعَدِّي الْمَعْنَى إِلَى مَا زَادَ عَلَيْهَا، ۳ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ خَيْرًا؛ لِأَنَّهُ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى

(۲۷۶۲) وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَيْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ

مسلمانوں کا فائدہ ہو تو مصالحت بھی معنوی طور پر جہاد ہے، اس لیے کہ مصالحت کا مقصد اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔

تشریح: اگر مسلمانوں کی بہتری ہو اور امام کفار سے یا اس کے کسی فریق سے مصالحت کرنے میں بہتری سمجھے تو مصالحت کر سکتے ہیں، کیوں کہ مصالحت میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو یہ بھی معنوی جہاد ہے، کیوں کہ اس سے بھی کفار کے شر کو دور کرنا ہے۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے لیے بہتری نہ ہو تو مصالحت کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: آیت میں ہے کہ کفار صلح کے لیے مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ **وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** ﴿۶۱﴾ (آیت ۶۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو اگر مصلحت ہو تو آپ ﷺ بھی صلح کے لیے مائل ہو سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کفار سے صلح حدیبیہ کی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن مسور بن مخرمہ ومروان یصدق کل واحد منھما حدیث صاحبہ قالا خرج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیۃ... لا یسألونی خطۃ یعظمون فیھا حرمات اللہ الا اعطیتھم ایاھا۔ فقال لہ النبی ﷺ علی ان تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف بہ... فلما فرغ من قضیۃ الکتاب قال رسول اللہ ﷺ لاصحابہ قوموا فانحروا ثم احلقوا** (بخاری شریف، باب **الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع اھل الحرب وکتابۃ الشروط،** ص ۴۷۷، نمبر ۲۷۳۱/مسلم شریف، **باب صلح الحدیبیۃ،** ص ۱۰۴، نمبر ۱۷۸۳/۴۶۲۹) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کے لیے بہتری دیکھی تو کفار سے صلح حدیبیہ فرمائی (۳) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے۔ **عن المسور بن مخرمہ ومروان بن الحکم انھم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیھن الناس وعلی ان بیننا عیبۃ مکفوفۃ وانہ لا اسلال ولا اغلال** (ابو داود شریف، **باب فی صلح العدو:** ۲/۲۴، نمبر ۲۷۶۶) اس حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دس سال تک کے لیے کفار مکہ سے صلح کی۔

ترجمہ: ۲ حدیث میں جو دس سال کی مدت متعین کی ہے اسی پر اکتفاء کرنا ضروری نہیں ہے اس مدت پر زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔

تشریح: اوپر حدیث میں گزرا کہ دس سال کی مدت کے لیے حضور ﷺ نے صلح کی، صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہی مدت کوئی ضروری نہیں ہے، اگر اس سے زیادہ مدت کے لیے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس سے زیادہ کے لیے بھی صلح کر سکتے ہیں، اصل معاملہ ہے کہ کتنی مدت کے لیے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف اگر مصالحت میں خیر نہ ہو مصالحت جائز نہیں ہوگی اس لیے صورت میں بھی جہاد چھوڑنا ہے اور معنی میں بھی جہاد چھوڑنا ہے۔

تشریح: مصالحت کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ نہ ہو تو ظاہری طور پر بھی جہاد چھوڑا اور مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر بھی جہاد چھوڑا اس لیے اس صورت میں مصالحت کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۶۲) پس اگر کفار سے ایک مدت کے لیے مصالحت کی، پھر دیکھا کہ صلح توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح توڑ کر اس کی

۱؎ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ مَكَّةَ ، ۲؎ وَلِأَنَّ الْمَصْلَحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبْذُ جِهَادًا وَإِيفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى فـ ۞ لَا بُدَّ مِنَ النَّبْذِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ، وَقَدْ قَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فِي الْعُهُودِ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ

اطلاع دے اور ان سے لڑے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ حضور ﷺ اور مکہ والوں کے درمیان جو صلح تھی اس کو توڑ دیا۔

تشریح: مثلا دو سالوں کے لیے صلح کی تھی لیکن دیکھا کہ صلح توڑ دینا اور قتال کرنا مسلمانوں کے لیے بہتر ہے تو صلح توڑ دے اور قتال کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح توڑنے کی اطلاع کفار کو دے پھر قتال کرے۔ اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے۔

وجہ: (۱) اطلاع دیئے بغیر قتال کرے تو یہ غدر اور دھوکا ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لیے اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے (۲) آیت میں ہے۔ **وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ** (آیت ۵۸، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ خیانت کا خوف ہو تو اس کو اطلاع دے کر صلح توڑ دو (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی تھی لیکن انہوں نے غداری کی تو آپ نے صلح توڑی اور فتح مکہ والی جنگ کی۔ **قالا كان في صلح رسول الله ﷺ يوم الحديبية بينه وبين قريش.... قال ابو بكر يا رسول الله! أليس بينك وبينهم مدة؟ قال الم يبلغك ما صنعوا ببني كعب و اذان رسول الله في الناس بالغزو۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، جماع ابواب فتح مكة، باب نقض قريش ما عهدوا عليه رسول الله ﷺ بالحديبية: ۵ / ۱۲،)** (۴) اور مصالحت توڑنے کی اطلاع دے اس کے لیے یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ لا رہے ہیں۔ **سمعت سليم بن عامر يقول كان بين معاوية وبين اهل الروم عهد و كان يسير في بلادهم حتى اذا انقضى العهد اغار عليهم فاذا رجل على دابة او على فرس وهو يقول الله اكبر وفاء لا غدر و اذا هو عمرو بن عبسة، فسأله معاوية عن ذلك فقال سمعت رسول الله ﷺ يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا و لا يشدنه حتى يمضي امده او ينبذ اليهم على سواء، قال فرجع معاوية بالناس** (ترمذی شریف، **باب ماجاء في الغدر**، ص ۲۸۷ نمبر ۱۵۸۰ / ابو داؤد شریف، **باب في الامام يكون بينه وبين العدو عهد فيسير نحوه:** ۲ / ۲۳ نمبر ۲۷۵۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دشمن سے عہد و پیمان ہو تو اس کو توڑنے کے لیے پہلے اس کو اطلاع دے پھر حملہ کرے۔

لغت: نبذ اليهم: اس کا اصلی ترجمہ ہے اس کی طرف پھینکنا اور محاوری ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی طرف پھینک دینا یعنی عہد توڑ دینا، اور اس کی اطلاع دینا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لیے کہ مصلحت جب بدل گئی تو صلح کو توڑنا ہی جہاد ہے، اور عہد کو پورا کرنا صورت میں اور معنی کے اعتبار سے بھی جہاد کو چھوڑنا ہے، اس لیے غدر سے بچنے کے لیے صلح توڑنا ضروری ہے۔ چناں چہ حضور ﷺ نے عہد کے بارے میں فرمایا کہ اس کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔

تشریح: اب مصلحت بدل گئی تو عہد توڑنے کی اطلاع دیکر اس کو توڑ دے۔

۳وَلَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيهَا خَبَرُ النَّبْذِ إِلَى جَمِيعِهِمْ، وَيُكْتَفَى فِي ذَلِكَ بِمُضِيِّ مُدَّةٍ يَتَمَكَّنُ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبْذِ مِنْ إِنْفَاذِ الْخَبَرِ إِلَى أَطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ، لِأَنَّ بِذَلِكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ. قَالَ (۲۷۶۳)وَإِنْ بَدَءُوا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ إِلَيْهِمْ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ ۱لِأَنَّهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نَقْضِهِ

وجه: (۱) ظاہری طور پر جہاد نہیں کر رہا، اب مصلحت بھی اس کے خلاف ہے تو باطنی طور پر بھی جہاد نہیں رہا اس لیے اس کو توڑ دے، البتہ توڑنے کی اطلاع دے، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عہد کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ **سمعت سلیم بن عامر یقول کان بین معاویۃ و بین اهل الروم عهد و کان یسیر فی بلادهم حتی اذا انقضی العهد اغار علیهم فاذا رجل علی دابۃ او علی فرس و هو یقول الله اکبر وفاء لا غدر** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الغدر، ص ۲۸۷ نمبر ۱۵۸۰ / ابوداؤد شریف، باب فی الامام یکون بینه و بین العدو عهد فیسیر نحوه: ۲ / ۲۳ نمبر ۲۷۵۹)

ترجمہ: ۳ اطلاع دینے اور جنگ شروع کے درمیان اتنی مدت ہو کہ عہد توڑنے کی خبر سب کفار کو پہنچ جائے، اور اتنی مدت ہی کافی ہے جس میں کفار کا بادشاہ حکومت کے اطراف میں سب کو خبر پہنچا سکے، اتنی مدت ہی سے غدر ختم ہو جائے گی۔

تشریح: عہد توڑنے کی اطلاع دینے کے بعد جنگ شروع کرنے میں اتنی مدت رہے کہ اس مدت میں بادشاہ چاہے تو پوری حکومت میں خبر پہنچا دے، غدر ختم ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، اس دوران واقعی سب کو خبر دے چکا ہو یا نہیں اس کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی نہیں ہے۔

لغت: **جمیعهم:** اپنے تمام لوگوں کو۔ **ملک:** بادشاہ۔ **اطراف مملکته:** اپنی حکومت کے اطراف میں۔

ترجمہ: (۲۷۶۳) اور اگر انہوں نے خیانت شروع کی تو ان سے قتال کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں جبکہ ان کے اتفاق سے ہوا ہو۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ جب انہوں نے عہد توڑ دیا تو اب ہم کو توڑنے کی اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔

تشریح: کفار کے ساتھ صلح کا عقد تھا لیکن وہ سب ملکر عہد توڑ دیا اور خیانت کر لیا تو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر قتال کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کچھ لوگوں نے نقض عہد کیا مثلا کچھ کفار نے اپنے سردار کو پوچھے بغیر دار الاسلام سے چوری کر لی یا کسی کو قتل کر دیا تو یہ تمام کفار کی جانب سے نقض عہد نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ تمام سے بالاتفاق نقض عہد نہ ہو۔

وجه: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ (آیت ۵۶ / ۵۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو بار بار عہد توڑے اس کو ایسا مارو کہ بعد والے یاد رکھیں (۲) حدیث میں ہے کہ کفار مکہ نے عہد توڑا تو اس کو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر چڑھائی کی اور فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ عہد توڑنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **وحدیث عروۃ بمعناه قال ثم ان بنی نفاثۃ من بنی الدیل اغاروا علی بنی کعب و هم فی المدۃ التی بین رسول الله ﷺ و بین قریش و کان بنو کعب فی صلح رسول الله ﷺ و کان بنو نفاثۃ فی صلح قریش، فاعانت بنو بکر بنی نفاثۃ و اعانتهم قریش بالسلاح و الرقیق فذکر القصۃ قال فخرج رکب من بنی کعب حتی اتوا رسول الله ﷺ فذکروا له الذی اصابهم و ما کان من قریش علیهم فی ذلک، ثم**

۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيقَ وَلَا مَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَا يَكُونُ هَذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ، وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ عَلَانِيَةً يَكُونُ نَقْضًا لِلْعَهْدِ فِي حَقِّهِمْ دُونَ غَيْرِهِمْ؛ لِأَنَّهُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَلِكِهِمْ فَفِعْلُهُمْ لَا يُلْزِمُ غَيْرَهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ بِإِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنًى.

(۲۷۶۴) وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذَلِكَ مَالًا فَلَا بَأْسَ بِهِ ۱ لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتِ الْمُوَادَعَةُ بِغَيْرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ،

ذکر قصة خروج رسول اللہ ﷺ الی مکة (سنن للبیهقی، باب فتح مکة حرسها الله: ۹/ ۲۰۲، نمبر ۱۸۲۸۱/ مصنف عبد الرزاق، غزوة الفتح: ۵/ ۳۷۴، نمبر ۹۷۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود نقض عہد کرے تو اس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ اس پر چڑھائی کی جاسکتی ہے (۳) بخاری شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے لیے اتنا چھپ کر چلے کہ اہل مکہ کو بھی اس کی خبر پوری طرح نہیں ہو پائی۔ اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ عن هشام عن ابیه قال لما سار رسول اللہ ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابو سفیان بن حرب و حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء یلتمسون الخبر عن رسول اللہ ﷺ فاقبلوا یسیرون حتی اتوا مر الظهران الخ (بخاری شریف، باب این رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح، ص ۷۱۳، نمبر ۴۲۸۰، کتاب المغازی/ مسلم شریف، باب فتح مکة، ص ۱۰۲، نمبر ۱۷۸۰/ ۴۶۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض عہد کی اطلاع کفار مکہ کو نہیں دی۔ البتہ شدہ شدہ ان کو کچھ بھنک لگ گئی تھی (۴) جب دشمن نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب ان کو اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے؟

ترجمہ: ۲ بخلاف جبکہ ایک جماعت دار الاسلام میں داخل ہوئی اور ڈاکہ زنی کی، اور اس کی کوئی شان شوکت نہیں تھی تو یہ تمام کی جانب سے عہد توڑنا نہیں سمجھا جائے گا، اور اگر اس کی شان شوکت تھی، اور مسلمان سے اعلانیہ قتال کیا تو صرف اس جماعت کی جانب سے نقض عہد ہوگا، اس لیے کہ اس کے بادشاہ کی اجازت کے بغیر حملہ کیا ہے، اس لیے ان لوگوں کا فعل دوسرے پر لازم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کی اجازت سے کیا ہو تو سب کی طرف سے نقض عہد ہوگا اس لیے اندر خانے سب کے اتفاق سے ہوا ہے۔

تشریح: کفار کی ایک چھوٹی سی جماعت جس کی کوئی شان شوکت نہیں تھی، اس نے دار الاسلام میں گھس کر ڈاکہ زنی کی تو یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی شان شوکت ہو تو اس جماعت کی جانب سے نقض عہد ہوگا، دوسروں کی جانب سے نقض عہد نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ بادشاہ کی اجازت سے نہیں ہے، اور اگر بادشاہ کی اجازت سے ہو تو سب کی جانب سے نقض عہد ہوگا، کیوں کہ اندر خانے سب کی ملی بھگت ہے

لغت: **منعة:** شان شوکت، رعب و دبدبہ۔ **نقضا للعهد:** عہد کو توڑنا۔ **باتفاقهم:** سب کے خرچ سے، یعنی سب کے اتفاق سے، سب کے مشورے سے۔

ترجمہ: (۲۷۶۴) امام حربیوں سے مال کے بدلے میں صلح کرنے میں مصلحت سمجھے تو ایسی صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ جب بغیر مال کے صلح کرنا جائز ہے تو مال کے ساتھ بدرجہ اولی ہوگا۔

تشریح: اگر امام یہ سمجھے کہ مال لے کر کفار سے صلح کر لی جائے، اور مسلمانوں کو مال کی ضرورت بھی ہو تو ایسی صلح جائز ہے۔

وجہ: (۱) پہلے گزرا کہ بغیر مال کے بھی صلح کرنا جائز ہے تو مال کے بدلے میں بدرجہ اولی ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں معنوی طور پر جہاد کرنا ہے

۲ لکن هذا إذا كان بالمسلمين حاجة، أما إذا لم تكن لا يجوز لما بينا من قبل، ۳ والمأخوذ من المال يصرف مصارف الجزية، ۴ هذا إذا لم ينزلوا بساحتهم بل أرسلوا رسولا؛ لأنه في معنى الجزية، أما إذا أحاط الجيش بهم ثم أخذوا المال فهو غنيمة يخمسها ويقسم الباقي بينهم لأنه مأخوذ بالقهر معنى

(۲۷۶۵) وأما المرتدون فيوادعهم الإمام حتى ينظر في أمرهم ۱ لأن الإسلام مرجو منهم فجاز تأخير قتالهم طمعا في إسلامهم

---

(۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہود سے مال کے بدلے میں صلح کی۔ **عن عبد الله بن عمر قال لما افتتحت خيبر سألت يهود رسول الله ﷺ ان يقرهم على ان يعملوا على النصف مما خرج منها فقال رسول الله ﷺ اقركم فيها على ذالك ما شئنا۔** (ابوداوشریف، **باب ما جاء فی حکم ارض خیبر**، ص ۴۴۰ نمبر ۳۰۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے یہود سے مال پر صلح کی ہے۔

ترجمہ: ۲ لیکن یہ جب ہے کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، اور اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو جائز نہیں ہوگی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ یہ ظاہری اور معنوی طور پر جہاد کو چھوڑنا ہے۔

تشریح: مال لے کر صلح کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، لیکن اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو اس سے مال لے کر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: کیوں کہ ظاہری طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے، اور مال کی ضرورت نہیں ہے تو معنوی طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور جو مال صلح سے حاصل ہوگا وہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوگا، کیوں کہ یہ غیر مسلم کا مال ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ یہ جب ہے کہ کفار سے آمنا سامنا نہ ہوا ہو بلکہ پیغام کے ذریعہ بات طے ہوئی ہو اس لیے کہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے، اور اگر مسلمان کے لشکر نے کفار کو گھیرا ہو پھر مال لیا ہو تو یہ مال غنیمت ہے، پانچواں حصہ بیت المال کے لیے ہوگا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے، کیوں کہ یہ مغلوب کر کے مال لیا گیا ہے۔

تشریح: مسلمانوں نے کفار کو ابھی گھیرا نہیں ہے، اور پیغام کے ذریعہ مال پر صلح کیا ہو تو اس مال کا حکم جزیہ کی طرح ہے جس مصرف میں جزیہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے اسی میں اس کو بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن اگر کفار کو لشکر گھیر چکا ہے اس کے بعد مال پر صلح ہوئی تو اس کا حکم مال غنیمت کا ہے، یعنی اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور باقی چار حصہ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔

لغت: **ساحة:** میدان، **نزل بساحتهم:** اس کے میدان میں نہیں اترا، یعنی اس کو نہیں گھیرا۔ **ارسلو ارسالا:** خط و کتابت کرنا، پیغام بھیج کر صلح کی۔ **جیش:** لشکر۔

ترجمہ: (۲۷۶۵) بہر حال مرتد تو امام اس سے صلح کرے تا کہ امام اس کے معاملے میں غور کر سکے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اس سے اسلام کی امید کی جا سکتی ہے تو اس کے قتال کے معاملے میں امید کی وجہ سے اس کے قتال میں تاخیر کی جا سکتی ہے۔

تشریح: بہت سے آدمی مرتد ہو گئے ہوں اور ان لوگوں نے کسے خطے پر قبضہ کر لیا ہو، اور وہ صلح چاہتے ہوں تو امام ان سے صلح کرے،

(۲۷۶۶)وَلَا يَأْخُذُ عَلَيْهِ مَالًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نُبَيِّنُ وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهُ ۱؎لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُومٍ ۲؎وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوُّ الْمُسْلِمِينَ وَطَلَبُوا الْمُوَادَعَةَ عَلَى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِمْ لَا يَفْعَلُهُ الْإِمَامُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدَّنِيَّةِ وَإِلْحَاقِ الْمَذَلَّةِ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ، لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَاكِ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيقٍ يُمْكِنُ (۲۷۶۷)وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزُ إِلَيْهِمْ ۱؎لِأَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - نَهَى عَنْ بَيْعِ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمْلِهِ إِلَيْهِمْ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى قِتَالِ

اور قتال میں جلدی نہ کرے، کیوں کہ ان سے دوبارہ اسلام لانے کی امید ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۶) اور ان مرتدوں سے مال نہ لے [اس لیے کہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے] اور اگر ان سے مال لے لیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ان مرتدوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

تشریح: ان مرتدوں سے مال نہ لے، کیوں کہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، یہ یا تو اسلام لائے یا پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا، جزیہ لے کر ان کو زندہ رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ان لوگوں سے مال لے ہی لیا تو اس مال کو ان کی طرف واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ان لوگوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

وجہ: ان معاذ بن جبل اتی ابا موسی و عندہ رجل یھودی فقال ما ھذا؟ قال ھذا یھودی اسلم ثم ارتد و قد استتبہ ابو موسی شھرین فقال معاذ لا اجلس حتی أضرب عنقہ قضی اللہ و قضی رسول اللہ ﷺ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الرجل یسلم ثم یرتد ما یصنع بہ: ۶/ ۴۴۰، نمبر ۳۲۷۱۹) اس حدیث میں دو باتوں کا پتہ چلا کہ مرتد کو غور کرنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دی، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر یہ اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اس سے جزیہ لے کر اس کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

لغت: غیر معصوم: حربیوں کا مال غیر معصوم ہے مسلمان اس پر قبضہ کر کے لے سکتا ہے، اسی طرح مرتدوں کا مال بھی غیر معصوم ہے، اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اگر دشمنوں نے مسلمان کا محاصرہ کر لیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس کے بدلے میں مسلمان مال دیں تو امام مال نہ دے اس لیے کہ یہ دیت کا دینا ہوا اور اہل اسلام کو ذلت میں ڈالنا ہوا، لیکن اگر سب مسلمانوں کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو [تو مال دے دے] اس لیے کہ ہلاکت کا دفع کرنا واجب ہے چاہے جس طریقے سے بھی ہو۔

تشریح: دشمنوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور وہ مال دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو امام کو یہ مال نہیں دینا چاہئے، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے، بلکہ جنگ کر کے ان مسلمانوں کو چھڑانا چاہئے، لیکن اگر کوئی صورت نہ ہو، اور مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو مال دے دے، کیوں کہ کسی طرح بھی ہو مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۷) مناسب نہیں ہے کہ حربیوں ہتھیار بیچے، اور نہ ہتھیار اس کی طرف روانہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ حضور ﷺ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے سے منع کیا ہے، اور اس کی طرف ہتھیار بھیجنے سے بھی منع کیا ہے، اور اس کی

الْمُسْلِمِينَ فَيُمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ ۲؎ وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا، وَكَذَلِكَ الْحَدِيدُ لِأَنَّهُ أَصْلُ السِّلَاحِ، وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ؛ لِأَنَّهَا عَلَى شَرَفِ النَّقْضِ أَوْ الِانْقِضَاءِ فَكَانُوا حَرْبًا عَلَيْنَا، ۳؎ وَهَذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثَّوْبِ، إلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ فَإِنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَمَرَ ثُمَامَةَ أَنْ يَمِيرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ.

وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے خلاف اس کی قوت بڑھ جائے گی اس لیے اس سے روکا جائے گا، ایسے ہی گھوڑے وغیرہ بھی بھیجنا ممنوع ہوگا، ایسے لوہا بیچنا بھی ممنوع ہوگا، کیوں کہ اسی سے ہتھیار بنتا ہے۔

تشریح: جنگ کے زمانے میں حربیوں سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس سے وہ ہمارے مقابلے میں قوی ہو جائیں گے، اسی طرح گھوڑا، یا لوہا بیچنا بھی جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ بھی جنگ کا سامان ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے **عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ نهى عن بيع السلاح في الفتنة** (طبرانی، باب عبد الله اللقيطي عن ابی رجاء: ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ / سنن بیہقی، کتاب البیوع، باب کراهية بيع العصير ممن يعصر الخمر والسيف ممن يعصى الله عز وجل: ۵/ ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن قال لا يبعث الى اهل الحرب شيء من السلاح والكراع ولا ما يستعان على السلاح والكراع** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما يكره ان يحمل الى العدو فيقوى به، ۶/ ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ اسی طرح اس سے مصالحت کی حالت میں بھی ہتھیار بیچنا ممنوع ہوگا، اس لیے کہ یہ مصالحت ٹوٹنے کے قریب ہے، یا مدت ختم ہونے پر مصالحت ٹوٹ جائے گی، تو اس کا نقصان ہم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تشریح: حربیوں سے کچھ سالوں کے مصالحت ہوگئی اس دوران بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ مصالحت ٹوٹ سکتی ہے، یا مصالحت کی معیاد پر وہ ختم ہو جائے گی، اور بعد میں وہ ہم سے جنگ کریں گے تو ہتھیار بیچنے کا نقصان ہم کو ہی ہوگا اس لیے مصالحت کے دوران میں بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ کھانے اور کپڑے وغیرہ میں بھی قیاس یہی ہے کہ کفار کو نہ بھیجیں، لیکن حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے اس لیے کہ حضرت ثمامہ بن اثال کو حضور ﷺ نے اہل مکہ کو غلہ بھیجنے کا حکم دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ اس وقت حضور ﷺ سے جنگ کی حالت میں تھے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو کھانا اور کپڑا بھی نہ دیا جائے، لیکن چونکہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے اہل مکہ کے لیے کھانا دینے کی اجازت دی ہے اس لیے کھانا، کپڑا وغیرہ دینا جائز ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **فخرج ثمامة حتى اتى حائطا من حيطان المدينة... فكتبوا الى رسول الله يسألونه بأرحامهم ان يكتب الى ثمامة يخلي حمل الطعام ففعل رسول الله ﷺ** (دلائل النبوة للبيهقي، باب سرية نجد: ۴/ ۸۰) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ثمامہ کو اہل مکہ کے لیے کھانا دینے کے لیے کہا۔

لغت: **یمیر:** غلہ دے۔ **ثمامہ:** ایک صحابی کا نام ہے۔ جس نے اہل مکہ کا غلہ بند کیا تھا۔

☆☆☆

فَصْلٌ

(۲۷۶۸) إِذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ ۔ ل وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ أَيْ أَقَلُّهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ

فصل امان کے احکام

ترجمہ: (۲۷۶۸) اگر امان دیدے آزاد مرد یا آزاد عورت کافر کو یا جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو اس کا امان دینا صحیح ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے اس کا قتل کرنا۔

ترجمہ: ل اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا قول ہے کہ مسلمان کا خون برابر ہے اور ادنی آدمی بھی ذمہ داری لے لے تو ہر ایک پر لازم ہے کہ اس کو نبھائے۔

تشریح: کسی کافر کو یا کافر کی جماعت کو یا قلعے والے کو یا شہر والے کو آزاد مرد یا آزاد عورت امن دیدے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا۔ اب کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے۔ ہاں! اگر اس کو امن دینے میں کوئی خرابی ہے تو امام با ضابطہ اس کے امن توڑنے کا اعلان کرے۔ پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

وجہ: (۱) امان دینا ایک قسم کا عہد کرنا ہے کہ تم کو نہیں ماریں گے۔ اب اس کے خلاف کرنا قرآن میں مذموم ہے اس لیے یہ نہ کرے۔ آیت یہ ہے۔ **اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ** (آیت ۵۶، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں عہد توڑنا کفار کی علامت بتائی گئی ہے اس لیے عہد توڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ۔ **قال خطبنا علی ؓ فقال ما عندنا کتاب نقرؤہ الا کتاب اللہ و ما فی ھذہ الصحیفۃ... و ذمۃ المسلمین واحدۃ فمن اخفر مسلما فعلیہ مثل ذلک** (بخاری شریف، **باب ذمۃ المسلمین و جوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم**، ص ۵۰۴، نمبر ۳۱۷۲ / مسلم شریف، **باب فضل المدینۃ و دعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ الخ**، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰ / ۳۳۲۷، **کتاب الحج**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری لینے سے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی کو توڑنا نہیں چاہئے۔ (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **المؤمنون تکافأ دماؤھم و ھم ید علی من سواھم و یسعی بذمتھم ادناھم۔** (ابو داؤد شریف، **باب أیقاد المسلم من الکافر**، ص ۶۴۱، نمبر ۴۵۳۰) (۴) اور عورت کے امان کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ **انہ سمع ام ھانی ابنۃ ابی طالب تقول... فقلت یا رسول اللہ! زعم ابن امی علی ؓ انہ قاتل رجلا قد اجرتہ فلان بن ھبیرۃ، فقال رسول اللہ ﷺ قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی۔ قالت ام ھانی ذلک ضحی** (بخاری شریف، **باب امان النساء و جوارھن**، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۷۱ / ابو داؤد شریف، **باب فی امان المرأۃ**: ۲ / ۲۴، نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں حضرت ام ھانی ؓ نے امن دیا تو حضور ﷺ کی جانب سے امن مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت امن دے تب بھی سب کی جانب سے امن ہو جائے گا۔

تکافأ دماؤھم: : تکافأ: کفو سے مشتق ہے۔ **تکافأ دماؤھم:** سب کا خون برابر ہے۔ **یسعی بذمتھم ادناھم:** اس کی

۲ وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُونَهُ إِذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهِ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهِ، ۳ وَلِأَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّى وَهُوَ الْإِيمَانُ، وَكَذَا الْأَمَانُ لَا يَتَجَزَّى فَيَتَكَامَلُ كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ. قَالَ (۲۷۶۹) إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمْ ۱ كَمَا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِي النَّبْذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ادنی آدمی بھی کوشش کرے۔ **وهو الواحد:** یہ معترضہ جملہ ہے، سب مسلمان ایک ہی طرح ہیں۔

ترجمہ: ۲ اس لیے کہ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لیے کفار اس سے ڈریں گے، اس لیے کہ مسلمان دفعہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس لیے اس سے امن دینا متحقق ہو سکتا ہے، کیوں کہ وہ امن دینے کا محل ہے، پھر اس امن کی ذمہ دارے دوسرے تک بھی جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے اور پیچیدہ ہے۔ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لیے کفار اس سے ڈریں گے، پس جہاں خوف کی جگہ ہے وہیں سے امن بھی مل سکتا ہے، اس لیے ہر مومن کو امن دینے کا حق ہے۔ اور جب ایک آدمی سے امن مل گیا، تو پھیل کر دوسروں کی بھی ذمہ داری ہو جائے گی

لغت: منعة: طاقت، قدرت، دفعہ کرنے کی طاقت۔ **لملاقاته محله:** جہاں خوف ہے امن وہیں ملا ہے۔

ترجمہ: ۳ اس لیے کہ امن کا سبب ایمان ہے جو ٹکڑا نہیں ہوتا، اسی طرح امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا اس لیے کامل ہوگا، جیسے نکاح کی ولایت میں ٹکڑا نہیں ہوتا، [اس لیے سب کی ذمہ داری ہوگی]

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے، کہ امن دینے کا سبب ایمان ہے، جو سب مسلمانوں میں ہے، اس لیے اس میں ٹکڑا نہیں ہے، اس لیے امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا، یعنی ایک آدمی نے امن دیا تو سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو نبھائے۔

ترجمہ: (۲۷۶۹) مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو۔ پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے۔

تشریح: اگر امن برقرار رکھنے میں کوئی فساد ہو تو امام کو چاہئے کہ اعلان کر کے امن توڑے تا کہ وہ غفلت میں نہ رہے اور ہم عہد توڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔

وجه: (۱) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ** (سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو علی الاعلان اس کا عہد توڑ دو۔ اس لیے امام کو فساد کا خطرہ ہو تو علی الاعلان امان کو توڑ دے اور اس کی اطلاع دے۔

لغت: اَمَّنَ: باب تفعیل سے ہے، امن سے مشتق ہے امن دے، **اهل حصن:** قلعہ والے، **ينبذ اليهم: نبذ** سے مشتق ہے پھینکنا، یہاں مراد ہے عہد توڑنا، اور اس کی اطلاع دینا۔

ترجمہ: ۱ جیسے خود امام امن دے پھر اس کو توڑنے میں مصلحت دیکھے [تو امام امن توڑ دے اور کفار کو اس کی اطلاع دے دے] اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: امام نے امن دیا، پھر محسوس ہوا کہ اس میں مصلحت نہیں ہے تو امن کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع دے گا، اسی طرح کسی عام مسلمان نے امن دیا، جو مصلحت کے خلاف ہے تو امام اس کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع کرے گا۔ مصالحت کے باب میں یہ گزرا کہ اس

۲ وَلَوْحَاصَرَالْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمَّنَ وَاحِدٌ مِنَ الْجَيْشِ وَفِيهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ لِمَا بَيَّنَّا، وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِافْتِيَاتِهِ عَلَى رَأْيِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ رُبَّمَا تَفُوتُ الْمَصْلَحَةُ بِالتَّأْخِيرِ فَكَانَ مَعْذُورًا (۲۷۷۰) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ ا لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ بِهِمْ، وَكَذَا لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ. قَالَ (۲۷۷۱) وَلَا أَسِيرٍ وَلَا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ

کی اطلاع اس لیے دیگا کہ وہ ہم کو دھوکہ باز نہ کہے۔

ترجمہ: ۲ اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا، اور لشکر میں سے کسی نے امن دے دیا، اور اس میں فساد ہے تو امام اس امن کو توڑ دے گا، جیسا کہ ہم نے مصالحت کے باب میں ذکر کیا [کہ یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے جہاد کو چھوڑنا ہے] اور امام اس امن دینے والے کو تنبیہ کرے گا اپنی رائے کو ترجیح دینے کی وجہ سے، بخلاف اگر اس امن دینے میں مصلحت ہو تو امن دینے والے کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیوں کہ تاخیر کرنے کی وجہ سے کبھی مصلحت فوت ہو سکتی ہے اس لیے امن دینے والا معذور تھا۔

تشریح: امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا اور اسی دوران کسی لشکری نے کفار کو امن دے دیا، اور امام اس کو مصلحت کے خلاف سمجھتا ہے تو اس امن کو توڑ دے گا اور کفار کو اس کی اطلاع بھی کرے گا، اور اس لشکری کو تنبیہ بھی کرے گا، کیوں کہ اپنی رائے امام پر تھوپتا ہے، لیکن اگر یہ امن مصلحت کے موافق ہو تو اس کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیوں کہ اس نے اچھا ہی کیا ہے، ایسا ممکن ہے کہ امن دینے میں تاخیر ہوتی تو مصلحت فوت ہو جاتی، اس لیے امن دینے والا معذور ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۰) ذمی کا امان دینا جائز نہیں۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ ذمی پر یہ تہمت ہے کہ وہ اپنے کافر کو امان دے رہا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔

تشریح: ہمارے دار الاسلام میں کوئی کافر ذمی بن کر رہا ہو وہ کسی حربی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ذمی تو مسلمان نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان حربی کو امان دے تو سب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اس لیے ذمی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ **خطبنا علی بن ابی طالب قال.... و ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم۔** (۲) اور اگلی روایت میں یہ زیادتی ہے۔ **فمن اخفر مسلما فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین۔ لا یقبل منه یوم القیامة صرف ولا عدل** (مسلم شریف، **باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبركة**، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰ / ۳۳۲۷ / بخاری شریف، **باب ذمة المسلمین و جوارهم واحدة یسعی بها ادناهم**، ص ۵۰۴، نمبر ۳۱۷۲) اس حدیث میں ہے ذمۃ المسلمین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا امان قابل لحاظ ہے ذمی کا نہیں (۳) ذمی تو یوں بھی بلا وجہ حربی کی رعایت کرے گا اس طرح امان کا خیال رکھیں تو حربی سے جنگ ہی نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے بھی ذمی کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ (۴) اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ذمی کا مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس لیے ذمی امن دے گا تو یہ امن مسلمان پر لاگو نہیں ہوگا، اس لیے ذمی کے امن دینے کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۱) اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجروں کا جو ان کے یہاں جاتے ہوں۔

تشریح: ہمارا کوئی قیدی ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دیدے تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یا مسلمان تجارت کرنے کے لیے دار الحرب جاتا ہو وہ تاجر ان سے متاثر ہو کر کسی حربی کو امان دے تو اس امان کا اعتبار نہیں ہے۔

لِلأَنَّهُمَا مَقْهُورَانِ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ فَلَا يَخَافُونَهُمَا وَالْأَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ وَلِأَنَّهُمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ فِيهِ فَيَعْرَى الْأَمَانُ عَنِ الْمَصْلَحَةِ، وَلِأَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُونَ أَسِيرًا أَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُونَ بِأَمَانِهِ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ. ٢ وَمَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا لَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَيَّنَّا (٢٧٧) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ

وجه: قیدی کے امان کا اس لیے اعتبار نہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں مجبور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حربی کو امان دے دیگا تو پھر جنگ کیسے کریں گے۔ اس لیے قیدی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے تجار جو دار الحرب جاتے ہیں وہ ان سے متاثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امان دیں گے دل کی آزادگی اور دل کی خوشی سے امان نہیں دیں گے۔ اس لیے ان کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

لغت: اسیر: قیدی

ترجمہ: ا اس لیے کہ یہ قیدی اور تاجر کافروں کے ہاتھ میں مجبور ہیں، تو کفار ان دونوں سے ڈر نہیں رہے ہیں، اور امن وہاں سے دیا جاتا ہے جہاں خوف ہو، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ کفار ان دونوں کو امان دینے پر مجبور کریں گے، اس لیے یہ امن مصلحت سے خالی ہے، اور اس لیے کہ جب جب جنگ کا معاملہ شدت پکڑے گا تو یہ لوگ قیدی اور تاجر کو پکڑیں گے اور امن لے کر چھوٹ جائیں گے، اس طرح فتح کا دروازہ ہی نہیں کھلے گا۔

تشریح: کفار کے ہاتھ میں جو مسلمان قید ہے، یا جو مسلمان دار الحرب تجارت کے لیے گیا ہے، ان کی امان دینے کا اعتبار نہیں ہے، اس کی چار وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] یہ دونوں کفار کے ہاتھ میں مجبور ہیں [۲] امن وہ دے جس سے خوف ہو، اور ان دونوں سے کفار کو خوف نہیں ہے، اس لیے ان کے امن کا بھی اعتبار نہیں ہے [۳] کفار ان دونوں کو امن دینے پر مجبور کریں گے، اس لیے یہ امن مصلحت کے خلاف ہے، اور اوپر گزرا کہ جو امن مصلحت کے خلاف ہو اس کو توڑ دیا جائے گا۔ [۴] جب کبھی جنگ کا معاملہ سخت ہوگا تو کفار قیدی کو اور تاجر کو پکڑ کر امن لینے کی کوشش کرے گا اور مسلمان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس طرح کبھی مسلمان کی فتح ہی نہیں ہو پائے گی۔ اس لیے ان چار وجہ سے ان لوگوں کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی تک دار الاسلام میں ہجرت نہیں کی اس کا امن دینا صحیح نہیں ہے اس دلیل کی بنا پر جو بیان کی، کہ وہ کفار کے ہاتھوں مجبور ہے۔

تشریح: جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی تک دار الاسلام میں ان کا امن دینا اوپر کی چار وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مجور غلام کا امن دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا آقا قتال کرنے کی اجازت دے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح: آقا اگر غلام کو جنگ کرنے کی اجازت دی ہو پھر وہ غلام کسی حربی کو امن دے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر جنگ کی اجازت نہ دی ہو تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

وجہ: (۱) جب وہ جنگ نہیں کر سکتا تو امان بھی نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ امن دینا جنگ کے عوارض میں سے ہے۔ اس لیے جب جنگ کا

لـ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِي رِوَايَةٍ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي رِوَايَةٍ لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ رَوَاهُ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ اعْتِبَارًا بِالْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ ٢ وَبِالْمُؤَيَّدِ مِنَ الْأَمَانِ، ٣ فَالْإِيمَانُ لِكَوْنِهِ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ، وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ،

مجاز نہیں تو امان دینے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے۔ (۲) مصنف نے ایک نکتہ بیان کیا تھا کہ امن وہ دے سکتا ہے جس سے کفار کو خوف ہو، اور جب غلام کو جنگ کی اجازت نہیں ہے تو اس سے کفار کو خوف بھی نہیں ہے اس لیے وہ امن بھی نہیں دے سکتا۔ (۴) آگے ایک قول صحابی آرہا ہے جس میں ہے کہ **العبد لا یقدر علی شیء** جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ جانتے تھے کہ غلام امان نہیں دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۱ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت شافعیؒ کے ساتھ ہے، اور دوسری روایت ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ غلام کا امن بھی امن ہے اس کو حضرت ابو موسی اشعریؓ نے روایت کی ہے، اور اس لیے بھی کہ وہ مومن ہے اور کفار سے دفعیہ کرنے والا ہے اس لیے اس کے امن کا اعتبار ہوگا، جیسے اس کو قتال کی اجازت ہوتی تو اس کو امن دینے کی اجازت ہوتی۔

تشریح: یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام کو چاہے جنگ کی اجازت ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کو امن دینے کا حق ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **عن فضیل الرقاشی قال... فقالوا امتنمونا واخرجوا الینا السھم، فیہ کتاب امانھم فقلنا ھذا عبد والعبد لا یقدر علی شیء قالوا لا ندری عبدکم من حرکم وقد خرجوا بامان قلنا فارجعوا بامان قالوا لا نرجع الیہ ابدا فکتبنا الی عمر ﷺ بعض قصتھم فکتب عمر ﷺ ان العبد المسلم من المسلمین امانہ امانھم** (مصنف عبد الرزاق، **باب الجوار وجوار العبد والمرأۃ** ۵: / ۱۵۲، نمبر ۹۴۹۹ / **سنن للبیھقی، باب امان العبد** ۹: / ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۰) (۲) وہ بھی مسلمان ہے اور مسلمان کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لیے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا، حدیث گزر چکی، **ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم** (مسلم شریف، **باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ** ص ۵۴۰، نمبر ۱۳۷۰) (۳) حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ **عن علی بن ابی طالب قال رسول اللہ ﷺ لیس للعبد من الغنیمۃ شیء الا خرثی المتاع وامانہ جائز اذا ھو اعطی القوم الامان** (سنن للبیھقی، باب **امان العبد** ۹: / ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۴ **فی امان المرأۃ والمملوک** ۶: / ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۸۳) اس حدیث میں صراحت ہے کہ غلام چاہے جنگ میں شریک نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لیے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا۔ (۴) جس طرح قتال کی اجازت والا غلام امن دے سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے جس کو جنگ کی اجازت نہیں ہے وہ بھی کفار کو امن دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور موبد امان پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: موبد امان: ہمیشہ کا امن۔ کافر نے محجور غلام سے ذمی بننے کی خواہش کی، غلام نے ذمی بننے کی خط تحریر کر دی تو وہ ذمی بن جائے گا، اس کو موبد امان، کہتے ہیں، پس جس طرح محجور غلام موبد امان دے سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے فوری امان بھی دے سکتا ہے۔ یہ امام محمدؒ کا قیاس ہے۔

ترجمہ: ۳ ایمان عبادت کے لیے شرط ہے اور جہاد بھی عبادت ہے [اس لیے جب محجور غلام میں ایمان ہے تو وہ امن بھی دے سکتا ہے]

؎وَالِامْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ إِزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ، ۵؎وَالتَّأْثِيرُ إِعْزَازُ الدِّينِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلَحَةِ فِي حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ؛ إِذْ الْكَلَامُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ، ۶؎ وَإِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْطِيلِ مَنَافِعِ الْمَوْلَى وَلَا تَعْطِيلَ فِي مُجَرَّدِ الْقَوْلِ. ۷؎وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَلَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُمْ لَا يَخَافُونَهُ فَلَمْ يُلَاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ لِأَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ. ۸؎وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ الْمَوْلَى عَلَى وَجْهٍ لَا يَعْرَى عَنْ احْتِمَالِ الضَّرَرِ فِي حَقِّهِ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ وَفِيهِ مَاذَكَرْنَاهُ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يُخْطِئُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ، وَفِيهِ سَدُّ بَابِ الِاسْتِغْنَامِ،

تشریح: اوپر مومن، ممتنع، کہا ہے اس کی تشریح کر رہے ہیں، کہ غلام میں مومن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جہاد ایک عبادت ہے اور عبادت ادا ہونے کے لیے ایمان کی شرط ہے، اس لیے امن دینے والا غلام مومن ہو تب اس کا امن دینا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ؎غلام میں دفعیہ کرنے کی طاقت ہو کیوں کہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اس کے امن دینے سے کفار کا خوف ختم ہوگا۔

تشریح: اوپر کہا تھا کہ غلام ممتنع ہو، یعنی دفعیہ کرنے کی طاقت ہو، کیوں کہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اس کے امن دینے سے خوف ختم ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎اور اس کی تاثیر یہ ہے کہ دین کو بلند کرتا ہے اور مسلمان کی جماعت کے حق میں مصلحت کو قائم کرتا ہے، اس لیے اس قسم کی حالت کے بارے میں کلام ہے۔

تشریح: غلام بھی امن دے دے اس کا مقصد یہ ہے کہ دین کی بلندی حاصل ہو جائے، اور مسلمانوں کے بارے میں مصلحت کی رعایت ہو جائے۔

ترجمہ: ؎مجبور غلام قتال اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کے منافع ضائع ہوں گے، اور صرف بات سے امن دینے میں منافع ضائع نہیں ہوں گے۔

تشریح: یہ بھی امام محمدؒ کی دلیل ہے کہ مجبور غلام قتال اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کا حق ضائع ہوگا، اور امن دینے میں اس کا حق ضائع نہیں ہوتا ہے اس لیے امن دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۷؎اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتال سے روکا گیا ہے تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا اس لیے کہ کفار اس سے نہیں ڈرے گا تو امن دینا بھی اپنی جگہ پر نہیں ہے، بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو اس لیے کہ اس سے خوف متحقق ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس غلام کو لڑنے کی اجازت نہیں ہے اس سے کفار کو خوف نہیں ہے، اس لیے اس کو امن دینا بھی جائز نہیں ہوگا، اور جس کو لڑنے کی اجازت ہے اس سے کفار کو خوف ہوگا تو اس سے امن دینا بھی برمحل ہوگا۔

ترجمہ: ۸؎اور اس لیے کہ مجبور غلام قتال کا مالک نہیں ہے اس کے حق میں ایسا تصرف ہوگا جو اس کو نقصان دے گا اور امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور اس بارے میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ غلام غلطی کر سکتا ہے، بلکہ غلطی کا امکان زیادہ ہے، اور اس غلطی کی وجہ سے آقا کو مال غنیمت میں بھی حصہ نہیں ملے گا۔

اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور آقا نے قتال کرنے سے منع کیا ہے اس لیے یہ امن بھی

۹ بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِهِ وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالَ، ۱۰ وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إِلَيْهِ، وَلِأَنَّهُ مُقَابَلٌ بِالْجِزْيَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذَلِكَ، وَإِسْقَاطُ الْفَرْضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا. ۱۱ وَلَوْ أَمِنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لَا يَعْقِلُ لَا يَصِحُّ كَالْمَجْنُونِ وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ، وَإِنْ كَانَ مَأْذُونًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالْاتِّفَاقِ.

نہیں دے سکتا ہے، دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھور غلام امن دے گا تو کوئی نقصان ضرور کرے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا نقصان کر لے جس سے آقا کو مال غنیمت بھی نہ ملے اس لیے اس کو امن دینے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۹ بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو تو اس کی غلطی پر آقا راضی ہے، اور قتال کرنے کی وجہ سے اس میں غلطی کم ہوتی ہے۔

تشریح: جس کو قتال کی اجازت دی ہے تو آقا اس کی غلطی پر راضی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قتال میں شرکت کی وجہ سے اس میں کم غلطی ہوتی ہے اس لیے اس کو امن دینے کا اختیار ہے۔

ترجمہ: ۱۰ بخلاف موبد، یعنی ذمی بنانے کو قبول کرنے کے، اس لیے کہ وہ قتال کا خلیفہ نہیں بلکہ اسلام لانے کا خلیفہ ہے اور اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہے، اور اس لیے کہ اس کے مقابلے میں جزیہ آئے گا، بلکہ ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے، اور فرض کو ساقط کرنے میں نفع ہے اس لیے امن دینے میں اور ذمی بنانے میں فرق ہو گیا۔

تشریح: یہاں سے ذمی بنانے اور امن دینے میں تین فرق بیان کر رہے ہیں، اور امام محمدؒ کو جواب بھی دے رہے ہیں [۱] موبد کا معنی ہے ذمی بنانا، ذمی بنانا گویا کہ مستقبل میں اسلام کی دعوت دینا ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لیے مجھور غلام ذمی بنا سکتا ہے، جبکہ امن دینا اسلام کی دعوت دینا نہیں ہے، بلکہ کفار کو بے خوف کرنا ہے اس لیے مجھور غلام کو اس کی اجازت نہیں ہوگی [۲] ذمی بنانے سے جزیہ آئے گا جس میں صراصر مسلمانوں کا فائدہ ہے اس لیے مجھور غلام ایسا کر سکتا ہے، جبکہ امن دینا مصلحت کے خلاف ہو سکتا ہے اس لیے امن نہیں دے سکتا۔ [۳] ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے اس لیے مجھور غلام کو اس فرض کی ادائیگی کی اجازت ہوگی، جبکہ امن دینا فرض نہیں ہے، اس لیے مجھور غلام کو امن دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱۱ اگر ایسے بچے نے امن دیا جو سمجھتا نہیں ہے تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا جیسے مجنون کا امن دینا صحیح نہیں ہے اور اگر سمجھتا ہے، لیکن قتال سے روک دیا گیا ہے تو اس میں اوپر کا اختلاف ہے، اور اگر اس بچے کو قتال کی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ بالاتفاق اس کا امن دینا جائز ہے۔

تشریح: یہاں بچے کے بارے میں تین حالتیں بیان کر رہے ہیں [۱] اگر اتنا چھوٹا بچہ ہے کہ اس کو کوئی سمجھ ہی نہیں ہے تو اس کا امن دینا مجنون کی طرح جائز نہیں ہے۔ [۲] اور اگر وہ اتنا بڑا ہے کہ قتال کو سمجھتا ہے، لیکن والدین کی جانب سے قتال کی اجازت نہیں ہے تو اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو مجھور غلام کے بارے میں ابھی گزرا۔ [۳] اور اگر وہ بچہ اتنا بڑا ہے کہ اس کو قتال کی بھی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے اس کا امن دینا بالاتفاق جائز ہے۔

☆☆☆

بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا

(۲۷۷۳)وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً أَيْ قَهْرًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَّمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِخَيْبَرَ وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلَى أَرَاضِيهِمُ الْخَرَاجَ ۱؎ كَذَلِكَ فَعَلَ عُمَرُ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوَافَقَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ،

باب الغنائم وقسمتها

ترجمہ:(۲۷۷۳)اگر امام کسی شہر کو طاقت سے فتح کرے تو اس کو اختیار ہے چاہے اس کو غازیوں کے درمیان تقسیم کردے[جیسا کہ حضور ﷺ نے خیبر میں کیا]اور چاہے تو اس کے رہنے والے کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ مقرر کردے اور اس کی زمین پر خراج مقرر کردے۔

ترجمہ: ۱؎ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین میں صحابہ کے اتفاق سے کیا، اور ان کے مخالفت جن لوگوں نے کی اس کی کوئی پذیرائی نہیں ہوئی۔اور دونوں ہی طریقوں میں رہنمائی ہے اس لیے امام کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

تشریح: کسی شہر کو امام طاقت سے فتح کرے تو ان کو اس کی زمین کے بارے میں دو اختیار ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ وہاں کے باشندے کو اس زمین پر برقرار رکھے اور باشندوں پر ذمی ہونے کے اعتبار سے جزیہ مقرر کردے اور زمین پر خراج مقرر کردے۔

وجہ:(۱) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ امام کو اس کا اختیار ہے۔**مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت آیا وہ اللہ اور رسول کا ہے۔اس لیے اس کی جگہ جو امیر ہے اس کو تقسیم کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی اور اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا۔اور پھر یہودیوں کو ہی کام کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔اور مکہ مکرمہ کو بھی طاقت سے فتح کیا لیکن اس کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔بعد میں وہ لوگ ایمان لے آئے۔خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی گئی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عمر ؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجاهم الى قصرهم** (۳) اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کی اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔**عن سهل بن ابی حثمة قال قسم رسول الله ﷺ خيبر نصفين، نصفا لنوائبه وحاجته ونصفا بين المسلمين قسمها بينهم على ثمانية عشر سهما** (۴) اور یہود کو اس زمین پر کام کرنے دیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عبد الله بن عمر ؓ قال لما افتتحت خيبر سألت يهود رسول الله ﷺ ان يقرهم على ان يعملوا على النصف مما خرج منها فقال رسول الله ﷺ اقركم فيها على ذلك ماشئنا** (ابوداؤد شریف، **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر** : ۲/ ۶۸ نمبر ۳۰۰۶/ ۳۰۱۰/ ۳۰۰۸/ بخاری شریف، **باب معاملة النبی ﷺ اهل خيبر**، ص ۴۰۹، نمبر ۲۳۲۸، **باب غزوة خيبر**، ص ۷۰۳، نمبر ۴۱۹۷، کتاب المغازی) ان حدیثوں سے تینوں باتیں ثابت ہوئیں۔

وَفِي كُلٍّ مِنْ ذَلِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ. ٢ وَقِيلَ الْأَوْلَى هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ حَاجَةِ الْغَانِمِينَ، ٣ وَالثَّانِي عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُونَ عُدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِي، وَهَذَا فِي الْعِقَارِ. أَمَّا فِي الْمَنْقُولِ الْمُجَرَّدِ لَا يَجُوزُ الْمَنُّ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ فِيهِ. ٤ وَفِي الْعِقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِي الْمَنِّ إِبْطَالُ حَقِّ الْغَانِمِينَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ، وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقِلَّتِهِ،

لوگوں کو برقرار رکھے اور خراج لگائے (۱) اس کی دلیل یہ عمل صحابہ ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **ان عمر بن الخطاب بعث عثمان بن حنیف فمسح السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر حیث یناله الماء قفیزا و درهما** (**سنن للبیهقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد**: ۹/۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) حضرت عمرؓ نے سواد یعنی عراق کی زمین فتح کی اور اس کے لوگوں کو ذمی قرار دیا اور ان پر خراج مقرر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ باشندوں کو بحال رکھ کر خراج مقرر کر سکتے ہیں (۲) **عن عثمان بن ابی سلیمان ان النبی ﷺ بعث خالد بن ولید الی اکید ر دومة فاخذوه فاتوا به فحقن له دمه و صالحه علی الجزیة** (**سنن للبیهقی، باب من قال تو خذ منهم الجزیة عربا کان او عجما**: ۹/۳۱۴، نمبر ۱۸۶۴۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جزیہ لے سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ طاقت سے فتح ہوا (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان ابن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ غزا غزوة الفتح فی رمضان** (بخاری شریف، **باب غزوة الفتح فی رمضان**، ص ۷۱۲، نمبر ۴۲۷۵/ مسلم شریف، **باب فتح مکة**: ۲/۱۰۲، نمبر ۱۷۸۰/ ۴۶۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ بزور طاقت ہوا۔ اس کے باوجود وہاں کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی (۲) اسی طرح عراق کی زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ امام کو دونوں اختیار ہیں۔

لغت: عنوة: زبردستی کر کے لینا، **غانمین**: غانم کی جمع ہے، غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین۔ **سواد العراق**: عراق کی جو سرسبز زمین ہے اس کو سواد عراق، کہا جاتا ہے، گویا کہ وہ کالی ہے۔

ترجمہ: ٢ بعض حضرات نے فرمایا کہ تقسیم کرنا مجاہدین کی ضرورت کے وقت زیادہ بہتر ہے، اور دوسرا یعنی کفار کو اس کی زمین پر برقرار رکھنا ضرورت کے نہ ہونے کے وقت بہتر ہے تا کہ بعد میں کام آئے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ مجاہدین کو مالی ضرورت ہو تو فتح کی ہوئی زمین مجاہدین میں تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہے، اور مجاہدین کو زمین کی ضرورت نہ ہو تو کفار کو اس پر برقرار رکھنا زیادہ بہتر ہے تا کہ بعد میں یہ زمین کام آئے۔

لغت: عدة: تیار رہے۔ **فی الزمان الثانی**: بعد کے زمانے میں۔

ترجمہ: ٣ یہ بات زمین کے سلسلے میں ہے، بہر حال منقولی جائداد تو کفار پر احسان کر کے اس کو اس پر واپس کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ شریعت میں واپس کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی رائے کہ تقسیم کرو یا نہ کرو، یہ زمین کے بارے میں ہے، لیکن منقولی جائداد کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں اس قسم کی تصریح نہیں ہے کہ منقولی جائداد اس کی طرف واپس کی جائے۔ **من**: احسان کرنا۔

ترجمہ: ٤ اور زمین کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس لیے کہ احسان کر کے کفار کو زمین پر برقرار رکھنے میں مجاہدین کے

۵ بِخِلَافِ الرِّقَابِ لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ، ۶ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، ۷ وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا؛ لِأَنَّهُمْ كَالْأَكَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِينَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوهِ الزِّرَاعَةِ وَالْمُؤَنِ مُرْتَفِعَةٌ ۸ مَعَ مَا أَنَّهُ يَحْظَى بِهِ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدُ، وَالْخِرَاجُ وَإِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَآلًا لِدَوَامِهِ، وَإِنْ مَنَّ عَلَيْهِمْ بِالرِّقَابِ وَالْأَرَاضِي يَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ بِقَدْرِ مَا يَتَهَيَّأُ لَهُمُ الْعَمَلُ لِيَخْرُجَ عَنْ حَدِّ الْكَرَاهَةِ.

حق اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے، اور اس کے بالمقابل بدلے میں کچھ بھی نہیں ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہوگا، اور خراج لینا قتل کرنے کے برابر نہیں ہے۔

تشریح: زمین کے سلسلے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ کفار کو واپس دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مجاہدین کے حق کو اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے اور اس کے بدلے میں اس کو کچھ نہیں مل رہا ہے، اور جو خراج لیا جائے گا وہ قتال او جہاد کے مقابلے میں کوئی خاص چیز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ بخلاف کفار کی گردن کے اس لیے کہ امام کو یہ حق ہے کہ سب کو قتل کر کے مجاہدین کا پورا حق باطل کر دے۔

تشریح: کفار کے مرد اور عورتیں جو قید ہوئے اس کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرے تو امام کو اس کا اختیار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سب قیدیوں کو قتل کرادے اور مجاہدین کو نہ دے، تو یہ بھی حق ہے کہ مجاہدین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ: ۶ لیکن امام شافعیؒ پر وہ حدیث حجت ہے جس کو ہم نے روایت کی۔

تشریح: ابھی حضرت عمر کا قول نقل کیا کہ عراق کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ کفار کو اس پر برقرار رکھا اس لیے حضرت عمر کا قول حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

تشریح: پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، کیوں کہ وہ مسلمانوں کے لیے کھیتی کریں گے، کیوں کہ وہ کھیتی کرنا جانتے ہیں، اور ہمیں کھیتی کرنے کا اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا

تشریح: زمین کفار کو تقسیم کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، کہ یہ لوگ کھیتی کرنا جانتے ہیں اور ہم کو کھیتی کے اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا اور غلہ آجائے گا۔

لغت: **اکرۃ:** کھیتی کرنے والے لوگ۔ **والمؤنۃ مرتفعۃ: مؤنۃ:** کھیتی کرنے کے اخراجات **مرتفعۃ:** دینا نہیں پڑے گا۔

ترجمہ: ۸ ساتھ ہی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے نسلوں کا حصہ ہوگا، اور ابھی جو خراج لیا جائے گا وہ اگر چہ کم ہے، لیکن چونکہ ہمیشہ آئے گا اس لیے مستقبل کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔

تشریح: یہ زمین جو کفار کے پاس رہنے دیا یہ بعد میں آنے والی نسلوں کا حصہ ہوگا، یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور جو خراج آرہا ہے وہ اگر چہ ابھی کم ہے، لیکن ہمیشہ آتا رہے گا تو ہمیشہ کی وجہ سے بہت ہو جائے گا تو یہ بھی ایک فائدہ ہے۔

لغت: **یحظی:** حظ سے مشتق ہے، حصہ ہونا۔ **جل:** زیادہ ہو جائے گا۔ **مالا:** مآل کے اعتبار سے بعد کے اعتبار سے۔

ترجمہ: ۹ اگر کفار کی گردنیں بھی چھوڑ دی اور زمینیں بھی چھوڑ دی تو ان کو اتنی منقولی جائداد دے دی جائے جو اس کے کام کرنے کے لیے مناسب ہو تا کہ کراہیت کی حد سے نکل جائے۔

قَالَ (۲۷۷۴)وَهُوَ فِي الْأُسَارٰى بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – قَدْ قَتَلَ، وَلِأَنَّ فِيهِ حَسْمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ وَإِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وُفُورِ الْمَنْفَعَةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ ۲؎ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ لِمَا بَيَّنَّا.

تشریح: قید میں آئے ہوئے کفار کو چھوڑ دیا، اور اس کی زمین بھی اس کو حوالہ کر دیا تو منقولی جائداد میں سے اتنی اس کو دی جائے گی جس سے وہ آسانی سے کھیتی باڑی کر سکے، تا کہ اس کو تنگی نہ ہو اور کراہیت نہ ہو۔

لغت:من علیھم بالرقاب: گردن کو چھوڑ کر اس پر احسان کیا۔ **یتھیأ:** تیار کر سکے۔

ترجمہ: (۲۷۷۴) اور امام کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دے [اس لیے کہ حضور ﷺ نے قتل کیا ہے، اور اس میں فساد کے مادے کو ختم کرنا] اور چاہے ان کو غلام بنائیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ اس میں کفار کے شر کو دفع کرنا ہے، اور اہل اسلام کو اس میں بہت نفع ہے۔

تشریح: جو قیدی میدان جنگ میں ہاتھ آ گئے ان کے بارے میں امام کو تین اختیار ہیں۔ مصلحت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے (۱) اگر بہت شریر ہو تو ان کو قتل کر دے تا کہ اس کی شرارت سے بچ سکے (۲) مناسب سمجھے تو قیدیوں کو غلام بنا کر رکھے (۳) اور مناسب سمجھے تو آزاد چھوڑ دے۔ لیکن ان کو مسلمانوں کے لیے ذمی بنا کر رکھے تا کہ خراج اور جزیہ ادا کرتا رہے۔

وجہ: (۱) احادیث میں تینوں کا ثبوت ہے۔ قیدیوں کو قتل کر دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری ؓ قال لما نزلت بنو قریظة علی حکم سعد بعث رسول اللہ ﷺ... قال انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذریة قال لقد حکمت فیهم بحکم الملک** (بخاری شریف، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۳/مسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم، ص ۷۸۴، نمبر ۱۷۶۸/۴۵۹۶) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ دخل عام الفتح وعلی رأسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبة فقال اقتلوه** (بخاری شریف، باب قتل الاسیر وقتل الصبر، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۴/مسلم شریف، باب جواز دخول مکة بغیر احرام، ص ۴۳۹، نمبر ۱۳۵۷/۳۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدی کو مناسب سمجھیں تو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر مناسب سمجھیں تو زندہ رکھ کر قیدی بنا سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر کی حدیث بنی قریظہ میں یہ جملہ گزرا۔ **وان تسبی الذریة** (بخاری شریف، نمبر ۳۰۴۳/مسلم شریف، نمبر ۱۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی بھی قیدی کو بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لیے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے۔

احسانا چھوڑ دیں اور ذمی بنا دیں اس کی دلیل یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **سمع ابا هریرة یقول بعث رسول اللہ ﷺ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من حنیفة یقال له ثمامة بن اثال... فقال ماذا عندک یا ثمامة فقال عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان تقتل تقتل ذا دم وان کنت ترید المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول اللہ ﷺ اطلقوا ثمامة** (مسلم شریف، باب ربط الاسیر وحبسه وجواز المن علیه: ۲/ ۹۳، نمبر ۱۷۶۴/ ۴۵۸۹) اس حدیث میں حضرت ثمامہ قیدی کو چھوڑ دیا قتل نہیں کیا۔ (۲)

(۲۷۷۵) إلا مشركي العرب والمرتدين ا على ما نبين إن شاء الله تعالى (۲۷۷۶) ولا يجوز أن يردهم إلى دار الحرب ا لأن فيه تقويتهم على المسلمين، ٢ فإن أسلموا لا يقتلهم لاندفاع الشر بدونه (۲۷۷۷) وله أن يسترقهم توفيرا للمنفعة بعد انعقاد ا سبب الملك بخلاف إسلامهم قبل الأخذ، لأنه

دوسری حدیث میں ہے۔ حدثنی عطیة القرظی قال کنت من سبی بنی قریظة فکانوا ینظرون فمن انبت الشعر قتل ومن لم ینبت لم یقتل فکنت فیمن لم ینبت (ابو داؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۴، کتاب الحدود) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کے طور پر چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ (۳) پہلے آیت گزر چکی ہے۔ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (آیت ۴، سورہ محمد ﷺ ۴۷) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۵) مگر عرب کا مشرک اور مرتد کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔

ترجمہ: ا اس کے بارے میں ہم بعد میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح: عرب کے مشرک سے اور مرتد سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان کی ایک صورت ہے کہ ایمان لائے، یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس کی پوری بحث جزیہ کے باب میں آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۶) البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو دار الحرب کی طرف جانے دیں۔

ترجمہ: ا اس لیے، اس صورت میں وہ مسلمان کے مقابلے میں قوی ہو جائیں گے۔

تشریح: مسلمان قیدیوں کے بدلے میں نہیں بلکہ یوں ہی کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس جانے دیں یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) پھر تو حربی مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔ اس لیے قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے (۲) آیت گزر چکی ہے کہ قیدیوں کو مارو، تو اس کو دار الحرب بھیجنا کیسے درست ہوگا۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ قیدیوں کو مارو اس لیے اس کو واپس بھیجنا درست نہیں ہوگا (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (د) (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں بھی ہے کہ حربیوں کو قتل کرو اس لیے واپس بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کی وجہ سے فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (آیت ۴، سورہ محمد ۴۷) والی آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

ترجمہ: ٢ پس اگر وہ قیدی مسلمان ہو گئے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ بغیر قتل کیے ہوئے ہی اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۷) امام کے لیے جائز ہے کہ ان کو غلام بنا کر رکھے۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ غلامیت کا سبب منعقد ہونے کے بعد مسلمانوں کا بہت نفع ہے، بخلاف اگر پکڑے جانے سے پہلے مسلمان ہو گئے ہوں تو اب انکو غلام نہیں بنا سکتے، کیوں کہ غلام بنانے کا سبب منعقد نہیں ہوا۔

لَمْ يَنْعَقِدِ السَّبَبُ بَعْدُ وَلَا يُفَادَى بِالْأَسَارَى (۲۷۷۸)عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يُفَادَى بِهِمْ أُسَارَى الْمُسْلِمِينَ ۱؎وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالِانْتِفَاعِ بِهِ. ۲؎وَلَهُ أَنَّ فِيهِ مَعُونَةَ الْكَفَرَةِ، لِأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا، وَدَفْعُ شَرِّ حِرَابِهِ خَيْرٌ مِنِ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ، لِأَنَّهُ إِذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْنَا،

تشریح: جو آدمی غلام اور باندی بن چکا ہے اس کے بعد اسلام لایا تو چونکہ غلام بننے کا سبب منعقد ہو چکا ہے، اس لیے امام کو اختیار ہے کہ اس کو غلام بنائے رکھے۔ اور پکڑے جانے سے پہلے کافر مسلمان ہو گیا تو اب اس کو غلام نہیں بنا سکتے، کیوں کہ وہ پکڑے جانے سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے اس لیے اب ان کو غلام نہیں بنا سکتے۔

ترجمہ: (۲۷۷۸) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ لے کر نہیں چھوڑنا چاہئے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں فدیہ لے کر کافر کو چھوڑ سکتے ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ کافر سے فدیہ لے کر اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے، اسی طرح مسلمان قیدی کافر کے قبضے میں ہو اس کے بدلے میں کافر قیدی کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ مسلمان قیدی کے بدلے میں کافر قیدی کو چھوڑنا جائز ہے۔

وجہ: (۱)**عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشرکین** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۸) (۲) مسلم شریف میں یوں ہے۔ **حدثنی ایاس بن سلمۃ حدثنی ابی قال غزونا فزارۃ وعلینا ابو بکر۔۔۔ فبعث بہا رسول اللہ ﷺ الی اہل مکۃ ففدی بہا ناسا من المسلمین کانوا اسروا بمکۃ** (مسلم شریف، باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری، ص ۸۹، نمبر ۱۷۵۵) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیدی کے بدلے قیدی رہا کر سکتے ہیں۔

وجہ: (۱) امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس سے کفار طاقت ور ہوں گے اور آگے چل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے، اس لیے قیدی کو فدیہ لیکر، یا قیدی کے بدلے میں نہیں چھوڑنا چاہئے (۲) اس آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ **مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ حضور کو قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے۔

ترجمہ: ۱؎ اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، اس لیے کہ اس میں مسلمان کو چھٹکارا دلوانا ہے، اور یہ کافر کو قتل کرنے، اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فدیہ لے کر واپس کرنے میں کافر کی مدد کرنا ہے کیوں کہ وہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، اور مسلم قیدی کو چھڑانے سے جنگ کی شر کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ وہ صرف اکیلا اس کے قبضے میں ہوگا تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی ہم مسلمانوں کو اس کی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر قیدی ان کو دے دیں تو اس کا نقصان ہم سب مسلمانوں پر آئے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کافر چھوٹ کر دار الحرب جائیں گے تو وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے، یہ نقصان اپنا

۳؎ وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إِلَيْهِمْ مُضَافٌ إِلَيْنَا. أَمَّا الْمُفَادَاةُ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنْ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا. وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ اسْتِدْلَالًا بِأُسَارَى بَدْرٍ، ۴؎ وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأَسِيرُ فِي أَيْدِينَا لَا يُفَادَى بِمُسْلِمٍ أَسِيرٍ فِي أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إِسْلَامِهِ. قَالَ (۲۷۷۹) وَلَا يَجُوزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ ۱؎ أَيْ عَلَى الْأُسَارَى خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ «مَنَّ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – عَلَى بَعْضِ الْأُسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ. وَلَنَا قَوْله تَعَالَى {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ} » وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ ثَبَتَ حَقُّ الِاسْتِرْقَاقِ فِيهِ فَلَا يَجُوزُ إِسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ وَعِوَضٍ، وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بِمَا تَلَوْنَا

قیدی چھڑانے سے زیادہ ہے اس لیے قیدی کے بدلے میں بھی کفار کے قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، ہمارے قیدی اس کے ہاتھ میں ہوں گے تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی، لیکن جب کفار جنگ کریں گے تو مسلمانوں کا یہ نقصان بہت بڑا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اگر مال کا فدیہ کافروں سے لیں تو ہمارا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے، لیکن سیر کبیر میں ہے کہ مسلمان کو مال کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ جنگ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ جعل فداء اهل الجاهلية يوم بدر اربعمائة۔** (ابوداود شریف، **باب فی فداء الاسیر بالمال**، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا (۲) **قال ابن عباس... فقال ابو بکر یا نبی اللہ ھم بنو العم و العشیرة اری ان تاخذ منھم فدیة.... فھوی رسول اللہ ﷺ ما قال ابو بکر و لم یھو ما قلت۔** (مسلم شریف، **باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر**، ص ۷۸۲، نمبر ۱۷۶۳/ ۴۵۸۸) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اگر ہمارے قبضے کے قیدی مسلمان ہو گئے تو جو مسلمان قیدی کفار کے قبضے میں ہیں اس کے بدلے فدیہ دینا ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں وہ اپنی خوشی سے جانا چاہے تو ٹھیک ہے کیوں کہ وہ اپنے اسلام پر محفوظ ہے۔

تشریح: جو قیدی مسلمان ہو گیا ہے تو یہ بھی مسلمان ہے اور جو قیدی کفار کے ہاتھ میں ہے وہ بھی مسلمان ہے تو اس قیدی کے بدلے اس کو لینے میں کائی فائدہ نہیں ہے، ہاں یہ قیدی خوشی سے جانا چاہے تو کر سکتا ہے، کیوں کہ اس کا اسلام محفوظ ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۹) قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جنگ بدر کے دن بعض قیدیوں پر احسان کیا ہے ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے کہ جہاں کہیں پاؤ مشرکین کو قتل کرو، اور اس لیے کہ قید کرنے اور مجبور کرنے سے غلام بنانے کا حق ثابت ہو گیا ہے اب بغیر نفع کے اور بغیر بدلے کے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا، اور امام شافعیؒ نے جو بدر والی روایت پیش کی ہے وہ اوپر کی آیت سے منسوخ ہے۔

تشریح: ایک ہے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس کی تفصیل اوپر گزری، یہاں یہ صورت ہے کہ بغیر کچھ لیے کفار قیدی کو چھوڑ دینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ کفار کو جہاں کہیں پاؤ اس کو قتل کرو اس لیے اس کو بغیر معاوضے کے چھوڑ دیا جائز نہیں ہے

(۲۷۸۰) وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعَوْدَ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ **فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ** (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) دلیل عقلی یہ ہے کہ بڑی مشکل سے اس کو قید کیا ہے، اور اب اس پر غلام بنانے کا حق ثابت ہوا ہے تو اب بغیر کسی بدلے کے اس کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو بغیر بدلے کے بھی چھوڑا جا سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت ابی العاص کو حضور نے بغیر بدلے کے چھوڑا تھا، اس لیے چھوڑنے کی گنجائش ہے، لیکن بغیر مصلحت کے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وجه: امام شافعی کی حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت.... و قال ان رأيتم ان تطلقوا لها أسيرها و تردوا عليها الذى لها قالوا نعم۔** (ابوداؤد شریف، **باب فی الفداء الاسير بالمال**، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۲) اس حدیث میں حضرت ابی العاص کو بغیر فدیہ لیے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اوپر والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ حضرت ابو العاص کو مفت چھوڑنے کے لیے صحابہ سے چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی، ان حضرات نے قبول کیا تب انکو چھوڑا، جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں قیدی کو مفت چھوڑنا جائز نہیں۔

لغت: **اسر:** قید کرنا۔ **قسر:** مجبور کرنا۔ **استرقاق:** رق سے مشتق ہے، غلام بنانا۔

ترجمه: (۲۷۸۰) اگر امام دار الاسلام کی طرف واپس آنا چاہے اور اس کے پاس مویشی ہو اور اس کو دار الاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کردے اور اس کو جلا دے نہ اس کا کونچ کاٹے اور نہ اس کو یوں ہی چھوڑ دے۔

تشريح: امام اور مجاہدین دار الحرب سے دار الاسلام جا رہے ہیں ان کے پاس دار الحرب کے کچھ مویشی ہیں اس کو دار الاسلام نہیں لے جا سکتا تو اس کو حربیوں کے فائدے کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اس کو ذبح کرے اور گوشت کو جلا دے تا کہ اس سے حربی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

وجہ: (۱) کفار کو فائدہ نہ اٹھانے دے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ** (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ کفار کے درختوں کو چھوڑ دو یا کاٹ دو یہ اللہ کے حکم سے ہو اور اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کو شرمندگی ہو (۲) **عن ابن عمرؓ قال حرق رسول اللهﷺ نخل بنى النضير و قطع وهى البويرة** (بخاری شریف، **باب حديث بنى النضير و مخرج رسول اللهﷺ اليهم فى دية الرجلين**، ص ۶۷۵، نمبر ۴۰۳۱/ مسلم شریف، **باب جواز قطع اشجار الكفار و تحريقها**: ۲/ ۸۵، نمبر ۴۶۱۷/ ۴۵۵۲) اس حدیث میں ہے کہ کفار کو مجبور کرنے کے لیے بنی نضیر کا درخت جلایا اور اس کو ویران کیا۔ اسی طرح اس کے مویشی کو بھی قابل استفادہ نہ رہنے دیا جائے۔

لیکن اس کو زندہ جلانا جائز نہیں ہے اس لیے ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا دے یا دفن کر دے تا کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ ان النبىﷺ قال لا تتخذوا شيئا فيه الروح غرضا** (مسلم شریف، **باب النهى عن صبر البهائم**: ۲/ ۱۵۳، نمبر ۱۹۵۷/ ۵۰۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں مارنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو زندہ نہیں جلانا چاہئے اور نہ اس کی ٹانگ ہاتھ کاٹ کر چھوڑنا چاہئے۔ کیوں کہ اس سے جانور کو تکلیف ہوگی۔ البتہ ذبح کرنا جائز ہے اور اس

وَلَايَعْقِرُهَا ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَتْرُكُهَا؛ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ ۲؎ وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوزُ لِغَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَا غَرَضَ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ، ثُمَّ يُحْرَقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطِعَ مَنْفَعَتُهُ عَنِ الْكُفَّارِ وَصَارَ كَتَخْرِيبِ الْبُنْيَانِ بِخِلَافِ التَّحْرِيقِ قَبْلَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ. ۳؎ وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ لِأَنَّهُ مُثْلَةٌ.

کے بعد گوشت جلانے میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی (۲) قول صحابی میں ہے کہ جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہ چھوڑے یہ مثلہ ہے اور مثلہ ناجائز ہے۔قول صحابی یہ ہے۔ **ان ابا بکر ؓ لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان... ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمة ولا شجرة تثمر** (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق الخ: ۹/ ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵) (۳) دوسری روایت میں ہے۔ **ان ابا بکر ؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معه فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل** (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل ماله روح الا بان یذبح فیوکل: ۹/ ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کر کے اس کو جلائے بغیر ذبح کئے نہ جلائے۔ کیوں کہ فرمایا کہ ہاتھ اور ٹانگ کاٹ کر چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے۔

لغت: یعقر: عقر سے مشتق ہے، کوچ کاٹنا یعنی پاؤں پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دینا، **مواش:** جانور، **ماشیة** کی جمع ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے کھانے کے علاوہ کے لیے جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے کھانے کے علاوہ کے لیے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **ان ابا بکر ؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معه فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل** (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل ماله روح الا بان یذبح فیوکل: ۹/ ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کی مویشی کو ذبح نہ کرے یوں ہی چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح غرض کے لیے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کے شوکت کو توڑنے سے بہتر غرض اور کیا ہوگا، پھر اس کو آگ سے جلا دیا جائے تا کہ کفار کا نفع منقطع ہو جائے، اور عمارت کو برباد کی طرح ہو گیا۔

تشریح: صحیح غرض کے لیے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، اور اس سے بہتر غرض کیا ہوگا کہ دشمن کی شوکت اور طاقت کو توڑنا ہے، پھر اس کو آگ سے جلا دیا جائے تا کہ اس کے گوشت سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکے، البتہ ذبح سے پہلے جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن ابی هریرة.... **فقال انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا بالنار و ان النار لا یعذب بها الا الله فان اخذتموها فاقتلوهما۔** (بخاری شریف، باب الوداع، ص ۴۸۸، نمبر ۲۹۵۴) اس حدیث میں ہے کہ زندہ جانور کو نہیں جلانا چاہئے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف کوچ کاٹنے کے اس لیے کہ یہ مثلہ ہے۔

تشریح: جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ مثلہ ہے اور اوپر حدیث گزری کہ مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: حضرت ابوبکر کا قول گزر چکا ہے **ولا تعقروا بهیمة ولا شجرة تثمر** (سنن للبیہقی نمبر ۱۸۱۲۵) کہ جانور کا کوچ مت کاٹو۔

ٿ وَتُحرقُ الأَسلِحةُ أيضًا،وَمَالَا يَحتَرِقُ مِنهَا يُدفَنُ فِي مَوضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيهِ الكُفَّارُ إبطَالًا لِلمَنفَعَةِ عَلَيهِم.
(۲۷۸۱)وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الحَربِ حَتَّى يُخرِجَهَا إلَى دَارِ الإسلَامِ ١ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأسَ بِذَلِكَ.
وَأَصلُهُ أَنَّ المِلكَ لِلغَانِمِينَ لَا يَثبُتُ قَبلَ الإحرَازِ بِدَارِ الإسلَامِ عِندَنَا، وَعِندَهُ يَثبُتُ وَيَبتَنِي عَلَى هَذَا الأَصلِ

ترجمہ: ٿ اور اپنے ہتھیار کو بھی جلا دے، تاکہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اور جس چیز کو نہ جلا سکے اس کو ایسی جگہ دفن کر دے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہو سکے، کفار کے منفعت کو باطل کرنے کے لیے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۱) دار الحرب میں غنیمت تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام تک نکال لائے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں خطرہ ہے کہ کفارہ دوبارہ حملہ کر کے مال غنیمت واپس لے لے اس لیے ابھی اس کو تقسیم کرنا بہتر نہیں ہے۔

تشریح: مال غنیمت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں لائے تب اس کو تقسیم کرے اس سے پہلے تقسیم نہ کرے۔

وجہ: (۱) دار الحرب کے اندر جب تک مال غنیمت ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے اس مال کو واپس لے لیں، چونکہ خطرہ ہے اس لیے مال مکمل طور پر مسلمانوں کا ہوا ہی نہیں۔ اس لیے اس کو مجاہدین کے درمیان ابھی تقسیم نہ کرے۔ (۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد مجاہد اس کا مالک ہوگا اس لیے اس کی حفاظت میں لگا رہے گا۔ اور اچانک کوئی جنگ ہوئی تو اس میں تن من دھن سے شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیوں کہ مال کی حفاظت میں اس کا دل لگا رہے گا۔ اور اگر مال مجموعی طور پر رہے گا تو کچھ جماعت اس کی حفاظت کرے گی اور باقی لوگ جنگ میں کود پڑیں گے۔ اس لیے دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کرے۔ ہاں! اگر فتح کر کے دار الاسلام کے درجے میں لا چکا ہو اور دوبارہ کفار کے حملے کر نیکی امید نہ ہو تو چونکہ دار الاسلام کے درجے میں ہو گیا اس لیے وہاں مال غنیمت تقسیم کر سکتا ہے (۳) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **ان انسا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانۃ حیث قسم غنائم حنین** (بخاری شریف، **باب من قسم الغنیمۃ فی غزوہ و سفرہ** ص ۴۳۱ نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی گئی اور جعرانہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس وقت دار الاسلام بن چکا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرے (۴) خیبر میں جو مال تقسیم کیا وہ اس لیے کہ خیبر فتح کرنے کے بعد وہ دار الاسلام کے درجے میں ہو چکا تھا۔ اور دوبارہ یہودیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عبارت یوں ہے۔ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجأهم الی قصرهم** (ابوداؤد شریف، **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر** : ۲ / ۶۸ نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ اپنے محل میں بند رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ دار الاسلام کے قریب ہو چکا تھا۔ اس لیے وہاں غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دار الاسلام میں مال غنیمت لانے سے پہلے مجاہدین کا حق ثابت نہیں ہوتا، اور امام شافعیؒ کے یہاں ثابت ہو جاتا ہے، اور اس اصول

عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي كِفَايَةِ. الْمُنْتَهِي ٢ لَهُ أَنَّ سَبَبَ الْمِلْكِ الْإِسْتِيلَاءُ إِذَا وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فِي الصُّيُودِ، وَلَا مَعْنَى لِلْإِسْتِيلَاءِ سِوَى إِثْبَاتِ الْيَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ. ٣ وَلَنَا أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيهِ، وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنًى فَتَدْخُلُ تَحْتَهُ. ٤ وَلِأَنَّ الْإِسْتِيلَاءَ إِثْبَاتُ الْيَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ وَالثَّانِي مُنْعَدِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الْإِسْتِنْقَاذِ وَوُجُودُهُ ظَاهِرٌ.

پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں جس کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں دار الحرب میں مجاہدین کا حق مال غنیمت پر ثابت ہو جاتا ہے، اس لیے دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت پر ثابت نہیں ہوتا اس لیے وہاں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر ؓ ان یھود النضیر و قریظة حاربوا رسول اللہ ﷺ... فقتل رجالھم وقسم نساء ھم واموالھم واولادھم بین المسلمین** (ابو داؤد شریف، **باب فی خبر النضیر**، ص ۶۷، نمبر ۳۰۰۵) اس حدیث میں ہے کہ ان کے مال اور اولاد اور عورتوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملک ثابت ہو جاتا ہے، جیسے شکار پر ہوتا ہے اور استیلاء کا ترجمہ اس کے علاوہ نہیں ہے قبضہ ثابت ہو جائے اور وہ ہو چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے شکار پر قبضہ ہو جائے تو اس پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور یہاں کفار کے مال پر استیلاء یعنی قبضہ ہو چکا ہے اس لیے اس کی ملکیت ہو گئی اس لیے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے، اور تقسیم کرنا بیچنے کے معنی میں ہے اس لیے تقسیم بیع کے تحت میں داخل ہوگی، یعنی تقسیم کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا، اور مال غنیمت کو تقسیم کرنا بھی بیچنے کے معنی میں ہے اس لیے اس کو تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث تقریباً یہ ہے۔ **عن عمران بن حصین قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنة** (سنن للبیھقی، **باب کراھیة بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عز وجل بہ**: ۵/ ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۱) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔

لغت: و الخلاف ثابت فیہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، جس طرح اس بارے میں اختلاف ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ استیلاء کا مطلب ہوتا ہے قبضے کو ثابت کرنا اور اس کو اپنی مرضی سے منتقل کرنا، لیکن یہاں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ کفار اس کو واپس لینے پر قدرت رکھتا ہے، اور اس کا وجود ظاہر ہے۔

۵ثُمَّ قِيلَ: مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرَتُّبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إِذَا قَسَّمَ الْإِمَامُ لَا عَنْ اجْتِهَادٍ، لِأَنَّ حُكْمَ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ بِدُونِهِ. ٦وَقِيلَ الْكَرَاهَةُ، وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لَا تَجُوزُ الْقِسْمَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْأَفْضَلُ أَنْ يُقَسِّمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ. ٧وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ، إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَا يَتَقَاعَدُ عَنْ إِيرَاثِ الْكَرَاهَةِ. (۲۷۸۲)وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ ١لِاسْتِوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ أَوْ شُهُودُ الْوَقْعَةِ عَلَى مَا عُرِفَ، وَكَذَلِكَ

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ استیلاء میں دو باتیں ضروری ہیں ایک ہے قبضہ کرنا، اور دوسرا ہے اپنی مرضی سے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنا، لیکن منتقل کرنا یہاں ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ دار الحرب ہے، یہاں کفار کا غلبہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفار دوبارہ مال واپس لے لے، پس جب استیلاء نہیں ہوا تو مجاہدین مالک بھی نہیں بنے اس لیے اس کو تقسیم کرنا بھی ابھی جائز نہیں ہے۔

لغت: **استیلاء:** قبضہ کرنا۔ **الید الحافظہ:** حفاظت کرنے والا قبضہ۔ **الناقلہ:** مال غنیمت کو منتقل بھی کر سکتا ہو۔ **ثانی معدوم:** منتقل نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ دار الحرب ہے جس میں کفار کا غلبہ ہے۔ **استنقاذ:** **نقذ** سے مشتق ہے، چھڑانا۔ **وجودہ ظاهر:** کفار کو مال غنیمت چھڑانے کی طاقت ہے، کیوں کہ اس کا دار الحرب ہے۔

ترجمہ: ۵ پھر کہا گیا ہے کہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگر امام بغیر اجتہاد کے تقسیم کر دے تو تقسیم کے احکام بھی جاری ہوں گے یا نہیں، کیوں کہ جب ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی تو ملک کیسے ہوگا۔

تشریح: امام نے اجتہاد کے بغیر مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کر دیا تو مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا نہیں، اور اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟

ترجمہ: ٦ بعض حضرات نے کہا کہ مال غنیمت تقسیم کرنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، چناں چہ انہوں نے سیر کبیر میں کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کراہیت میں ہے، چناں چہ امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور شیخین کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

ترجمہ: ٧ کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم باطل ہے یہ راجح ہے اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم سے کم کراہیت تو رہے گی۔

تشریح: یہ عبارت منطقی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم صحیح ہے، یا تقسیم باطل ہے، اس بارے میں تقسیم باطل ہے یہ راجح ہے، اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم از کم تقسیم کرنا مکروہ ضرور ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۸۲) مددگار اور قتال کرنے والے لشکر میں برابر ہیں۔

ترجمہ: ١ کیوں کہ دونوں کا سبب برابر ہے، یعنی سرحد کو پار کرنا اور جنگ میں شریک ہونا، جیسا کہ معلوم ہوا، اور ایسے ہی کوئی مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے قتال نہیں کر سکا تو اس کو بھی حصہ ملے کیوں کہ سرحد کے پار چلا گیا ہے۔

إذَا لَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَا ذَكَرْنَا (۲۷۸۳)وَإِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيمَةَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا

تشریح: کچھ مجاہد باضابطہ قتال کریں اور کچھ ان کی مدد کریں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر برابر ہے۔ کمی بیشی نہیں ہوگی۔

وجه: (۱) ایسا ہوتا ہے کہ لشکر میں بعض کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اور بعض کا کام اس کی مدد کرنا۔ اس لیے دونوں برابر کے حقدار سمجھے جائیں گے (۲) قول صحابی تو یہاں تک ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کوئی لشکر میں شامل ہو جائے تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔ **سمعت طارق بن شهاب يقول: ان اهل البصرة غزوا اهل نهاوند فامدوهم باهل الكوفة وعليهم عمار بن ياسر فقدموا عليهم بعد ما ظهروا على العدو فطلب اهل الكوفة الغنيمة واراد اهل البصرة ان لا يقسموا لاهل الكوفة من الغنيمة۔ فقال رجل من بنى تميم لعمار بن ياسر ايها الاجدع تريد ان تشاركنا فى غنائمنا قال وكانت اذن عمار جدعت مع رسول الله ﷺ فكتبوا الى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فكتب اليهم ان الغنيمة لمن شهد الوقعة** (سنن للبیهقی، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة: ۹/۸۶، نمبر ۱۷۹۵۳) اس قول صحابی میں جو لوگ بعد میں لشکر میں □ شریک ہوئے ان کو بھی مال غنیمت ملا تو جو پہلے سے شریک ہیں البتہ خدمت کر رہے ہیں تو ان کو بھی برابر کا حصہ ملے گا (۳) غزوۂ حنین کے واقعہ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ حضرت عباسؓ حضور ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور دوسرے حضرات قتال کر رہے تھے پھر بھی حضرت عباسؓ کو برابر کا حصہ ملا۔ پوری حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **قال عباس رضی اللہ عنہ شهدت مع رسول الله ﷺ يوم حنين... قال عباس وانا آخذ بلجام بغلة رسول الله ﷺ اكفها ارادة ان لا تسرع۔** (۴) اور دوسری روایت کے اخیر میں ہے۔ **حدثنى اياس بن سلمة هو ابن الاكوع قال غزونا مع رسول الله ﷺ حنينا... وقسم رسول الله ﷺ غنائمهم بين المسلمين** (مسلم شریف، باب غزوة حنين، ص ۹۹، نمبر ۱۷۷۵/ ۴۶۱۲ / ۱۷۷۷/ ۴۶۱۹) اس لیے سب کو حصے برابر ملیں گے (۵) ابو داؤد شریف میں بوڑھے اور جوان، مقاتل اور ردء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور سب کو برابر حصہ دیا گیا۔ عبارت یہ ہے **قال: قسمها رسول الله ﷺ بالسواء** (ابو داؤد شریف، باب في النفل: ۲/۱۹، نمبر ۲۷۳۹)

لغت: الردء: مددگار۔ **مجاوزة:** پار کرنا، یہاں مراد ہے سرحد پار کرنا۔

ترجمه: (۲۷۸۳) اگر ان کو مدد لاحق ہوئی دار الحرب میں غنیمت کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے تو وہ اس میں شریک ہوں گے۔

تشریح: ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اور اس کو دار الاسلام تک لانے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت اس کی مدد کے لیے مل گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

تشریح: (۱) اوپر حضرت عمرؓ کا فیصلہ گزر چکا ہے جس میں اہل کوفہ کو اہل بصرہ کے مال غنیمت میں حصہ دلوایا۔ (**سنن للبیهقی، نمبر ۱۷۹۵۳**) پہ گزر چکا ہے۔ (۲) دوسرا قول صحابی ہے۔ **ان ابا بكر الصديق رضی اللہ عنہ بعث عكرمة بن ابى جهل فى خمس مائة من المسلمين مددا لزياد بن لبيد وللمهاجر بن ابى امية فوافقهم الجند قد افتتحوا النجير باليمن فاشركهم زياد بن لبيد وهو ممن شهد بدرا فى الغنيمة** (سنن للبیهقی، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة: ۹/۸۶، نمبر ۱۷۹۵۲) اس قول صحابی میں بھی ہے کہ جنگ

۱؎ خلافا للشافعي بعد انقضاء القتال ۲؎ وهو بناء على ما مهدنا من الأصل، وإنما ينقطع حق المشاركة عندنا بالإحراز أو بقسمة الإمام في دار الحرب أو ببيعه المغانم فيها، لأن بكل واحد منها يتم الملك فينقطع حق شركة المدد. قال (۲۷۸۴) ولا حق لأهل سوق العسكر في الغنيمة إلا أن يقاتلوا

ختم ہونے کے بعد مدد پہنچی تو اس کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

نوٹ: پہلے گزر چکا ہے کہ دار الحرب سے نکلنے سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت تقسیم کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لیے مصنف کی عبارت میں یہ ہے کہ مال غنیمت دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی جماعت مدد کے لیے لشکر کے ساتھ مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔ ورنہ اصلی قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے جماعت مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد آئی [تو اس کو غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا]

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد قافلہ شامل ہوا تو اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **کتب عمر رضی اللہ عنہ الی سعد یوم القادسیۃ انی قد بعثت الیک اهل الحجاز و اهل الشام فمن ادرک منهم القتال قبل ان یتفقؤا افاسهم لهم** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ **فی القوم یجیئون بعد الوقعۃ هل لهم شیء** ۶/ ۴۹۷، نمبر ۳۳۲۱۱) اس میں جنگ ختم ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو حصہ دلوایا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ مسئلہ اس بنیاد پر جو ہم قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک شرکت کا حق اس وقت ختم ہوگا جب دار الاسلام میں مال غنیمت جمع کر لے، یا دار الحرب میں امام تقسیم کر دے، یا دار الحرب میں مال غنیمت بیچ دے، اس لیے کہ ان تینوں سے مجاہدین کا حق مکمل ہو جاتا ہے اس لیے اب مدد والوں کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

اصول: مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہو جائے تو مدد والوں کو اس میں حصہ نہیں ملے گا۔

تشریح: ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ تین طریقے سے مجاہدین کا حق مال غنیمت میں ثابت ہو جاتا ہے، اور حق ثابت ہونے کے بعد، مدد والے کو حصہ نہیں ملے گا [۱] مال غنیمت دار اسلام میں پہنچا دے، مال غنیمت کو دار الحرب ہی میں امام تقسیم کر دے۔ [۳] مال غنیمت کو امام نے بیچ دیا تو اس سے سب کا حق ختم ہو گیا، اب مدد والوں کو اس میں حصہ نہیں ملے گا۔

لغت: احراز: دار الاسلام میں مال غنیمت کو محفوظ کر دے

ترجمہ: (۲۷۸۴) لشکر کے بازار والوں کو حق نہیں ہے غنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح: لشکر میں شامل ہیں لیکن ان کا مقصد قتال کرنا نہیں ہے اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے تو ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) قول صحابی میں ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان کو حصہ ملے گا اور یہ لوگ نیت کے اعتبار سے جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تجارت بڑھانے کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے ان کو مال غنیمت میں حصہ کیسے ملے گا؟ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **کتب عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ان الغنیمۃ لمن شهد الوقعۃ** (سنن للبیهقی، باب الغنیمۃ لمن شهد الوقعۃ: ۹/ ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۴) اس اثر میں ہے کہ غنیمت اس کے لیے ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہو یا جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل ہوا ہو۔ اور یہ لوگ جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل نہیں

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ: يُسْهِمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنًى بِتَكْثِيرِ السَّوَادِ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ الْمُجَاوَزَةُ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيُفِيدُ الِاسْتِحْقَاقَ عَلَى حَسَبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ. ۳؎ وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى عُمَرَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – أَوْ تَأْوِيلُهُ أَنْ يَشْهَدَهَا عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ.

(۲۷۸۵) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُولَةٌ تُحْمَلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةَ إِيدَاعٍ لِيَحْمِلُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعَهَا مِنْهُمْ فَيَقْسِمُهَا

ہوئے ہیں اس لیے ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا (۳) مسلم بن سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے کہ وہ اجیر تھے تو حصہ نہیں دیا لیکن جب اہل مکہ سے قتال کیا تو حضور ﷺ نے گھوڑے سوار کا حصہ دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے قتال کرنے سے حصہ ملے گا ورنہ نہیں۔

حدثنی ایاس بن سلمۃ حدثنی ابی... قال کنت تبیعا لطلحۃ بن عبید اللہ، اسقی فرسہ و احسہ و اخدمہ و اکل من طعامہ...

اس لمبی حدیث کے اخیر میں ہے... **ثم اعطانی رسول اللہ ﷺ سہمین سہم الفارس و سہم الراجل** (مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا ص ۱۱۳ نمبر ۱۸۰۷/۴۶۷۸/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۷ من قال للعبید و الاجیر سہم: ۶/ ۴۹۶ نمبر ۳۳۲۰۴)

لغت: اهل السوق: بازار والے، دوکاندار۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے اپنے ایک قول میں فرمایا کہ ان دکانداروں کو بھی حصہ دیا جائے گا، ان کی دلیل حضرت عمر کا قول ہے کہ جو جنگ میں شریک ہوئے اس کو حصہ ملے گا، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ معنوی طور پر جہاد میں شریک ہوا کیوں کہ اس نے لشکر کے تعداد کو بڑھایا۔

تشریح: امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ دوکاندار کو بھی غنیمت میں حصہ ملے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ حصے کے لیے باضابطہ قتال کرنا ضروری نہیں بلکہ تجارت کر کے مجاہدین کا خدمت کرنا بھی حصے کے لیے کافی ہے، اور **الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ**: کا مطلب یہ بیان کیا کہ میدان کے ارد گرد حاضری بھی جنگ کے درجے میں ہے، دوسری دلیل دی کہ اس سے مجاہدین کی تعداد میں کثرت ہوتی ہے اس لیے وہ قتال کے درجے میں ہے اس لیے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جنگ کے ارادے سے سرحد پار نہیں کیا اس لیے قتال کا ظاہری سبب نہیں پایا گیا اس لیے حقیقی سبب، یعنی قتال میں باضابطہ شرکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حالت کے اعتبار سے مستحق ہوگا، یعنی وہ گھوڑسوار ہے تو دو گنا، اور پیدل ہے تو ایک گنا ملے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ تاجر قتال کی نیت سے سرحد پار نہیں کرتا ہے اس لیے جب تک وہ باضابطہ قتال نہیں کرے گا اس کو حصہ نہیں ملے گا، ہاں قتال کے بعد وہ گھوڑسوار ہے تو دو حصے ملیں گے، اور پیدل ہے تو ایک حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث نقل کی وہ قول صحابی ہے، اور اسکا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ جنگ میں شریک ہوگا تو اسکو حصہ ملے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۵) اگر امام کے پاس اتنے جانور نہ ہوں جن پر مال غنیمت لادے تو اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے امانت کی تقسیم تا کہ اس کو دار الاسلام لے آئیں۔ پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کر دے۔

۱ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْمُخْتَصَرِ، وَلَمْ يَشْتَرِطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السِّيَرِ الْكَبِيرِ. ۲ وَالْجُمْلَةُ فِي هٰذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِي الْمَغْنَمِ حَمُولَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْحَمُولَةَ وَالْمَحْمُولَ مَالُهُمْ. وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُولَةٍ لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِينَ، ۳ وَلَوْ كَانَ لِلْغَانِمِينَ أَوْ لِبَعْضِهِمْ لَا يُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السِّيَرِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِجَارَةٍ وَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ دَابَّةٌ فِي مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيقِهِ فَضْلُ حَمُولَةٍ،

تشریح: امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لاد کر دار الاسلام لا سکے۔ ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تا کہ وہ اپنے جانوروں پر لاد کر دار الاسلام تک لائے۔ جب دار الاسلام لے آئے تو امام سب مال کو جمع کرے اور ہر مجاہد کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر کے دے اور مالک بنادے۔

وجہ: (۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرنا ہے۔ اور دار الاسلام تک لانے کے لیے جانور میسر نہیں ہے تو یہی صورت ہو سکتی ہے کہ مجاہدین کو تھوڑا تھوڑا کر کے لانے کے لیے کہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی تو جعرانہ تک مجاہدین ہی مال غنیمت لائے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت لانے کے لیے دے۔ حدیث یہ ہے۔ **ان انسا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حيث قسم غنائم حنين** (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمة فی غزوہ وسفرہ، ص ۵۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی۔

لغت: **حمولة:** حمل سے مشتق ہے، سواری، **ایداع:** **ودیعة** سے مشتق ہے امانت کے طور پر۔

ترجمہ: ۱ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں اسی طرح کا ذکر ہے اور مجاہدین کی رضامندی کی شرط نہیں ہے، اور سیر کبیر کی روایت بھی یہی ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ قدوری میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مجاہدین کی رضامندی سے مجاہدین میں تقسیم کرے، لیکن سیر صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین کی رضامندی ضروری ہے، کیوں کہ یہ یا عاریت ہے یا اجرت پر لیجانا ہے، اور دونوں میں اس کی رضامندی ضروری ہے، اس لیے ان کی رضامندی چاہئے۔

ترجمہ: ۲ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مال غنیمت میں اٹھانے والے جانور موجود ہے تو امام اس پر مال غنیمت کو اٹھائے گا، اس لیے کہ جو مال اٹھایا جا رہا ہے اور جس پر اٹھایا جا رہا ہے وہ سب مجاہدین کا مال ہے، اسی طرح اگر بیت المال میں جانور ہے تو اس پر اٹھائے گا، کیوں کہ یہ مسلمان کا مال ہے۔

تشریح: یہاں دو صورتیں بیان کر رہے ہیں [۱] مال غنیمت میں اتنا جانور موجود ہے جس پر سب مال اٹھایا جا سکتا ہے تو اس پر اٹھائے۔ [۲] بیت المال میں جانور موجود ہے تو اس پر اٹھائے، کیوں کہ یہ سب مال عام مسلمانوں کا ہے۔

لغت: **حمولة:** وہ مال جس کو اٹھایا جا رہا ہے، اسی سے **محمولة:** جس جانور پر اٹھایا جا رہا ہے۔

ترجمہ: ۳ اگر مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس جانور ہے تو سیر صغیر کی روایت میں یہ ہے کہ اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے تو ایسا ہو گیا کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور ہے [تو اس کو

۲؎ ويجبرهم في رواية السير الكبير لأنه دفع الضرر العام بتحميل ضرر خاص (۲۷۸۶)ولا يجوز بيع الغنائم قبل القسمة في دار الحرب ۱؎ لأنه لا ملك قبلها، ۲؎ وفيه خلاف الشافعي، وقد بينا الأصل (۲۷۸۷)ومن مات من الغانمين في دار الحرب فلا حق له في الغنيمة، ومن مات منهم بعد إخراجها

اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

تشریح: مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس زیادہ جانور ہے تو اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے اور اجرت میں مستاجر کی رضامندی ضروری ہے اس لیے یہاں بھی اس کی رضامندی ضروری ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا، اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور ہے تو سامان اٹھانے کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی رضامندی ضروری ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ اور سیر کبیر میں ہے کہ مال غنیمت اٹھانے کے لیے مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ خاص نقصان کر کے عام نقصان کو دفع کرنا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۶) دار الحرب میں تقسیم سے پہلے غنیمت کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ دار الحرب سے باہر نکلنے سے پہلے مجاہد اس کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: امام کو مجاہدین پر خرچ کرنے کے لیے بیچنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ بیچ کر اس کی قیمت مجاہد پر خرچ کر سکتا ہے، لیکن مجاہد اپنی ضرورت کے لیے دار الحرب میں مال غنیمت نہیں بیچ سکتا ہے، کیوں کہ تقسیم سے پہلے وہ اس مال کا مالک نہیں ہے۔ البتہ استعمال کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ **عن ابی سعید الخدری ؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم** (ترمذی شریف، **باب کراہیۃ بیع المغانم حتی تقسم**، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳/ ابو داؤد شریف، **باب فی وطء السبایا**، ص ۳۰۰، نمبر ۲۱۵۸، **کتاب النکاح / سنن للبیہقی، باب بیع السبی وغیرہ فی دار الحرب**: ۹/ ۲۱۱، نمبر ۱۸۳۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کا بیچنا مجاہد کے لیے جائز نہیں ہے۔ (۲) تقسیم سے پہلے ہر مجاہد کو بیچنے کی اجازت دے دی جائے تو ہر مجاہد بیچے گا تو مال غنیمت کے خرد برد ہونے کا خطرہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور اس کی بنیاد ہم نے پہلے بیان کی ہے [کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے، اس لیے وہ اب اس کو بیچ سکتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دار الاسلام میں آنے کے بعد امام مال غنیمت کو تقسیم کر دے تب جا کر مجاہد اس کا مالک بنے گا، اور اس کے بعد اس کو بیچ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۷) مجاہد میں سے کوئی دار الحرب میں مر جائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور مجاہدین میں سے کوئی دار الاسلام تک مال لانے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لیے ہوگا۔

تشریح: اگر جنگ کے درمیان کوئی شہید ہو گیا تو ان کو بالاتفاق حصہ نہیں ملے گا۔ اور اگر جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن غنیمت کو دار

إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لِوَرَثَتِهِ ١ لِأَنَّ الْإِرْثَ يَجْرِي فِي الْمِلْكِ، وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ، وَإِنَّمَا الْمِلْكُ بَعْدَهُ. ٢ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيمَةِ يُورَثُ نَصِيبُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّا.. قَالَ (۲۷۸۸) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مَا وَجَدُوهُ مِنَ الطَّعَامِ

الاسلام لانے سے پہلے کوئی انتقال کر گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو بھی غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دار الاسلام میں احراز کے بعد مجاہد غنیمت کا مالک ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔ جس طرح جنگ کے دوران کوئی شہید ہو جائے اس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الاسلام میں مال جمع ہونے کے بعد مجاہد کا حق ہوتا ہے۔

اور دار الاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہوا تو اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ اور یہ حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

وجہ: دار الاسلام تک آنے کے بعد احراز ہو گیا یعنی مال غنیمت محفوظ ہو گیا اور مجاہدین کا اس میں حق ہو گیا۔ اس لیے جو اس کے بعد انتقال کیا وہ اس کا حصہ دار بن گیا۔ اور چونکہ وہ انتقال کر چکا ہے اس لیے اس کا حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ وراثت ملک میں جاری ہوتی ہے اور دار الاسلام میں جمع ہونے سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اس لیے اس کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

تشریح: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دار الاسلام میں احراز سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اس لیے اس میں وراثت بھی جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٢ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافروں کی شکست کے مکمل ہونے کے بعد مرا ہو تو اس کے حصے کا وارث ہوگا اس لیے کہ ان کے یہاں مجاہد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور اس مسئلے کو پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہو گئی تو مجاہد مالک غنیمت کا مالک بن جاتا ہے اس لیے اس کا حصہ اس کے وارث کو ملے گا۔

ترجمہ: (۲۷۸۸) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ لشکر چارہ کھلائیں دار الحرب میں یا کھانے میں جو پائیں اس کو کھائیں

تشریح: میدان جنگ میں کفار کی کوئی چیز ملے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو بغیر تقسیم کئے اور بغیر اس میں خمس نکالے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً کھانا مل جائے تو اس کو کھا سکتا ہے۔ لکڑی ملے اس کو جلا سکتا ہے، تیل مل جائے تو استعمال کر سکتا ہے یا ہتھیار ملے تو اس سے جنگ کر سکتا ہے۔ البتہ کسی چیز کی کمی ہو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو پانے والا ہی سب نہ لے لے بلکہ مناسب انداز میں تقسیم کر کے لے تا کہ دوسرے ساتھیوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

وجہ: (۱) یہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور امیر کی جانب سے ایک گونہ ان کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ کیوں کہ گھر سے دور میدان جنگ میں ہیں اس لیے ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہم لوگ مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا کرتے تھے۔ **عن ابن عمرؓ قال کنا نصیب فی مغازینا العسل و العنب فنأکله و لا نرفعه** (بخاری شریف،

ل قَالَ العبد الضعيف : أَرْسَلَ وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِالْحَاجَةِ، وَقَدْ شَرَطَهَا فِي رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطْهَا فِي أُخْرَى. وَجْهُ الْأُولَى أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَلَا يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ.

باب مایصیب من الطعام فی ارض الحرب، ص ۴۶۶ نمبر ۳۱۵۴/ مسلم شریف، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب: ۲/ ۹۷ نمبر ۱۷۷۲/ ۴۶۰۵/ ابو داؤد شریف، باب فی اباحۃ الطعام بارض العدو: ۲/ ۱۳ نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز استعمال کر سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ابو جہل ہی کی تلوار سے اس کو مارا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تلوار مل جائے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو استعمال کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **حدثنی ابو عبیدۃ عن ابیہ عن ابیہ قال: مررت فاذا ابو جہل صریع قد ضربت رجلہ فقلت یا عدو اللہ! یا ابا جہل! قد اخزی اللہ الآخر، قال ولا اھابہ عند ذلک فقال ابعد من رجل قتلہ قومہ فضربتہ بسیف غیر طائل فلم یغن شیئا حتی سقط سیفہ من یدہ فضربتہ بہ حتی برد** (ابو داؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی السلاح یقاتل بہ فی المعرکۃ، ص ۱۴ نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث سے میں ہے کہ **حتی سقط من یدہ فضربتہ بہ** یعنی ابو جہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گری تو میں نے اسی کی تلوار سے اس کو مارا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقت ضرورت مال غنیمت کا ہتھیار استعمال کر سکتا ہے (۴) **عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت ھل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عہد رسول اللہ ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منہ مقدار ما یکفیہ ثم ینصرف** (ابو داؤد شریف، باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی قلۃ فی ارض العدو: ۲/ ۱۳ نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق استعمال کرے اور باقی واپس کر دے۔

ضرورت سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کر کے لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ **عن عاصم یعنی ابن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجۃ شدیدۃ وجہد واصابوا غنما فانتھبوھا، فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ ﷺ یمشی علی قوسہ فاکفاء قدورنا بقوسہ ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال: ان النہبۃ لیست باحل من المیتۃ او ان المیتۃ لیست باحل من النہبۃ، شک ھناد** (ابو داؤد شریف، باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو: ۲/ ۱۳ نمبر ۲۷۰۵/ بخاری شریف، باب قسمۃ الغنم ص ۳۳۸ نمبر ۲۴۸۸، کتاب الشرکۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوٹ کھسوٹ کر لینا جائز نہیں ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق دوسرے ساتھیوں کی رعایت کر کے لے سکتا ہے۔

لغت: یعلف: چارہ کھلائے، **یدھن:** تیل لگائے، **سلاح:** ہتھیار۔

ترجمہ: ل مصنف فرماتے ہیں کہ متن میں مطلقا کہا کہ کھاؤ اور ضرورت سے مقید نہیں کیا، اور امام محمدؒ کی ایک روایت میں اس کی بھی شرط ہے، اور دوسری روایت میں اس کی شرط نہیں ہے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال مجاہدین کے درمیان مشترک ہے اس لیے ضرورت کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا جیسے کپڑے اور جانور میں ہے کہ ضرورت کے بغیر اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ ضرورت ہو تو کھائے اور ضرورت نہ ہو تو نہ کھائے، بلکہ اس کو مطلق چھوڑا کہ، یعنی ضرورت نہیں ہو تب بھی کھا سکتا ہے۔ جامع صغیر میں ضرورت کی شرط نہیں ہے، اور جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے۔

۲؎ وَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فِي طَعَامِ خَيْبَرَ كُلُوهَا وَاعْلِفُوهَا وَلَا تَحْمِلُوهَا ۳؎ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ الْغَازِيَ لَا يَسْتَصْحِبُ قُوتَ نَفْسِهِ وَعَلَفَ ظَهْرِهِ مُدَّةَ مُقَامِهِ فِيهَا وَالْمِيرَةُ مُنْقَطِعَةٌ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ ۴؎ بِخِلَافِ السِّلَاحِ لِأَنَّهُ يَسْتَصْحِبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيلُ الْحَاجَةِ، وَقَدْ تَمَسُّ إلَيْهِ الْحَاجَةُ فَتُعْتَبَرُ حَقِيقَتُهَا فَيَسْتَعْمِلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إذَا اسْتَغْنَى عَنْهُ، ۵؎ وَالدَّابَّةُ مِثْلُ السِّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ وَاللَّحْمِ وَمَا يُسْتَعْمَلُ فِيهِ كَالسَّمْنِ وَالزَّيْتِ. قَالَ (۲۷۸۹) وَيَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: الطِّيبَ، وَيَدَّهِنُوا بِالدُّهْنِ وَيُوقِحُوا بِهِ الدَّابَّةَ

وجه: جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے اس کی وجہ یہ ہے اس میں دیگر مجاہد کا بھی حق ہے اس لیے بغیر ضرورت کے استعمال کرنا مباح نہیں ہوگا، جیسے کپڑا اور سواری بغیر ضرورت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمه: ۲؎ دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے کھانے کے بارے میں فرمایا کہ کھاؤ اور جانور کو چارا کھلاؤ لیکن اس کو اٹھا کر نہ لیجاو۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کھاؤ اور جانور کو چارا کھلاؤ اس میں ضرورت کی قید نہیں ہے۔

وجه: عن عبد اللہ بن عمر قال رسول اللہ یوم خیبر کلوا و اعلفوا و لا تحملوا۔ (سنن بیہقی، باب ما فضل فی یدہ من الطعام و العلف، فی دار الحرب: ۹ / ۱۰۴، نمبر ۱۸۰۰۴) اس حدیث میں ہے کہ کھانا کھاؤ اور چارہ کھلاؤ، لیکن اٹھا کر ساتھ مت لیجاو۔

ترجمه: ۳؎ اور اس لیے کہ دار الحرب میں ہے اس لیے ضرورت تو ہے ہی اس لیے کہ مجاہد اپنا طویل زمانے تک رہنے کے لیے غلہ اور جانور کو چارا ساتھ نہیں لیجاتا ہے، اور وہاں غلہ ملتا نہیں ہے اس لیے اصل ضرورت تو ہے ہی۔

تشریح: متن میں ضرورت کی قید نہ لگانے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ مجاہد دار الحرب میں ہے اور جتنے زمانے تک وہاں رہنا ہے اس کا غلہ اور جانور کا چارا ساتھ نہیں لے گیا، اس لیے ہر مجاہد کو کھانے اور چارے کی ضرورت تو ہے ہی اس لیے متن میں ضرورت کی قید نہیں لگائی۔

لغت: علف: جانور کا چارا۔ **تحملوها:** حمل سے مشتق ہے، اس کو ساتھ اٹھا کر نہ لیجاو۔ **میرة:** اہل و عیال کا کھانا۔

ترجمه: ۴؎ بخلاف ہتھیار کے اس لیے کہ اس کو مجاہد اپنے ساتھ لیجاتا ہے اس لیے اس میں ضرورت کی دلیل نہیں ہے اور کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کو استعمال کرے، اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

تشریح: مجاہد ہتھیار ساتھ لیجاتا ہے اس لیے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس میں قید ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں اس کو واپس کر دے۔

ترجمه: ۵؎ اور سواری کا جانور کا حکم ہتھیار کی طرح ہے، اور کھانا جیسے روٹی اور گوشت اور جو اس میں استعمال ہو جیسے گھی اور زیتون کا تیل۔

تشریح: سواری کا جانور ہتھیار کے حکم میں ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے، اور، روٹی، گوشت، گھی، تیل یہ کھانے کے حکم میں ہے، یعنی ضرورت نہ ہو تب بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔

ترجمه: (۲۷۸۹) اور ایندھن استعمال کریں۔ [اور بعض نسخے میں طیب، یعنی خوشبو کا ذکر ہے] اور تیل لگائے، اور جانور کے پیروں

لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ اِلَى جَمِيعِ ذَلِكَ (۲۷۹۰)وَيُقَاتِلُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنَ السِّلاحِ، كُلُّ ذَلِكَ بِلا قِسْمَةٍ لِ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ سِلاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ (۲۷۹۱)وَلا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا وَلا يَتَمَوَّلُونَهُ لِ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ وَلامِلْكَ عَلَى مَاقَدَّمْنَاهُ، وَإِنَّمَا هُوَ إِبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامُ،

میں تیل مسل سکتا ہے۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں ایندھن پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، اور بعض نسخے میں حطب کے بجائے طیب کا لفظ ہے یعنی خوشبو پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، تیل پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے اور اپنے جانور کے پیر پر بھی مل سکتا ہے، اس لیے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے

لغت: حطب: ایندھن کی لکڑی۔ طیب: خوشبو۔ یوقحو: جانور کے پیر پر تیل ملنا۔

ترجمہ: (۲۷۹۰) اور جو ہتھیار پائے تقسیم کئے بغیر اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: لِ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب اس کی ضرورت پڑ جائے اس طور پر ہتھیار نہ ہو اور اس کی دلیل ہم نے بیان کی ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں ہتھیار ملا اور اس کی ضرورت ہے تو تقسیم سے پہلے بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن ضرورت نہ ہو تو استعمال نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۷۹۱) اور نہیں جائز ہے کہ اس میں سے کچھ بیچے اور نہ ذخیرہ کرے۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ بیچنا ملک پر مرتب ہوتا ہے، اور یہاں ملک نہیں ہے اس لیے بیچنا بھی نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے ذکر کیا صرف اس کو استعمال کرنا مباح ہے تو کھانے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: مال غنیمت کے تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کو بیچے یا اس کو اپنے لیے ذخیرہ کرے اس کی اجازت نہیں ہے۔ کیوں کہ تقسیم سے پہلے ابھی تک مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے، صرف ضرورت کے وقت استعمال کرنا مباح ہے۔

وجہ: (۱) اوپر بتلایا کہ بقدر ضرورت صرف استعمال کر سکتا ہے۔ اور جو باقی بچے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ **عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت هل كنتم تخمسون يعني الطعام في عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما يوم خيبر فكان الرجل يجيئ فيأخذ منه مقدار ما يكفيه ثم ينصرف** (ابو داؤد شریف، باب فی النہی عن النہبی: ۲/ ۱۳ نمبر ۲۷۰۴) اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ نہ لے اور ذخیرہ نہ کرے۔ (۲) اور بیچنا ممنوع ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نهى رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتى تقسم** (ترمذی شریف، باب فی کراھیۃ بیع المغانم حتی تقسم ص ۲۸۵ نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لیے بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۳) تقسیم سے پہلے اپنے لیے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔ اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لیے یہ وعید ہے۔ **عن عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه** (ابو داؤد شریف، باب فی عقوبۃ الغال: ۲/ ۱۵ نمبر ۲۷۱۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلا دو اور مارو۔ اور اپنے لیے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہوگا۔

۲ وَقَوْلُهُ وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُمْ لَا يَبِيعُونَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوضِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ إِلَى ذَٰلِكَ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رَدَّ الثَّمَنَ إِلَى الْغَنِيمَةِ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ. ۳ وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلِاشْتِرَاكِ، إِلَّا أَنَّهُ يُقَسِّمُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إِذَا احْتَاجُوا إِلَى الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ وَالْمَتَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُورَةِ فَالْمَكْرُوهُ أَوْلَى، وَهَٰذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمَلٌ، وَحَاجَةُ هَٰؤُلَاءِ مُتَيَقَّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرِّعَايَةِ. ۴ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِسْمَةَ فِي السِّلَاحِ، وَلَا فَرْقَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّهُ إِذَا احْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الِانْتِفَاعُ فِي الْفَصْلَيْنِ، وَإِنِ احْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسَّمُ فِي الْفَصْلَيْنِ،

لغت: **لا يتمولونه:** تمول سے مشتق ہے، اپنے لیے مال جمع کرنا۔

ترجمہ: ۲ متن میں قول ہے، **یتمولونہ**، اس سے اشارہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی، اور سامان کے بدلے مال غنیمت کو نہ بیچے اس لیے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بیچ دیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں ڈال دے اس لیے کہ یہ پوری جماعت کی مال کے بدلے میں ہے۔

تشریح: متن میں یتمولونہ ہے [مالدار نہ بنے] اس میں اشارہ ہے کہ مال غنیمت کو سونے، چاندی اور سامان کے بدلے نہ بیچے اور بیچ دیا ہے تو اس قیمت کو مال غنیمت میں واپس کر دے، کیوں کہ یہ پوری جماعت کا مال ہے۔ اس تفصیل سے یہ محسوس ہوا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو مال غنیمت کو کھانے کے بدلے بیچ سکتا ہے۔

وجہ: **عن هانی بن کلثوم.... فکتب الیه عمر ان ادع الناس یأکلون و یعلفون فمن باع شیئا بذهب او فضة ففیه خمس الله و سهام المسلمین۔** (**سنن بیهقی، باب بیع الطعام فی دار الحرب**: ۹/ ۱۰۳، نمبر ۱۸۰۰۲) اس قول صحابی میں ہے کہ سونے اور چاندی کے بدلے مال غنیمت بیچا تو وہ مسلمان کا مال ہے، یعنی اس کو مال غنیمت میں داخل کر دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۳ کپڑا اور سامان سے بغیر ضرورت کے تقسیم کرنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں مجاہدین کی شرکت ہے، اگر کپڑے، اور سواری، اور سامان کی ضرورت مجاہدین کو پڑ جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ امام اس کو دار الحرب ہی میں تقسیم کر دے کیوں کہ ضرورت کی بنا پر حرام چیز مباح ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز بدرجہ اولی مباح ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اس لیے اس ضرورت کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح: مال غنیمت کے کپڑے اور سامان سے بغیر ضرورت کے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، اگر واقعی ضرورت پڑ جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ امام کپڑے اور سامان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور یہاں ضرورت پڑ گئی ہے، اور ضرورت کے وقت بعض حرام چیز بھی مباح ہو جاتی ہے، اس لیے مکروہ چیز بدرجہ اولی مباح ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے، اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اس لیے یقینی کی رعایت کر کے کپڑا اور سامان تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ سیر صغیر میں ہتھیار کی تقسیم کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ کسی کو ہتھیار کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور سب غازیوں کو اس کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں کو

۵ بِخِلَافِ مَا إِذَا احْتَاجُوا إِلَى السَّبْيِ حَيْثُ لَا يُقَسِّمُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ مِنْ فُضُولِ الْحَوَائِجِ. قَالَ (۲۷۹۲) وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ مَعْنَاهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يُنَافِي ابْتِدَاءَ الْإِسْتِرْقَاقِ وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ ۱ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ أَسْلَمَ عَلَى

دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

تشریح: سیر صغیر میں ہتھیار کو تقسیم کرنے کے بارے کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور دونوں کو دار الحرب میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔

وجہ: کیوں کہ ان دونوں سے فائدہ اٹھانا حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

ترجمہ: ۵ بخلاف پکڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی تو اس کو تقسیم نہیں کرے گا اس لیے کہ عورت کی ضرورت حوائج اصلیہ میں نہیں ہے

تشریح: جنگ میں پکڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی کہ اس سے جماع کیا جائے تو امام اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا اور ہتھیار تو حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور عورت سے جماع کرنا حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے اس لیے اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

لغت: **سبی:** قید کی گئی عورت جو باندی بنانے کے قابل ہو۔

ترجمہ: (۲۷۹۲) کفار میں سے جو دار الحرب میں اسلام لے آئے تو وہ محفوظ کر لے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور اپنی چھوٹی اولاد اور وہ مال جو اس کے قبضے میں ہو۔

ترجمہ: ۱ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے جو اسلام لائے تو اس کا مال اسی کا ہو جائے گا۔

تشریح: کفار کو غلام بنانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ خود بھی آزاد شمار کیا جائے گا اور اس کی چھوٹی اولاد بھی آزاد شمار کی جائے گی اور قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو اس کا مال ہے وہ مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو دے دیا جائے گا۔ چاہے وہ مال اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان کے پاس امانت ہو۔ یا کسی ذمی کے پاس امانت ہو۔ البتہ جو مال حربی کے قبضے میں ہو وہ مال غنیمت شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیہ عن جدہ صخر ان رسول اللہ ﷺ غزا ثقیفا... یا صخر! ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماء ھم و اموالھم فادفع الی المغیرۃ عمتہ فدفعھا الیہ** (ابو داؤد شریف، **باب فی اقطاع الارضین**، ۲/۸۷، نمبر ۳۰۶۷، **کتاب الخراج**) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **ان ابا ھریرۃ** رضی اللہ عنہ... **وقد قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ و نفسہ الا بحقہ و حسابہ علی اللہ** (بخاری شریف، **باب وجوب الزکوۃ**، ص ۱۸۷، نمبر ۱۳۹۹ / مسلم شریف، **باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ**، ص ۶۷، نمبر ۲۰ / ۱۲۴ / ابو داؤد شریف، **باب علی ما یقاتل المشرکون**، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۰) ان احادیث میں ہے کہ اسلام لے آئے تو جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال من اسلم علی شیء فھو لہ۔** (سنن بیہقی، **باب من اسلم علی شیء فھو لہ**: ۹/۱۹۱، نمبر ۱۸۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جو اسلام لایا اور اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اس کا

مَالٍ فَهُوَ لَهُ ۲ وَلِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيقَةُ إِلَيْهِ يَدَ الظَّاهِرِينَ عَلَيْهِ (۲۷۹۳) أَوْ وَدِيعَةً فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ ا لِأَنَّهُ فِي يَدٍ صَحِيحَةٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ (۲۷۹۴) فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى دَارِ الْحِرَابِ فَعَقَارُهُ فَيْءٌ ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ لَهُ لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ.

ہے۔چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہیں اور جو حکم باپ یا ماں کا ہوتا ہے وہی حکم چھوٹی اولاد کا بھی ہوتا ہے۔اس لیے چھوٹی اولاد بھی آزاد ہوگی اور قتل سے محفوظ ہوگی۔

لغت:احرز: محفوظ کر لے گا،حرز سے مشتق ہے،**ودیعۃ:** امانت کی چیز۔

ترجمہ:۲ اور اس لیے کہ مسلمان ہونے والے کا حقیقی قبضہ ہے اس پر غلبہ ہونے والے سے پہلے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔جو مسلمان ہوا ہے اس کا قبضہ پہلے ہے اور حقیقی ہے،اور جو مجاہد ہے اس کا قبضہ بعد میں ہے،اس لیے حقیقی قبضہ والے کا قبضہ موجود رہے گا۔

لغت:ید الظاھرین: غلبہ کرنے والے کا قبضہ۔**غلبۃ:** غلبے کے طور پر۔

ترجمہ: (۲۷۹۳) یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں امانت ہو۔

ترجمہ:ا اس لیے کہ امین کا قبضہ صحیح اور محترم قبضہ ہے،اور امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

تشریح: اس نو مسلم کا مال کسی امانت دار کے پاس ہو تو وہ مال اس نو مسلم کا ہے اس لیے وہ بھی محفوظ ہو جائے گا،کیوں کہ امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۹۴) پس اگر ہم غالب آ جائیں ان کے گھر پر تو اس کی زمین فی ہوگی اور اس کی

تشریح: حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان،اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے،لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

وجہ: (۱) یہ لوگ اور یہ چیزیں مسلمان ہونے والے آدمی کے تابع نہیں ہیں اس لیے اس کے مسلمان ہونے سے یہ چیزیں محفوظ نہیں ہوں گی۔مثلا زمین غیر منقولی چیز ہے اور اگر چہ مسلمان ہونے والے کی ملکیت ہے لیکن دار الحرب ہونے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی حکومت میں ہے۔اور وہ زمین بھی دار الحرب کی زمین شمار کی جاتی ہے اس لیے وہ مال غنیمت ہوگی۔

ترجمہ:ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ زمین نو مسلم کی ہوگی اس لیے کہ اس زمین پر اس کا قبضہ ہے،جیسے منقولی جائداد نو مسلم کی ہوتی ہے۔

وجہ: (۱) اوپر کی حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی۔اور زمین بھی اس کا مال ہے اس لیے وہ بھی محفوظ ہوگی (۲) حضرت صخر کی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہؓ کی قوم نے ایمان لایا تو پانی کا کنواں واپس کیا،اور کنواں زمین کا حصہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے زمین بھی محفوظ ہوگی۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیہ عن جدہ صخر ان رسول اللہ غزا ثقیفا.... یا صخر ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالھم و دماءھم فادفع الی القوم ماءھم، قال نعم یا نبی اللہ! فرأیت وجہ رسول اللہ ﷺ یتغیر عند ذلک حمرۃ حیاء من اخذہ الجاریۃ و اخذہ الماء** (ابو داؤد

۲ولنا أن العقار في يد أهل الدار وسلطانها إذ هو من جملة دار الحرب فلم يكن في يده حقيقة، وقيل هذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف الآخر. ۳وفي قول محمد وهو قول أبي يوسف الأول هو كغيره من الأموال بناء على أن اليد حقيقة لا يثبت على العقار عندهما، وعند محمد يثبت (۲۷۹۵)وزوجته فيء لأنها كافرة حربية لا تتبعه في الإسلام (۲۷۹۶)وكذا حملها فيء

شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) اس حدیث میں پانی کا کنواں واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے دار الحرب کی زمین بھی محفوظ ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ **عن سليمان بن بريدة عن ابيه عن النبي ﷺ انه كان يقول في اهل الذمة لهم ما اسلموا عليه من اموالهم وعبيدهم وديارهم وارضهم وماشيتهم، ليس عليهم فيه الا الصدقة** (**سنن للبيهقي، باب من اسلم على شيء فهو له**، ج تاسع، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ذمی کو زمین بھی ملے گی جس پر قیاس کر کے حربی کو بھی زمین ملے گی اگر وہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ دار الحرب کے جو سلطان ہے زمین اس کے قبضے میں ہے اس لیے یہ دار الحرب کا حصہ ہے، اس لیے حقیقت میں مالک کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ زمین مالک کو نہیں ملے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ منقولی جائداد کی طرح زمین کا بھی نو مسلم مالک ہوگا، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین پر قبضہ نہیں ہوتا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہوتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ زمین بھی نو مسلم کی ملکیت میں رہے گی۔

وجہ: اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ شیخین کے یہاں زمین پر قبضہ نہیں ہوتا، اور امام محمدؒ کے یہاں زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے اس لیے اس کی ملکیت میں رہے گی۔

ترجمہ: (۲۷۹۵) نو مسلم کی بیوی فیٔ ہوگی

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ وہ کافرہ ہے اور حربیہ ہے اسلام میں شوہر کے تابع نہیں ہے۔

تشریح: نو مسلم کی کافرہ بیوی شوہر کے تابع نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ عاقل اور بالغ ہے۔ اس لیے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

ترجمہ: (۲۷۹۶) اس کا حمل فیٔ ہوگا۔

تشریح: حربیہ عورت کا حمل بھی فیٔ ہوگا یعنی بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مال کی طرح مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

وجہ: (۱) حمل ماں کا جز ہے اس لیے ماں مال غنیمت میں ہوگی تو اس کا حمل بھی مال غنیمت میں ہوگا (۲) قول تابعی میں موجود ہے۔ **قال سفيان ونحن لا نأخذ بذلك، نقول اذا استثنى ما في بطنها عتقت كلها انما ولدها كعضو منها** (مصنف عبد الرزاق، **باب الرجل يعتق امته ويستثني ما في بطنها والرجل يشتري ابنه**: ۹/ ۱۷۲، نمبر ۱۶۸۰۰) اس قول تابعی میں ہے کہ بچہ ماں کے عضو کی طرح ہے

۱ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ إِنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ ۲ وَلَنَا أَنَّهُ جُزْؤُهَا فَيَرِقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلتَّمَلُّكِ تَبَعًا لِغَيْرِهِ ۳ بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ لِأَنَّهُ حُرٌّ لِانْعِدَامِ الْجُزْئِيَّةِ عِنْدَ ذَلِكَ (۲۷۹۷) وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ ۱ لِأَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّونَ وَلَا تَبَعِيَّةَ (۲۷۹۸) وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عَبِيدِهِ فَيْءٌ ۱ لِأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلَى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا لِأَهْلِ دَارِهِمْ (۲۷۹۹) وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِي يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ ۱ غَصْبًا كَانَ أَوْ وَدِيعَةً، لِأَنَّ

اس لیے ماں حربیہ ہوگی تو اس کا حمل بھی حربی شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حمل باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا جیسے بچہ پیدا ہو چکا ہوتا تو وہ مسلمان ہوتا۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جس طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوتا ہے اسی طرح حمل بھی باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا، مال غنیمت میں شمار ہوکر غلام نہیں بنے گا۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اس لیے عورت کے باندی بننے کی وجہ سے اس کے تابع ہوکر حمل بھی غلام بنے گا، اور تابع ہوکر مسلمان مملوک بننے کا محل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اس لیے اس کے تابع ہوکر مملوک بنے گا۔ کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ مسلمان دوسرے کا تابع ہوکر مملوک بن جائے، جیسے مسلمان نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا تو اس مسلمان کا بچہ ماں کے تابع ہوکر مملوک بنے گا۔

ترجمہ: ۳ بخلاف بچہ پیدا ہو چکا ہو اس لیے کہ اب عورت کا جز نہ ہونے کی وجہ سے وہ آزاد ہے۔

تشریح: عورت کا بچہ پیدا ہو گیا ہے تو عورت سے جدا ہو جانے کی وجہ سے اب اس کا جز نہیں رہا اس لیے اب باپ کے تابع ہوکر وہ آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۷۹۷) اور نو مسلم کی بڑی اولاد فئی ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ وہ کافر ہے حربی ہے باپ کے تابع نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت: فئی: مال غنیمت، **ظہرنا علی الدار**: دار الحرب پر قبضہ ہو گیا، **عقار**: زمین۔

ترجمہ: (۲۷۹۸) اور نو مسلم کے غلام نے مسلمانوں سے جنگ کی تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ جب آقا کے خلاف سرکشی کی تو آقا کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ دار الحرب کے تابع ہو گیا [اس لیے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا]

تشریح: نو مسلم کا عاقل بالغ غلام تھا اس نے مسلمانوں سے جنگ میں حصہ لیا تو وہ اب آقا کی سرپرستی میں نہیں رہا، اب وہ دار الحرب کی سرپرستی میں ہے اس لیے اس پر قبضے کے بعد مال غنیمت شمار کیا جائے گا، آقا کی وجہ سے وہ آزاد نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۹۹) اگر نو مسلم کا مال حربی کے قبضے میں ہے تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱ چاہے وہ غصب کیا ہوا ہو، یا امانت کے طور پر ہو اس لیے کہ حربی کا ہاتھ محترم ہاتھ نہیں ہے۔

يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ (۲۸۰۰)وَمَا كَانَ غَصْبًا فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَكُونُ فَيْئًا ١؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ - رَحِمَهُ اللَّهُ - كَذَا ذَكَرَ الِاخْتِلَافَ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ. وَذَكَرُوا فِي شُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ مَعَ مُحَمَّدٍ. لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ، وَقَدْ صَارَتْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ فَيَتْبَعُهَا مَالُهُ فِيهَا. ٢؎ وَلَوْ أَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ فَيَمْلِكُ بِالِاسْتِيلَاءِ وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوِّمَةٍ إلَّا أَنَّهُ مُحَرَّمُ التَّعَرُّضِ فِي الْأَصْلِ لِكَوْنِهِ مُكَلَّفًا وَإِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهِ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْإِسْلَامِ، بِخِلَافِ الْمَالِ؛ لِأَنَّهُ خُلِقَ عُرْضَةً لِلِامْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَلَيْسَتْ

تشریح: نومسلم کا مال کسی حربی کے پاس ہو، چاہے وہ مال اس نے غصب کر لیا تھا، یا نومسلم نے امانت رکھنے دیا تھا تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا، کیوں کہ حربی کا جو قبضہ ہے وہ محترم نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۰۰) اور نومسلم کا جو مال غصب کیا ہوا ہو کسی مسلمان کے ہاتھ میں، یا ذمی کے ہاتھ تو وہ بھی مال غنیمت ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال غنیمت نہیں ہوگا۔

تشریح: نومسلم کا مال کسی مسلمان نے غصب کر لیا تھا، یا کسی ذمی نے غصب کر لیا تھا تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ مال مال غنیمت نہیں ہوگا۔

وجہ: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کے تابع ہوتا ہے اور اس کا مالک مسلمان ہے اس لیے اس کے تابع ہو کر مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو مل جائے گا۔

ترجمہ: ١؎ صاحب ہدایہ نے کہا کہ سیر کبیر میں امام محمدؒ نے اختلاف ذکر کیا ہے، اور جامع صغیر کی شرح میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو امام محمدؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہے اور نفس اسلام لانے کی وجہ سے محفوظ ہو گیا تو مال بھی اس کے تابع ہو کر محفوظ ہو جائے گا۔ اور مال غنیمت نہیں بنے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٢؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال مباح ہے اس لیے جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ مالک بن جائے گا، اور نفس اسلام کی وجہ سے معصوم نہیں ہوا کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ نفس کی کوئی قیمت نہیں ہے، ہاں یہ بات ہے کہ اصل میں اس کو چھیڑنا حرام ہے، کیوں کہ انسان مکلف ہے، اس کے شر کی عارض کی وجہ سے جہاد میں اس کو چھیڑنا مباح قرار دیا گیا تھا اسلام کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گیا، بخلاف مال کے اس لیے کہ وہ استعمال کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے وہ مالک بننے کا محل ہے، اور غاصب کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے حکما مالک کے قبضے میں نہیں ہے اس لیے مال محفوظ نہیں ہو پایا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ مال غاصب کے قبضے میں ہے اس لیے گویا کہ اس کی ملکیت میں ہے، اس لیے مالک کے تابع ہو کر مالک کو نہیں ملے گا۔

لغت: **استیلاء:** قبضہ، غلبہ۔ **امتهان: مهنة** سے مشتق ہے، استعمال کرنے کے لیے۔ **عصمة:** محفوظ ہونے کے لیے۔

فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتْ الْعِصْمَةُ. (۲۸۰۱)وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوا مِنَ الْغَنِيمَةِ وَلَا يَأْكُلُوا مِنْهَا ۱؎لِأَنَّ الضَّرُورَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ، وَالْإِبَاحَةُ بِاعْتِبَارِهَا، ۲؎وَلِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتَّى يُورَثَ نَصِيبُهُ وَلَا كَذَلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ (۲۸۰۲)وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إلَى الْغَنِيمَةِ ۱؎مَعْنَاهُ إذَا لَمْ تُقْسَمْ. ۲؎وَعَنْ الشَّافِعِيِّ مِثْلُ قَوْلِنَا. وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ اعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ.

ترجمہ: (۲۸۰۱)اگر مسلمان دار الحرب سے نکلے تو نہیں جائز ہے کہ چارہ کھلائیں مال غنیمت سے اور نہ اس میں خود کھائیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ضرورت پوری ہوگئی، اور یہاں استعمال کرنے کی گنجائش ضرورت کی وجہ سے تھا۔

تشریح: جب تک دار الحرب میں رہا مال غنیمت کا کھانا وغیرہ استعمال کرسکتا تھا لیکن جب دار الحرب سے باہر چلے آئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کرسکتے۔

وجہ: (۱) دار الحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہوگیا، اب فوری طور پر امام مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور مجاہد اب اپنے حصے کے مال میں سے کھائیں گے (۲) دار الحرب سے باہر جانے کے بعد غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری ہے اس لیے اگر ہر ایک کے پاس کھانے پینے کی چیز رہ جائے گی تو مکمل طور پر تقسیم نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے ان چیزوں کو غنیمت میں شامل کرنا ضروری ہے (۳) **فقال معاذ غزونا مع رسول اللہ ﷺ خیبر فاصبنا فیھا غنما فقسم فینا رسول اللہ ﷺ طائفة و جعل بقیتھا فی المغنم** (ابو داؤد شریف، **باب فی بیع الطعام اذا فضل عن الناس فی ارض العدو**، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرے اور باقی مال غنیمت میں شامل کرے (۴) قول صحابی میں ہے۔ **ان عبد اللہ بن عباس ؓ لم یر بأسا ان یأکل الرجل طعاما فی ارض الشرک حتی یدخل اھلہ** (**مصنف ابن ابی شیبة، ۱۲۹ من قال یأکلون من الطعام ولا یحملون و من رخص فیہ: ۶**/ ۵۰۹ نمبر ۳۳۳۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل یعنی دار الاسلام تک کھا سکتا ہے اس کے بعد واپس جمع کر دے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لیے کہ مال غنیمت میں مجاہد کا حق موکد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ مجاہد کے حصے کا وارث بنے گا، اور دار الاسلام تک لانے سے پہلے یہ بات نہیں تھی۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے، کہ دار الاسلام میں لانے کے بعد اب مجاہد کا حق ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر تقسیم کرنے سے پہلے کوئی مجاہد مر جائے تو اس کا حصہ اس کا وارث لے گا، اس لیے اس مال کو اب نہ کھائے بلکہ اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

لغت: **علف:** چارہ۔

ترجمہ: (۲۸۰۲) اور جو اس کے ساتھ چارہ یا کھانا بچ جائے اس کو غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ امام نے تقسیم نہ کیا ہو تو واپس کرے۔

تشریح: دو صورتیں ہیں [۱] امام نے دار الحرب میں مجاہد کو کھانا تقسیم کر کے نہ دیا ہو تو جو کھانا بچا ہے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ [۲] اور اگر تقسیم کر کے دے دیا ہو تو اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے کہ مال غنیمت میں واپس کر دے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مال غنیمت میں واپس نہ کرے،

٣ وَلَنَا أَنَّ الْاِخْتِصَاصَ ضَرُوْرَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ، ٤ بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ، لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقَّ بِهِ قَبْلَ الْإِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ، ٥ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوْا بِهِ ٦ إِنْ كَانُوْا أَغْنِيَاءَ، وَانْتَفَعُوْا بِهِ إِنْ كَانُوْا مَحَاوِيْجَ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ اللُّقَطَةِ لِتَعَذُّرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِيْنَ، وَإِنْ كَانُوْا انْتَفَعُوْا بِهِ بَعْدَ الْإِحْرَازِ تُرَدُّ قِيْمَتُهُ إِلَى الْمَغْنَمِ إِنْ كَانَ لَمْ يُقْسَمْ، وَإِنْ قُسِمَتِ الْغَنِيْمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيْمَتِهِ وَالْفَقِيْرُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيْمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ

جیسے کہ دار الحرب سے چرا کر لایا ہو تو واپس نہیں کرتا ہے۔

تشریح: متلصص: لص سے مشتق ہے، چرا کر لایا ہو، یعنی ایک دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوا اور حربی کا مال چرا کر لایا تو یہ مال غنیمت نہیں ہے اور یہ مال چرانے والے کا ہوگا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے مال غنیمت کا جو مال مجاہد کے پاس رہ گیا امام شافعیؒ کے نزدیک وہ بھی اسی کا ہوگیا۔

ترجمہ: ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے کھانے کی اجازت تھی وہ اب پوری ہوگئی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٤ بخلاف چور کے اس لیے کہ دار الاسلام میں لانے سے پہلے ہی چور اس کا مالک تھا اس لیے دار اسلام میں لانے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ چور جب دار الحرب میں تھا تب ہی اس چوری کے مال کا مالک تھا، اس لیے دار الحرب سے دار اسلام میں آنے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا، اور مال غنیمت کا معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ دار الحرب میں ضرورت کی بنیاد پر صرف کھانا مباح تھا وہ اس کا مالک نہیں بنا تھا، اور دار الاسلام میں آنے کے بعد کھانے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اب امام مال غنیمت جو تقسیم کر کے دے گا اب اس میں سے کھائے گا، اس لیے بچا تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ٥ امام نے دار الحرب میں کھانے کی چیز تقسیم کر کے دے دیا تھا اس میں سے کھانا اور چارہ بچ گیا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس کھانے کو صدقہ کر دے، اور اگر محتاج ہے تو اس سے فائدہ اٹھائے اس لیے کہ یہ لقطہ کے حکم میں ہوگیا اس لیے کہ مجاہدین پر واپس کرنا ناممکن ہے۔

تشریح: لقطہ: گرے ہوئے مال کو پایا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر پانے والا مالدار ہے تو اس کو صدقہ کر دے، اور اگر خود غریب ہے تو اس کو خود استعمال کر لے، اسی طرح مجاہد کو امام نے کھانے کی چیز تقسیم کر کے دے دیا تھا اب اس میں سے کھانا بچا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس بچے ہوئے کھانے کو صدقہ کر دے، اور اگر خود محتاج ہے تو اس کو خود استعمال کرے۔ اس لیے کہ اب ہر ہر مجاہد کو واپس کرنا مشکل ہے۔

ترجمہ: ٦ اور اگر دار اسلام میں لانے کے بعد استعمال کیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں داخل کرے، اور اگر مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہو تو تو مالدار آدمی اس کی قیمت صدقہ کرے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، کیوں کہ فقیر اصل کھانا کھا سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی کھا سکتا ہے۔

تشریح: دار الاسلام میں لانے کے بعد مال غنیمت کا کھانا کھا لیا، تو اگر یہ مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے ہے تو اس کی قیمت مال غنیمت میں واپس کرے، اور اگر تقسیم ہو چکا ہے اس کے بعد استعمال کیا ہے تو اگر یہ آدمی مالدار ہے تو اس کی قیمت فقیروں میں صدقہ کرے۔ اور اگر خود فقیر ہے تو جس طرح کھانا کھا سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی کھا سکتا ہے اس لیے فقیر کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ اوپر میں لقطہ کے مال کی طرح ہوگیا۔

فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ

قَالَ (۲۸۰۱) وَيُقَسِّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى {فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ} اسْتَثْنَى الْخُمُسَ وَيُقَسِّمُ الْأَرْبَعَةَ الْأَخْمَاسِ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ (۲۸۰۲) ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – وَقَالَا: لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ

فصل فی کیفیۃ القسمۃ

ترجمہ: (۲۸۰۱) امام مال غنیمت تقسیم کرے۔ پس اس میں سے پانچواں حصہ نکالے [اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ پانچواں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، تو پانچواں حصے کو استثنی کیا] باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے۔

ترجمہ: اس لیے کہ رسول اللہ نے چار حصوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا۔

تشریح: مال غنیمت میں جو بھی آئے اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالے جو حضورؐ کے زمانے میں پانچ طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ (۱) حضورؐ (۲) ان کے رشتہ دار (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) اور مسافر کے درمیان۔ اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔ مثلا پچیس درہم مال غنیمت میں آیا تو ایک پانچواں حصہ پانچ درہم ہوئے۔ ان پانچ درہم میں سے ایک درہم حضورؐ کے لیے، ایک درہم ان کے رشتہ دار کے لیے، ایک درہم یتیم کے لیے، ایک درہم مسکین کے لیے اور ایک درہم مسافر کے لیے ہوگا، باقی چار حصے یعنی بیس درہم تمام مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں پانچویں حصے کو پانچوں طبقوں میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی العالیۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یوتی بالغنیمۃ فیقسمھا علی خمسۃ فیکون اربعۃ لمن شھدھا ویأخذ الخمس فیضرب بیدہ فیہ فما اخذ من شیء جعلہ للکعبۃ وھو سھم اللہ الذی سمی ثم یقسم مابقی علی خمسۃ فیکون سھم لرسول اللہ وسھم لذوی القربی وسھم للیتامی وسھم للمساکین وسھم لابن السبیل** (**مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ فی الغنیمۃ کیف یقسم:** ۶/ ۵۰۴، نمبر ۳۳۲۸۷/ مصنف عبد الرزاق، باب **الغنیمۃ والفیٔ مخلفان:** ۵/ ۲۰۹، نمبر ۹۷۷۸) اس حدیث سے پتا چلا کہ چار حصے مجاہدین کے لیے ہیں اور پانچواں حصہ یعنی خمس میں پانچ طبقے شریک ہیں۔ (۳) **عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا بعث سریۃ فغنموا خمس الغنیمۃ فضرب ذالک الخمس فی خمسۃ ثم قرأ (وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ .... الی قولہ للہ ما فی السموات والارض) فجعل سھم اللہ و سھم الرسول واحدا (ولذی القربی) فجعل ھذین السھمین قوۃ فی الخیل والسلاح وجعل سھم الیتامی والمساکین و ابن السبیل ألا یعطیہ غیرھم وجعل الاربعۃ الاسھم الباقیۃ للفرس سھمین ولراکبہ سھم وللراجل سھم۔** (طبرانی الکبیر، **الضحاک عن ابن عباس،** ج ۱۲، ص ۹۷، نمبر ۱۲۶۶۰) اس حدیث میں خمس کے سارے احکام ہیں۔

ترجمہ: (۲۸۰۲) گھوڑے سوار کے لیے دو حصے اور پیدل والے کے لیے ایک حصہ۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے

۱؎ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى - لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - أَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَسْهَمَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا ۲؎ وَلِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِالْغَنَاءِ وَغَنَاؤُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ؛ لِأَنَّهُ لِلْكَرِّ وَالْفَرِّ وَالثَّبَاتِ، وَالرَّاجِلُ لِلثَّبَاتِ لَا غَيْرُ.

لیے تین حصے ہوں گے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے، اس لیے کہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سوار کو تین حصے دئے اور پیدال والے کو ایک حصہ۔

تشریح: مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو گھوڑ سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا۔ اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے اس کو صرف ایک حصہ ملے گا آدمی کا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حضور ﷺ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے آدھا امور مسلمین کے لیے اور آدھا یعنی اٹھارہ سو حصے مجاہدین کے لیے۔ اور مجاہدین پندرہ سو تھے۔ جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے تو گویا کہ وہ دوگنا ہو کر چھ سو ہو گئے تو بارہ سو پیدل اور چھ سو وہ تو اٹھارہ سو ہوئے۔ اور گھوڑ سوار کو دو دو حصے دیئے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عمہ مجمع بن جاریۃ انصاری... قال قسمت خیبر علی اہل الحدیبیۃ فقسمہا رسول اللہ ﷺ علی ثمانیۃ عشر سہما و کان الجیش الفا و خمس مائۃ فیہم ثلاث مائۃ فارس، فاعطی الفارس سہمین و اعطی الراجل سہما** (ابوداؤد شریف، **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر**، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۵ / دار قطنی، **کتاب السیر**: ۴/۶۱، نمبر ۴۱۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑ سوار کو صرف دو حصے ملیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔

فائدہ: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑ سوار کے لیے تین حصے ہیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ اسہم لرجل و لفرسہ ثلاثۃ اسہم سہما لہ و سہمین لفرسہ** (ابوداؤد شریف، **باب فی سہمان الخیل**، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۳ / ترمذی شریف، **باب فی سہم الخیل**، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۴ / بخاری شریف، **باب سہام الفرس**، ص ۴۷۴، نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لیے ایک حصہ مجموعہ تین حصے ہوں گے۔

لغت: **فارس:** فرس سے مشتق ہے گھوڑ سوار، **سہم:** حصہ۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لیے کہ حصوں کا حقدار کام آنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور گھوڑ سوار پیدل کے مقابلے پر تین طرح سے کام آتا ہے، اس لیے کہ حملہ کرنے کے لیے پلٹ کر بھاگنے کے لیے اور جم کر لڑنے کے لیے، اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لیے ہوتا ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ کہ گھوڑ سوار جنگ میں تین طرح کام آتے ہیں [۱] دشمن پر حملہ کرنے کے لیے [۲] فوراً پلٹ کر بھاگنے کے لیے [۳] اور موقع ہو تو جم کر لڑنے کے لیے ہے اس لیے اس کو تین حصے ملنے چاہئے، اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لیے ہے اس لیے اس کو مال غنیمت میں سے صرف ایک ہی حصہ ملنا چاہئے

---

۳ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – مَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا – أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ، فَيُرْجَعُ إِلَى قَوْلِهِ وَقَدْ قَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ كَيْفَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا – أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – قَسَّمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ وَإِذَا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ تَرَجَّحَ رِوَايَةُ غَيْرِهِ، ۴ وَلِأَنَّ الْكَرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُونُ غَنَاؤُهُ مِثْلَيْ غَنَاءِ الرَّاجِلِ فَيُفَضَّلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ ۵ وَلِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَذُّرِ مَعْرِفَتِهِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ

لغت: غناء: کام آنا، کافی ہونا۔ **کر:** حملہ کرنا، **فر:** فرار سے مشتق ہے، بھاگنا۔ **راجل:** رجل سے مشتق ہے، پیدل آدمی۔ **ثبات:** جم کر لڑنا۔

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، تو ان کا دونوں فعل میں تعارض ہو گیا اس لیے اس کے قول کی طرف رجوع کیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوار کو دو حصے دئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، اور حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، اور جب دو روایتوں میں تعارض ہوا تو ہم نے دوسرے کی روایت سے ایک بات کو ترجیح دی۔

تشریح: اوپر جو حدیث ابن عباس کی پیش کی وہ حدیث مجمع بن حارثہ کی ہے اس لیے شارح حضرات نے یہاں بڑا اختلاف کیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی دو حدیثیں ہیں، ایک میں ہے کہ سوار کو تین حصے ملیں گے یہ حدیث اوپر صاحبین کے مستدل میں گزر گئی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے ملیں گے یہ حدیث دار قطنی کی ہے جو آگے آرہی ہے اس لیے دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا اس لیے ہم نے مجمع بن حارثہ کی حدیث کو ترجیح دی کہ سوار کو دو حصے ملیں گے۔

وجہ: (۱) یہ حدیث حضرت ابن عباس کی نہیں ہے بلکہ مجمع بن حارثہ کی ہے جس سے ہم نے دو حصے کو ترجیح دی ہے۔ **عن عمہ مجمع بن حارثہ.... انہ لفتح فقسمت خیبر علی اہل الحدیبیۃ فقسمہا رسول اللہ علی ثمانیۃ عشر سہما و کان الجیش الفا و خمسمائۃ فیہم ثلاث مائۃ فارس فاعطی الفارس سہمین و اعطی الراجل سہما۔** (ابوداود شریف، باب فیمن اسہم لہ سہما، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۶) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑ سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ (۲) حضرت ابن عمرؓ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قسم للفارس سہمین و للراجل سہما۔ (دار القطنی، باب کتاب السیر: ۴/ ۶۱، نمبر ۴۱۳۸)** اس حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا ایک ہی قسم کا کام ہے تو سوار کا کام پیدل کے کام سے دوگنا ہوا، اس لیے سوار کو ایک حصہ زیادہ ملا۔

تشریح: یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے، کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا دو کام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کام ہے اس لیے سوار کا کام پیدل کے کام سے دوگنا ہوا اس لیے اس کو دوگنا ملنا چاہئے۔

ترجمہ: ۵ اور اس لیے کہ سبب کے پہچاننے کے متعذر ہونے کی وجہ سے کس نے زیادہ کام کیا یہ پہچاننا متعذر ہے اس لیے ظاہری

فَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضَعْفِهِ. (۲۸۰۳) وَلَا يُسْهَمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ ١وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُسْهِمُ لِفَرَسَيْنِ، لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ - ﷺ - أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ وَلِأَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ يَعْيَى فَيَحْتَاجُ إِلَى الْآخَرِ، ٢وَلَهُمَا أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ فَلَمْ يُسْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ

سبب پر حکم ہوگا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوار کے لیے دو سبب ہیں ایک وہ خود اور دوسرا گھوڑا، اور پیدل والے کے لیے ایک سبب ہے اس لیے سوار کو پیدل کا دوگنا ملنا چاہئے۔

تشریح: جنگ میں کس نے زیادہ کام کیا یہ معلوم کرنا مشکل ہے، اس لیے ظاہری صورت پر فیصلہ کیا جائے، اس اعتبار سے سوار کی دو جانیں کام آئی ہیں، ایک آدمی اور دوسرا گھوڑا، اس لیے اس کو دو حصے ملنے چاہئے، اور پیدل کا ایک ہی آدمی ہے اس لیے اس کو ایک حصہ ملنا چاہئے، یہ ظاہری فیصلہ ہے۔

ترجمہ: (۲۸۰۳) اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا،

تشریح: آدمی دو یا تین گھوڑے لے کر جہاد میں گیا ہو پھر بھی صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا باقی گھوڑوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) ایک آدمی بیک وقت ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کر سکتا ہے۔ اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا (۲) کئی گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں تو دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہو گی اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (۲) حضرت زبیرؓ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لے کر شریک ہوئے تھے اس کے باوجود ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔ **عن عبد اللہ بن الزبیر ؓ عن جدہ انہ یقول ضرب رسول اللہ ﷺ عام خیبر للزبیر بن العوام باربعۃ اسہم، سہما لہ و سہما لذی القربی لصفیۃ بنت عبد المطلب و سہمین لفرسہ** (دار قطنی، **کتاب السیر**: ۴/ ۶۲ نمبر ۴۱۴۳) اس میں دیکھئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملا ہے۔

ترجمہ: ١ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، اس لیے کہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دو گھوڑوں کا حصہ دیا، اور اس لیے کہ ایک گھوڑا کبھی اپاہج ہو جاتا ہے تو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کئی گھوڑے لے کر شریک ہوا ہو تو دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ **انہ سمع مکحولا یرفعہ الی النبی ﷺ یقول لا سہم من الخیل الا لفرسین و ان کان معہ الف فرس، اذا دخل بہا ارض العدو** (مصنف عبد الرزاق، **باب السہام للخیل**: ۵/ ۱۲۶ نمبر ۹۳۰۷/ **مصنف ابن ابی شیبۃ ۰۵ فی الرجل یشہد بالفراس لکم یقسم منہا**: ۶/ ۴۹۵ نمبر ۳۳۱۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بھی گھوڑے لے کر شریک ہوں تو دو گھوڑے کے حصے ملیں گے۔ (۲) **عن جدہ بشیر بن عمر بن محصن قال اسہم لی رسول اللہ ﷺ لفرسی اربعۃ اسہم و لی سہم فاخذت خمسۃ اسہم**۔ (دار قطنی، **باب کتاب السیر**: ۴/ ۵۹ نمبر ۴۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ دو گھوڑے کا حصہ دیا۔

لغت: **راجل:** پیدل چلنے والا، رجل سے مشتق ہے۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براء بن اوس دو گھوڑے لے کر گئے تو اس حضور ﷺ نے انکو ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا۔

تشریح: یہ حدیث عبد اللہ بن زبیر کے حوالے سے اوپر گزری۔

۳؎ ولأن القتال لا يتحقق بفرسين دفعة واحدة فلا يكون السبب الظاهر مفضيا إلى القتال عليهما فيسهم لواحد، ولهذا لا يسهم لثلاثة أفراس، ۴؎ وما رواه محمول على التنفيل كما أعطى سلمة بن الأكوع سهمين وهو راجل (۲۸۰۴) والبراذين والعتاق سواء ۱؎ لأن الإرهاب مضاف إلى جنس الخيل في الكتاب، قال الله تعالى {ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم} واسم الخيل ينطلق على البراذين والعراب والهجين والمقرف إطلاقا واحدا، ولأن العربي إن كان في الطلب والهرب أقوى والبرذون أصبر وألين عطفا، ففي كل واحد منهما منفعة معتبرة فاستويا.

ترجمہ: ۳؎ اور اس لیے کہ بیک وقت دو گھوڑوں سے قتال نہیں کرتے اس لیے ظاہری طور پر دونوں سے قتال نہیں ہوتا ہے اس لیے ایک کا حصہ دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔

تشریح: دلیل عقلی یہ ہے کہ دو گھوڑوں پر بیک وقت قتال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ ایک وقت میں ایک ہی گھوڑے سے قتال ہوتا ہے، تو یوں سمجھو کہ ایک ہی گھوڑے سے قتال کیا ہے اس لیے ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑا لے کر گیا ہو تو تین گھوڑے کا حصہ نہیں ملتا ہے۔ اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور صاحبینؒ نے جو روایت کی ہے وہ نفلی طور پر دیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے دئے حالانکہ وہ پیدل تھے۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے کہ جس حدیث میں دو حصے دینے کی بات ہے وہ نفلی طور پر دیا گیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوعؓ پیدل تھے لیکن انکو نفلی طور پر دو حصے دئے۔

ترجمہ: (۲۸۰۴) دیسی گھوڑے اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ گھوڑے کی جنس سے ڈرانا ہوتا ہے اس لیے کہ قرآن میں ہے، **وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ** (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸) اور براذین، عتاق، ہجین اور مقرف سب کو گھوڑا کہتے ہیں اس لیے سب کا حصہ برابر ہے، اور اس لیے کہ عربی حملہ کرنے اور بھاگنے میں قوی ہے تو دیسی گھوڑا زیادہ صبر والا ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، اس اعتبار سے ہر ایک گھوڑے میں الگ الگ نفع ہے اس لیے دونوں کا حکم برابر ہے۔

تشریح: ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئے لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں اس کو براذین یعنی دیسی گھوڑے کہتے ہیں۔ اور لمبے قد کے گھوڑے کو عتاق یعنی عربی گھوڑے کہتے ہیں۔ چونکہ دونوں ہی گھوڑے ہیں اور دونوں ہی جنگ میں کام آتے ہیں اس لیے دونوں کے حصے برابر ہیں۔ کسی کے کم نہیں۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن قال البرذون بمنزلة الفرس** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۳ فی البراذین مالها و کیف یقسم لها ۶، / ۴۹۴ نمبر ۳۳۱۷۶ / مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل ۵: / ۱۳۶ نمبر ۹۳۸۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دیسی گھوڑا اور عربی گھوڑا دونوں کے حصے برابر ہیں۔ (۲) قرآن میں ہر قسم کے گھوڑے کے بارے میں کہا گیا ہے اس سے اللہ کے دشمن ڈرتے ہیں اس لیے ہر قسم کے گھوڑے کا حصہ برابر ہوگا، آیت یہ ہے۔ **وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ** (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸)

(۲۸۰۵)وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ ۱؎ وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ عَلَى عَكْسِهِ فِي الْفَصْلَيْنِ، وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَنَا حَالَةُ الْمُجَاوَزَةِ، وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ ۲؎ لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمُجَاوَزَةُ وَسِيلَةٌ إِلَى

لغت:عتاق:عربی گھوڑا۔ براذین:**عجمی** گھوڑا۔**هجين**:ایسا گھوڑا جس کا باپ عجمی ہو اور ماں عربی ہو۔**مقرف**:جس کا باپ عربی ہو اور ماں عجمی گھوڑی ہو۔

ترجمہ:(۲۸۰۵) جو دار الحرب میں گھوڑا لے کر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ گھوڑے کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور جو پیدل داخل ہوا پھر گھوڑا خریدا تو وہ پیدل کے حصے کا حقدار ہوگا۔

تشریح:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے وقت گھوڑسوار تھا تو گھوڑسوار کا حصہ یعنی دو یا تین حصے ملیں گے۔ اور اس وقت پیدل داخل ہوا بعد میں گھوڑا خریدا تو پیدل کا ہی حصہ ملے گا۔

وجہ:(۱) امیر داخل ہوتے وقت ہی تحقیق کرتا ہے اور رجسٹر لکھتا ہے کہ یہ کیسے داخل ہو رہا ہے، گھوڑے کے ساتھ یا پیدل۔ اس لیے داخل ہوتے وقت ہی کا اعتبار ہوگا (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔**عن سلیمان بن موسی فی الامام اذا ادرب قال یکتب الفارس فارسا و الراجل راجلا له** (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۵۵، **الفارس معی یکتب فارسا**:۶/ ۵۲۷، نمبر ۳۳۵۰۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت کا اعتبار ہے۔

لغت:نفق:ہلاک ہوا، خرچ ہوا۔

ترجمہ:۱؎ امام شافعیؒ کا مسلک دونوں صورتوں اس کا الٹا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ سے حضرت ابن مبارک کی روایت دوسری فصل یعنی پیدل داخل ہوا اور گھوڑے پر جنگ کی] تو روایت امام شافعیؒ کی طرح ہے سوار کے حصے کا مستحق ہوگا، حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہوگا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک جنگ کے ختم ہونے کا اعتبار ہوگا۔

تشریح:امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جنگ کرتے وقت اور جنگ کے بعد آدمی کی کیا حالت اس پر حصے کا اعتبار ہے، پس اگر وہ جنگ کے فوراً بعد سوار ہے تو سوار کے دو حصے ملیں گے، اور پہلے وہ سوار والا تھا لیکن جنگ کے دوران اس کا گھوڑا ضائع ہو گیا، اور جنگ کے بعد وہ پیدل ہے تو اس کو پیدل کا حصہ ملے گا۔

اصول:جنگ کے بعد آدمی کی حالت کیا ہے اس کے اعتبار سے اس کو حصہ ملے گا۔

لغت:الفصل الثانی:دوسری فصل۔ یعنی پیدل داخل ہوا اور درمیان میں گھوڑے پر سوار ہو کر قتال کی تو امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کا حصہ ملے گا۔

ترجمہ:۲؎ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہر اور قتال مال غنیمت حاصل کرنے کا اصل سبب ہے اس لیے قتال کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا، اور سرحد پار کرنا قتال کا وسیلہ ہے، جیسے گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔

السَّبَبِ كَالْخُرُوجِ مِنَ الْبَيْتِ، ٣ وَتَعْلِيقِ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلَى إِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَيْهِ، وَلَوْ تَعَذَّرَ أَوْ تَعَسَّرَ تَعَلَّقَ بِشُهُودِ الْوَقْعَةِ؛ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ. ٤ وَلَنَا أَنَّ الْمُجَاوَزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَا وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِهَا؛ وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ، وَكَذَا عَلَى شُهُودِ الْوَقْعَةِ لِأَنَّ حَالَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ فَتُقَامُ الْمُجَاوَزَةُ مَقَامَهُ إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمُفْضِي إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ بِحَالَةِ الْمُجَاوَزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا. ٥ وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِضِيقِ الْمَكَانِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالِاتِّفَاقِ، ٦ وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ أَجَرَ أَوْ رَهَنَ فَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اعْتِبَارًا لِلْمُجَاوَزَةِ. وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ

تشریح: جس طرح گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے باوجود گھر سے نکلنے کے وقت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح سرحد کا پار کرنا جنگ کا وسیلہ ہے اس لیے سرحد پار کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ قہر اور قتال جو اصل جنگ ہے اس وقت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ اور قتال پر احکام کو معلق کرنا اس پر واقف ہونے کی دلیل ہے، اور جنگ کی حالت پر واقف ہونا ناممکن ہو یا مشکل ہو تو جو جنگ میں شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی پر حالت کا جاننا معلق ہوگا اس لیے کہ وہ لوگ قتال کے زیادہ قریب ہیں۔

تشریح: قتال کے وقت آدمی کی کیا حالت تھی اس پر معلق کرنے سے قتال کی حالت کی معلومات ہوگی، اور اس سے بھی معلومات نہ ہو سکی تو جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی سے معلوم ہوگا کہ یہ آدمی پیدل تھا یا سوار تھا اور اس کے مطابق اس کو حصہ دیا جائے گا۔

لغت: **تعسر:** عسر سے مشتق ہے، مشکل ہو۔ **وقعۃ:** جنگ، **شہود الوقعۃ:** جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہوں۔

ترجمہ: ۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا بھی قتال ہے اسی سے دشمن کو خوف ہوتا ہے اور اس کے بعد کی حالت دوام کی حالت ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اصلی قتال پر واقف ہونا مشکل ہے، ایسے ہی جنگ میں جو شریک ہیں اس کو بھی پتہ نہیں ہوگا کیوں کہ دونوں صف کے ملنے کی حالت ہے اس لیے سرحد پار کرنا ہی جنگ کے قائم مقام ہے اس لیے کہ ظاہری طور پر سرحد پار کرنا ہی جنگ تک پہونچانے والا ہے اگر جنگ کے ارادے سے داخل ہوا ہو اس لیے سرحد پار کرتے وقت میں آدمی کی حالت کا اعتبار ہوگا کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد جب پار کرتے ہیں اسی سے دشمن کو خوف ہو جاتا ہے اس لیے سرحد پار کرنا بھی جنگ کا حصہ ہے اس لیے اسی وقت کا اعتبار ہوگا، اور جو لوگ جنگ میں شریک ہوئے ہیں وہ تو قتال کے وقت بہت مصروف ہیں اس لیے اس کو کیا پتہ کہ کون پیدل ہے اور کون سوار ہے، اس لیے سرحد پار کرنے کے وقت کا اعتبار ہوگا، کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

ترجمہ: ۵ اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا اور مکان کے تنگ ہونے کی وجہ سے پیدل جنگ کی تو بالاتفاق وہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۶ اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا پھر گھوڑا بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا گھوڑے کو اجرت پر رکھ دیا تو حضرت حسن سے امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا سرحد پار کرتے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے، لیکن ظاہر روایت میں یہ ہے کہ پیدل کے

الرَّجَّالَةِ لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى هٰذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ بِالْمُجَاوَزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا. ےوَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ، ۸وَكَذَا إِذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَرَضَهُ التِّجَارَةُ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَنْتَظِرُ عِزَّتَهُ (۲۸۰۶)وَلَا يُسْهِمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يَرْضَخُ لَهُمْ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى الْإِمَامُ لِمَا رُوِيَ «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيدِ وَكَانَ يَرْضَخُ لَهُمْ» وَلَمَّا اسْتَعَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - بِالْيَهُودِ عَلَى الْيَهُودِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنَ الْغَنِيمَةِ: يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ،

حصے کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ ان باتوں پر اقدام کرنا اس بات پر دلالت کرتی ہے وہ قتال کے ارادے سے سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے۔

تشریح: سوار ہو کر سرحد پار کیا، لیکن جنگ سے پہلے ہی گھوڑے کو بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا اس کو رہن پر رکھ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ یہ سوار ہو کر سرحد پار کیا ہے اس لیے اس کو سوار کا دو حصہ ملے گا۔ لیکن ظاہری روایت یہ ہے کہ ان باتوں پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کے ارادے سے وہ سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے اس لیے اس کو پیدل کا ایک حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ےاور اگر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد گھوڑا بیچا تو سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ: اس لیے کہ اس نے سوار ہو کر جنگ کیا ہے سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۸ ایسے ہی اگر قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو بعض کے نزدیک سوار کا حصہ ملے گا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس کا سوار کا حصہ ساقط ہو جائے گا اس لیے بیچنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی غرض تجارت تھی صرف قیمت بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

تشریح: قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کے دو حصے ملیں گے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا، کیوں کہ قتال کے درمیان بیچنا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ سوار ہو کر سرحد پار کرنا قتال کے ارادے سے نہیں تھا بلکہ گھوڑا بیچنا تھا، صرف اس بات کا انتظار تھا کہ قتال شروع ہو جائے تو گھوڑے کی قیمت بڑھ جائے تب بیچوں گا، اس لیے اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا۔ عزۃ: قیمت بڑھ جانا۔

ترجمہ: (۲۸۰۶) نہ حصہ لگایا جائے غلام کے لیے اور نہ عورت کے لیے اور نہ ذمی کے لیے اور نہ بچے کے لیے، لیکن کچھ دیدے ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ حضور ﷺ نے عورتوں، بچوں اور غلاموں کو حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے لیے کچھ انعام ہوتا تھا، اور جب حضور ﷺ نے یہود سے یہود کے لیے مدد لی تو غنیمت میں اس کو کچھ نہیں دیا یعنی اس کا کوئی حصہ نہیں ہوا۔

تشریح: مال غنیمت میں جس طرح مرد مجاہد کا باضابطہ حصہ ہوتا ہے اس طرح غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ نہیں ہوگا۔ البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے اتنا ان کو دیدے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ **کتب نجدۃ بن عامر الحروری الی ابن عباس یسألہ عن العبد والمرأۃ یحضران المغنم ھل یقسم لھما؟... انک کتبت تسألنی عن المرأۃ والعبد یحضران المغنم ھل یقسم لھما**

۲؎ وَلِأَنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ، وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، ۳؎ وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرْضُهُ، وَالْعَبْدُ لَا يُمْكِنُهُ الْمَوْلَى وَلَهُ مَنْعُهُ، إلَّا أَنَّهُ يَرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيضًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتْبَتِهِمْ. ۴؎ وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمَوْلَى عَنْ الْخُرُوجِ إلَى الْقِتَالِ

شیء؟ وانه لیس لهما شیء الا ان یحذیا (مسلم شریف، **باب النساء الغازیات یرضخ لهن ولا یسهم الخ**، ص ۸۱۶ نمبر ۱۸۱۲/۴۶۸۶/ ابوداؤد شریف، **باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ**: ۲/۱۸ نمبر ۲۷۲۸/ ۲۷۳۰/ ترمذی شریف، **باب هل یسهم للعبد**، ص ۲۸۳ نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ امام کی رائے کے مطابق بطور خدمت کے کچھ دے دیا جائے گا (۲) یہ لوگ جہاد کے قائل بھی نہیں ہیں اس لیے بھی اس کا حصہ باضابطہ نہیں ہوگا۔

ذمی کے لیے باضابطہ حصہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا کہ یہود سے یہود کے مقابلے کے لیے مدد لی تو اس کا کچھ انعام دیا۔ **عن ابن عباس ؓ انه قال استعان رسول اللہ ﷺ بیهود بنی قینقاع فرضخ لهم ولم یسهم لهم** (سنن للبیہقی، **باب الرضخ لمن یستعان به من اهل الذمة علی قتال المشرکین**، ج ۹ / ۹۲ نمبر ۱۷۹۷۰/ ترمذی شریف، **باب ماجاء فی اهل الذمة یغزون مع المسلمین هل یسهم لهم**، ص ۲۸۴ نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مدد کرے تو اس کو بھی باضابطہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بچہ جہاد پورے طور پر نہیں کرسکتا اس لیے اس کو بھی پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ قول صحابی میں ہے۔ **فسألوا ابا بصرة الغفاری وعقبة بن عامر الجهنی صاحبی رسول اللہ ﷺ فقالا انظروا فان کانت انبت الشعر فاقسموا له قال فنظر الی بعض القوم فاذا انا قد انبت فقسم لی** (المدونۃ: ۱/ ۳۹۳، اعلاء السنن، نمبر ۳۹۴۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بچے کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔

لغت: یرضخ: تھوڑا سا دینا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لیے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے [اس لیے اس کو مال غنیمت میں حصہ بھی نہیں دیا جائے گا]

ترجمہ: ۳؎ بچہ اور عورت جنگ کرنے سے عاجز ہیں، اسی لیے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں ہے، اور غلام کو اس کا آقا جہاد نہیں کرنے دیگا، اور کبھی جہاد کرنے دیا بھی تو بعد میں اس سے روک سکتا ہے، لیکن ان لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے انعام دیا جائے گا لیکن اس کا درجہ بھی کم رکھا جائے گا۔

تشریح: بچہ اور عورت جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی لیے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں کیا گیا ہے، اور غلام جہاد کرسکتا ہے، لیکن اس کا آقا اس سے روکے گا، اور کبھی اجازت دے دی تب بھی بعد میں اس کو منع کرنے کا حق ہے، کیوں کہ اس کا غلام ہے، اس لیے اگر ان لوگوں نے جہاد میں شرکت کی تو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا تا کہ جہاد میں ترغیب ہو جائے، لیکن مجاہدین سے ان لوگوں کا رتبہ کم رکھا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ مکاتب غلام کے درجے میں ہے، اس لیے کہ اس میں ابھی تک غلامیت موجود ہے، اور یہ بھی شک ہے کہ وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو آقا جنگ میں نکلنے سے منع کر دے۔

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ مال کتابت دینے کی شرط پر آقا سے آزاد ہونے کا وعدہ لیا ہو، یہ جب تک پورا مال کتابت ادا نہ

۵ ثُمَّ الْعَبْدُ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ لِأَنَّهُ دَخَلَ لِخِدْمَةِ الْمَوْلَى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ، ٦ وَالْمَرْأَةُ يُرْضَخُ لَهَا إِذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجَرْحَى، وَتَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى لِأَنَّهَا عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْقِتَالِ فَيُقَامُ هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ، لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ، ٧ وَالذِّمِّيُّ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيقِ، وَلَمْ يُقَاتِلْ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ، إِلَّا أَنَّهُ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إِذَا كَانَتْ فِيهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيمَةٌ، ٨ وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمَ إِذَا قَاتَلَ؛ لِأَنَّهُ جِهَادٌ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَا يُسَوِّي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ

کیا ہوتو آزاد نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال دینے سے عاجز ہو جائے اور دوبارہ غلامیت میں آجائے، تو یہ دوبارہ غلامیت میں آسکتا ہے اس لیے اس کا حکم غلام کا حکم ہے، کہ اگر اس نے قتال کیا تو اس کو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ پھر غلام کو اس وقت انعام دیا جائے جبکہ وہ جنگ میں شریک ہو اس لیے کہ وہ آقا کی خدمت کے لیے سرحد میں داخل ہوا ہے اس لیے وہ تاجر کی طرح ہو گیا۔

تشریح: غلام نے جو سرحد پار کیا ہے وہ اپنے آقا کی خدمت کے لیے کیا ہے اس لیے وہ باضابطہ جنگ میں شرکت کرے گا تب اس کو انعام ملے گا، ورنہ یوں سمجھا جائے گا کہ آقا کی خدمت کے لیے آیا ہے، پس جس طرح تاجر کو باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد ہی حصہ ملتا ہے اسی طرح غلام کو بھی باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد انعام ملے گا۔

ترجمہ: ٦ عورت کو اس وقت انعام دیا جائے گا جبکہ اس نے زخمیوں کی دوائی کی ہو، مریضوں کی تیمارداری کی ہو اس لیے کہ وہ حقیقت قتال سے عاجز ہے تو اس قسم کی مدد قتال کے قائم مقام ہوگی، بخلاف غلام کے کہ وہ حقیقت قتال پر قادر ہے اس لیے وہ قتال کرے گا تب ہی انعام دیا جائے گا۔

تشریح: عورت قتال سے عاجز ہے اس لیے مریضوں کی تیمارداری کرنے سے بھی انعام دیا جائے گا، اور غلام قتال پر قادر ہے اس لیے اس کے قتال کرنے پر انعام دیا جائے گا، اگر اس نے تیماری کی تو بہت کم انعام ملے گا۔

لغت: **جرحی:** جریح کی جمع ہے، زخمی لوگ۔ **تقوم علی المرضی:** قام علی المریض محاورہ ہے، اس کا ترجمہ ہے بیماروں کی تیماری کرتی ہے۔

ترجمہ: ۷ ذمی کو انعام دیا جائے گا اگر اس نے قتال کیا ہو، یا قتال تو نہ کیا ہو لیکن راستے کی رہنمائی کی ہو اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے۔ اگر راستہ بتانے میں بہت فائدہ ہو تو مجاہدین کے حصے سے بھی زیادہ دیا جا سکتا ہے۔

تشریح: ذمی کا درجہ مسلمان سے کم ہے، لیکن اگر راستہ بتایا ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت بڑا فائدہ ہے تو چونکہ یہ جہاد نہیں ہے اس لیے مجاہدین کے حصے سے زیادہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۸ ذمی قتال کرے تو ذمی کا حصہ مجاہد کے حصے تک نہیں پہنچنا چاہئے، اس لیے کہ یہ جہاد ہے اور پہلا راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی برابر نہیں ہونا چاہئے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قتال اور جہاد میں مسلمان اور ذمی دونوں شریک ہوئے تو چونکہ دونوں جہاد میں شریک ہوئے اور ذمی کا درجہ کم ہے وہ عبادت کا اہل نہیں ہے اس لیے اس کو مجاہد کے حصے سے کم دیا جائے گا، اور اوپر راستہ بتانے پر جو زیادہ دیا

فِي حُكْمِ الْجِهَادِ. (۲۸۰۷)وَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقْسَمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ: سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُونَ، وَلَا يُدْفَعُ إلَى أَغْنِيَائِهِمْ

گیا ہے وہ اس لیے کہ راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اس لیے اس میں زیادہ فائدہ ہو تو اس کو مجاہد کے حصے سے زیادہ دیا جا سکتا ہے۔

خمس تقسیم کرنے کے احکام

ترجمہ: (۲۸۰۷) بہر حال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے، اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ حضور ﷺ کے رشتہ داروں کے فقیر لوگ فقراء میں داخل ہوں گے، البتہ حضور کے فقیر رشتہ دار کو پہلے دیا جائے گا، اور اس کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: حضور ﷺ کے زمانے میں خمس کو بھی پانچوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کے ختم ہونے کے بعد اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک یتیم دوسرا مسکین اور تیسرا مسافر، باقی حضور ﷺ اور ان کے رشتہ داروں کے حصے اب ساقط ہو گئے۔ حضور ﷺ کے جو رشتہ دار غریب ہوں گے انکو غریب کے حصے میں سے دیے جائیں گے، البتہ حضور ﷺ کے غریب کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تب دوسرے فقراء کو دیا جائے گا، اور حضور کے جو رشتہ مالدار ہوں انکو کچھ نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ یہ مال غربت کی وجہ سے دیا جا رہا ہے، حصے کے طور پر نہیں دیا جا رہا ہے۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں اس کی وضاحت ہے۔ **قال سألت الحسن بن محمد بن علی ابن الحنفیة عن قول اللہ تعالی وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ** (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) **فقال ھذا مفتاح کلام اللہ تعالی ما فی الدنیا و الآخرۃ، قال اختلف الناس فی ھذین السھمین بعد وفاۃ رسول اللہ ﷺ فقال قائلون سھم القربی لقرابۃ النبی ﷺ وقال قائلون لقرابۃ الخلیفۃ وقال قائلون سھم النبی ﷺ للخلیفۃ من بعدہ۔ فاجتمع رأیھم علی ان یجعلوا ھذین السھمین فی الخیل و العدۃ فی سبیل اللہ فکانا علی ذلک فی خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ** (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء: ۲/۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵/ مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسھم ذی القربی: ۵/۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا حصہ اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اس لیے اب صرف تین حصوں میں مال غنیمت تقسیم ہوگا یتیم، مسکین اور مسافر۔ اور حضور ﷺ کا حصہ امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا (۲) ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فھو صدقۃ** (بخاری شریف، باب نفقۃ نساء النبی ﷺ بعد وفاتہ، ص، نمبر ۳۰۹۶) اس حدیث میں ہے کہ میری بیویوں اور کام کرنے والوں کے خرچ نکالنے کے بعد سب صدقہ ہیں۔ اس لیے جب آپ ﷺ کے رشتہ دار نہ رہے تو آپ ﷺ کا حصہ صدقہ اور امور مسلمین پر خرچ کیا جائیگا۔

حضور ﷺ کے رشتہ دار اب ساقط ہو گئے اس لیے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ یتیم، مسکین یا مسافر ہو تو ان کو ان تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا بلکہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیوں کہ یہ حضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ ان کو دینے

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوِي فِيهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيرُهُمْ، وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَيَكُونُ لِبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلِذِي الْقُرْبَى﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِينَ قَسَّمُوهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ عَلَى نَحْوِ مَا قُلْنَاهُ وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً.

کے بعد دوسرے یتیم اور مسافر کو دیا جائے گا۔

وجه: ان کے زیادہ حقدار ہونے کی دلیل اس قول صحابی ہے۔ **سمعت علیا یقول ولانی رسول اللہ ﷺ خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاۃ رسول اللہ ﷺ و حیاۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ و حیاۃ عمر رضی اللہ عنہ فاتی بمال فدعانی فقال خذہ فقلت لا اریدہ فقال خذہ فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال** (ابوداؤد شریف، باب بیان مواضع قسم الخمس اسهم ذی القربی: ۲/۲۰، نمبر ۲۹۸۳) اس اثر میں ہے **خذہ انتم احق به** جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ چونکہ حضور ﷺ کے رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا اس لیے ان کے مالداروں کو نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعی نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے رشتہ دار کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا، اور مالدار اور فقیر دونوں برابر ہوں گے، اور مرد کو عورت کا دوگنا دیا جائے گا، اور صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا کیوں کہ آیت میں آیت میں رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا، اور اس میں غریب اور مالدار میں کوئی فرق نہیں کیا۔

تشریح: جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں حضور ﷺ کے رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا اسی طرح انکی وفات کے بعد بھی امام شافعیؒ کے یہاں دیا جائے گا، حضور ﷺ کی وفات سے انکا حق ساقط نہیں ہوا، اس کے مالدار کو بھی ملے گا اور غریب کو بھی ملے گا، اور مرد کو عورت کا دو گنا ملے گا، اور صرف بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ملے گا دوسرے رشتہ دار کو نہیں ملے گا۔

وجه: (۱) اس آیت میں حضور ﷺ کے رشتہ دار کو دینے کے لیے کہا گیا ہے، اور مالدار اور غریب کا کوئی فرق نہیں ہے اس لیے دونوں کو ملے گا۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) (۲) **اخبرنی جبیر بن مطعم... و کان ابو بکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ ﷺ غیر انه لم یکن یعطی قربی رسول اللہ ﷺ ما کان النبی ﷺ یعطیهم قال فکان عمر بن الخطاب یعطیهم منه و عثمان بعده۔** (ابوداؤد شریف، **باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی**، ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۷۸) اس حدیث میں حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کے رشتہ دار کو حصہ نہیں دیا اس لیے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ہے، لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے دیا ہے اس لیے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کا بھی مستدل ہے۔ (۳) **سمعت علیا یقول ولانی رسول اللہ ﷺ خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاۃ رسول اللہ ﷺ و حیاۃ ابی بکر و حیاۃ عمر فاتی بمال فدعانی فقال خذہ فقلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال۔** (ابوداؤد شریف، **باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی**، ص ۴۳۵، نمبر ۲۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی کو خمس دیا لیکن ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے رشتہ دار کو خمس دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصوں میں تقسیم کیا جیسا کہ ہم نے کہا اور ان کی اقتداء ہمارے لیے کافی ہے۔

۳ وَقَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ» وَالْعِوَضُ إنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمُعَوَّضُ وَهُمْ الْفُقَرَاءُ.
۴ وَالنَّبِيُّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَلَّلَ فَقَالَ: «إنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مَعِي هَكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ» دَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصِّ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَا قُرْبُ الْقَرَابَةِ. قَالَ (۲۸۰۸) فَأَمَّا ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْخُمُسِ فَإِنَّهُ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ

تشریح ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصے کئے اور ہمارے لیے انکی اقتداء کافی ہے، یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

وجہ: ۳ حضور ﷺ نے فرمایا اے بنی ہاشم کے لوگو اللہ نے تمہارے لیے لوگوں کے دھوون اور اس کا میل مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں خمس کا خمس عطا کیا اور بدلہ اس کے حق میں ثابت ہوگا جس کے حق میں معوض ہوگا اور وہ فقراء ہیں۔

تشریح: یہ عبارت تھوڑا پیچیدہ ہے، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کا غسالہ یعنی دھوون اور میل یعنی زکوۃ مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں غنیمت کا خمس عطا کیا، اور زکوۃ غریبوں کے لیے ہے تو خمس بھی غریبوں کے لیے ہونا چاہئے، مالداروں کو نہیں ملنا چاہئے، اس لیے کہ معوض یعنی زکوۃ میں جو حقدار ہوگا عوض یعنی خمس میں بھی وہی حقدار ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس .... فقال لهما نبی الله ﷺ لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شیء و لا غسالة الایدی، ان لکم فی خمس الخمس لما یغنیکم او یکفیکم۔ (طبرانی کبیر باب عکرمه عن ابن عباس:** ۱۱/ ۱۷۴، نمبر ۱۱۵۴۳) اس حدیث میں ہے کہ اہل بیت کے لیے زکوۃ حلال نہیں ہے، اس کی جگہ خمس کا خمس دیا ہے۔

لغت: اوساخ: وسخ کی جمع ہے، میل کچیل۔ **معوض:** جس کا بدلہ ہو۔

ترجمہ: ۴ حضور نے ﷺ رشتہ دار کو انکی مدد کی وجہ سے دیا [اور اب حضور ﷺ دنیا میں نہیں رہے اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لیے اب خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضور نے خمس دینے کی علت بیان کی کہ وہ لوگ [بنو مطلب اور بنو ہاشم زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ہمارے ساتھ رہے ہیں اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا کر دکھایا، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مدد کی قربت کی وجہ سے خمس دیا گیا ہے، رشتہ داری کی قربت کی وجہ سے نہیں دی ہے

وجہ: اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما کان یوم خیبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربی فی بنی هاشم و بنی المطلب... فقال رسول الله ﷺ انا و بنو المطلب لا نفترق فی جاهلیة و لا اسلام و انما نحن و هم شیء واحد و شبک بین اصابعه ﷺ۔
(ابوداود شریف، **باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی،** ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں بتایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی مدد کی وجہ سے حضور نے انکو خمس دیا، اور اب حضور نہیں رہے، اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لیے اب انکو خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۰۸) خمس کے بارے میں اللہ کا جو ذکر ہے وہ اس کے نام کے ساتھ کلام کی برکت کے لیے ہے۔ اور حضور ﷺ کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا، جیسے صفی آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا۔

لِأَنَّهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرِسَالَتِهِ وَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ وَالصَّفِيُّ شَيْءٌ كَانَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- يَصْطَفِيهِ لِنَفْسِهِ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ دِرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ. ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُولِ إِلَى الْخَلِيفَةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمْنَاهُ (۲۸۰۹) وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ - ﷺ -

ترجمہ: ا اس لیے کہ حضور رسول ہونے کی وجہ سے صفی کا مستحق ہوتے تھے، اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہیں اس لیے اب کسی کو صفی کے طور پر لینے کا حق نہیں ہے۔ حضور ﷺ مال غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب کر لیتے تھے، مثلا زرہ، تلوار، اور باندی وغیرہ۔

تشریح: یہاں تین مسئلے بیان کئے ہیں۔ [۱] آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور لیا گیا ہے، خمس میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ [۲] حضور ﷺ کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ [۳] حضور ﷺ صفی لیتے تھے، صفی کا ترجمہ ہے، چننا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت جب آتا تو حضور کو جو چیز پسند آتی اس کو آپ اپنے لیے منتخب فرما لیتے، اس کے بعد مال غنیمت تقسیم فرماتے، اس منتخب فرمانے کو صفی، کہتے ہیں، چونکہ آپ کے رسول ہونے کی وجہ سے اس کا حق تھا اور اب کوئی رسول نہیں ہے اس لیے صفی کا حق ساقط ہو گیا، اسی طرح رسول کا حصہ آپ کی وجہ سے تھا اور آپ نہیں رہے تو آپ کا حصہ بھی ختم ہو گیا، اب یہ حصہ آپ کے خلیفہ کو نہیں ملے گا۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے کہ آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور پر ہے، اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔ **سألت الحسن بن محمد عن قول اللہ تعالی: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ** (آیت ۴۱ سورۃ الانفال ۸) **فقال ھذا مفتاح کلام اللہ ما فی الدنیا و الآخرۃ** (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء: ۲/ ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس و سھم ذی القربی: ۵/ ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول تابعی میں ہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے۔

حضور ﷺ کو صفی کے طور پر لینے کا حق تھا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

وجہ: صفی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عامر الشعبی قال کان للنبی ﷺ سھم یدعی الصفی ان شاء عبدا و ان شاء امۃ و ان شاء فرسا یختارہ قبل الخمس** (ابو داؤد شریف، **باب ما جاء فی سھم الصفی،** ص ۴۶، نمبر ۲۹۹۱ / بخاری شریف، **باب غزوۃ خیبر،** ص ۷۰۳، نمبر ۴۲۱۱) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضور ﷺ کو صفی کا حق تھا۔ اور **کان للنبی** سے معلوم ہوا کہ منتخب کرنے کا حق نبوت کی وجہ سے تھا اس لیے اب نبوت نہیں رہی تو یہ حق بھی خلیفہ کے لیے ساقط ہو گیا۔ اور اسی نبوت پر قیاس کر کے خمس میں خلیفہ کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ کیوں کہ آیت میں للرسول کا لفظ ہے۔ جب بعد میں رسول نہیں رہے تو ان کا حصہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ رسول کا حصہ اب خلیفہ کو ملے گا اور اس کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں رسول والا حصہ اب خلیفہ کو دیا جائے گا، لیکن اس کے خلاف ابھی طبرانی والی حدیث بیان کی جس میں تھا کہ خلفائے راشدین نے مال غنیمت کا صرف تین حصے کئے، اور رسول کا حصہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ رسول کا حصہ ساقط ہو چکا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۰۹) رشتہ داروں کا حصہ حضور ﷺ کے زمانے میں مستحق ہوتے تھے مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح: حضور ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے رشتہ داروں کو خمس میں سے ایک حصہ اس لیے دیا جاتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی ہر وقت مدد فرماتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لیے رشتہ داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب رشتہ داری

بِالنُّصْرَةِ لِمَا رَوَيْنَا. قَالَ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ: هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ. وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ: سَهْمُ الْفَقِيرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا مِنَ الْإِجْمَاعِ، ۲ وَلِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظَرًا إِلَى الْمَصْرِفِ فَيَحْرُمُهُ كَمَا يَحْرُمُ الْعُمَالَةَ ۳ وجه اولاول وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -

---

کی بنا پر نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہو تو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ البتہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیوں کہ یہ حضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔

وجہ: (۱) تعاون کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما کان یوم خیبر وضع رسول اللہ ﷺ سہم ذی القربی فی بنی ہاشم وبنی المطلب وترک بنی نوفل وبنی عبد شمس، فانطلقت انا وعثمان بن عفان حتی اتینا النبی ﷺ فقلنا یا رسول اللہ! ہؤلاء بنو ہاشم لا ننکر فضلہم للمواضع الذی وضعک اللہ بہ منہم، فما بال اخواننا بنی المطلب اعطیتہم وترکتنا وقرابتنا واحدۃ؟ فقال رسول اللہ ﷺ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاہلیۃ ولا اسلام وانما نحن وہم شیء واحد وشبک بین اصابعہ ﷺ** (ابوداؤد شریف، **باب فی مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی** : ۲ / ۶۰، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں بنو مطلب نے ہماری مدد کی ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے خمس میں ایک حصہ ہے۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدد کی ضرورت نہیں ہے اس لیے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر مستدرک للحاکم کا بھی اثر گزرا جس میں تھا کہ اب آپ کے رشتہ داروں کے حصے ساقط ہونے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ عبارت یہ تھی **فاجتمع رأیہم علی ان یجعلوا ہذین السہمین فی الخیل والعدۃ فی سبیل اللہ فکانا علی ذالک فی خلافۃ ابی بکر وعمر** (مستدرک للحاکم، **کتاب قسم الفیئ**: ۲ / ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبدالرزاق، **باب ذکر الخمس وسہم ذی القربی**: ۵ / ۱۹۲، نمبر ۹۵۴۵)

ترجمہ: ۱ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو ذکر کیا گیا یہ امام کرخیؒ کا قول تھا، اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حضور کے رشتہ داروں میں جو فقیر ہیں ان کا حصہ بھی ساقط ہے، کیوں کہ اوپر اجماع والی حدیث ذکر کی۔

تشریح: اوپر جو ذکر کیا کہ حضور کے جو رشتہ دار ہیں ان کے فقراء کو غنیمت کا مال دیا جائے گا یہ امام کرخی کا قول ہے، ورنہ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ ان کے فقراء بھی ساقط ہو گئے ہیں، کیوں کہ اوپر مستدرک حاکم کی حدیث گزری جس میں تھا کہ صحابہ نے صرف تین ہی حصے کئے اور رشتہ داروں کا حصہ بالکل ختم کر دیا اس لیے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصرف کو دیکھتے ہوئے اس میں صدقہ کا معنی ہے تو جس طرح بنو ہاشم کے عامل کو صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہے اسی طرح مال غنیمت میں صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں رشتہ دار کے فقراء کو دینا ہے اس لیے ایسا لگتا ہے کہ یہ صدقہ کا مال ہے، اور صدقہ کا مال جس طرح بنو ہاشم کے عامل یعنی صدقہ وصول کرنے والے آدمی کے لیے لینا جائز نہیں اسی طرح بنو ہاشم کے فقیروں کو بھی لینا جائز نہیں ہونا چاہئے۔

نوٹ: یہاں صاحب ہدایہ کو سہو ہوا ہے، یہ مال تو غنیمت کا ہے صدقہ کا ہے ہی نہیں اس لیے فقراء کو بھی لینا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳ پہلے قول کی وجہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ روایت میں گزرا کہ حضرت عمر فقراء کو دیا کرتے تھے،

أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ، ۴ وَالْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلَى سُقُوطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ، أَمَّا فُقَرَاؤُهُمْ فَيَدْخُلُونَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ. (۲۸۱۰)وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الِاثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرِيْنِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ ۱ لِأَنَّ الْغَنِيمَةَ هُوَ الْمَأْخُوذُ قَهْرًا وَغَلَبَةً لَا اخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً، وَالْخُمُسُ وَظِيفَتُهَا. ۲ وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الِاثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ يُخَمَّسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَذِنَ لَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدِ الْتَزَمَ نُصْرَتَهُمْ بِالْإِمْدَادِ

تشریح: بنوہاشم اور بنومطلب کے فقراء کو ملے گا یہی صحیح روایت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ ان کے فقراء کو دیا کرتے تھے اس لیے اس کو دینا جائز ہوگا وہ ساقط نہیں ہوا ہے۔

وجہ: (۱) **اخبرنی جبیر بن مطعم... و کان ابو بکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ ﷺ غیر انہ لم یکن یعطی قربی رسول اللہ ﷺ ما کان النبی ﷺ یعطیھم قال فکان عمر بن الخطاب یعطیھم منہ و عثمان بعدہ۔** (ابو داود شریف، باب فی بیان **مواضع قسم الخمس و سھم ذی القربی**، ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۷۸) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ فقراء کو دیا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۴ مالدار کے حق ساقط ہونے پر اجماع ہوا ہے فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں۔

تشریح: یہ امام طحاوی کو جواب ہے، کہ صحابہ کا جو اجماع ہوا ہے وہ بنو ہاشم کے مالدار کو ساقط کرنے کے لیے ہوا ہے، فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں، یعنی غریب ہیں تو غریب میں داخل ہیں، اور یتیم ہیں تو یتیم میں داخل ہیں اور مسافر ہیں تو مسافر میں داخل ہے اور ان لوگوں کو ان تینوں میں حصہ ملے گا۔

ترجمہ: (۲۸۱۰) اگر ایک یا دو آدمی دار الحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں بغیر امام کی اجازت کے اور وہ کچھ لے لیں تو خمس نہیں لیا جائیگا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ غنیمت اس مال ہے جو غلبہ اور قہر سے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو اور اس صورت میں اس کا وظیفہ خمس ہے۔

تشریح: بغیر امام کی اجازت کے ایک دو آدمی لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں اور حربیوں کا کچھ مال لوٹ لائیں تو اس میں سے امام خمس نہیں لے گا۔

وجہ: (۱) غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غلبہ کر کے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو یہاں یہ لوگ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوئے ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا کوئی غلبہ نہیں ہے، بلکہ ایک انداز ے سے چوری کرنا اور اچک کر لینا ہے اس مال کو نہ مال غنیمت قرار دیا جائے گا اور نہ اس میں خمس ہوگا۔ یہ چوری کا مال ہے اس لیے چاہے حربی سے لیا ہو یہ مال مغبوض ہے۔ (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عمر ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الغادر ینصب لہ لواء یوم القیامۃ فیقال ھذہ غدرۃ فلان بن فلان** (ابو داؤد شریف، **باب فی الوفاء بالعھد**، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۶ / بخاری شریف، **باب اثم الغادر للبر و الفاجر**، ص ۵۲۴، نمبر ۳۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ اور ایک دو آدمیوں نے گویا کہ چوری کر کے عہد کو توڑا اس لیے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

لغت: مغیرین: اغار سے مشتق ہے رات کو دھاوا بولنا، غارت گیری کرنا۔

ترجمہ: ۲ اگر امام کی اجازت سے ایک دو آدمی دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کے مال کے بارے میں دو روایتیں ہیں، مشہور روایت

فَصَارَ کَالْمَنَعَۃِ (۲۸۱۱)فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَۃٌ لَّهَا مَنَعَۃٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خُمِّسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ ﴿لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ قَهْرًا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيمَةً،

یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا اس لیے کہ جب امام کی اجازت سے داخل ہوا تو امام نے اس کی مدد کا التزام کیا تو گویا کہ اس ایک دو آدمیوں کو بھی قوت ہو گئی۔

تشریح: امام کی اجازت سے ایک دو آدمی دار الحرب میں داخل ہوئے، اور حربیوں کا مال لیا تو اس میں خمس لیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ اس ایک دو آدمیوں کو قوت اور طاقت نہیں ہے، اس لیے چاہے امام کی اجازت سے یہ چوری جیسا مال ہے اس لیے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔ [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا۔

وجہ: جب یہ امام کی اجازت سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام اس کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہے اس لیے گویا کہ اس کو قوت اور غلبہ ہے اس لیے یہ غنیمت کا مال ہوا اس لیے اس میں خمس لیا جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب امام کی اجازت سے کیا تو یہ چوری کا مال نہیں ہوا، بلکہ غنیمت کا مال ہو گیا اس لیے اس میں خمس لیا جائے گا۔

لغت: منعۃ: روکنے کی طاقت، قوت اور طاقت۔

ترجمہ: (۲۸۱۱) اور اگر قوت والی جماعت داخل ہوئی اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا چاہے امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ جو کچھ ان لوگوں نے لیا ہے وہ غلبہ اور قہر سے لیا ہے اس لیے یہ مال غنیمت ہوگا۔

تشریح: قوت والی جماعت سے مراد مجاہدین کا دستہ ہے غارت گیری کرنے والی جماعت نہیں ہے۔ پس اگر مجاہدین کا دستہ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب چلی جائے اور جہاد کر کے مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس ہے۔

وجہ: (۱) یہ غارت گیری نہیں ہے بلکہ جہاد ہی ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر ہے۔ کیوں کہ یہ دستہ ان لوگوں سے غنیمت حاصل کیا ہے جو حربی ہیں اور جن سے جنگ جاری ہے (۲) اگر چہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیوں کہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ حربیوں کو شکست ہو اور جانی اور مالی نقصان ہو۔ اور اس دستے نے وہ کر دیا اس لیے اشارۃ اجازت موجود ہے اس لیے اس سے خمس لیا جائے گا (۳) حدیث میں حضرت سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے اہل مکہ سے حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کی ہے۔ اور حضور ﷺ کے اونٹ کو بھی چھڑایا اور اہل مکہ کے سامان کو بھی مال غنیمت میں حاصل کیا۔ پھر حضور ﷺ نے ان کو گھوڑ سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عنایت فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام کی مراد سمجھ کر اس کی اجازت کے بغیر کوئی جماعت مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس لیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ غنیمت کا مال ہے چوری کا مال نہیں ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنی ایاس بن سلمۃ عن ابیہ قال اغار عبد الرحمن ابن عیینۃ علی ابل رسول اللہ ﷺ... فاذا نبی اللہ فی خمس مائۃ فاعطانی سہم الفارس والراجل** (ابو داؤد شریف، باب السریۃ ترد علی اہل العسکر، ص ۲۲ نمبر ۲۷۵۲/ مسلم شریف، باب **غزوۃ ذی قرد وغیرھا:** ۲/ ۱۱۳ نمبر ۱۸۰۷/ ۴۶۷۸) اس حدیث میں حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر موقع کا جہاد کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے خمس بھی لیا ہوگا۔ اور صحابی کو پیدل اور گھوڑ سوار کے حصے عنایت فرمائے۔ (۴) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الحسن قال اذا**

۲ وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنصُرَهُمْ إِذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِينَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نُصْرَتُهُمْ.

فَصْلٌ فِي التَّنْفِيلِ

قَالَ (۲۸۱۲)وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنَفِّلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِهِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُولَ " مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ

رحلوا باذن الامام اخذ الخمس و كان لهم ما بقي و اذا رحلوا بغير اذن الامام فهو اسوة الجيش (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۲ فی السریۃ تخرج بغیر اذن الامام فغنم: ۶/ ۴۹۹،نمبر ۳۳۲۳۱)اس قول تابعی میں ہے کہ جیش کے برابر ہوگا یعنی خمس لیا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کا منشا سمجھ کر کام کیا تو خمس لیا جائے گا اور وہ کام جائز ہوگا۔ اور اگر چوری اور غارت گری کا مال ہو تو یہ ناجائز مال ہے، اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور اس لیے کہ امام پر اس کی مدد واجب ہے اس لیے کہ اگر وہ ناکام ہوئے تو اس میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی، بخلاف ایک دو آدمی کے اس لیے امام پر اس کی مدد واجب نہیں ہے۔

تشریح: یہ مجاہد کی ایک جماعت ہے اس لیے اس کو قہر اور غلبہ ہے، اور اگر قہر اور غلبہ نہ بھی ہو اور امام کی اجازت کے بغیر گئی ہو تب بھی امام پر اس کی مدد واجب ہے، کیوں کہ اگر یہ ناکام ہوئی تو اس میں مسلمان کی کمزوری کا اظہار ہے اس لیے گویا کہ اس کو غلبہ ہے اور امام کی اجازت ہے اس لیے یہ مال غنیمت کا ہے، اس میں خمس لیا جائے گا۔

فصل فی التنفیل

ترجمہ: (۲۸۱۲) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتال پر ابھارے۔ اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز و سامان اسی کے لیے ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں حصے کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لیے ہوگا۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اے نبی ایمان والوں کو قتال پر ابھاریے (۲) حدیث میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لیے ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی قتادة قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فله سلبه، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲ / ابو داؤد شریف، باب فی النفل: ۲/ ۱۹، نمبر ۲۷۱۸ / مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل: ۲/ ۸۶، نمبر ۱۷۵۱ / ۴۵۶۸ / بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، کتاب فرض الخمس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزید انعام کا وعدہ کرنا جائز ہے۔

لغت: حرض: قتال پر ابھارنا۔ نفل: مزید انعام۔ سلب: چھینا ہوا مال، سلب سے مشتق ہے چھیننا۔

سَلَبُهُ "(۲۸۱۳) وَيَقُولَ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ ١ مَعْنَاهُ بَعْدَمَا رُفِعَ الْخُمُسُ لِأَنَّ التَّحْرِيضَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ وَهَذَا نَوْعُ تَحْرِيضٍ، ٢ ثُمَّ قَدْ يَكُونُ التَّنْفِيلُ بِمَا ذَكَرَ وَقَدْ يَكُونُ بِغَيْرِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ بِكُلِّ الْمَأْخُوذِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ حَقِّ الْكُلِّ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ؛ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إِلَيْهِ وَقَدْ تَكُونُ الْمَصْلَحَةُ فِيهِ

ترجمہ: (۲۸۱۳) یا کہے دستہ سے کہ میں نے تمہارے لیے چوتھائی کی خمس نکالنے کے بعد۔

ترجمہ: ١ اس کا معنی یہ ہے کہ خمس کے نکالنے کے بعد۔

تشریح: بڑے لشکر کے اندر سے کوئی چھوٹا لشکر جس کو دستہ کہتے ہیں وہ کسی جگہ جنگ کے لیے جا رہا ہے اس کی ہمت بڑھانے کے لیے امام کہے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے۔ اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے۔ مثلا بیس اونٹ غنیمت میں لا یا اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا جو چار اونٹ ہونگے۔ باقی سولہ اونٹ میں سے چوتھائی یعنی چار اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اور باقی بارہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم کریں گے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن حبیب بن سلمة ان رسول اللہ ﷺ کان ینفل الربع بعد الخمس و الثلث بعد الخمس اذا قفل** (ابو داؤد شریف، **باب فیمن قال الخمس قبل النفل**، ص ۲۱ نمبر ۲۷۴۹ / ترمذی شریف، **باب فی النفل**، ص ۲۸۴ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موقع محل کے اعتبار سے امام انعام کا اعلان کر سکتا ہے۔

لغت: **السریة:** چھوٹا لشکر، دستہ۔

ترجمہ: ٢ اس لیے کہ قتل پر ابھارنا مستحب ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ مومن کو قتال پر ابھارئے اور انعام دیکر ابھارنا یہ بھی ایک قسم کا ابھارنا ہے۔

تشریح: اوپر آیت گزر گئی جس میں قتال پر ابھارنے کا حکم تھا۔

پھر انعام دینے کا طریقہ وہ بھی ہے جس کا ذکر گزرا، اور کبھی دوسرے طریقے سے بھی ہوتا ہے، لیکن امام کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جتنا مال لایا ہے سب انعام میں دے دے، اس لیے کہ صورت میں سب مجاہدین کا حق مارنا ہے، لیکن چھوٹی جماعت کے ساتھ کر لیا تو جائز ہے، کیوں کہ اس بارے میں امام کے تصرف کا اعتبار ہے، اور کبھی پورا مال دینے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں تین باتیں بتا رہے ہیں [۱] انعام دینے کا ایک طریقہ وہ ہے جو اوپر گزرا، من قتل قتیلا فلہ سلبہ، جو جس کو قتل کرے گا اس کا سامان اس کو دیا جائے گا، اس کے علاوہ بھی انعام دینے کا طریقہ ہے، مثلا کہے کہ اگر تم نے فلان کو قتل کیا تو دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ [۲] دوسری بات یہ ہے کہ، مجاہد نے جتنا مال جہاد کر کے لایا سب مال مجاہد کو دے دے یہ مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس مال میں دوسرے مجاہد کا بھی حق ہے، اس طرح اس کا حق باطل کرنا لازم آئے گا۔ [۳] تیسری بات یہ ہے کہ لیکن اگر امام نے دے دیا تو وہ دے سکتا ہے، کیوں کہ امام کو اس کا اختیار ہے، اور بعض مرتبہ ایسا کرنے میں مصلحت ہوتی ہے، اس لیے وہ سب مال بھی دے سکتا ہے، تا ہم

(۲۸۱۴)وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيهِ بِالْإِحْرَازِ. قَالَ إِلَّا مِنَ الْخُمُسِ ا لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْغَانِمِينَ فِي الْخُمُسِ (۲۸۱۵)وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ، وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ .

ہمیشہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۸۱۴)اور انعام نہ دے دارالاسلام میں غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ دارالاسلام میں جمع کرنے کے بعد دوسرے مجاہد کا بھی حق متاکد ہو گیا ہے، اور خمس میں کسی مجاہد کا حق نہیں ہے۔

تشریح: جنگ ختم ہوگئی۔ لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کر لیا اور دارالاسلام میں لا چکا ہے۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دینا ہی ہے تو پورے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا ہے اس میں سے انعام دے۔

وجہ: (۱) مال غنیمت جمع ہونے کے بعد سب مجاہدین کا حق لاحق ہو گیا ہے۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے کسی کو انعام دے۔ ہاں! حالت جنگ میں کسی کے لیے انعان کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورے مال غنیمت میں سے دیگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **سمعت عمرو بن عبسة قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ الی بعیر من المغنم فلما سلم اخذ وبرة من جنب البعیر ثم قال ولا یحل لی من غنمائکم مثل ھذا الا الخمس والخمس مردود فیکم** (ابوداؤد شریف، **باب الامام یستأثر بشیء من الفیء لنفسه**: ۲/ ۲۳، نمبر ۲۷۵۵) اس حدیث میں جب حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خمس کے علاوہ میں مال غنیمت کا مالک نہیں ہوں۔ تو جب مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہو گیا تو اب دوسرے کو انعام کیسے دے سکیں گے (۳) قول صحابی میں ہے کہ حضرت انس ؓ کو حضرت عبید اللہ بن ابی بکرۃ مال غنیمت میں سے انعام دینا چاہتے تھے تو انہوں نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے دو۔ قول صحابی یہ ہے۔ **ان انس بن مالک کان مع عبید اللہ بن ابی بکرة فی غزاة غزاھا فاصابوا سبیا فاراد عبید اللہ ان یعطی انسا من السبی قبل ان یقسم فقال انس لا ولکن اقسم ثم اعطنی من الخمس قال فقال عبید اللہ لا الا من جمیع الغنائم فابی انس ان یقبل منه وابی عبید اللہ ان یعطیه من الخمس شیئا** (طحاوی شریف، **باب النفل بعد الفراغ من قتال العدو واحراز الغنیمة**: ۲/ ۱۳۳/ مصنف عبد الرزاق، **باب لا نفل الا من الخمس ولا نفل من الذھب والفضة**: ۵/ ۱۳۱، نمبر ۹۴۰۴) اس قول صحابی میں ہے کہ خمس میں سے انعام دے۔

لغت: **احراز**: مال جمع کرنا۔

ترجمہ: (۲۸۱۵) اگر سامان قاتل کے لیے نہیں کیا تو وہ غنیمت میں ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل برابر ہوگا۔

تشریح: اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لیے ہوگا۔ اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لیے نہیں ہوگا۔ اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔ اور اس سامان میں قاتل اور غیر قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا۔

وجہ: (۱) جنگ حنین کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ امام انعام کا اعلان کرے اور قاتل قتل کرنے پر گواہ پیش کرے تب اس کو سلب اور انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی قتادة ؓ قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ عام حنین۔۔۔**

۱﴿ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: السَّلْبُ لِلْقَاتِلِ إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسْهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصْبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَهُ لَهُ، ۲﴿ وَلِأَنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرُ غِنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلَبِهِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ. ۳﴿ وَلَنَا أَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُونُ غَنِيمَةً فَيُقْسَمُ

وجلس النبی ﷺ فقال من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟ثم جلست ثم قال من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟ (بخاری شریف، **باب من لم یخمس الاسلاب**، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲/مسلم شریف، **باب استحقاق القاتل سلب القتیل**، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱/۴۵۶۸) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوا کہ امام انعام کا اعلان کرے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا ورنہ نہیں (۲) کیوں کہ ابو بکرؓ نے انعام دینے سے انکار فرمایا۔ **فقال ابو بکر ﷺ لا ھا اللہ اذا لا یعمد الی اسد من اسد اللہ یقاتل عن اللہ و رسولہ یعطیک سلبہ** (بخاری شریف، نمبر ۳۱۴۲/مسلم شریف، نمبر ۱۷۵۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے عام حالات میں انعام دینے سے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام انعام دینے کا وعدہ کرے گا تو سلب دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۱﴿ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قتل کرنے والے کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو اور سامنے سے حملہ کرنے والے کفار کو قتل کیا تو قتل کرنے والے مجاہد کو کفار کا سامان ملے گا، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مقتول کو قتل کیا تو اس کا سامان قاتل کو ملے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ ہمیشہ کے لیے قانون بنایا ہے اس لیے کہ حضور اسی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام نے انعام دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر دو شرطیں پائی جائیں تو قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا [۱] ایک شرط یہ ہے کہ قتل کرنے والا ایسا ہو کہ اس کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو، عورت اور بچہ نہ ہو جس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔ [۲] دوسری شرط یہ ہے کہ کافر سامنے سے حملہ آور ہوا ہو اس کو قتل کیا ہو۔ پیچھے سے حملہ آور نہیں ہوا اور نہ بھاگتے ہوئے کو قتل کیا ہو۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ جس سے مقتول کو قتل کیا تو اس کو مقتول کا سامان ملے گا، یہ حدیث ہمیشہ کے لیے ہے امام نے دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا۔ حدیث یہ ہے **عن ابی قتادة قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه** (ترمذی شریف، **باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فله سلبه**: ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲/ابوداؤد شریف، **باب فی النفل**: ۲/۱۹، نمبر ۲۷۳۸)۔

لغت: قتله مقبلا: کافر سامنے سے حملہ آور ہوا ہو اس کو مجاہد نے قتل کیا ہو۔ **الظاهر انه نصب شرع لانه بعث له:** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حدیث میں، **من قتل قتیلا،** کا جملہ وقتی انعام کے لیے بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ہمیشہ کے لیے قانون بنا دیا ہے، اس لیے کہ آپ قانون بنانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

ترجمہ: ۲﴿ اور اس لیے کہ سامنے سے حملہ کرنے والے کو قتل کرنا بہت فائدہ مند ہے اس لیے اس کے درمیان اور دوسرے کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لیے مقتول کا سامان دیکر امتیاز بخشا جائے۔

تشریح: کافر سامنے سے حملہ آور ہو رہا ہے اس کو قتل کرنا بڑی بات ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے اس لیے مقتول کا سامان دیکر اس کو امتیاز بخشا جائے، اس لیے اس کو مقتول کا سامان دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۳﴿ ہماری دلیل یہ ہے کہ مقتول کا جو سامان لیا گیا ہے وہ پورے لشکر کی قوت کی وجہ سے لیا گیا ہے اس لیے یہ مال غنیمت میں

الغنائم كما نطق به النص. ٤ وقال - عليه الصلاة والسلام - لحبيب بن أبي مسلمة ليس لك من سلب قتيلك إلا ما طابت به نفس إمامك ٥ وما رواه يحتمل نصب الشرع ويحتمل التنفيل فنحمله على الثاني لما رويناه. ٦ وزيادة الغناء لا يعتبر في جنس واحد كما ذكرناه. (۲۸۱۶)والسلب ما على المقتول من ثيابه وسلاحه ومركبه، وكذا ما كان على مركبه من السرج والآلة، وكذا ما معه على الدابة من ماله في

جائے گا اس لیے غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آیت میں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ یہ جو قاتل نے مقتول کا سامان لیا ہے، یہ اس کی ذاتی قوت نہیں ہے بلکہ لشکر کی قوت کی وجہ سے وہ اس قابل ہوا کہ کافر کو قتل کر کے اس کا سامان چھین لیا اس لیے یہ سامان مال غنیمت کی تقسیم سب میں تقسیم ہوگا، کیوں کہ آیت میں ہے کہ جو کچھ بھی مال غنیمت میں آئے اس کو سب میں تقسیم کرو۔

وجہ: یہ آیت گزر چکی ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل ان كنتم آمنتم بالله (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو کچھ غنیمت میں آئے اس کو اس پانچ قسموں میں تقسیم کرو۔

ترجمہ: ٤ حضور ﷺ نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا کہ تم کو اتنا ہی ملے گا جتنا امام نے چاہا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ حضور نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا امام جتنا چاہے گا وہی ملے گا، مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ **فبلغ حبیب بن مسلمہ.... فان رسول اللہ جعل السلب للقاتل، فقال معاذ یا حبیب انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انما للمرء ما طابت بہ نفس امامہ**۔ (طبرانی کبیر، باب حبیب بن مسلمہ الفہری، ج ۴، ص ۲۱، نمبر ۳۵۳۳) اس حدیث میں ہے کہ امام جتنا چاہے دے سکتا ہے، ہر قاتل کے لیے سلب نہیں ہے۔

ترجمہ: ٥ اور امام شافعیؒ نے جو، **من قتل قتیلا فلہ سلبہ**، والی حدیث روایت کی ہے وہ احتمال رکھتا ہے کہ وہ قانون کے لیے ہو اور احتمال رکھتا ہے کہ وہ انعام دینے کے لیے ہو، اس لیے حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام پر حمل کریں گے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے، امام شافعیؒ نے جو **من قتل قتلا فلہ سلبہ**، والی حدیث روایت کی ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے قانون بنانے کے لیے ذکر کی کہ جب کافر کو سامنے سے قتل کرے گا تو قاتل کو اس کا سامان ملے گا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ انعام دینے کے لیے یہ حدیث ذکر کی ہو، لیکن اوپر حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام دینے پر محمول کریں گے، ہمیشہ دینے پر محمول نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ٦ اور زیادہ فائدہ حملے کی صرف ایک صورت میں نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سامنے سے حملہ آور کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بعض مرتبہ بھاگتے ہوئے کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے اس لیے سامنے والے کو ہی سامان دینا مخصوص نہیں رہا۔

ترجمہ: (۲۸۱۶) مقتول پر جو اس کا کپڑا ہو، ہتھیار ہو اور سواری ہو وہ سلب ہیں۔ ایسے ہی سواری پر جو زین اور آلات [لگام] وغیرہ،

حَقِيبَتِهِ أَوْ عَلَى وَسَطِهِ وَمَا عَدَا ذٰلِكَ فَلَيْسَ بِسَلَبٍ ﴿١﴾ وَمَا كَانَ مَعَ غُلَامِهِ عَلَى دَابَّةٍ أُخْرَى فَلَيْسَ بِسَلَبِهِ، ﴿٢﴾ ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيلِ قَطْعُ حَقِّ الْبَاقِينَ،

ایسے ہی سواری پر جو تھیلی ہو اس میں جو مال ہو، یا اس کے پیٹ پر جو تھیلی وغیرہ ہو [وہ سب سلب ہیں] اور اس کے علاوہ سلب نہیں ہے۔

تشریح: سلب میں کون کون سے سامان داخل ہیں، تو فرماتے ہیں کہ مقتول پر جو کپڑا ہے یا مقتول پر جو ہتھیار ہے اور مقتول جس سواری پر سوار ہے، پھر سواری کا لگام، اس پر جو بڑی تھیلی ہے وہ اور جو کچھ تھیلی میں سامان ہیں وہ سب سلب میں داخل ہیں، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہیں وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔ امام کے **'من قتل قتیلا فله سلبه'** کہنے سے یہ سب سلب میں داخل ہوں گے۔ اور امام پر یہ سب دینا لازم ہوگا۔

وجه: (۱) ہتھیار شامل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ بن مسعود قال نفلنی رسول اللہ ﷺ یوم بدر سیف ابی جھل کان قتله** (ابوداؤد شریف، باب من اجاز علی جریح مثخن ینفل من سلبه: ۲/۱۷، نمبر ۲۷۲۲) اس میں ابو جہل کی تلوار نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار سلب میں داخل ہے۔ (۲) سوار سلب میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ قال بعثنا رسول اللہ ﷺ فی سریة فبلغت سھماننا اثنی عشر بعیرا و نفلنا رسول اللہ ﷺ بعیرا بعیرا** (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسریة تخرج من العسکر: ۲/۲۰، نمبر ۲۷۴۵) اس حدیث میں اونٹ نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سواری سلب میں داخل ہے۔ (۳) کپڑا، لگام، گھوڑے کا زین وغیرہ بھی سلب میں داخل ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان مددیا رافقھم فی غزوة موتة وان رومیا کان یشد علی المسلمین ویغری بھم فتلطف له ذلک المددی فقعد له تحت صخرة فلما مر به عرقب فرسه وخر الرومی فعلاه بالسیف فقتله فاقبل بفرسه وسیفه وسرجه ولجامه ومنطقته وسلاحه کل ذلک مذھب بالذھب والجوھر الی خالد بن الولید فاخذ منه خالد طائفة ونفله بقیته، فقلت یا خالد ماھذا؟ اما تعلم ان رسول اللہ ﷺ نفل القاتل سلب کله قال بلی ولکنی استکثرته** (طحاوی شریف، باب الرجل یقتل قتیلا فی دار الحرب ھل یکون له سلبه ام لا؟: ۲/۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا، زین، لگام، پٹکا اور ہتھیار وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔ البتہ نقدی، سونا، چاندی مقتول کے پاس ہو تو وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔

وجه: اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔ **فکتب الی عمر ﷺ ان دع الناس یاکلون ویعلفون فمن باع شیئا بذھب او فضة فقد وجب فیه خمس اللہ وسھام المسلمین** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۷، فی الطعام والعلف یوخذ منه الشیء فی ارض العدو: ۶/۵۰۸، نمبر ۳۳۳۱۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سب مجاہدین کا حق ہے۔ وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

لغت: سلب: چھینا ہو سامان، یہاں مراد ہے مقتول کا چھینا ہوا سامان۔ **سلاح:** ہتھیار۔ **مرکب:** سواری۔ **سرج:** زین۔ **الآلة:** آلات سے مراد سواری کا لگام وغیرہ مراد ہے **حقیبة:** تھیلی، گھوڑے پر بڑی تھیلی ہوتی ہے جس میں سوار اپنا سامان رکھتا ہے۔ **وسطه:** گھوڑے کے درمیان میں یعنی اس کے پیٹ پر ایک تھیلی لگی ہوتی ہے جس میں سامان ہوتا ہے، یہ سب سلب میں داخل ہیں۔

ترجمه: ﴿١﴾ اور دوسرے سواری پر مقتول کے غلام کے ساتھ سامان ہو وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

تشریح: اس لیے کہ وہ اس مقتول کے تابع نہیں ہے۔

ترجمه: ﴿٢﴾ پھر نفل دینے کے حکم سے دوسرے مجاہدین کا حق ساقط ہو جائے گا۔

۳؎ فَأَمَّا الْمِلْكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ، حَتَّى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهُ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ وَطْؤُهَا، وَكَذَا لَا يَبِيعُهَا. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهُ أَنْ يَطَأَهَا وَيَبِيعَهَا، لِأَنَّ التَّنْفِيلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَهُ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشِّرَاءِ مِنَ الْحَرْبِيِّ، ۴؎ وَوُجُوبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيلَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ

(۲۸۱۷) وَإِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّومِ فَسَبَوْهُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوهَا؛ ۱؎ لِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِي

تشریح: جو سامان سلب کا ہے امام کے انعام دینے کے اعلان کے بعد وہ صرف قاتل و ملے گا، دوسرے مجاہدین کو اب نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ قاتل کی ملکیت ثابت ہوگی دار الاسلام میں جمع ہو جانے کے بعد جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے کہا کہ جس کو باندی ملے تو وہ اسی کی ہے، اب ایک مسلمان نے باندی پائی اور اس کو پاک بھی کر لیا تو اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، اور ایسے ہی اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس باندی سے وطی کرنا بھی جائز ہے اور اس کا بیچنا بھی جائز ہے، اور اس لیے کہ امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں ہی قاتل کی ملکیت ہو جاتی ہے، جیسے دار الحرب میں امام تقسیم کر کے دے تو مجاہد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور حربی سے باندی خرید لے تو ملکیت ہو جاتی ہے۔

تشریح: امام نے سلب کا اعلان کر دیا، اور قاتل نے مقتول کا سلب جمع بھی کر لیا، لیکن اس پر قاتل کی ملکیت اس وقت ہوگی جب اس سامان کو دار الاسلام میں جمع کرے گا، یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں ہی ملکیت ہو جاتی ہے، چنانچہ امام نے کہا کہ قیدی باندی جس نے پکڑی وہ اس کی ہے، اب زید نے قیدی پکڑی اور اس کو حیض سے پاک بھی کر لیا تو امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں بھی اس سے وطی کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ وہ قیدی اس مجاہد کی مملوکہ بن چکی ہے، اور شیخینؒ کے یہاں جب تک دار الاسلام میں نہیں لائے گا اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ ابھی تک مملوکہ نہیں بنی ہے۔ اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد اس باندی کو دار الحرب میں دوسرے سے بیچ سکتا ہے، کیوں کہ وہ اس کی مملوک بن چکی ہے، اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو ابھی بیچ نہیں سکتا، کیوں کہ مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور اس باندی کو کوئی ہلاک کر دے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح: باندی کو اس مجاہد سے لے کر کسی نے ضائع کر دیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد ہی اس کا ضمان لیگا، کیوں کہ اس کی مملوکہ کو ضائع کیا ہے، اور شیخینؒ کے نزدیک مجاہد اس کا ضمان نہیں لے گا امام اس کا ضمان لیگا، کیوں کہ ان کے یہاں مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

باب استیلاء الکفار

ترجمہ: (۲۸۱۷) اگر ترکی لوگ روم والوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کر لیں اور ان کے مال کو لے لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ مباح مال پر غلبہ ہو گیا اور مالک بننے کا سبب یہی ہے، جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبَبُ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى (۲۸۱۸)فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذَلِكَ ا۔اعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِمْ.

تشریح: ترک اور اہل روم سے مراد کافر ہیں۔ یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آ جائیں اور ان کے لوگوں کو قید کر لیں اور ان کے مال پر قبضہ کر لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) جب مسلمان کے مال پر کافر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں تو کافر کے ملک پر قبضہ کریں گے تو کیوں مالک نہیں ہوں گے؟ (۲) مالک ہونے کی وجہ غلبہ ہونا اور اپنے ملک کے اندر لے جانا ہے اور یہ پایا گیا اس لیے وہ مالک ہو جائیں گے۔

لغت: سبو: سبی سے مشتق ہے قید کرنا، ترک: ترکی، ایک ملک ہے جو پہلے کافر ملک تھا، اب وہ مسلمان ملک ہے، روم: ترک کے پاس ایک ملک ہے جو ابھی تک کافر ملک ہی ہے۔

اصول: حربی کا مملوک چیزیں مباح ہیں اس لیے اس پر کوئی دوسرا حربی قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، اور اس پر اگر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو مسلمان اس کا مالک بن جائے گا۔

اصول: جن کافروں سے اسلام کی جنگ چل رہی ہو وہ حربی ہے اس کی چیزوں پر قبضہ کرنے سے مالک بنے گا، لیکن جن حربیوں سے جنگ نہیں چل رہی ہو اس کی چیز پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس پر قبضہ کرنے سے مسلمان اس کا مالک نہیں بنے گا۔

اصول: مسلمان کسی کافر ملک میں امن لے کر رہ رہا ہو، تو اس کو دار الامن، کہتے ہیں، وہاں کے لوگوں کی چیزوں پر زبردستی قبضہ کرنے سے اس چیز کا مالک نہیں بنے گا، اور نہ اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: (۲۸۱۸) اور ہم ترک پر غالب ہو جائیں تو حلال ہے ہمارے لیے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔

ترجمہ: ا اس کی ساری ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: ہم حملہ کر کے ترک پر غالب ہو گئے تو جو مال ترک والوں نے روم سے لیا تھا وہ سب مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔ اور ترک والوں کے اصلی مال جو کچھ ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔

وجہ: (۱) جہاد میں غلبہ ہونے کے بعد وہ سب مال غنیمت ہیں اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے جہاد میں ترک کا اپنا مال ہو یا روم والوں کے مال پر قبضہ شدہ ہو یعنی حربی کا اپنا مال ہو یا کسی اور حربی پر قبضہ شدہ مال ہو دونوں پر مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **مَآ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ** (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ اللہ نے جو فئی یعنی مال غنیمت دیا وہ تم لوگوں کی ملکیت ہے (۳) دوسری آیت میں ہے۔ **فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (آیت ۶۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے جو مال غنیمت تم کو ملا اس کو کھاؤ وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی کے مال پر قبضہ کرنے سے مسلمان مالک ہو جائیں گے (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرمائی کیوں کہ مجاہد اس کا مالک بن چکے تھے۔ **عن سهل بن ابی حثمة قال قسم رسول الله ﷺ خيبر نصفين نصفا لنوائبه و**

(۲۸۱۹)وَإِذَا غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَأَحْرَزُوهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوهَا ا﴿وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَمْلِكُونَهَا؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ مَحْظُورٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُورُ لَا يَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ.

حاجعه و نصفا بين المسلمين قسمها على ثمانية عشر سهما (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر: ۲/۶۸ نمبر ۳۰۱۰)

ترجمہ: (۲۸۱۹) اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں اور اس کو دار الحرب لے کر چلے جائیں تو وہ اس کے مال ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) پہلے بتایا کہ غلبہ کر کے اپنے ملک میں لے جانے سے مالک بن جاتے ہیں اس لیے حربی مالک ہو جائیں گے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا (آیت ۸، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔ حالانکہ ان کے پاس مال تھا پھر بھی فقراء کہنا اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے مال پر کفار کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کا مالک بن گئے۔ اسی لیے تو مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن اسامة بن زيد رضي الله عنه انه قال يا رسول الله ! اين تنزل في دارك بمكة؟ فقال وهل ترك عقيل من رباع ودور** (بخاری شریف، باب توریث دور مکۃ وبیعہا وشرائہا الخ، ص ۲۱۶ نمبر ۱۵۸۸، **کتاب الحج / مسلم شریف، باب نزول الحاج بمكة وتوريث دورها**، ص ۳۶ ۴ نمبر ۱۳۵۱ / ۳۲۹۴) اس حدیث میں حضور ﷺ نے سوال کے طور پر پوچھا کیا عقیل نے کوئی گھر یا زمین کا ٹکڑا ہمارے لیے چھوڑا ہے جہاں میں ٹھہروں؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی زمین اور مکان پر حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے قبضے کے بعد وہ مالک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

ترجمہ: ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافر ہماری چیزوں کا مالک نہیں بنے گا اس لیے کہ دار الاسلام میں مالک نہیں بن سکتا ہے تو انتہاء، یعنی دار الحرب میں لیجا کر بھی مالک نہیں بنے گا، کیوں کہ جو چیز محظور ہوتی ہے وہ ملک کا سبب نہیں بنتا، جیسا کہ خصم کے قاعدہ گزر چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار ہمارے مالوں کے مالک نہیں بنیں گے۔

وجہ: (۱) دار الاسلام میں کافر ہماری چیزوں پر قبضہ کر لے تو وہ مالک نہیں بنے گا، جب ابتداء مالک نہیں بنے گا تو انتہاء، یعنی دار الحرب میں لیجانے سے بھی مالک نہیں بنے گا۔ (۲) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا غلام دشمن کی طرف بھاگا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس پر غلبہ پایا تو اس غلام کو حضور ﷺ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف واپس کر دیا۔ اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کے زمانے میں بھی غلام حضرت ابن عمرؓ کی ملکیت رہی، حربی اس کا مالک نہ بن سکا۔ **ان غلاما لابن عمر رضي الله عنه ابق الى العدو فظهر عليه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الى ابن عمر رضي الله عنه ولم يقسم** (ابو داؤد شریف، باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ فی الغنیمۃ: ۲/ ۱۸، نمبر ۲۶۹۸ / بخاری شریف، **باب اذا غنم المشركون مال المسلم ثم وجده المسلم**، ص ۵۳۱ نمبر ۳۰۶۸) اس حدیث میں غلام حضرت ابن عمرؓ کو واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں بن سکا۔

لغت: **احرز:** جمع کرنا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔ **استیلاء:** غلبہ کرنا، قبضہ کرنا۔ **ابتداء:** یہاں ابتداء سے مراد ہے کہ دار الاسلام میں رہتے ہوئے۔ اور انتہاء سے مراد ہے کہ دار الحرب میں لیجا کر جمع کر لیا۔

۲ وَلَنَا أَنَّ الإِسْتِيلَاءَ وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِيلَائِنَا عَلَى أَمْوَالِهِمْ، ۳ وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلَى مُنَافَاةِ الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ تَمَكُّنِ الْمَالِكِ مِنَ الْإِنْتِفَاعِ، فَإِذَا زَالَتِ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ، ۴ غَيْرَ أَنَّ الْإِسْتِيلَاءَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ؛ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْإِقْتِدَارِ عَلَى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَآلًا، ۵ وَالْمَحْظُورُ لِغَيْرِهِ إِذَا صَلُحَ سَبَبًا لِكَرَامَةٍ تَفُوقُ الْمِلْكَ وَهُوَ الثَّوَابُ الْآجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ؟

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر غلبہ ہوا ہے اس لیے انسانوں کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے ملک کا سبب بنے گا، جیسے ہم کفار کے مال پر غلبہ کرتے ہیں تو ہم مالک بن جاتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ بنیادی طور پر مال مسلمان اور کافر ہر ایک کے لیے مباح ہے، اس کو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے، ہاں کسی کی ملکیت شرعی طور پر کسی مال پر ثابت ہو جائے تو وہ مال اس کا ہوگا۔ اب مسلمان کا مال کافر دار الحرب لے گیا تو اب مسلمان کی شرعی ملکیت اس پر نہیں رہی، اب وہ مال اپنی بنیادی حیثیت کی وجہ سے کافر کے لیے بھی مباح ہو گیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مباح مال پر کسی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا ہو جاتا ہے، یہاں مباح مال پر کافر کا قبضہ ہو گیا اس لیے وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ جیسے مسلمان کافر کے مال پر قبضہ کر لے تو مسلمان مالک بن جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور ہر ایک کے لیے مال کے مباح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دلیل کے منافی کے باوجود عصمت ثابت ہے کیوں کہ مالک کو فائدہ اٹھانے کی قدرت ہو، پس جب مالک کی قدرت ختم ہو گئی تو مال جیسے پہلے ہر ایک کے لیے مباح تھا پھر مباح ہو گیا۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ تم انسانوں کے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کے لیے ہر چیز جائز ہے، اور ہر ایک کے لیے مباح ہے۔ آیت یہ ہے۔ **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا** (آیت ۲۹، سورۃ البقرۃ ۲) اس دلیل کے باوجود مسلمانوں کو مال پر خصوصی قدرت دی گئی تا کہ وہ اس سے نفع اٹھائے، لیکن دار الحرب میں لیجانے کی وجہ سے اس مال پر سے مسلمانوں کی قدرت ختم ہو گئی تو مال بنیادی طور پر مباح ہو گیا، اب اس پر کافر نے قبضہ کیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ مکنۃ: قدرت۔

ترجمہ: ۴ یہ اور بات ہے کہ دار الحرب لیجائے گا تب کافر کا غلبہ شمار کیا جائے گا اس لیے کہ استیلاء کا مطلب ہے کہ ابھی بھی قدرت ہو اور بعد میں بھی استعمال کرنے کی قدرت ہو۔

تشریح: کفار کی ملکیت اس وقت شمار کی جائے گی جب مال کو دار الحرب لے گیا ہو۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں مال ہو تو یہ خطرہ ہے کہ مسلمان اس پر حملہ کر کے واپس لے لے، اور غلبہ کا مطلب ہے کہ کفار ابھی استعمال کرے اور بعد میں بھی استعمال کر سکے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دار الحرب میں مال جمع کر لیا ہو۔

لغت: الاقتدار علی المحل حالا و مالا: ابھی بھی اس مال پر غلبہ ہو اور بعد میں بھی غلبہ ہو۔

ترجمہ: ۵ محظور لغیرہ ملکیت سے اوپر کرامت کا سبب ہو یعنی بعد میں ثواب تو فوری ملکیت ختم ہو جائے تو آپ کا کیا گمان ہے۔

تشریح: یہ عبارت بھی پیچیدہ ہے۔ مسلمان ابھی مال کی ملکیت چھوڑ دے گا تو اس کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، دوسری بات یہ ہے

(۲۸۲۰)فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُونَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيمَةِ إِنْ أَحَبُّوا ا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِيهِ إِنْ وَجَدْته قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَك بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدْته بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَك بِالْقِيمَةِ ٢ وَلِأَنَّ الْمَالِكَ الْقَدِيمَ زَالَ مِلْكُهُ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْأَخْذِ نَظَرًا لَهُ، إِلَّا أَنَّ فِي الْأَخْذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَأْخُوذِ مِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيمَةِ؛ لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ،

کہ ابھی اوپر آیت گزری جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی چیز پر خصوصی ملکیت ایک محظور چیز ہے، اس لیے اس کو چھوڑ دے گا، تو چیز مباح ہو جائے گی اور مباح چیز پر کافر کا غلبہ ہوگا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۲۰) اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور اس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لیے ہوگا بغیر کسی عوض کے، اور اگر اس کو تقسیم کے بعد پایا تو اس کو قیمت سے لے اگر چاہیں۔

ترجمہ: ا اس بارے میں حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم تقسیم ہونے سے پہلے اپنی چیز پاؤ تو بغیر کسی بدلے کے وہ تمہاری ہے، اور اگر تقسیم کے بعد پاؤ تو قیمت سے تم لے سکتے ہو۔

تشریح: حربیوں نے ہمارے مال پر قبضہ کیا تھا اب مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول کر مال واپس لے لیا تو اگر تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے اس مال کو پالیا تو اس کو مالک لے لے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دے گا۔ اور اگر تقسیم ہو چکا تو جس کے ہاتھ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے۔ اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے۔

وجہ: (۱) تقسیم ہونے سے پہلے مال غنیمت کا مال ہے کسی مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے اس لیے اس کو بغیر کسی قیمت سے لے لینے میں حرج نہیں ہے (۲) چونکہ پہلے اس کی چیز تھی اس لیے اس کو ہی دے دی جائے گی (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن ابن عباس ؓ عن النبی ﷺ قال فیما احرز العدو فاستنقذہ المسلمون منھم او اخذہ صاحبہ قبل ان یقسم فھو احق، فان وجدہ و قد قسم، فان شاء اخذہ بالثمن** (دار قطنی، **کتاب السیر:** ۴/ ۶۴ نمبر ۴۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تقسیم نہیں ہوئی ہے تو بغیر قیمت کے لیگا اور تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت سے واپس لے۔ (۴) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت تھا۔ **عن ابن عمر ؓ ان غلاما لابن عمر ؓ ابق الی العدو فظھر علیہ المسلمون فردہ رسول اللہ ﷺ الی ابن عمر ؓ و لم یقسم** (ابو داؤد شریف، **باب المال یصیبہ العدو من المسلمین:** ۲/ ۱۲، نمبر ۲۶۹۸/ بخاری شریف، **اذا غنم المشرکون مال المسلم ثم وجدہ المسلم** ص ۵۳۱ نمبر ۳۰۶۷) اس حدیث میں تقسیم سے پہلے مالک نے مال پایا تو اس کو مالک کی طرف واپس کر دیا گیا۔

ترجمہ: ٢ اور اس لیے کہ پرانے مالک کی ملک اس کی رضامندی کے بغیر زائل ہوئی ہے تو اس کی مصلحت کے لیے لینے کا حق زیادہ ہے، مگر تقسیم کے بعد جس نے لیا اس کو نقصان ہے کیوں کہ اس کی خاص ملکیت زائل ہوتی ہے اس لیے پرانا مالک قیمت دیکر لے گا تاکہ دونوں جانب مصلحت ہو۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ پرانے مالک کی ملکیت بغیر اس کی رضامندی کے زائل ہوئی ہے اس لیے تقسیم سے پہلے وہ زیادہ حقدار ہے،

۳؎ وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيمَةٍ. (۲۸۲۱)وَإِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذَلِكَ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِهِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْأَخْذِ مَجَّانًا، أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعِوَضَ بِمُقَابَلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيمَا قُلْنَاهُ، ۲؎ وَلَوِ اشْتَرَاهُ بِعَرَضٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَةِ الْعَرَضِ، ۳؎ وَلَوْ وَهَبُوهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَتِهِ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ

اور تقسیم ہو کر مثلا زید کے پاس یہ چیز گئی ہے تو اب زید سے لینے میں زید کا نقصان ہے، کیوں کہ اس کی ملکیت ہو چکی ہے، اس لیے اس سے لیگا تو قیمت دیکر لیگا تا کہ پرانے مالک کی بھی رعایت ہو جائے اور نئے مالک کو بھی نقصان نہ ہو۔

ترجمہ: ۳؎ تقسیم سے پہلے سب کی شرکت ہے اس لیے کم نقصان ہے اس لیے پرانا مالک بغیر قیمت کے لیگا، [اور تقسیم کے بعد خاص آدمی کی ملکیت ہے اس لیے اس کو قیمت دیکر لیگا]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۲۱) اگر ہمارا تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دار الاسلام لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اتنی قیمت سے جتنے میں تاجر نے خریدا ہے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ مفت لینے میں تاجر کو نقصان ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ تاجر نے اس کے مقابلے میں قیمت دی ہے اس لیے جو کچھ ہم نے کہا اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

تشریح: کسی مسلمان کا مال حربی لے گیا تھا، ہمارے مسلمان تاجر نے اس سے خرید کر دار الاسلام لایا تو مالک چاہے تو جتنی قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے اور قیمت نہ دینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ: (۱) تاجر نے رقم دی ہے اس لیے اس سے مفت لینے میں اس کا گھاٹا ہے جو **لا ضرر و لا ضرار** حدیث کے خلاف ہے۔ البتہ جتنی قیمت دی ہے اتنی قیمت دے کر اس کا بھی نقصان نہیں ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے۔ اس لیے قیمت دے کر مال لے ورنہ چھوڑ دے (۲) اوپر کی حدیث میں تھا۔ **فان شاء اخذه بالثمن** (دار قطنی، کتاب السیر، ج ۴/ ۶۴ نمبر ۴۱۵۵) اس میں بالثمن سے اشارہ ہے کہ جتنی قیمت دی ہے وہ ادا کرے۔ کیوں کہ ثمن کہتے ہیں پہلی دی ہوئی قیمت کو، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت دی ہے اتنی ہی دے کر واپس لے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر اس چیز کو سامان کے بدلے خریدا تو سامان کی قیمت دے کر لے گا۔

تشریح: یہاں سے چار مسئلے بیان کر رہے ہیں [۱] مثلا زید نے حربی سے عمر کی تلوار سامان یعنی ایک من آٹا کے بدلے خریدا تو عمر اب ایک من آٹے کی قیمت دیکر تلوار خریدے گا، کیوں کہ زید نے آٹا کے بدلے تلوار لی تھی۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر حربی نے مسلمان کو ہبہ کر دیا تو پرانا مالک اس کو اس کی قیمت دیکر لے گا، کیوں کہ مسلمان کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے تو قیمت کے بغیر اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

اصول: کسی کی خاص ملکیت ہو گئی ہو تو اس کو قیمت دئے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: [۲] یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ مثلا حربی نے زید کو عمر کی تلوار ہبہ کر دی، تو عمر اب زید کو تلوار کی قیمت دے گا اور لیگا، کیوں کہ حربی کے

خَاصٌّ فَلَا يُزَالُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ، ٣ وَلَوْ كَانَ مَغْنُومًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ يَأْخُذُهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَأْخُذُهُ بَعْدَهَا، لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيدٍ، ٥ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوبًا لَا يَأْخُذُهُ لِمَا بَيَّنَّا. ٦ وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرًى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا. قَالَ: (٢٨٢٢)فَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفُقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْشَهَا فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي أُخِذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ ١ أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا وَلَا يَأْخُذُ الْأَرْشَ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ صَحِيحٌ، فَلَوْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لَا يُفِيدُ

ہبہ کرنے کی وجہ سے زید کی ملکیت ہوگئی ہے اس لیے قیمت کے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٣ اور اگر مثلی چیز مال غنیمت میں آئی ہے تو تقسیم سے پہلے اس کو پرانا مالک مفت لے لے گا، اور تقسیم کے بعد لینے میں فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ مثل دیکر لے گا۔

تشریح: [٣] یہ تیسرا مسئلہ ہے۔ مثلا عمر کا ایک من آٹا حربی لے گیا تھا، مسلمانوں نے وہ ایک من آٹا واپس دار الاسلام لایا، تو تقسیم سے پہلے عمر اپنے آٹے کو مفت لیگا، لیکن اگر یہ آٹا تقسیم ہوگیا اور زید کے حصے میں آیا، تو آٹا چونکہ مثلی ہے، یعنی آٹے کے بدلے میں آٹا ہی دینا پڑتا ہے، اس لیے عمر ایک من آٹا زید کو دے گا، اور اپنا ایک من آٹا لیگا تو اس میں عمر کو کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ عمر اپنے آٹا واپس نہ لے۔

لغت: مغنوما: غنیمت میں۔ **مثلی:** سونا، چاندی، غلہ، مثلا آٹا چاول وغیرہ یہ مثلی ہیں، یعنی آٹا کے بدلے اتنا ہی آٹا لازم ہوتا ہے، کم بیش نہیں کرسکتا ورنہ سود لازم ہوگا، جو حرام ہے۔

ترجمہ: ٥ ایسے ہی مثلی چیز ہبہ کیا ہو تو اس کو نہ لے، کیوں کہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح: [٤] عمر کی مثلی چیز، مثلا ایک من آٹا حربیوں نے لے لیا، بعد میں یہ آٹا زید کو ہبہ کر دیا، تو اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے گا تو چونکہ یہ مثلی ہے اس لیے عمر کو ایک من آٹا ہی دینا ہوگا، تو ایک من آٹا دیکر ایک من آٹا لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ٦ ایسے ہی اگر مقدار اور وصف میں برابری سے خریدا ہو تو لینے میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح: [٥] یہ پانچواں مسئلہ ہے۔ عمر کا ایک من آٹا حربیوں نے لیا، زید نے اس ایک من کو ایک من آٹا دیکر لایا تو، اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے تو ایک من آٹا زید کو دے اور اپنا ایک من آٹا واپس لے، اب اس لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لیے بہتر ہے کہ نہ لے۔

لغت: قدرا و وصفا: مقدار کے اعتبار سے مثلا ایک من آٹا کے بدلے میں ایک من آٹا دیکر لایا ہو، اور وصفا کے اعتبار سے مثلا اعلی آٹا کے بدلے میں اعلی آٹا دیا، اس کو وصف کی برابری، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (٢٨٢٢) اگر کفار غلام کو قید کر کے لے گئے، پھر کسی آدمی نے اس کو خریدا اور دار الاسلام لے آیا، اب دار الاسلام میں اس کی آنکھ پھوڑ دی اور خریدنے والے نے اس تاوان لیا، تو پہلا مالک اس قیمت سے لیگا جو حربی کو دیا ہے۔

ترجمہ: ١ قیمت اس لیے دے گا جس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے [یعنی خریدنے والے نے حربی کو قیمت دی ہے اس لیے پہلا مالک اس کو قیمت دیکر خریدے گا۔] اور مالک اول تاوان نہیں لے گا کیوں کہ غلام میں دوسرے مالک کی ملکیت صحیح ہے

تشریح: عمر کے غلام کو حربی دار الحرب لے گئے، زید نے حربی سے ایک ہزار درہم میں اس غلام کو خریدا، اس درمیان زید کے یہاں کسی

۲ وَلَا يُحَطُّ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، ۳ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ، لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إِلَى الشَّفِيعِ صَارَ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا، وَالْأَوْصَافُ تُضْمَنُ فِيهِ كَمَا فِي الْغَصْبِ، أَمَّا هَاهُنَا الْمِلْكُ صَحِيحٌ فَافْتَرَقَا. (۲۸۲۳) وَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَسَرُوهُ ثَانِيًا وَأَدْخَلُوهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ آخَرُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ

نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی، اور زید نے ایک سو درہم آنکھ کا تاوان لیا، اب عمر اس غلام کو زید سے لینا چاہتا ہے تو ایک ہزار دے کر لیگا، اور زید نے ایک سو آنکھ کا تاوان لیا ہے وہ کم بھی نہیں ہوگا، اور زید سے وہ رقم وصول نہیں کرے گا۔

وجه: یہاں دو باتیں یاد رکھیں [۱] زید کی ملکیت صحیح ملکیت ہے اس لیے جو کچھ آنکھ کا تاوان ملا زید اس کا مالک بن گیا ہے، اس لیے یہ تاوان عمر کی طرف حوالے کرنے ضرورت نہیں ہے [۲] دوسری بات یہ ہے کہ آنکھ کا پھوٹنا ایک صفت ہے، اور صفت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس لیے زید نے جو تاوان لیا ہے اس کو عمر کی طرف کی دینے کی ضرورت نہیں ہے، عمر غلام کو لینا چاہئے تو جو ایک ہزار حربی کو دیا ہے وہی ادا کر کے غلام لے۔

لغت: فلا اخذه بمثله و هو لا یفید: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تاوان درہم اور دینار مثلی چیز ہے تو عمر وہی چیز دیگا، پھر وہی چیز لیگا تو اس میں اس کا فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ اور غلام کی قیمت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا اس لیے کہ آنکھ کا پھوٹنا صفت ہے اور صفت کے بدلے میں قیمت نہیں ہوتی۔

تشریح: غلام کی آنکھ پھوٹی وہ صفت ہے اور اس کا تاوان لینا یہ بھی صفت ہے، اور صفت کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس لیے آنکھ پھوٹنے سے غلام کی قیمت کم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ بخلاف شفعہ کے اس لیے کہ خریدنے والے سے جب شفیع کی طرف خریداری منتقل ہوئی تو مشتری کا خریدنا گویا کہ شراء فاسد ہوئی، اور شراء فاسد میں وصف کی قیمت ہوتی ہے، جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے، اور یہاں ملک صحیح ہے اس لیے تاوان کی قیمت نہیں دے گا

اصول: ملک صحیح ہو تو آدمی تاوان کا مالک بن جاتا ہے۔ اور ملک ہی نہ ہو، یا ملک فاسد ہو تو آدمی تاوان کا مالک نہیں بنتا ہے۔

تشریح: زید نے عمر کا گھر ایک ہزار میں خریدا، کسی نے گھر کا دروازہ توڑ دیا، جس کی وجہ سے زید نے توڑنے والے سے ایک سو درہم وصول کیا، اب خالد نے حق شفعہ کے ذریعہ اس گھر کو ایک ہزار میں لیا تو زید پر لازم ہوگا کہ دروازے کا جو ایک سو لیا تھا وہ بھی خالد کی طرف واپس کرے، کیوں کہ جب خالد نے اس گھر کو حق شفعہ کے ذریعہ لیا تو معلوم ہوا کہ زید اس گھر کا مالک صحیح نہیں تھا بلکہ ملک فاسد تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ ملک فاسد کے ذریعہ کسی رقم کو وصول کیا ہو تو اس رقم کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور اوپر میں زید کی ملک صحیح تھی اس لیے آنکھ کا تاوان واپس کرنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ اس کے لیے غصب کی ایک مثال دی ہے، مثلا زید نے عمر کی باندی غصب کی، زید کے یہاں کسی نے باندی کی آنکھ پھوڑ دی، زید نے پھوڑنے والے سے ایک سو درہم تاوان لیا، اب زید نے باندی کو عمر کی طرف واپس کیا تو وہ ایک سو درہم تاوان کا بھی واپس کرے گا، کیوں کہ زید اس تاوان کا مالک نہیں ہوگا، کیوں کہ باندی پر زید کی ملکیت ہی نہیں تھی۔

ترجمہ: (۲۸۲۳) اگر دار الحرب والوں نے ایک غلام کو قید کیا، پھر ایک آدمی نے اس کو ہزار درہم میں خریدا، پھر دوبارہ اس کو دار

الثَّانِي بِالثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَسْرَ مَا وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ؛ ۱ لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِأَلْفَيْنِ إِنْ شَاءَ؛ ۲ لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنَيْنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا، ۳ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَأْسُورُ مِنْهُ الثَّانِي غَائِبًا لَيْسَ لِلْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ اعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهِ (۲۸۲۴) وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِينَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِينَا وَأَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ؛

الحرب والے قید کر کے لے گئے پھر دوسرے آدمی نے ایک ہزار میں اس کو خرید کر لائے، تو پہلے آقا کو دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لینے کا اختیار نہیں ہے، [اس لیے کہ پہلے آقا کی ملکیت پر قید نہیں ہوا ہے، اور پہلے خریدار کو یہ حق ہوگا کہ دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لے [اس لیے کہ اس کی ملکیت پر قید ہوا ہے] پھر پہلا چاہے تو دو ہزار میں لے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ پہلے خریدار کو دو ہزار میں پڑا ہے اس لیے دو ہزار میں لیگا۔

ترجمہ: ۲ ایسی طرح اگر دوسرا خریدار غائب ہو تو پہلے خریدا کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے دوسرا خریدار موجود ہوتا تو پہلے خریدار کو لینے کا حق نہیں ہے۔

اصول: جس کی ملکیت سے دار الحرب والا لے گیا ہو اس کو خریدار سے لینے کا حق ہے۔

اصول: غلام جتنے میں پڑا ہے، پہلے آقا کو اتنی ہی قیمت دینی ہوگی تب اس غلام کو لے سکے گا، مثلا غلام دو مرتبہ ہزار ہزار میں بکا تو پہلے آقا کو دو ہزار دیکر لینا ہوگا

تشریح: یہاں آقا سے مراد ہے پہلا آقا، اور پہلے خریدار سے مراد ہے جسنے پہلی مرتبہ دار الحرب سے خرید کر لایا۔ اور دوسرے خریدار سے مراد ہے جس نے دوسری مرتبہ دار الحرب سے خرید کر لایا۔ اس محاورے کو سمجھنے کے بعد اب مسئلہ سمجھیں۔ عمر کا غلام تھا جس کو حربی قید کر کے دار الحرب لے گئے، اب زید نے اس کو ایک ہزار میں خرید کر دار الاسلام لایا، پھر زید کے پاس سے دوبارہ حربی لوگ غلام کو قید کر کے لے گئے، پھر اس کو خالد ایک ہزار میں خرید کر لایا، تو زید کو حق ہے کہ خالد سے ایک ہزار میں خرید لے، کیوں کہ زید کے پاس سے حربی لے گیا تھا، لیکن عمر خالد کے پاس سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا ہے، کیوں کہ اس دوسری مرتبہ میں عمر کے پاس سے حربی نہیں لے گیا ہے، بلکہ زید کے پاس سے لے گیا ہے۔ ہاں زید خالد کے پاس سے ایک ہزار میں خریدے، اب عمر چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، کیوں کہ زید کو پہلے ایک ہزار لگا تھا، اب دوبارہ ایک ہزار لگا، مجموعہ دو ہزار ہو گئے اس لیے اگر عمر خریدنا چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، نوٹ یہ استحبابی مسئلہ ہے، لیکن اگر خالد عمر کے ہاتھ میں غلام بیچ دے اور زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر پہلا آقا خرید سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور ایسے ہی دوسرا آدمی جس سے قید کر کے لے گیا ہے وہ غائب ہو تو پہلے آقا کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے وہ موجود ہوتا تو لینے کا حق نہیں ہوتا۔

تشریح: مثال مذکور میں زید پہلا خریدار غائب ہے اس دوران عمر پہلا آقا اپنے غلام کو خالد سے لینا چاہتا ہے تو قاعدے کے اعتبار سے نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس مرتبہ عمر کے پاس سے قید نہیں ہوا ہے، جیسے زید حاضر ہوتا تو عمر خالد سے نہیں خرید سکتا اسی طرح اس کی غیر حاضری میں عمر خالد سے نہیں خرید سکتا۔ ہاں زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر خالد سے خرید سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۲۴) اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر غلام اور ام ولد اور ہمارے مکاتب اور ہمارے آزاد

لِأَنَّ السَّبَبَ إِنَّمَا يُفِيدُ الْمِلْكَ فِي مَحَلِّهِ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ، وَالْحُرُّ مَعْصُومٌ بِنَفْسِهِ، وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ؛ لِأَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرِّيَّةُ فِيهِ مِنْ وَجْهٍ، بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلَى جِنَايَتِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرِقَّاءَ وَلَا جِنَايَةَ مِنْ هَؤُلَاءِ. (۲۸۲۵)وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي

کے مالک نہیں ہوں گے۔اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

اصول: مسلمان اور اس کا ایسا غلام جس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہو وہ فطری طور پر آزاد ہے، اس لیے کافر کے غلبے سے وہ غلام باندی نہیں بنیں گے۔

اصول: کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے فطری طور پر غیر محفوظ ہے اس لیے اس پر غلبہ ہوگا تو وہ مملوک ہو جائیں گے۔

تشریح: اگر حربیوں نے غلبہ کر کے ہمارے مدبر غلام، ام ولد، ہمارے مکاتب غلام اور ہمارے آزاد پر قبضہ کر لیا تو وہ ان لوگوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ یوں مجبور کر کے رکھیں گے ضرور لیکن جب کبھی ہمارے پاس واپس آئیں گے تو یہ لوگ آزاد شمار کئے جائیں گے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ پرانے مالک کے مدبر، ام ولد اور مکاتب شمار کئے جائیں گے۔

وجہ: (۱) آزاد مسلمان کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس لیے اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بھی کوئی مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن غلاموں میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے جیسے مدبر غلام، ام ولد کہ یہ دونوں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ مکاتب مال کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اس لیے ان غلاموں میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لیے ان لوگوں پر حربیوں نے قبضہ کر لیا تو وہ ان کے مالک نہیں بنیں گے۔ زبردستی پر غلام بنائے رکھے یہ اور بات ہے (۲) قول تابعی میں ہے۔ **قلت لعطاء نساء حرائر اصابھن العدو فابتاعھن رجل أیصیبھن؟ قال: لا! ولا یسترقھن ولکن یعطیھن انفسھن بالذی اخذھن بہ ولا یرد علیھن** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵۷ **الحرائر یسبین ثم یشترین**: ۶ / ۵۲۸ نمبر ۳۳۵۰۶) اس قول تابعی میں ہے کہ آزاد عورت کو قید کرے تو اس سے حربی نہ وطی کر سکتا ہے اور نہ اس کو باندی بنا سکتا ہے۔ اور یہی حال ان غلاموں کا ہے جن میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ ملک کا فائدہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کے محل میں ہو، اور ملک کا محل مباح مال ہے اور آزاد آدمی خود محفوظ ہے [یعنی بنیادی طور پر آزاد ہے] ایسے ہی آزاد کے علاوہ جس مین آزدگی کا شائبہ آچکا ہو [وہ بھی بنیادی طور پر آزاد ہے]، بخلاف کفار کی ذات [وہ بنیادی طور پر مملوک ہے] اس لیے کہ ان لوگوں کے جرم کے بدلے میں اس کی عصمت ساقط کر دی ہے اور ان کو غلام بنا دیا ہے، اور مسلمانوں کا جرم نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مباح مال ہو اس پر قبضہ کرے تو وہ مملوک بنتا ہے، مسلمان بنیادی طور پر آزاد ہے وہ مباح مال نہیں ہے اس لیے اس پر قبضہ کرنے سے مملوک نہیں بنے گا، اسی طرح جس غلام میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہو وہ بھی مملوک نہیں بنے گا، اس کے برخلاف کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بنیادی طور پر غلام ہے اور مباح مال ہے اس لیے اس پر غلبہ ہونے سے وہ غلام بن جائے گا۔

لغت: معصوم: محفوظ، بنیادی طور پر آزاد۔

ترجمہ: (۲۸۲۵) اگر مسلمان کا غلام بھاگ جائے اور دار الحرب میں داخل ہو جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

حَنِيفَةَ، وَقَالَا يَمْلِكُونَهُ، ١ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ، وَلِهَذَا لَوْ أَخَذُوهُ مِنْ دَارِ الْإِسْلَامِ مَلَكُوهُ. ٢ وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا؛ لِأَنَّ سُقُوطَ اعْتِبَارِهِ لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ تَمْكِينًا لَهُ مِنَ الِانْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلَى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَصَارَ مَعْصُومًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ

اس کا مالک نہیں بنیں گے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک بن جائیں گے۔

وجہ: (۱) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب غلام دار الاسلام سے نکلا تو اب وہ خود اپنی ذات کا مالک بن گیا اس لیے وہ اب آزاد کی طرح ہو گیا۔اور آزاد کا حربی مالک نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی مالک نہیں ہوگا (۲) قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ **کتب الی عمر بن الخطاب ﷺ فی عبد اسرہ المشرکون ثم ظہر علیہ المسلمون بعد ذلک قال صاحبہ احق بہ مالم یقسم فاذا قسم مضی** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۰ **فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو:** ۶/ ۵۱۰ نمبر ۳۳۳۴۰) اس قول صحابی میں ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو دے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا ماک نہیں ہوگا۔

فائدہ: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی غلام کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) وہ مال کے درجے میں ہے اور مال پر حربی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان کے غلام پر غلبہ ہو جائے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں ہے کہ اگر غلام پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہ تقسیم بھی ہو گیا تو جس کے حصے میں گیا وہ مجاہد اس کا مالک ہو جائے گا۔جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک ہو چکا تھا تب ہی تو حربی کے مال پر قبضے کے بعد مسلمان اس کا مالک بن گیا (۳) قول صحابی میں ہے۔ **عن قتادۃ قال علی ﷺ ہو للمسلمین عامۃ لانہ کان لہم مالا** (**مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۰ فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو:** ۶/ ۵۱۰ نمبر ۳۳۳۴۲) اس قول صحابی میں ہے کہ وہ غلام حربی کا مال بن گیا اس لیے اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو تمام مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔

لغت: ابق: بھاگ گیا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ غلامیت مالک کے حق کی وجہ سے تھا، اور دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کا حق زائل ہو گیا [اس لیے حربی مالک ہو جائے گا] جیسے حربی دار الاسلام سے غلام کو پکڑ کر لیجاتا تو وہ مالک بن جاتا اسی طرح یہاں بھی مالک بن جائے گا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔غلام مالک کے حق کی وجہ سے غلام تھا، اب دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی اس لیے اب کافر اس کا مالک بن جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ حربی دار الاسلام سے اس غلام کو پکڑ لیتا تو وہ مالک بن جاتا، اسی طرح دار الحرب سے پکڑے گا تو وہ مالک بن جائے گا۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب دار الاسلام سے نکلا تو خود وہ اپنا مالک بن گیا، اس لیے کہ آقا کا قبضہ تھا اس لیے غلامیت باقی رہی تا کہ آقا فائدہ اٹھا سکے، اور آقا کا قبضہ زائل ہو گیا تو غلام کا اپنی ذات پر قبضہ ظاہر ہو گیا اور وہ آزاد ہو گیا اس لیے وہ ملک کا محل باقی نہیں رہا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب تک دار اسلام میں تھا تو اس کے آقا کا قبضہ اس پر تھا، تا کہ آقا اس غلام سے فائدہ اٹھا

مَحَلًّا لِلْمِلْكِ، ۳؎ بِخِلَافِ الْمُتَرَدِّدِ، لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلٰى بَاقِيَةٌ عَلَيْهِ لِقِيَامِ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ فَمَنَعَ ظُهُورَ يَدِهِ. ۴؎ وَإِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْمِلْكُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِغَيْرِ شَيْءٍ مَوْهُوبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرًى أَوْ مَغْنُومًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُؤَدِّي عِوَضَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِينَ وَتَعَذُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ ۵؎ وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْآبِقِ، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ إِذْ فِي زَعْمِهِ أَنَّهُ مَلَكَهُ.

سکے، اور جب وہ دار الاسلام سے نکل گیا تو آقا کا قبضہ زائل ہو گیا، اور غلام کا قبضہ خود اپنے اوپر ہو گیا، اور وہ مسلمان ہے اس لیے وہ ذاتی طور پر آزاد ہو گیا، اور پہلے گزر چکا کہ مسلمان پر کسی کافر کا قبضہ ہو تو وہ اس کا مالک نہیں بنتا اس لیے کافر اس غلام کا مالک نہیں بنے گا۔

لغت: ظهرت يده على نفسه: غلام کا قبضہ اپنی ذات پر ہو گیا۔ **صار معصوما بنفسه:** وہ اپنی ذات سے آزاد ہو گیا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف اگر غلام دار الاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہو [تو حربی کا غلام نہیں بنے گا] اس لیے کہ آقا کا قبضہ ابھی باقی ہے کیوں کہ دار الاسلام کا قبضہ باقی ہے اس لیے حربی کا قبضہ ظاہر نہیں ہو گا۔

تشریح: غلام دار الاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا کہ حربی اس کو پکڑ کر دار الحرب لے گیا تو حربی اس کا مالک نہیں بنے گا۔

وجہ: یہاں آقا کا قبضہ بھی ہے اور دار الاسلام کا بھی قبضہ ہے اس لیے حربی کا قبضہ نہیں ہو سکے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور جب امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حربیوں کی ملک ثابت نہیں ہوئی تو پرانا مالک غلام کو مفت لیگا چاہے حربی نے ہبہ کر دیا، یا کسی مسلمان نے خرید کر لایا ہو، یا تقسیم سے پہلے غنیمت میں آگیا ہو، اور تقسیم کے بعد بیت المال اس کی قیمت ادا کرے گا، اس لیے کہ تقسیم تو دوبارہ ہو نہیں سکتی کیوں کہ مجاہدین منتشر ہو چکے ہیں، اور ان کا دوبارہ جمع ہونا ناممکن ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حربی غلام کا مالک نہیں بنا اس لیے کسی بھی طرح سے غلام دار الاسلام واپس آئے گا تو اس کے مالک کو مفت ملے گا، واپس آنے کی چار صورتیں یہاں بیان کر رہے ہیں۔ [۱] حربی نے کسی مسلمان کو یہ غلام ہبہ کر دیا تو مالک اس سے مفت لے گا [۲] کسی مسلمان نے حربی سے خرید لیا تو مالک اس کو مفت لیگا، کیوں کہ حربی اس کا مالک نہیں بنا تھا اس لیے اس کا بیچنا ہی صحیح نہیں ہوا۔ [۳] غلام مال غنیمت میں دوبارہ دار الاسلام آگیا تو تقسیم سے پہلے مالک اس کو مفت لیگا۔ [۴] غلام مال غنیمت میں آیا اور تقسیم بھی ہو گیا تو یہ غلام مالک کو مفت دیا جائے گا، کیوں کہ اسی کا غلام ہے، اور جس آدمی کے حصے میں آیا ہے اس کو اس کی قیمت بیت المال سے دیا جائے گا، تاکہ اس کو نقصان نہ ہو، کیوں کہ اس تقسیم کو اب توڑ نہیں سکتے کیوں کہ مجاہد بکھر چکے ہیں تو یہی شکل باقی رہی کہ عوام کی رقم یعنی بیت المال سے قیمت دی جائے۔

ترجمہ: ۵؎ بھاگنے والے غلام کو جس نے واپس لایا تو واپس لانے کی مزدوری مالک پر لازم نہیں ہو گی۔، کیوں کہ جس نے لایا ہے وہ اپنے لیے لایا ہے۔

تشریح: ہبہ سے لایا ہو، یا خرید کر لایا ہو، یا مال غنیمت میں لایا ہو، ان کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ: کیوں کہ لاتے وقت اس کا گمان یہ تھا کہ یہ غلام اپنے لیے لا رہا ہوں، مالک کے لیے نہیں لایا ہے اس لیے مالک سے اس کو لانے کی مزدوری نہیں دلوائی جائے گی۔ **جعل:** مزدوری۔

(۲۸۲۶)وَإِنْ نَدَّ بَعِيرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ ا؎لِتَحَقُّقِ الْإِسْتِيلَاءِ إِذْ لَا يَدَ لِلْعَجْمَاءِ لِتَظْهَرَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا. (۲۸۲۷)وَإِنِ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ ا؎لِمَا بَيَّنَّا (۲۸۲۸)فَإِنْ أَبَقَ عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِكُونَ ذَلِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرَى رَجُلٌ ذَلِكَ كُلَّهُ، وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالثَّمَنِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَا مَعَهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ ا؎اعْتِبَارًا لِحَالَةِ الْاِجْتِمَاعِ بِحَالَةِ

ترجمہ: (۲۸۲۶)اگر کوئی اونٹ بدک کران کی طرف چلا جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

تشریح: جنگ چل رہی تھی ایسی حالت میں اونٹ بدک کر اس کی طرف چلا گیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ انسان نہیں ہے مال ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے (۲) **ان علیا کان یقول فیما احرز العدو من اموال المسلمین انه بمنزلة اموالهم، قال و کان الحسن یقضی بذالک۔** (**مصنف ابن ابی شیبة، باب فی العبد یاسره المسلمون ثم ظهر علیه العدو:** ۶/ ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۳) اس قول صحابی میں ہے کہ حربی ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

لغت: **ند:** اونٹ کا بدکنا۔

ترجمہ: ا؎ اس لیے کہ اونٹ پر کفار کا قبضہ ہو گیا ہے اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے کہ دار الاسلام سے نکلے تو یہ قبضہ ظاہر ہو، بخلاف غلام کے، جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: غلام پر سے مالک کا قبضہ ختم ہوتا ہے تو چونکہ وہ انسان ہے اس لیے اس کو اپنا قبضہ ہو جاتا ہے اس لیے وہ کفار کا مملوک نہیں بنتا، اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے، اس لیے جب مسلمان مالک کا قبضہ ختم ہوا تو کفار کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ اس کا مملوک بن جائے گا۔ عجماء: جو بول نہ سکتا ہو، مراد ہے جانور۔

ترجمہ: (۲۸۲۷) اگر اس اونٹ کو کسی آدمی نے خرید لیا اور دار الاسلام لے آیا تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قیمت دیکر لے۔

ترجمہ: ا؎ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ [کہ تاجر اس کا مالک بن چکا ہے]

اصول: کافر مسلمان کی چیزوں کا مالک بن جاتا ہے، مسلمان انسان کا مالک نہیں بنتا۔

تشریح: اونٹ کافر کی ملکیت میں جا چکا ہے اور وہ اس کا مالک بھی بن چکا ہے، اب اس کو کسی مسلمان نے خرید کر لایا تو پہلا مالک اگر چاہے تو خریدی ہوئی قیمت دیکر لے، تا کہ اس کو نقصان نہ ہو۔

ترجمہ: (۲۸۲۸) اگر مسلمان غلام حربی کی طرف بھاگا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان لے گیا اور مشرکوں نے یہ سب لے لیا، پھر مسلمان نے یہ سب خریدا اور دار الاسلام لے آیا تو آقا غلام کو مفت لے گا اور گھوڑا اور سامان قیمت سے لیگا، اور صاحبینؒ نے کہا کہ غلام اور سامان اگر چاہے تو قیمت سے لیگا۔

ترجمہ: ا؎ اجتماعی حالت کو انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے گا، اور ہر ایک کا حکم ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

الِانْفِرَادِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْحُكْمَ فِي كُلِّ فَرْدٍ (۲۸۲۹)وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَعْتِقُ ؛ ‏ ل لِأَنَّ الْإِزَالَةَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيقٍ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدْ انْقَطَعَتْ وِلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِي يَدِهِ عَبْدًا. ‏ ٢ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ، فَيُقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِيصًا لَهُ، كَمَا يُقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حِيَضٍ مَقَامَ التَّفْرِيقِ فِيمَا إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حربی مسلمان غلام کا مالک نہیں بنے گا اس لیے پہلا آقا اس کو مفت لیگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک حربی غلام کا مالک بن جاتا ہے اس لیے پہلا آقا غلام کو قیمت سے لیگا، اور حربی سامان کا مالک سب کے نزدیک ہوجاتا ہے اس لیے پہلا آقا اس کو قیمت سے لیگا۔ جو حال انفرادی کا ہے وہی حال اجتماعی کا ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۲۹) حربی دارالاسلام میں امن لے کر داخل ہوا اور مسلمان غلام کو خریدا اور دارالحرب لے گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد ہوجائے گا، اور صاحبین نے فرمایا کہ آزاد نہیں ہوگا۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں حربی کا مملوک نہیں ہوگا اس لیے وہ آزاد ہوجائے گا، اور صاحبینؒ کا نظریہ ہے کہ غلام حربی کا مملوک ہوسکتا ہے اس لیے وہ غلام ہی باقی رہے گا۔

تشریح: حربی امن لے کر دارالاسلام میں گیا اور یہاں مسلمان غلام خریدا اور دارالحرب لے گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہوجائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو حربی کی ذلت سے بچانا ضروری ہے اس لیے وہ آزاد ہوجائے گا۔ اور صاحبینؒ کے یہاں وہ حربی کا غلام باقی رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے وہ خرید کر لے گیا، اور ہے بھی غلام اس لیے غلامیت باقی رہے گی۔

ترجمہ: ل اس لیے کہ غلامیت کو زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کو بیچوائے، اور دارالاسلام سے باہر ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہیں کروا سکتا ہے، اس لیے حربی کے ہاتھ میں غلام رہے گا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے، کہ حربی کے ہاتھ سے غلام کو نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قاضی کے ذریعہ اس کو بیچوانے پر مجبور کرے، لیکن چونکہ وہ دارالاسلام سے باہر ہے اس لیے اس کو بیچنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اس لیے اب حربی کے ہاتھ میں غلام باقی رہے گا۔

ترجمہ: ٢ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے اس لیے غلام کو چھٹکارا دلانے کے لیے شرط یعنی اختلاف دارین کو آزادگی کا قائم مقام قرار دے دیا جائے، جیسے تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کرتے ہیں جبکہ دارالحرب میں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوجائے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کی ذلت سے بچانا ضروری ہے، اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اختلاف دارین یعنی دارالحرب میں داخل ہونے کو آزادگی کا سبب مان لیا جائے اور دارالحرب میں جانے سے غلام کو آزاد قرار دیا جائے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ دارالحرب میں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوجائے تو تین حیض گزرنے سے تفریق ہوجاتی ہے، اور تین حیض کو تفریق کے قائم مقام قرار دیا اسی طرح یہاں دارالحرب میں جانے کو آزاد ہونے کا سبب قرار دے دیا جائے۔

(۲۸۳۰)وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِحَرْبِيٍّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَكَذٰلِكَ إِذَا خَرَجَ عَبِيدُهُمْ إِلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ ١ لِمَا رُوِيَ «أَنَّ عَبِيدًا مِنْ عَبِيدِ الطَّائِفِ أَسْلَمُوا وَخَرَجُوا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَضَى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ: هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ» ٢ وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوجِ إِلَيْنَا مُرَاغِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالِالْتِحَاقِ بِمَنَعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إِذَا ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ، وَاعْتِبَارُ يَدِهِ أَوْلَى مِنْ اعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوتًا عَلَى نَفْسِهِ، فَالْحَاجَةُ فِي حَقِّهِ إِلَى زِيَادَةِ تَوْكِيدٍ وَفِي حَقِّهِمْ إِلَى إِثْبَاتِ الْيَدِ ابْتِدَاءً فَلِهٰذَا كَانَ أَوْلَى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: (۲۸۳۰) حربی کا غلام مسلمان ہو گیا اور ہماری طرف آگیا، یا دار الحرب پر ہم غلبہ پا گئے تو غلام آزاد ہو جائے گا، ایسے ہی حربیوں کا غلام مسلمان کے لشکر کی طرف آگیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ: ١ کیوں کہ روایت ہے کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ کی طرف آئے تو آپ نے ان کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا، اور یوں فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں۔

اصول: قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے حربیوں پر قبضہ کر لے تو وہ غلام بن جاتا ہے، لیکن قبضہ کرنے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تو وہ آزاد ہوگا، حربی کے ان غلاموں پر قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو گئے ہیں اس لیے یہ آزاد شمار کیے جائیں گے۔

تشریح: حربی کا غلام مسلمان ہو گیا، اور وہ دار الاسلام آگیا، یا ہم دار الحرب پر قابض ہو گئے، یا غلام مسلمانوں کے لشکر میں آگیا تو ان صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث میں کہ طائف کے موقعہ پر حربی کے غلام کو آزاد قرار دیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان عبدین خرجا یوم الطائف و النبی ﷺ محاصرھم فاعتقھما رسول اللہ ﷺ۔** (طبرانی، باب مقسم عن ابن عباس: ۱۱/۳۰۹، نمبر ۱۲۰۹۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے غلام کو آزاد کر دیا۔

ترجمہ: ٢ اس لیے کہ آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف نکلنے کی وجہ سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، اس لیے کہ اس کی ذات پر پہلے قبضہ ہے، اس کے حق میں زیادہ موکد ہونے کی ضرورت ہے، اور پہلے ہی سے غلام کے حق میں قبضہ ثابت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: غلام آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف آیا تو اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا ہے اس لیے اب اس کو غلام نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

وجہ: کیوں کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس کا قبضہ اپنی ذات پر ہو چکا ہے، صرف اتنی بات تھی کہ اس قبضے کو موکد کیا جائے، پس مسلمانوں کے غلبہ ہونے کی وجہ سے غلام کا قبضہ موکد ہو گیا اس لیے وہ آزاد ہو جائے گا۔

لغت: احرز نفسہ: اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ مراغما: رغم سے مشتق ہے، اس کو چھوڑ دیا۔ **منعۃ المسلمین:** مسلمانوں کا لشکر۔ **و فی حقھم الی اثبات الید ابتداء فکان اولی:** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کا اپنی ذات پر قبضہ پہلے ہے اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ بعد میں ہے، اس لیے غلام کا قبضہ برقرار رکھا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ سے وہ آزاد ہو جائے گا۔

☆☆☆

بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ

(۲۸۳۱)وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ ؛ لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ لَا يَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالِاسْتِئْمَانِ، فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذَلِكَ يَكُونُ غَدْرًا وَالْغَدْرُ حَرَامٌ، إِلَّا إِذَا غَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْ حَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرُهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ؛ لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ نَقَضُوا الْعَهْدَ بِخِلَافِ الْأَسِيرِ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمَنٍ فَيُبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ، وَإِنْ أَطْلَقُوهُ طَوْعًا (۲۸۳۲)فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ أَعْنِي التَّاجِرُ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُورًا

باب المستامن

ترجمہ: (۲۸۳۱)اگر مسلمان دارالحرب میں تاجر بن کر داخل ہوا تو ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ مال یا جان کو چھیڑے۔

ترجمہ: لـ اس لیے کہ ضمان لیا ہے کہ ہم اس کو نہیں چھیڑیں گے، اس لیے اس کے بعد اس کو چھیڑنا غدر ہوگا، اور غدر حرام ہے، ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ غدر کرے، اور ان کے مال کو لے لے، اور ان کو قید کردے، یا بادشاہ کے جانتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی غدر کرے اور بادشاہ اس کو نہ روکے [تو مسلمان امن کے خلاف ورزی کرسکتا ہے] کیوں کہ انہوں نے ہی عہد توڑا ہے۔

تشریح: مسلمان تاجر دارالحرب میں امن لے کر گیا تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کے مال کو اور جان کو نہ چھیڑے اور نہ نقصان پہونچائے، کیوں کہ امن لیتے وقت اس کا عہد کیا ہے، اگر ایسا کیا تو یہ دھوکا ہوگا، اور دھوکا کرنا شریعت میں حرام ہے، ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ دھوکا کرے، یا کوئی حربی دھوکا کرے، مثلا تاجر کے مال کو لے لے، یا تاجر کو قید کرلے، اور باشاہ کو اس کا علم ہو پھر بھی نقصان پہونچانے والے کو نہ روکے تو اب تاجر کے لیے اپنے عہد پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ ان لوگوں نے ہی پہلے عہد توڑا ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ** (آیت ۵۸، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اگر وہ خیانت کرے تو تم اس کو بتلا کر عہد توڑ دو۔ (۲) غدر نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش... قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا** (مسلم شریف، **باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا،** ص ۸۲/۲، نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۲/ ابو داؤد شریف، **باب فی دعاء المشرکین،** ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں بھی غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۲ بخلاف قیدی کے اس لیے کہ اس نے امن نہیں لیا ہے اس لیے اس کے لیے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی، چاہے حربی اس کو خوشی سے چھوڑ دیا۔

تشریح: حربی مسلمانوں کو قید کر کے دارالحرب لے گیا، تو اس نے امن نہیں لیا ہے، اور نہ تعارض کرنے کا عہد لیا ہے، بلکہ یہ تو قیدی ہے اس لیے اس کے لیے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ترجمہ: (۲۸۳۲) پس اگر ان سے غداری کی اور کچھ لے لیا تو اس کا مالک بن جائے گا ممنوع طریقہ پر اور حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کردے۔

الْوُرُودِ الإسْتِيلاءِ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ، إِلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذَلِكَ خُبْثًا فِيهِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْحَظْرَ لِغَيْرِهِ لَا يَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ. (۲۸۳۳)وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَصَبَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يَقْضِ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ؛ أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتَ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا

ترجمه: اس لیے کہ مباح مال پر قبضہ ہو گیا[اس لیے تاجر مالک بن جائے گا] لیکن غدر کے سبب سے حاصل ہوا ہے اس لیے اس میں خباثت ہو گئی اس لیے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

تشریح: تاجر کو غدر نہیں کرنا چاہئے، لیکن غدر کر کے حربیوں کا مال دار الاسلام لے آیا تو تاجر اس کا مالک بن جائے گا، لیکن چونکہ محظور طریقے سے لایا ہے اس لیے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) اور حربیوں کے مال کو غدر کر کے لیا تو ملک محظور ہو گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن المسور بن مخرمة قال خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية في بضع عشرة مائة من اصحابه... وكان المغيرة صحب قوما في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبي ﷺ اما الاسلام فقد قبلنا و اما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فيه** (ابو داؤد شریف، باب في صلح العدو، ۲/ ۲۴، نمبر ۲۷۶۵/ بخاری شریف، **باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وكتابة الشروط** ص ۷۷ ۴، نمبر ۲۷۳۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے کافر ساتھیوں کو دھوکا دے کر قتل کیا اور ان کے مالوں کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسلام تو قبول ہے۔ لیکن مال دھوکے کا ہے اس لیے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اور آپ ﷺ نے اس میں سے خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت محظور ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس مال کو مالک کے ورثہ کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالک ہو گیا (۲) پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمان حربیوں کے مال کا مالک بن جائے تو وہ مالک ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ مال غنیمت کے درجے میں ہے۔ جس طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک بن جائے تو مالک ہو جاتا ہے (۳) دار الحرب لے جا کر واپس کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اس میں جان کا خطرہ ہے اس لیے بھی مسلمان کو مالک قرار دے دیا جائے گا لیکن ملک صحیح نہیں ہے اس لیے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: **تعرض:** عرض سے مشتق ہے چھیڑنا، **غدر:** دھوکا دینا، **محظور:** خبیث۔

ترجمہ: ۲ صدقہ کرنے کا حکم اس لیے دیا جائے گا غیر کی وجہ سے ممانعت آئی ہے اس لیے سبب منعقد ہونے سے نہیں روکے گا۔

تشریح: غدر نہیں کرنا چاہئے، لیکن کر لیا تو مال کا مالک بن جائے گا، لیکن چونکہ یہ محظور ہے اس لیے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۳) مسلمان امن لے کر دار الحرب گیا، پھر حربی نے قرضہ دیا، یا اس نے حربی کو قرضہ دیا، یا دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا پھر یہ مسلمان دار الاسلام آیا اور حربی بھی امن لے کر دار الاسلام آیا تو قاضی دونوں میں سے کسی پر فیصلہ نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ۱ بہر حال قرض کا معاملہ تو قضا کا معاملہ ولایت پر ہے اور قرض لیتے وقت بالکل ولایت نہیں ہے، اور امن لے کر آنے والے حربی پر بھی ولایت نہیں ہے اس لیے کہ قرض دیتے وقت اسلام کا حکم لازم نہیں کیا ہے، صرف مستقبل میں فیصلے کا معاملہ لازم کیا ہے۔

وَقْتَ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ؛ لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَفْعَالِهِ وَإِنَّمَا الْتَزَمَ ذَلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ. ٢ وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِلْكًا لِلَّذِي غَصَبَهُ وَاسْتَوْلَى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهِ مَالًا غَيْرَ مَعْصُومٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ. ٣ وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمَنَيْنِ لِمَا قُلْنَا (٢٨٣٤) وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَصْبِ ١ أَمَّا الْمُدَايَنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيحَةً لِوُقُوعِهَا بِالتَّرَاضِي، وَالْوِلَايَةُ

اصول: یہاں دو مسئلے دار الحرب میں پیش آئے ہیں اور دار الحرب میں قاضی کی ولایت نہیں ہے اس لیے قاضی اس مسئلے میں کوئی فیصلہ نہیں دے پائے گا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے باہمی رضامندی سے قرض کے لین دین کا۔ پھر اس کی بھی تین شکلیں ہیں (۱) ایک مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے اور دوسرا حربی بن کر قاضی کے پاس آئے (۲) دونوں حربی بن کر قاضی کے پاس آئے۔ (۳) دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے [۲] اور دوسرا ہے غصب کرنے کا۔

[۱] مسلمان امن لے کر دار الحرب میں داخل ہوا اور حربی کو قرض دیا یا حربی سے قرض لیا، پھر مسلمان دار الاسلام آیا اور حربی بھی امن لے کر دار اسلام آیا اور قاضی کے سامنے قرض کا مقدمہ پیش کیا تو قاضی کچھ فیصلہ نہیں کرے گا۔

وجہ: (۱) یہ معاملہ دار الحرب میں پیش آیا ہے اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے، اس لیے فیصلہ نہیں دیگا۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ حربی امن لے کر آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں قاضی کا فیصلہ ماننے کے حق میں نہیں ہے، البتہ آج کے بعد آئندہ کے بارے میں جب تک دار اسلام میں رہے گا اس وقت تک قاضی کا فیصلہ ماننے کا وعدہ کرتا ہے، تاہم قرض دیتے وقت فیصلہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے قاضی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے گا۔

ترجمہ: ۲ بہر حال غصب کا معاملہ۔ مسلمان نے غصب کیا تو وہ مالک بن گیا ہے، اس لیے کہ غیر محفوظ مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: مسلمان تاجر کو حربی کا مال غصب نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ وہ امن لے کر داخل ہوا ہے، لیکن اگر کر لیا تو وہ مالک بن جائے گا، کیوں کہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں غیر محفوظ ہے اس لیے اس پر قبضہ کرنے سے مالک بن جائے گا، اگر چہ محظور مال ہو گا۔ غیر معصوم: محفوظ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ اگر دو حربیوں نے یہ کام کیا [قرضہ لیا یا دیا] پھر وہ دونوں امن لے کر دار الاسلام آئے تو [تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا]

تشریح: [۲] یہ قرض کا دوسرا مسئلہ ہے] دو حربی آپس میں قرض کا لین دین کئے، اس میں دونوں کا اختلاف ہو گیا، پھر دونوں امن لے کر دار الاسلام آئے اور قاضی کے سامنے مقدمہ رکھا تو وہ کوئی فیصلہ نہیں دیں گے، کیوں کہ یہ مسئلہ دار الحرب میں پیش آیا تھا اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۳۴) اگر دونوں مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے تو دونوں کے درمیان قرض کا تو فیصلہ کیا جائے گا، لیکن غصب کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ قرض کا فیصلہ اس لیے کیا جائے گا کہ دونوں کی رضامندی سے صحیح واقع ہوا ہے اور فیصلے کے وقت قاضی کی ولایت ثابت ہے

ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِالْتِزَامِهِمَا الْأَحْكَامَ بِالْإِسْلَامِ. ۲ وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ وَلَا خُبْثَ فِي مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتّٰى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ. (۲۸۳۵)وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أُمِرَ بِرَدِّ الْغَصْبِ وَلَمْ يُقْضَ عَلَيْهِ ۱ أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوٰى بِهِ فَلِأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لِمَا يُقَارِنُهُ مِنَ الْمُحَرَّمِ وَهُوَ نَقْضُ الْعَهْدِ (۲۸۳۶)وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَإِ

کیوں کہ دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ولایت مان بھی رہا ہے۔

تشریح: دونوں مسلمان بن کر دار الاسلام آئے تو قاضی قرض کا فیصلہ کرے گا۔

وجہ: دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے فیصلے کے وقت دونوں قاضی کی ولایت مان رہے ہیں اس لیے قاضی قرض کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

ترجمہ: ۲ بہر حال غصب کے بارے میں مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی اور حربی کے مال پر ملکیت ہونے میں کوئی خبث نہیں ہے اس لیے اس کو واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: یہاں صورت حال یہ ہے کہ مسلمان نے حربی کے مال کو دار الحرب میں غصب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے، تو مسلمان جس وقت حربی کے مال پر قبضہ کر رہا تھا اس وقت وہ غیر محفوظ مال تھا اس لیے مسلمان کی ملکیت ہو گئی، اس لیے اب اس کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۵) مسلمان دار الحرب میں امن لے کر داخل ہوا پھر حربی کا مال غصب کر لیا پھر مسلمان ہو کر دونوں قاضی کے پاس آئے تو دیانۃً غصب شدہ مال کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ لوٹانے کا فیصلہ اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ مسلمان غیر محفوظ مال کا مالک بنا ہے، لیکن دیانۃً مال لوٹانے کا حکم اس لیے دیا جائے گا کہ فاسد طریقے سے مسلمان مالک بنا ہے کیوں کہ اس نے عہد توڑا ہے۔

تشریح: اس مسئلے کی صورت اوپر بیان کی ہے، کہ مسلمان نے دار الحرب میں حربی کا مال غصب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان ہو کر قاضی سے فیصلہ چاہا تو قاضی مال لوٹانے کا فیصلہ نہیں کرے گا، لیکن دیانت کے طور پر کہے گا کہ اس کے مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

وجہ: فیصلہ اس لیے نہیں کرے گا کہ حربی کا غیر معصوم مال پر مسلمان کا قبضہ ہوا ہے اس لیے وہ اس کا مالک بن گیا ہے، لیکن مسلمان نے عہد توڑ کر ایسا کیا ہے اس لیے محظور طریقے سے مالک بنا ہے اس لیے دیانت کے طور پر کہا جائے گا کہ مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

لغت: **مرادہ الفتوی بہ:** امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ لوٹانے کا فتوی نہیں دیا جائے گا، لیکن دیانۃً لوٹانے کے لیے کہا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۶) دو مسلمان امن لے کر دار الحرب گئے، اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، جان کر قتل کیا ہو، یا بھول میں تو قاتل پر اس کے مال میں دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا۔

أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِإِطْلَاقِ الْكِتَابِ، وَالدِّيَةُ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُولِ بِالْأَمَانِ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ إِلَّا بِمَنَعَةٍ، وَلَا مَنَعَةَ دُونَ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ؛ وَفِي الْخَطَإِ لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوبُ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا.

(۲۸۳۷) وَإِنْ كَانَا أَسِيرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ أَسِيرًا فَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ

ترجمہ: ۱۔ کفارہ اس لیے لازم ہوگا کہ آیت میں مطلق ہے[یعنی دارالاسلام، اور دارالحرب کی قید نہیں ہے۔ اور دیت اس لیے لازم ہوگی کہ وہ پہلے سے دارالاسلام میں تھا، جو امن لے کر دارالحرب میں داخل ہونے سے ختم نہیں ہوگا، اور قصاص اس لیے لازم نہیں ہوگا، کہ اس کے وصول کرنے کے لیے مضبوط اسلامی حکومت چاہئے، اور دارالحرب میں جماعت مسلمین اور امام نہیں ہے[اس لیے قصاص وصول کون کرے گا]

اور قتل عمد میں دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگا، کیوں کہ عمد کی دیت خاندان والوں پر لازم نہیں ہوتی۔

اور قتل خطاء میں بھی دیت قاتل کے مال ہی پر لازم ہوگی[خاندان والوں پر اس لیے لازم نہیں ہوگی] کہ دارالحرب کی وجہ سے قتل سے بچانے کی خاندان والوں کو قدرت نہیں ہے۔ اور خاندان والوں پر اسی لیے دیت لازم ہوتی ہے کہ اس نے قتل کرنے سے روکا نہیں۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں سب کے احکام اور دلیل سمجھیں۔

[۱] دو مسلمان دارالحرب میں داخل ہوئے اور ایک نے دوسرے کو قتل عمد کر دیا، تو قاعدے کے اعتبار سے اس پر قصاص لازم ہونا چاہئے، لیکن قصاص وصول کرنے کے لیے قاضی چاہئے اور دارالحرب میں قاضی نہیں ہے اس لیے قصاص لازم نہیں ہوگا، لیکن دیت لازم ہوگی، اس کی وجہ ہے کہ دونوں مسلمان ہیں اس لیے دیت کے احکام کو قاتل بھی اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اس لیے دیت[جان کی قیمت] لازم ہوگی۔ لیکن یہ دیت خود قاتل کے مال میں لازم ہوگی، کیوں کہ قتل عمد کی دیت عاقلہ[خاندان] پر لازم نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقتول کی جان مفت میں نہ چلی جائے اس لیے قاتل پر کم سے کم دیت تو لازم ہوگی۔

[۲] اگر قتل خطاء[غلطی] سے قتل کیا تو اس میں دو چیزیں لازم ہوتی ہیں دیت اور کفارہ۔ کفارہ اس لیے لازم ہوگا کہ آیت میں کفارہ لازم کیا ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دارالحرب میں نہ ہو اس لیے دارالحرب میں قتل کیا تب بھی کفارہ لازم ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ قاتل مسلمان ہے جس نے دارالحرب میں بھی اپنے اوپر کفارہ لازم کیا ہے، اس کے لیے آیت یہ ہے۔ **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ** (آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں دیت کا بھی ذکر ہے اور کفارے کا بھی ذکر ہے۔

قتل خطاء میں قاعدے کے اعتبار سے عاقلہ یعنی قاتل کے خاندان والوں پر دیت لازم ہوتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا، لیکن یہاں خود قاتل کے مال میں دیت لازم ہوگی، کیوں کہ عاقلہ دارالحرب جا کر قتل سے نہیں روک سکتا اس لیے اس پر دایت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۸۳۷) اگر دونوں قیدی ہوں اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا، یا مسلمان تاجر نے قیدی کو قتل کیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہوگا، ہاں قتل

إلا الكفارة في الخطإ عند أبي حنيفة، وقالا: في الأسيرين الدية في الخطإ والعمد ؛ ١ لأن العصمة لا تبطل بعارض الأسر كما لا تبطل بعارض الاستئمان على ما بيناه، وامتناع القصاص؛ لعدم المنعة وتجب الدية في ماله لما قلنا. ولأبي حنيفة أن بالأسر صار تبعا لهم؛ لصيرورته مقهورا في أيديهم، ولهذا يصير مقيما بإقامتهم ومسافرا بسفرهم فيبطل به الإحراز أصلا وصار كالمسلم الذي لم يهاجر إلينا، وخص الخطأ بالكفارة؛ لأنه لا كفارة في العمد عندنا.

خطاء میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ لازم ہوگا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قیدی ہوں تو قتل خطاء اور قتل عمد میں دیت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ قید کی وجہ سے مقتول کی عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ امن لینے کی وجہ سے عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ قصاص تو اس لیے نہیں لیا جائے گا کہ اسلامی حکومت نہیں ہے، اور دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قید کی وجہ سے دار الحرب کا تابع ہو گیا، اس لیے کہ اس کے ہاتھ میں مجبور ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اس کے قابض کے مقیم ہونے سے یہ مقیم ہوگا، اور اس کے مسافر ہونے سے یہ مسافر ہوگا، اس لیے دار الاسلام کی حفاظت باطل ہوگئی، اور اس مسلمان کی طرح ہو گیا جو دار الاسلام تک ہجرت نہیں کی، اور قتل خطاء میں کفارہ اس لیے ہے کہ قتل عمد میں ہمارے نزدیک کفارہ نہیں ہے۔

اصول: یہاں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قید ہونیکی وجہ سے یہ قتل کے قانون میں دار الحرب کے تابع ہو گیا، اب اس پر حرب کا قانون چلے گا اسلامی قانون نہیں چلے گا، البتہ چونکہ یہ مسلمان ہے اس لیے قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ قید ہونے کے باوجود چونکہ یہ مسلمان ہے اس لیے قتل میں اسلامی قانون چلے گا، اور قاتل کو دیت دینی ہوگی۔ اور قتل خطاء میں کفارہ بھی دینا ہوگا۔

تشریح: دو مسلمان آدمی قید ہو کر دار الحرب گئے، اب ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ قتل عمد میں دیت لازم ہوگی، اور نہ قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی، صرف قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ: جب یہ دار الحرب والوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تو وہ حربی قانون کے تحت میں مجبور ہو گیا، اس لیے اب اس پر حربی قانون کی بنیاد پر قتل کی قیمت وغیرہ دینی ہوگی، اسلامی قانون کی بنیاد پر نہ قتل خطاء کی دیت ہے، اور نہ قتل عمد کا قصاص ہے، اور نہ اس کی دیت ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔ اگر دار الحرب میں کوئی مسلمان ہو جائے اور قتل کر دے تو اس پر دیت لازم نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ، جس طرح دار الحرب میں امن لینے سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوتا اسی طرح قید ہونے سے بھی اس سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوگا، اس لیے اسلامی قانون کے تحت قاتل کو قتل عمد کی دیت ہوگی، کیوں کہ دار الحرب میں قاضی نہ ہونے کی وجہ سے قصاص نہیں لیا جا سکتا ہے، اس لیے مفت جان نہ جائے اس لیے اس کی دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا، اور دیت خود قاتل پر لازم ہوگی، اور اس کے خاندان پر لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ دار الحرب میں قتل سے روکنے نہیں جا سکیں گے۔

☆☆☆

فَصْلٌ

قَالَ: (۲۸۳۸)وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمَنًا لَمْ يُمَكَّنْ أَنْ يُقِيمَ فِي دَارِنَا سَنَةً وَيَقُولُ لَهُ الْإِمَامُ: إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ

فصل فی بیان حکم المستامن من اهل الحرب

ترجمہ: (۲۸۳۸) اگر حربی ہمارے ملک میں امن لے کر آیا تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں ایک سال ٹھہرے۔ اور امام اس کو کہے کہ اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا۔

تشریح: حربی کو دار الاسلام میں زیادہ دیر تک ٹھہرانے سے وہ جاسوسی کر سکتا ہے اور دار الاسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن آنے جانے کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے تو تجارت بند ہو سکتی ہے اس لیے امن لے کر آ تو سکتا ہے۔ لیکن سال بھر تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے پہلے دار الحرب چلا جائے۔ اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو اس کو اب ذمی بنا لیا جائے گا اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور واپس دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) حربی قلبی اعتبار سے نجس ہے۔ اس کا ہمارے یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا** (آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ مشرک ناپاک ہے اس کو مسجد حرام کے قریب نہ ہونے دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الاسلام میں بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔ (۲) اس حدیث میں مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم ہے۔ **سمع ابن عباس ؓ یقول یوم الخمیس و ما یوم الخمیس... فامرھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب** (بخاری شریف، باب اخراج الیهودی من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۹ نمبر ۳۱۶۸/ مسلم شریف، باب اخراج الیهود و النصاری من جزیرۃ العرب، ۲/ ۹۴ نمبر ۱۷۶۷/ ۴۵۹۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین دار الاسلام میں نہ رہیں (۳) قول صحابی میں ہے۔ **ان عمر ؓ بن الخطاب ضرب للیهود و النصاری و المجوس بالمدینة اقامة ثلاثة ایام یتسوقون بها و یقضون حوائجهم و لا یقیم احد منهم فوق ثلاث لیال** (سنن للبیہقی، باب الذمی یمر بالحجاز مارا لا یقیم ببلد منها اکثر من ثلاث لیال، ۹/ ۳۵۳، نمبر ۱۸۷۶۲) اس اثر میں ہے کہ نصاری اور مجوس تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے (۴) اور سال ٹھہرنے پر ذمی بنا لیا جائے گا اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **عن زیاد بن حدیر قال کتبت الی عمر فی اناس من اهل الحرب یدخلون ارضنا ارض الاسلام فیقیمون قال فکتب الیّ عمر ؓ ان اقاموا ستة اشهر فخذ منهم العشر و ان اقاموا سنة فخذ منهم نصف العشر** (سنن للبیہقی، باب ما یؤخذ من الذمی اذا اتجر فی غیر بلده و الحربی اذا دخل بلاد الاسلام بامان، ۹/ ۳۵۴، نمبر ۱۸۷۷۱) اس اثر میں ہے کہ اگر حربی سال بھر ٹھہر جائے تو اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم کرو۔ اور بیسواں ذمی سے لیا جاتا ہے۔ اور دسواں حصہ حربی سے لیا جاتا ہے۔ اس لیے سال بھر ٹھہرنے سے بیسواں حصہ اور چھ ماہ ٹھہرنے سے دسواں حصہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ چھ مہینے تک میں حربی رہے گا اور سال بھر رہنے میں ذمی بن جائے گا۔ اور جو ذمی بن جاتا ہے اس کو ہمیشہ دار الاسلام میں رہنا پڑتا ہے۔ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

اِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكَّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِي دَارِنَا إِلَّا بِالِاسْتِرْقَاقِ أَوْ الْجِزْيَةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَيَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِينَ، وَيُمَكَّنُ مِنْ الْإِقَامَةِ الْيَسِيرَةِ؛ لِأَنَّ فِي مَنْعِهَا قَطْعَ الْمِيرَةِ وَالْجَلَبِ وَسَدَّ بَابِ التِّجَارَةِ، فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ؛ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيهَا الْجِزْيَةُ فَتَكُونُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ، ٢ ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلَى وَطَنِهِ فَلَا سَبِيلَ عَلَيْهِ، وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا الْجِزْيَةَ فَيَصِيرُ ذِمِّيًّا، ٣ وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُؤَقِّتَ فِي ذَلِكَ مَا دُونَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ (۲۸۳۹) وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالِ الْإِمَامِ يَصِيرُ ذِمِّيًّا لِمَا قُلْنَا ثُمَّ لَا يُتْرَكُ أَنْ يَرْجِعَ

ترجمہ: ا اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دار الاسلام میں ہمیشہ ٹھہرانا ممکن نہیں ہے مگر غلام بنا کر یا جزیہ مقرر کر کے، اس لیے کہ وہ ہمارے خلاف جاسوس بن سکتا ہے، اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، اور تھوڑی دیر تک رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے اس لیے کہ اس سے منع کرنے میں غلے کی کمی ہوگی، اور حیوانات کے آنے میں کمی آجائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لیے ہم نے ایک سال کی حد مقرر کی ہے، اس لیے کہ یہ مدت اتنی ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اس لیے اس کا ٹھہرنا جزیہ کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دار الاسلام میں نہیں رہنے دینا چاہئے، کیوں کہ وہ ہمارے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے، جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، لیکن مکمل بند کرنے میں غلہ کہاں سے آئے گا، حیوانات کا آنا بند ہو جائے اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لیے کچھ دنوں تک رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اور اس کی مدت ایک سال مقرر کی گئی ہے، کیوں کہ ایک سال میں جزیہ لازم ہوتا ہے۔

لغت: **عین:** جاسوس: آنکھ۔ **عونا علینا:** ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے۔ **میرۃ:** کھانا، غلہ جس کو ذخیرہ کر کے رکھے۔ **جلب:** جو چیز ہانک کر دوسرے ملکوں سے لایا جائے، مثلا گھوڑا، بکری وغیرہ۔ **سد:** بند کرنا۔

ترجمہ: ۲ پھر اگر امام کے کہنے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے دار الحرب چلا گیا تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو وہ ذمی ہے، اس لیے کہ امام کے کہنے کے بعد سال بھر تک ٹھہرا رہا تو اس نے خود ہی جزیہ لازم کر لیا اس لیے وہ ذمی ہو جائے گا۔

تشریح: امام کے کہنے کے بعد حربی دار الحرب چلا گیا تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن کہنے کے باوجود ایک سال تک رہ گیا تو گویا کہ خود اپنے سے جزیہ لازم کیا ہے، اس لیے وہ ذمی بن جائے گا۔

لغت: **تقدم الیہ:** اس کو اس کا حکم دیا۔

ترجمہ: ۳ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سال سے کم کی مدت متعین کر دے، مثلا ایک ماہ دو ماہ کے اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

تشریح: سال کی مدت تو زیادہ سے زیادہ ہے، لیکن امام کو یہ بھی حق ہے کہ ایک دو ماہ کی مدت متعین کرے اور کہے کہ اس کے اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

ترجمہ: (۲۸۳۹) پس اگر سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ بھی ذمی ہوگا۔ اور اب دار الحرب واپس ہونے کی اجازت نہیں دیگا۔

إلَى دَارِ الْحَرْبِ، ۱؎ لِأَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لَا يُنْقَضُ، كَيْفَ وَأَنَّ فِيهِ قَطْعَ الْجِزْيَةِ وَجَعْلَ وَلَدِهِ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِينَ. (۲۸۴۰) فَإِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَاشْتَرَى أَرْضَ خَرَاجٍ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛ ۱؎ لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ، فَإِذَا الْتَزَمَهُ صَارَ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ فِي دَارِنَا، أَمَّا بِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَا يَصِيرُ ذِمِّيًّا؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَشْتَرِيهَا لِلتِّجَارَةِ، ۲؎ وَإِذَا لَزِمَهُ خَرَاجُ الْأَرْضِ فَبَعْدَ ذَلِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذِمِّيًّا بِلُزُومِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوبِهِ.

ترجمہ: ۱؎ پھر عقد ذمہ توڑتا نہیں ہے، اور کیسے توڑیں اس سے جزیہ کم ہو جائے گا، اور اس کی نسل حربی بن جائے گی جس میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

تشریح: امام کے کہنے کے باوجود حربی ایک سال تک دار الاسلام میں رہ گیا تو یہ اب خود ہی ذمی بن گیا، اب اس کو دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) کیوں کہ دار الحرب جائے گا تو اس سے جزیہ کم ہو جائے گا۔ اس کی نسل پھر حربی بن جائے گی جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا، اس لیے اس کو دوبارہ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی (۲) ذمی پر جزیہ لازم کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدله من المعافری ثیاب تکون بالیمن** (ابو داؤد شریف، **باب فی اخذ الجزیۃ** ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸ / بخاری شریف، **باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب**، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کے سر پر جزیہ لازم کیا جائے گا۔

نوٹ: جو ذمی ہوتا ہے اس کے سر پر جزیہ لازم ہوتا ہے جو ہر سال میں ایک دینار ہے۔ اور اس کی تجارت کے مال میں بیسواں حصہ خراج لازم ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تجارت کے مال میں چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہوتی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۰) حربی دار الاسلام میں امن لے کر داخل ہوا اور اس نے خراجی زمین خریدی اور اس پر خراج لازم کر دیا گیا تو حربی ذمی بن گیا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ زمین پر خراج سر پر خراج لازم کرنے کے درجے میں ہے، پس جب خراج لازم کر لیا تو دار الاسلام میں رہنے کا ٹھان لیا، صرف خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا اس لیے کہ کبھی تجارت کے لیے بھی خراجی زمین خریدتا ہے۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خراجی زمین خریدنے اور اس پر خراج واجب کرنے سے بھی حربی ذمی بن جاتا ہے۔ جس طرح ایک سال ٹھہرنے سے ذمی بنتا ہے۔

تشریح: حربی ہمارے یہاں آیا اور خراجی زمین خریدی اور اس پر خراج واجب کیا تو جس وقت خراج واجب کیا اسی وقت سے وہ ذمی بن گیا، محض خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا کیوں کہ کبھی تجارت کے لیے بھی خراجی زمین خریدتا ہے، ہاں خراج واجب کرے گا تب جا کر وہ ذمی بنے گا اور اس پر ذمی کے سارے احکام لاگو ہوں گے۔

ترجمہ: ۲؎ اور جب زمین پر خراج لازم ہوا تو اس کے بعد اگلے سال کا جزیہ بھی لازم ہو جائے گا، اس لیے کہ خراج لازم ہونے سے ذمی

۳؎ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ أَحْكَامٌ جَمَّةٌ فَلَا يَغْفُلُ عَنْهُ. (۲۸۴۱)وَإِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً ؛ ۱؎ لِأَنَّهَا الْتَزَمَتْ الْمُقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ (۲۸۴۲)وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَيَرْجِعَ إِلَى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ. (۲۸۴۳)وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ

ہو گیا تو خراج واجب ہونے کے وقت سے جزیہ کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: جب سے خراج لازم ہوا اس وقت سے یہ ذمی بن گیا، اور اس وقت سے اگلے سال تک میں ایک سال پورا ہوگا، اور ذمی پر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ جامع صغیر میں یہ جملہ ہے کہ جب خراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ خراج واجب ہونے کی شرط سے ذمی بن جاتا ہے، اور اس پر ذمی کے بہت سے احکام متفرع ہوں گے اس لیے اس نکتہ کو نہیں بھولنا چاہئے۔

تشریح: متن میں ہے۔ **فاذا وضع علیه الخراج فهو ذمی:** یہ قاعدہ کلیہ ہے، کہ جب حربی پر خراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا، اور جب سے ذمی بنا تو اس وقت سے اس پر ذمی کے تمام احکام نافذ ہوں گے، اس لیے یہ جملہ قاعدہ کلیہ ہے اس کو بھولنا نہیں چاہئے۔

ترجمہ: (۲۸۴۱) اگر حربی عورت امن لے کر دار الاسلام داخل ہوئی اور کسی ذمی سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ بن جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ شوہر کے تابع ہو کر یہاں رہنے کا التزام کر لیا [اس لیے وہ ذمی ہو جائے گی]

اصول: ذمی کے تابع ہو جائے تب بھی ذمی بن جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۲) حربی امن لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا اور ذمیہ سے شادی کی تو ذمی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کو طلاق دے دے اور اپنے شہر [دار الحرب] کی طرف لوٹ جائے اس لیے یہاں رہنے کا التزام نہیں کیا ہے [اس لیے وہ ذمی نہیں بنے گا]

اصول: مرد عورت کے تابع نہیں ہوتا اس لیے ذمیہ سے شادی کرنے سے حربی ذمی نہیں بنے گا، ہاں سال بھر تک رہ جائے گا تو اس سال بھر کے رہنے سے ذمی بن جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۳) اگر دار الحرب لوٹ گیا اور مسلمان یا ذمی کے پاس امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ قرض چھوڑ گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کا امن ختم ہو گیا۔

تشریح: جو حربی دار الاسلام میں آ کر ذمی بن گیا اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دار الحرب واپس نہ جائے۔ لیکن اگر چلا گیا تو شرط توڑنے

(۲۸۴۴) وَمَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ، فَإِنْ أُسِرَ أَوْظُهِرَعَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهُ وَصَارَتْ

کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہوگیا اور اس کا خون مباح ہوگیا۔

وجہ: (۱) ذمی کو دار الحرب میں گھر بنانے کی اجازت دی جائے تو وہ جاسوسی کرے گا اور ہمارے خلاف تعاون کرے گا اس لیے یا ذمی بن کر دار الاسلام میں ہمیشہ رہے یا دار الحرب میں رہائش پذیر ہوجائے اور حربی ہوجائے۔ پس اگر وہ حربی ہوگیا تو اس پر حربی کا حکم جاری ہوگا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کرنا حلال ہوگا (۲) شرط کے خلاف کرنے سے مباح الدم ہوجاتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمر ؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجأهم الى قصرهم فصالحوه على ان لرسول الله ﷺ الصفراء والبيضاء والحلقة ولهم ما حملت ركابهم على ان لا يكتموا ولا يغيبوا شيئا فان فعلوا فلا ذمة لهم ولا عهد فغيبوا مسكا لحيى بن اخطب... فوجدوا المسك فقتل ابن ابى الحقيق وسبى نساء هم وذراريهم** (ابوداؤد شریف، **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر**، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں حی بن اخطب کے مشک کو چھپا کر عہد کی خلاف ورزی کی تو ابن ابی حقیق کو قتل کیا گیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا گیا۔ اسی طرح یہاں ذمی نے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ حربی بن جائے گا اور اس کا خون مباح ہوجائے گا (۳) قول تابعی میں ہے۔ **سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة يوخذ فى اهل الشرك وقد اشترط عليهم ان لا يأتيهم فيقول لم ارد عونهم فكره قتله الا ببينة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شيئا واحدا مما عليه فقد نقض الصلح** (مصنف عبد الرزاق، **باب المشرک یأتی المسلم بغیر عهد**، ج ۵، ص ۱۹۸، نمبر ۹۱۷۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ گیا اس لیے وہ حربی ہوگیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہوگیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو دار الحرب بھاگ گیا وہ حربی ہوگیا اور اس کا خون اور اس کا مال مباح ہوگیا۔

لغت: **ودیعة:** امانت۔

ترجمہ: (۲۸۴۴) اور جو دار الاسلام میں اس کا مال ہو وہ خطرے میں ہوگیا۔ پس اگر قید کر لیا گیا یا دار الحرب پر غلبہ ہوگیا اور قتل کیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہوجائے گا اور امانت غنیمت ہوجائے گی۔

تشریح: اس حربی کی دو حالتیں ہیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں

[۱] پہلی حالت۔ یہاں دار الحرب مجاہدین کے قبضے میں آگیا اس لیے حربی کا جو مال دار الاسلام میں تھا وہ سب مال غنیمت میں آیا گیا، پھر حربی نے مجاہدین سے جنگ کیا تھا اور اس میں قتل بھی ہوا ہے اس لیے وہ محکوم ہوا اور اس کے تابع ہو کر اس کا مال بھی غنیمت میں شمار ہوگیا، اس لیے جو مال امانت کا تھا وہ مال غنیمت ہوگیا، اور جو قرض کا تھا وہ مقروض کے پاس ہی رہ جائے گا۔

وجہ: (۱) قرض کا مال قرض والے کے پاس اس لیے رہ جائے گا کہ مال مباح پر جس کا قبضہ ہوجائے وہ اسی کا ہوجاتا ہے۔ یہاں قرض والے کا پہلے سے قبضہ ہے اس لیے قرض والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔ اس سے واپس لے کر مال غنیمت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابيها اسمر بن مضرس قال اتيت النبى ﷺ فبايعته فقال من سبق الى ما لم يسبقه اليه مسلم فهو له** (ابوداؤد شریف، **باب فی اقطاع الارضین**، ص ۸۷، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جس کا پہلے قبضہ ہوجائے وہ مال اسی کا ہے۔

الْوَدِيعَةُ فَيْئًا إِمَّا الْوَدِيعَةُ فَلِأَنَّهَا فِي يَدِهِ تَقْدِيرًا؛ لِأَنَّ يَدَ الْمُودَعِ كَيَدِهِ فَيَصِيرُ فَيْئًا تَبَعًا لِنَفْسِهِ، ۲ وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِأَنَّ إِثْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ، وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ أَسْبَقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ (۲۸۴۵)وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ الْوَدِيعَةُ لِوَرَثَتِهِ ا وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ، لِأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُومَةً فَكَذَلِكَ مَالُهُ، وَهَذَا لِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِي مَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ. قَالَ: (۲۸۴۶)وَمَا أَوْجَفَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا

اور امانت کا مال کسی کے قبضے میں نہیں ہے وہ تو حقیقت میں حربی ہی کا ہے اس لیے وہ غنیمت میں آکر مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

وجہ: اوپر ابن ابی الحقیق والی حدیث میں گزرا کہ عہد توڑنے کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا اور اس کی اولاد اور بیوی قید کر لی گئی۔ **عن ابن عمر ؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقیق وسبی نساء هم وذراریهم** (ابوداؤد شریف، **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر**، ص ۶۸ نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں ہے کہ عہد توڑنے والے کا مال غنیمت ہوگا۔ کیوں کہ یہودیوں کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی چیز چھپائے نہیں۔ اور ابن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب کا مشک چھپایا اور عہد توڑا اس لیے وہ قتل کیا گیا۔

ترجمہ: ا امانت کے بارے میں صورت یہ ہے کہ امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے، اس لیے مال حربی کے تابع ہو کر غنیمت ہو جائے گا۔

تشریح: حربی نے جس کے پاس امانت رکھا تھا اس امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے اس لیے حربی کے تابع ہو کر یہ مال بھی غنیمت میں شامل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور قرضہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جس کے پاس قرضہ ہے اس کا قبضہ ثابت ہے مطالبہ کی وجہ سے اور حربی کی موت کی وجہ سے اس کا مطالبہ ختم ہو گیا، اور عام لوگوں کے قبضے کی بنسبت مقروض کا قبضہ پہلے ہے اس لیے چیز اسی کی رہ جائے گی۔

تشریح: حربی مطالبہ کرے گا تو قرضے والے کے پاس سے قرضہ ملے گا، اور حربی کی موت کی وجہ سے اس کا مطالبہ ساقط ہو گیا، اس لیے جس کے پاس رقم تھی اسی کی رہ گئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ مجاہدین کا قبضہ بعد میں ہے اور مقروض کا قبضہ پہلے ہے اس لیے مقروض کو رقم مل جائے گی۔

ترجمہ: (۲۸۴۵) اور اگر دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا، اور وہ حربی قتل کیا گیا تو قرض اور امانت کا مال حربی کے ورثہ کو ملے گا۔

ترجمہ: ا ایسے ہی حربی خود بخود مر گیا اور اس کا مال غنیمت نہیں بنا تو اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امن کا حکم اس کے مال کے بارے میں کسی نہ کسی درجے میں باقی ہے، اس لیے مال حربی کو لوٹا دیا جائے گا، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گا۔

اصول: دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو اس حربی کا مال غنیمت نہیں ہوا اس لیے اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

تشریح: [۲] یہ دوسری صورت ہے۔ دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا اس لیے حربی کی جان اور اس کا مال غنیمت نہیں ہوئی، اس لیے حربی قتل کیا گیا ہو، یا اپنی موت مرا ہو دونوں صورتوں میں اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

وجہ: کیوں کہ پچھلے امن لینے کا اثر ابھی بھی باقی ہے، اس لیے حربی زندہ ہے اس کو ملے گا، اور وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثہ کو ملے گا۔

لغت: **اسرو:** قید کیا گیا، مشتق ہے اسیر سے، **فیئا:** مال غنیمت۔

ترجمہ: (۲۸۴۶) مسلمانوں نے جو کچھ اہل حرب کا مال لیا بغیر قتال کے تو وہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ خراج

يُصْرَفُ الْخَرَاجُ. قَالُوا: هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِي الَّتِي أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجِزْيَةِ وَلَا خُمُسَ فِي ذَلِكَ.

کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: علماء نے فرمایا جیسے وہ زمین جس سے وہاں کے لوگوں کو بھگا دیا گیا، یا جزیہ کا مال، اور اس میں خمس نہیں ہے۔

اصول: اس متن میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مال کو مجاہدین لڑ کر حاصل نہ کیا ہو بلکہ بغیر لڑے حاصل ہوا ہو اس میں خمس بھی نہیں ہے، اور وہ مال مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں ہوگا، پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ ہوگا۔

تشریح: قتال کے بغیر صرف رعب سے وہ لوگ جھک گئے اور صلح کر لی تو اس مال کو فئی کہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہیں کریں گے۔ بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

وجہ: (۱) مال غنیمت اور مال فئی کا فرق اس قول تابعی میں مذکور ہے۔ **عن الثوری قال الفیئ و الغنیمة مختلفان، اما الغنیمة فما اخذ المسلمون فصار فی ایدیهم من الکفار و الخمس فی ذلک الی الامیر یضعه حیث ما امر الله، و الاربعة الاخماس الباقیة للذین غنموا الغنیمة، و الفیئ ما وقع من صلح بین الامام و الکفار فی اعناقهم و ارضهم و زرعهم و فیما صولحوا علیه مما لم یأخذه المسلمون عنوة، و لم یحوزوه و لم یقهروه علیه حتی وقع فیه بینهم صلح، قال فذلک الصلح الی الامام یضعه حیث امر الله** (مصنف عبد الرزاق، **باب الغنیمة و الفیئ مختلفان:** ۵/ ۲۰۹ نمبر ۹۷۷۸) اس قول تابعی میں مال غنیمت اور مال فئی کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور بتایا کہ صلح کے مال کو مال فئی کہتے ہیں۔

مال فئی کو امور المسلمین میں خرچ کرے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ** (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے۔ اللہ نے جو فئی دیا وہ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس میں خمس بھی نہیں ہے۔ اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ امت کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کی تائید ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ایما قریة اتیتموها و اقمتم فیها فسهمکم فیها و ایما قریة عصت الله و رسوله فان خمسها لله و لرسوله** — **ایما قریة افتتحها الله و رسوله فهی لله و لرسوله، و ایما قریة افتتحها المسلمون عنوة فخمسها لله و لرسوله و بقیتها لمن قاتل علیها** (ج) (سنن للبیہقی، **باب من رای قسمة الاراضی المغنومة و من لم یرها،** ۹/ ۲۳۴ نمبر ۱۸۳۹۳) اس حدیث میں ہے جس کو مجاہدین نے فتح کیا اس میں مجاہدین کے چار حصے ہیں، اور جس کو مجاہدین نے فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے رعب سے دشمن نے صلح کر لی وہ سب مال نوائب المسلمین کے لیے ہوگا اور اس کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **عن ابن عباس ؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران علی الفیئ حلة النصف فی صفر و النصف فی رجب یودونها الی المسلمین** (ابو داود شریف، **باب فی اخذ الجزیة:** ۲/ ۴۷، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ اہل نجران سے جو صلح ہوئی تھی اس مال میں خمس نہیں لیا جاتا تھا۔ اور نہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا تھا۔ بلکہ پورا مال مسلمانوں کے کام آتا تھا۔ (۴) اس کی طرف بھی صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **ان عمر بن عبد العزیز کتب ان من**

۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: فِيهِمَا الْخُمُسُ اعْتِبَارًا بِالْغَنِيمَةِ. ۳ وَلَنَا مَا رُوِيَ " أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَخَذَ الْجِزْيَةَ " وَكَذَا عُمَرُ وَمُعَاذٌ، وَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ ۴ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ، بِخِلَافِ الْغَنِيمَةِ، لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِينَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمُسَ بِمَعْنًى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُونَ بِمَعْنًى، وَفِي هَذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْخُمُسِ. (۲۸۴۷) وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَأَوْلَادٌ صِغَارٌ وَكِبَارٌ وَمَالٌ أَوْدَعَ بَعْضَهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضَهُ حَرْبِيًّا

سال عن مواضع الفئی فہو ما حکم فیہ عمر ابن الخطاب فراہ المومنون عدلا موافقا لقول النبی ﷺ جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبہ، فرض الاعطیۃ للمسلمین و عقد لاہل الادیان ذمۃ بما فرض علیہم من الجزیۃ لم یضرب فیہا بخمس و لا مغنم۔ (ابو داود شریف، **باب فی تدوین العطاء**، ص ۴۳۰ نمبر ۲۹۶۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مال غنیمت کا نہ ہو اس میں خمس نہیں ہے اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

لغت: او جف: گھوڑا دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کر لینا۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس مال میں خمس ہوگا مال غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اس مال میں بھی خمس کے قائل ہیں، جس طرح مال غنیمت میں خمس دیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مقام ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا، ایسے ہی حضرت عمر نے اہل عراق سے جزیہ لیا تھا، اور حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جزیہ لینے کا حکم دیا تھا اور اس کو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں لیا گیا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ نے اور حضرت معاذؓ نے جزیہ لیا اور اس کو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں نکالا، اسی طرح وہ مال جو بغیر لڑے حاصل ہوا ہے اس میں خمس نہیں نکالا جائے گا، بلکہ پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کیا جائے گا۔

وجہ: حضور ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، حضرت معاذ نے اہل یمن سے جزیہ لیا اس کا ذکر اس حوالے میں ہے (ابو داود شریف، **باب فی اخذ الجزیہ**، ص ۴۴۵ نمبر ۳۰۴۱ / ۳۰۳۸ / ابو داود شریف، **باب فی اخذ الجزیہ من المجوس**، ص ۴۴۵ نمبر ۳۰۴۳)

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ یہ مال بغیر قتال کے مسلمانوں کی قوت سے لیا گیا ہے، بخلاف غنیمت کے اس لیے کہ وہ مجاہدین کی شرکت سے آئی ہے اور مسلمانوں کی قوت سے بھی آئی ہے اس لیے اس میں خمس کا مستحق ہوا اور ایک معنی سے مجاہد بھی اس کے مستحق ہوئے، اور یہاں فئی میں ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اس لیے خمس کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ کہہ رہے ہیں۔ مال غنیمت دو آدمیوں کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، ایک ہے مسلم امہ کا رعب، اور دوسرا ہے مجاہدین کا قتال، چونکہ یہ دونوں کی شراکت سے مال غنیمت حاصل ہوتا ہے، اس لیے ایک خمس مسلم امہ کو دیا گیا، اور باقی چار حصے مجاہدین کو دیا گیا۔ اور فئی کا مال صرف مسلم امہ کے رعب سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس میں خمس نہیں ہے، پورا مال مسلم امہ کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۷) اگر کوئی حربی دار الاسلام میں داخل ہو جائے اور اس کی بیوی، اور چھوٹی اولاد، اور بڑی اولاد دار الحرب میں ہیں۔ اور مال ذمی کے پاس، اور حربی کے پاس، اور مسلمان کے پاس امانت رکھا اور حربی دار الاسلام میں مسلمان ہو گیا پھر دار الحرب پر قبضہ ہو

وَبَعْضُهُ مُسْلِمًا فَأَسْلَمَ هَاهُنَا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ فَيْءٌ ا أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ؛ لِأَنَّهُمْ حَرْبِيُّونَ كِبَارٌ وَلَيْسُوا بِأَتْبَاعٍ، وَكَذَلِكَ مَا فِي بَطْنِهَا لَوْ كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ. وَأَمَّا أَوْلَادُهُ الصِّغَارُ فَلِأَنَّ الصَّغِيرَ إِنَّمَا يَصِيرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيهِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَتَحْتَ وِلَايَتِهِ، وَمَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ لَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ، وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَا تَصِيرُ مُحْرَزَةً بِإِحْرَازِهِ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَبَقِيَ الْكُلُّ فَيْئًا وَغَنِيمَةً

(۲۸۴۸) وَإِنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُهُ الصِّغَارُ أَحْرَارٌ مُسْلِمُونَ ا تَبَعًا لِأَبِيهِمْ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا تَحْتَ وِلَايَتِهِ حِينَ أَسْلَمَ إِذِ الدَّارُ وَاحِدَةٌ

گیا تو سب مال غنیمت ہو جائے گا۔

ترجمہ: ا بیوی اور بڑی اولاد تو اس لیے کہ وہ حربی ہیں بڑے ہیں اور باپ کے تابع نہیں ہیں، ایسے ہی جو حمل ماں کے پیٹ میں ہے وہ بھی ماں کے تابع ہے اس لیے دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا [کہ یہ باپ کے تابع نہیں ہے] اور چھوٹی اولاد اس وقت مسلمان کے تابع ہوتی ہے جب اس کے قبضے میں ہو اور اس کی ولایت میں ہو اور یہاں چھوٹی اولاد دار الحرب میں ہے اس لیے تابع نہیں ہوگی، ایسے ہی اپنی ذات کو محفوظ کرنے سے مال محفوظ نہیں ہوگا اس لیے کہ اختلاف دارین ہے اس لیے سب فئی اور غنیمت ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حربی دار الاسلام میں مسلمان ہونے کی وجہ سے دار الحرب کی کوئی چیز اس کے تابع نہیں ہوگی، اس لیے دار الحرب پر قبضہ ہونے کی وجہ سے سب مال غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح: حربی امن لے کر دار الاسلام آیا اور یہاں مسلمان ہو گیا، اب اس کی بیوی، اس کی بڑی اولاد، اس کی چھوٹی اولاد دار الحرب میں ہیں، اور اس کا مال کچھ ذمی کے پاس، کچھ حربی کے پاس اور کچھ مسلمان کے پاس دار الحرب میں امانت ہے، اس دوران دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، تو یہ سب فئی ہو جائے گی۔ یہاں پانچ قسم کی چیزیں ہیں پانچوں کے احکام سنیں۔

وجہ: [۱] بیوی تو دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہے، [۲] اسی طرح بڑی اولاد بڑی ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہیں، اس لیے دار الحرب جب مال غنیمت ہوا تو یہ دونوں بھی مال غنیمت میں شمار ہوں گے۔ [۳] اور چھوٹی اولاد اس وقت اس کے تابع ہوتی جب وہ دار الاسلام میں ہوتی، وہ تو دار الحرب میں ہیں اس لیے وہ دار الحرب کے تابع ہو کر غنیمت ہوں گی [۴] بیوی کے اندر جو حمل ہے وہ بھی بیوی کے تابع ہے اس لیے وہ بھی بیوی کے ساتھ فئی ہوگی [۵] جو مال ہے وہ بھی دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس مسلمان کے تابع نہیں ہے اور محفوظ نہیں ہے اس لیے دار کے ساتھ وہ بھی فئی ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۸) اگر حربی نے دار الحرب میں اسلام لایا پھر وہ دار الاسلام چلا آیا بعد میں اس کے ملک پر قبضہ ہو گیا تو چھوٹی اولاد آزاد ہوگی اور باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ باپ جب دار الحرب میں مسلمان ہوا بچہ اس کی ولایت میں تھی، کیوں کہ وہ دار الحرب ہی میں تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت چھوٹی اولاد اس کی ولایت میں ہو تو وہ مسلمان ہو گئی اس لیے بعد میں بھی وہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

(۲۸۴۹)وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ أَوْدَعَهُ مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ، ﴿١﴾لِأَنَّهُ فِي يَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ (۲۸۵۰)وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَيْءٌ ﴿١﴾أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَلِمَا قُلْنَا. وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِي فِي يَدِ الْحَرْبِيِّ؛ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُومًا، لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً. (۲۸۵۱)وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا أَوْ خَطَأً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُونَ هُنَاكَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأِ

تشریح: حربی باپ دار الحرب ہی میں مسلمان ہوا، اس لیے اس چھوٹا بچہ مسلمان شمار کیا گیا، اس لیے اب دار الحرب پر قبضے کے بعد بچہ مسلمان سمجھا جائے گا اور آزاد ہوگا، کیوں کہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۹) مسلمان اور ذمی کے پاس جو مال امانت ہے وہ اس آدمی کا ہوگا۔

ترجمہ: ﴿١﴾ کیوں کہ مسلمان اور ذمی کا قبضہ محترم قبضہ ہے۔

تشریح: حربی دار الحرب میں مسلمان ہوا تھا اور اس کا مال مثلا زید مسلمان اور عمر ذمی کے پاس امانت ہے تو مسلمان کا اور ذمی کا قبضہ محترم ہے اس لیے ان دونوں کا قبضہ حربی مسلمان کے قبضے کی طرح محفوظ ہے اس لیے یہ مال حربی مسلمان کو مل جائے گا، دار الحرب کے مقبوض کی وجہ مال فئی نہیں بنے گا۔

ترجمہ: (۲۸۵۰) اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فئی ہوگا۔

ترجمہ: ﴿١﴾ بہر حال بیوی اور بڑی اولاد تو فئی ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا کہ [وہ حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے] اور مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو محفوظ نہیں ہے اس لیے کہ حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے۔

تشریح: بیوی اور بڑی اولاد حربی مسلمان کے تابع نہیں ہیں اس لیے دار الحرب کے تابع ہو کر وہ فئی بنے گی، اور جو مال حربی کے پاس امانت ہے، تو حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے اس لیے وہ بھی حربی کے تابع ہو کر فئی بن جائے گا۔ یہ مال حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے اس لیے یہ فئی بنے گا۔

ترجمہ: (۲۸۵۱) حربی آدمی دار الحرب میں مسلمان ہو گیا، اور اس کو کسی مسلمان نے جان کر قتل کر دیا، یا غلطی سے قتل کر دیا، اور دار الحرب میں اس کا مسلمان ورثہ موجود ہے تو قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے، صرف قتل خطاء میں کفارہ ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول۔ چونکہ دار الحرب میں مسلمان ہوا ہے اور دار الحرب ہی میں قتل ہوا ہے اس لیے دار الاسلام کا قانون قصاص یا دیت لازم نہیں ہوگا، بلکہ دار الحرب کا قانون لازم ہوگا، البتہ چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لیے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ چونکہ قتل کرنے والا مسلمان ہے، اور مقتول بھی مسلمان ہے اس لیے اسلام کا قانون دار الحرب میں بھی چلے گا، اور قاتل پر قتل عمد میں دیت لازم ہوگی اور قتل خطاء میں دیت بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

تشریح: حربی دار الحرب میں اسلام لایا، اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا اور دار الحرب میں اس کا ورثہ بھی موجود ہے تو قتل عمد میں قاتل پر قصاص لازم نہیں ہوگا اور نہ دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء میں دیت لازم نہیں ہوگی، صرف قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَإِ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهُ أَرَاقَ دَمًا مَعْصُومًا لِوُجُودِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لِكَوْنِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ، وَهَذَا، لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤْثِمَةُ؛ لِحُصُولِ أَصْلِ الزَّجْرِ بِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إجْمَاعًا، وَالْمُقَوِّمَةُ كَمَالٌ فِيهِ لِكَمَالِ الِامْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُونُ وَصْفًا فِيهِ فَيَتَعَلَّقُ بِمَا عُلِّقَ بِهِ الْأَصْلُ. ۲؎ وَلَنَا قَوْله تَعَالَى {فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ} الْآيَةَ. جَعَلَ التَّحْرِيرَ كُلَّ الْمُوجَبِ رُجُوعًا إلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إلَى كَوْنِهِ كُلَّ الْمَذْكُورِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ، ۳؎ وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْثِمَةَ بِالْآدَمِيَّةِ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيفِ، وَالْقِيَامُ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا. أَمَّا الْمُقَوِّمَةُ فَالْأَصْلُ فِيهَا الْأَمْوَالُ؛

وجہ: (۱) اوپر بتایا کہ یہ قتل دار الحرب میں ہوا ہے اس لیے وہاں کا قانون چلے گا، وہاں اسلام کا قانون نہیں چلے گا۔ (۲) آیت میں ہے کہ دوسری قوم یعنی دار الحرب میں ہو اور قتل ہو گیا تو اس کا تاوان صرف غلام آزاد کرنا کفارہ ہے، دیت نہیں ہے، آیت یہ ہے۔ **فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ** (آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴)

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی، اور قتل عمد میں قصاص لازم ہوگا اس لیے کہ معصوم خون کو بہایا ہے کیوں کہ وہ مسلمان ہے، کیوں کہ اسلام عزت کو کھینچتا ہے، اس لیے کہ عصمت کی اصل ہے کہ وہ گنہگار ہوگا، کیوں کہ اسلام کی وجہ سے اس کو گناہ سے روکنے والی چیز موجود ہے، اور یہی اجماعا ثابت ہے، اور قیمت کا لازم ہونا اس میں کمال ہے کیوں کہ اسلام کی وجہ سے اس میں امتناع کمال ہے اس لیے کہ قیمت لازم ہونا صفت بنے گی، اور جس پر اصل معلق ہے اس پر صفت بھی معلق ہوگی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لیے دار الحرب میں بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا، اور قتل عمد میں قصاص اور قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی۔

وجہ: قاتل مسلمان ہے اور مقتول بھی مسلمان ہے، اس لیے قتل کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا، اور گناہ کو دھونے کے لیے قصاص اور دیت لازم ہوگی۔

لغت: **معصوم:** یہاں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے۔ **معصوم:** محفوظ، یعنی اس اسلام کی وجہ سے اس کا خون بہانا گناہ ہے۔ **مؤثمۃ:** **اثم** سے مشتق ہے، گناہ کی چیز۔ **مقومۃ:** جس کی قیمت لگتی ہو، مسلمان کی جان کی قیمت لگتی ہے یعنی اس کی دیت یا قصاص ہے اس لیے وہ مقومۃ ہے۔ **فیعلق بما علق بہ الاصل:** اصل جس سے متعلق ہے، یعنی گناہ، اسی سے وصف بھی متعلق ہوگا، یعنی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے۔ **فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ** (آیت ۹۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غلام آزاد کرنے کو پورا بدلہ قرار دیا ہے، کیوں کہ فتحریر رقبۃ، میں حرف فاء ہے، یا اس وجہ سے کہ پورا بدلہ یہی بیان کیا ہے تو دوسرے کی نفی ہو جائے گی۔

تشریح: اس آیت میں **فتحریر رقبۃ**، کہا ہے یعنی فا استعمال کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ دار الحرب میں قتل کی سزا صرف غلام آزاد کرنا ہے، اور یہ بھی واضح ہوا کہ صرف یہی سزا ہے، اور دوسرے کی نفی ہے، اس لیے دیت اور قصاص لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لیے کہ گناہ والی حفاظت آدمی کے ساتھ ہے اس لیے کہ آدمی پیدا کیا گیا ہے کہ احکام شرع کو بجالائے اور اس پر قائم

لِأَنَّ التَّقَوُّمَ يُؤْذِنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُونَ النُّفُوسِ، ٣لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلَ، وَهُوَ فِي الْمَالِ دُونَ النَّفْسِ فَكَانَتِ النُّفُوسُ تَابِعَةً، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوِّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ؛ لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنَعَةِ فَكَذَلِكَ فِي النُّفُوسِ إلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ مَنَعَةِ الْكَفَرَةِ؛ لِمَا أَنَّهُ أَوْجَبَ إبْطَالَهَا. وَالْمُرْتَدُّ وَالْمُسْتَأْمَنُ فِي دَارِنَا مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِهِمَا الِانْتِقَالَ إلَيْهَا. (٢٨٥٢)وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَأً لَا وَلِيَّ لَهُ أَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ إلَيْنَا بِأَمَانٍ فَأَسْلَمَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ ؛ ١لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً خَطَأً فَتُعْتَبَرُ بِسَائِرِ النُّفُوسِ الْمَعْصُومَةِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ لِلْإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهُ؛لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ

رہے اس طرح کہ تعرض کرنا اپنے اوپر حرم سمجھے اور مال اس کے تابع ہوتا ہے اور قیمت میں اصل مال ہے کیوں کہ کسی چیز کی قیمت مقرر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز جاتی رہے اس کو پورا کیا جائے، اور یہ مال میں ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ برابری ہو اور وہ مال مین ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا اس لیے یہاں نفس تابع ہے۔ پھر مال کی جو قیمت لگتی ہے وہ دار الاسلام کی وجہ سے دی جاتی ہے اس لیے کہ عزت قوت کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح جان کی قیمت دار الاسلام کی وجہ سے ہوگی۔

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، آدمی کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، اور قتل کرنے کو حرام جانے، اور اس کی قیمت میں اصل مال ہے اور نفس اس کا تابع ہے، اور مال نفس کے برابر نہیں ہے اس لیے نفس کے بدلے میں مال لازم نہیں ہونا چاہئے، لیکن دار الاسلام کی وجہ سے مال سے قیمت لگتی ہے اور اسی طرح جان کی بھی قیمت ہوتی ہے، اور دار الحرب دار الاسلام نہیں ہے اس لیے جان کی قیمت نہیں لگے گی۔

ترجمہ: ٣ مگر شریعت نے کافر کی عزت کو ساقط کیا ہے اس لیے کہ اس کی عزت کو باطل کیا ہے اور مرتد اور امن لے کر دار الاسلام میں آنے والا حربی حکما دار الحرب کا ہے، کیوں کہ اس کا واپس جانے کا ارادہ ہے۔

تشریح: شریعت نے کافر کی عزت نہیں رکھی ہے اس لیے اس کی دیت نہیں ہے، اور مرتد اور جو حربی امن لے کر آیا ہے وہ بھی دار الحرب لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اس لیے اس کی بھی قیمت نہیں ہے یعنی اس کی دیت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۵۲) کسی نے مسلمان کو قتل کر دیا اور اس کا ولی نہیں ہے، یا ہمارے یہاں امن لے کر حربی داخل ہوا پھر اسلام لایا تو قاتل کے خاندان پر جو دیت ہوگی وہ امام وصول کرے گا، اور قاتل پر کفارہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ معصوم نفس کو غلطی سے قتل کیا ہے اس لیے اور معصوم نفس پر قیاس کیا جائے گا، اور اس کے قول کا معنی یہ ہے کہ امام کو دیت وصول کرنے کا حق ہوگا اس لیے کہ مقتول کا وارث نہیں ہے۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مقتول کا وارث نہیں ہو اس کی دیت امام وصول کرے گا، اور قصاص بھی وصول کرے گا، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیوں کہ مال لینے میں مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہے۔

تشریح: مالمان نے ایسے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا جس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا حربی دار الاسلام آیا اور یہاں آ کر مسلمان ہوا، جس کی وجہ سے یہاں اس کا کوئی وارث نہیں ہے اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اسکی دیت امام وصول کرے گا۔

(۲۸۵۳)وَإِنْ كَانَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْإِمَامُ قَتَلَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ، لِأَنَّ النَّفْسَ مَعْصُومَةٌ، وَالْقَتْلَ عَمْدٌ، وَالْوَلِيَّ مَعْلُومٌ وَهُوَ الْعَامَّةُ أَوِ السُّلْطَانُ. قَالَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ ٢ وَقَوْلُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيقِ الصُّلْحِ، لِأَنَّ مُوجِبَ الْعَمْدِ وَهُوَ الْقَوَدُ عَيْنًا، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الدِّيَةَ أَنْفَعُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنَ الْقَوَدِ فَلِهَذَا كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ ٣ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْفُوَ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَّةِ وَوِلَايَتُهُ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ إِسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ.

وجه: یہ بھی معصوم نفس ہے اس لیے اس کا قصاص بھی لیا جائے گا، اور قتل خطاء میں اس کی دیت بھی لی جائے گی، اور قاتل چونکہ مسلمان ہے اس لیے قاتل پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۵۳) اگر قتل عمد کیا ہے تو امام چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کردے، اور چاہے تو دیت لے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ نفس معصوم ہے اور قتل عمد ہے اور ولی معلوم ہے۔ اور وہ ہے عام لوگ اور بادشاہ، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ولی نہیں بادشاہ اس کا ولی ہے۔

تشریح: اگر اس مسلمان کو جان کر قتل کر دیا تو امام اس کا قصاص لے گا کیوں کہ اس کا کوئی ولی اور وارث نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیوں کہ اس میں مسلمانوں کا مالی فائدہ ہے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة... فان تشاجروا فالسلطان ولی من لا ولی له۔** (ابو داؤد شریف، باب فی الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

ترجمہ: ۲ اور متن میں جو کہا کہ، چاہے تو دیت لے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صلح کر کے دیت لے اس لیے قتل عمد کا سبب تو صرف قصاص ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں قصاص سے زیادہ فائدہ دیت میں ہے اس لیے امام کو صلح کر کے دیت لینا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: قتل عمد کا اصل بدلہ تو قصاص ہے، لیکن متن میں کہا کہ امام دیت لینے کو ترجیح دے تو اس کا مطلب بتایا کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے سکتا ہے، اور اس میں زیادہ فائدہ اس طرح ہے کہ وارث کے دل کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قصاص لیا جاتا ہے، اور یہاں وارث نہیں ہے اس لیے یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کو مالی فائدہ مال میں ہے اس لیے دیت لینے کو ترجیح دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ امام کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حق عام لوگوں کے لیے ہے، اور اس کی جگہ پر امام کی ولایت مصلحت کے لیے ہے، اور بغیر بدلے کے حق ساقط کرنا مصلحت کا تقاضہ نہیں ہے۔

تشریح: قتل میں وارث کو یہ بھی حق ہے کہ دیت، یا قصاص معاف کر دے، لیکن امام کی ولایت چونکہ مصلحت کے لیے ہے اس لیے بغیر بدلے کے معاف نہیں کر سکتا، کم سے کم دیت ضرور لے گا **نظریہ:** مصلحت۔

☆☆☆

بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ

قَالَ: (۲۸۵۴)أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرٍ، وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ إِلَى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادُأَرْضُ خَرَاجٍ،وَهُوَمَابَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقَبَةِ حُلْوَانَ، وَمِنَ الثَّعْلَبِيَّةِ وَيُقَالُ مِنَ الْعَلْثِ إِلَى عَبَّادَانَ؛

باب العشر والخراج

عشری اور خراجی زمین کے احکام

ترجمہ: (۲۸۵۴) عرب کی زمین کل کی کل عشری ہیں۔ وہ عذیب سے لے کر یمن میں جو مقام حجر ہے وہاں تک ہے اور مہرہ سے لے کر شام کی حد تک ہے، اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح: اس متن میں تین مسئلے ہیں [۱] عرب کی زمین عشری ہے۔ [۲] دوسری بات یہ ہے کہ عرب کی زمین لمبائی میں کہاں سے کہاں تک ہے، اور چوڑائی میں کہاں سے کہاں تک ہے [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ عراق کی زمین خراجی ہے، پھر اس کی لمبائی کیا ہے اور چوڑائی کیا ہے۔ ان سب کی تفصیل سمجھیں۔

[۱] عرب کی زمین عشری ہے اس کی تفصیل۔ عرب میں دوسرا دین رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور خراج اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کافر رہائش پذیر ہو اور عرب میں کافر کا رکھنا جائز نہیں۔ اس لیے اس پر خراج لگانا بھی جائز نہیں۔ اس لیے وہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ جزیرۂ عرب سے تمام مشرکین کو نکال دو۔ **عن ابن عباسؓ انه قال يوم الخميس وما يوم الخميس... اخرجوا المشركين من جزيرة العرب** (بخاری شریف، **باب هل يستشفع الى اهل الذمة ومعاملتهم**، ص ۴۲۹، نمبر ۳۰۵۳/ مسلم شریف، **باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصي فيه**، ص ۴۲، نمبر ۱۶۳۷/ ۴۲۳۲) اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو عرب سے نکال دو اس لیے وہ عشری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **سمع عمر بن عبد العزيز يقول بلغني انه كان آخر ما تكلم به رسول الله ﷺ ان قال قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، لا يبقين دينان بارض العرب** (سنن للبیہقی، **باب لا يسكن ارض الحجاز مشرك**، ج ۹/ ۳۵۰، نمبر ۱۸۷۵۰) اس حدیث مرسل سے بھی تائید ہوتی ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔ یعنی اس زمین میں خراج نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لیا جائے گا۔ **عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ لئن عشت لاخرجن اليهود و النصارى من جزيرة العرب لا اترك فيها الا مسلما.** (سنن بیہقی، **باب لا يسكن ارض الحجاز مشرك**، ج ۹/ ۳۴۹، نمبر ۱۸۷۴۸) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔

نوٹ: ابھی تو ساری زمین امریکی ہو گئی ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

[۲] عرب کی زمین کہاں سے کہاں تک ہے۔ اور وہ مقام عذیب سے انتہائے حجر یمن تک ہے۔ اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح: جزیرۂ عرب کہاں سے کہاں تک ہے اس کی تفصیل ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ مقام عذیب سے لے کر یمن میں ایک مقام حجر ہے وہاں تک ہے۔ یہ چوڑائی کی مقدار ہوئی۔ اور لمبائی میں مہرہ سے لے کر شام کی حد تک ہے۔ یہ دکھن سے اتر ہوا۔

۱؎ لِأَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخَرَاجَ مِنْ أَرَاضِي الْعَرَبِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَا يَثْبُتُ فِي أَرَاضِيهِمْ كَمَا لَا يَثْبُتُ فِي رِقَابِهِمْ، ۳؎ وَهَذَا؛ لِأَنَّ وَضْعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ وَمُشْرِكُوا الْعَرَبِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ إلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ، وَعُمَرُ حِينَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ، وَوَضَعَ عَلَى مِصْرَ حِينَ افْتَتَحَهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، وَكَذَا اجْتَمَعَتْ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ.

وجه:(۱) قول تابعی میں اس کی تصریح اس طرح ہے۔**قال سعید بن عبد العزیز جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصی الیمن الی تخوم العراق الی البحر** (۲) دوسری روایت میں ہے۔**وقال الاصمعی جزیرۃ العرب من اقصی عدن ابین الی ریف العراق فی الطول واما العرض فمن جدۃ وما والاھا من ساحل البحر الی اطراف الشام** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تفسیر ارض الحجاز وجزیرۃ العرب: ۹/ ۳۵۱، نمبر ۱۸۷۵۵/ ۱۸۷۵۶) ان دونوں روایتوں کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے کہ عرب کی حد لمبائی میں شام سے لے کر یمن تک اور چوڑائی میں بحرین سے لے کر جدہ تک ہے۔اس حد میں کافروں کو مستقل رہائش دینا ناجائز ہے۔اور اس میں ذمی رکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ زمین عشری ہے۔

لغت:**عذیب**: یہ عراق کے پاس ہے اور عراق کے حاجی وہاں سے گزرتے تھے۔

[۳] عراق کی زمین خراجی ہے اس کی تفصیل۔۔اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح:اس زمانے میں عراق کی زمین میں کاشت بہت ہوتی تھی اس لیے اس کو زرخیز یعنی کالا کہتے تھے۔عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک تھی۔اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ زمین خراجی سمجھی جاتی تھی۔

لغت:**سواد**: کالا، یہاں مراد ہے زرخیز زمین۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ حضور ﷺ نے اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا۔

تشریح:حضور ﷺ نے اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔

ترجمہ:۲؎ اور اس لیے کہ عرب کی زمین فیٔ کی طرح ہے اس لیے اس کی زمین پر خراج نہیں ہوگا، جیسے اس کے لوگوں پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح:عرب کی زمین مال غنیمت اور فیٔ کی طرح ہے اس لیے جیسے وہاں کے رہنے والے لوگوں پر جزیہ نہیں ہے اسی طرح وہاں کی زمین پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ:۳؎ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خراج کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کفر پر برقرار رکھا جائے جیسے کہ عراق میں ہوا، اور عرب کے مشرک اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کر دئے جائیں گے اس کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں ہے، اور حضرت عمر نے جس وقت عراق فتح کیا تو صحابہ کی موجودگی میں ان پر خراج متعین کیا، اور جس وقت مصر فتح کیا تو حضرت عمر بن العاص نے خراج لازم کیا ایسے ہی شام کے اوپر خراج لازم کرنے پر صحابہ کا اتفاق ہے۔

قَالَ: (۲۸۵۵)وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا؛ ل لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا عَنْوَةً وَقَهْرًا لَهُ أَنْ يُقِرَّ أَهْلَهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلَى رُءُوسِهِمُ الْخَرَاجَ فَتَبْقَى الْأَرَاضِي مَمْلُوكَةً لِأَهْلِهَا

تشریح: زمین پر خراج متعین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کو کفر پر برقرار رہنے دیا جائے، اور عرب کے باشندے کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا پھر تلوار سے قتل کر دیا جائے گا، چونکہ ان کو کفر پر باقی نہیں رکھا جائے گا اس لیے ان پر خراج بھی لاگو نہیں کر سکتے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں عراق پر خراج لازم کیا اسی طرح مصر پر اور شام پر خراج لازم کیا، اگر عرب کی زمین پر خراج ہوتا تو یہ حضرات ضرور لازم کرتے، لیکن نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب عشری ہے۔

وجہ: عراق پر خراج کی روایت یہ ہے۔ **ان عمر بن الخطاب بعث عمار بن یاسر ... و مسح سواد الکوفۃ من ارض اھل الذمۃ فجعل علی الجریب من النخل عشرۃ دراھم۔** الخ۔ (مصنف عبد الرزاق، **باب ما اخذ من الارض عنوۃ:** ٦/ ٨٠، نمبر ۱۰۱۶۴) اس روایت میں ہے کہ کوفہ کی زمین پر خراج لازم کیا تھا۔

ترجمہ: (۲۸۵۵) عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ ان کے لیے اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ل اس لیے کہ امام جب زبردستی فتح کرتا ہے تو اس کے باشندے کو اس پر برقرار رکھتا ہے اور اس کی زمین اور اس کی ذات پر خرج واجب کرتا ہے اس لیے زمین اس کی مملوک ہوتی ہے، اس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: عراق کی زمین کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی تھی۔ اور بعض سے پتا چلتا ہے کہ تقسیم نہیں کی تھی۔ اور جو حصہ تقسیم کی تھی اس کو بھی بعد میں واپس لے لیا اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور تمام زمین پر خراج مقرر کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کسی زمین کا مالک ہو اور اس کا خراج ادا کرتا ہو تو اس زمین کو بیچ سکتا ہے اور تصرف کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن ابن سیرین قال السواد منہ صلح و منہ عنوۃ، فما کان منہ عنوۃ فھو للمسلمین و ما کان منہ صلح فلھم اموالھم** (سنن للبیھقی، باب السواد: ۹/ ۲۲۵، نمبر ۱۸۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عراق کا بعض حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے۔ جو غلبہ سے فتح ہوا تھا اس کو مسلمانوں کے لیے تقسیم کر دیا۔ اور جو صلح سے فتح ہوا تھا وہ مالک کا مال رہا۔ اور جب مالک کا مال رہا تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے (۲) **عن عمر رضی اللہ عنہ انہ اراد ان یقسم اھل السواد بین المسلمین و امر بھم ان یحصوا فوجدوا الرجل المسلم یصیبہ ثلاثۃ من الفلاحین یعنی العلوج فشاور اصحاب النبی ﷺ فی ذلک فقال علی رضی اللہ عنہ دعھم یکونون مادۃ للمسلمین فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیھم ثمانیۃ واربعین، واربعۃ وعشرین واثنی عشر** (سنن للبیھقی، باب السواد: ۹/ ۲۲۶، نمبر ۱۸۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورے سے عراق کی زمین تقسیم نہیں کی گئی۔ اس لیے وہاں کے لوگ اس کے مالک رہے۔

عراق وغیرہ کے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے اس لیے ان سے اب خراج ساقط ہو گیا۔

وجہ: اثر میں ہے۔ **قال کتب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ الی عبد الحمید بن عبد الرحمن فذکرہ فقال فیہ ولا خراج علی من اسلم من اھل الارض** (سنن للبیھقی، **باب من اسلم اھل الصلح سقط الخراج عن ارضہ:** ۹/ ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم

وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ مِنْ قَبْلُ. قَالَ (۲۸۵۶)وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ؛لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْمُسْلِمِ وَالْعُشْرُ أَلْيَقُ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ، وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ.(۲۸۵۷)وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ

ہوا کہ جن لوگوں نے صلح کی اس کا پورا ملک مسلمان ہو جائے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔اور زمین عشری ہو جائے گی۔اس لیے عراق وغیرہ کی زمین ابھی عشری ہے۔

لغت:عنوۃ،و قهرة: زبردستی فتح کیا ہو۔

ترجمہ:(۲۸۵۶)جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا بزور بازو فتح کی گئی ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے۔

ترجمہ:ا اس لیے کہ مسلمان پر ابتدائی طور پر عشر واجب کرنا زیادہ لائق ہے، اس لیے کہ اس میں عبادت کا معنی ہے، اور ایسے ہی وہ زیادہ آسان ہے، کیوں کہ جو پیداوار ہوتی ہے اس پر عشر ہے۔

تشریح:خراج مقرر کرنے سے پہلے کسی ملک کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو اس کی زمین پر عشر لازم کریں گے۔یا اس ملک کو بزور بازو فتح کیا ہو اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیا تو اس صورت میں بھی اس زمین پر عشر لازم کیا جائے گا۔

وجہ:(۱)اگر مسلمان خراجی زمین خریدے تب تو اس پر خراج لازم ہوگا۔لیکن ابتدائی طور پر مسلمان کی زمین پر خراج مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔کیوں کہ یہ ذلت کی چیز ہے۔**عن نافع ان عبد اللہ بن عمر ؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام یأخذ الارض من اهل الذمة بما علیها من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل و الصغار** (سنن للبیہقی، **باب الارض اذا کانت صلحا رقابها لاهلها و علیها خراج یؤدونه فاخذها منهم مسلم بکراء** ۹/ ۲۳۶،نمبر ۱۸۳۹۷)اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔اس لیے مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ہے(۲)حدیث میں ہے۔**عن العلاء بن الحضرمی قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی البحرین او الی هجر فکنت آتی الحائط یکون بین الاخوة یسلم احدهم فآخذ من المسلم العشر و من المشرک الخراج** (ابن ماجہ شریف، **باب العشر و الخراج**، ص ۲۶۲،نمبر ۱۸۳۱)اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔اس لیے جو زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوگئی ہو اس پر عشر لازم ہوگا۔(۳)**حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ** (آیت ۲۹،سورۃ التوبۃ ۹)اس آیت میں ہے کہ جزیہ دینا ذلت کی چیز ہے اس لیے مسلمان پر ابتدائی طور پر جزیہ یا خراج لازم نہیں کرنا چاہئے۔

کوئی مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔**کتب عمر بن عبد العزیز ؒ الی عبد الحمید بن عبد الرحمن فذکره فقال فیه و لا خراج علی من اسلم من اهل الارض** (سنن للبیہقی، **باب من اسلم من اهل الصلح سقط الخراج علی ارضه** ۹/ ۲۳۸،نمبر ۱۸۴۰۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی ملک والا مسلمان ہو جائے تو اس پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ:(۲۸۵۷)جس زمین کو بزور طاقت فتح کیا ہو اور اس کے باشندے کو وہیں رکھا ہو تو وہ خراجی زمین ہے۔

۱؎ وَكَذَا إِذَا صَالَحَهُمْ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخَرَاجُ أَلْيَقُ بِهِ، وَمَكَّةُ مَخْصُوصٌ مِنْ هَذَا، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا، وَلَمْ يُوَظِّفِ الْخَرَاجَ (۲۸۵۸)وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ كُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ، وَمَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَاسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ؛ ۱؎ لِأَنَّ الْعُشْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُشْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَاجِ.

تشریح: کسی زمین کو طاقت سے فتح کیا یا رعب سے فتح کیا لیکن اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی بلکہ اس پر کفار ہی کا قبضہ بحال رہنے دیا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) عشر ایک قسم کی عبادت ہے اور کفار عبادت کا اہل نہیں ہے اس لیے ان پر خراج لازم ہوگا (۲) اوپر ابن ماجہ شریف کی حدیث گزری۔ **عن العلاء بن الحضرمی... فاخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج** (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی زمین پر خراج ہے (۳) عراق کے لوگ مشرک تھے اور ان کو اس کی زمین پر بحال رکھا گیا تھا تو اس کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج مقرر کیا۔ (**سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد**: ۹/۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲)

ترجمہ: ۱؎ ایسے ہی اگر ملک والوں سے صلح ہوئی ہو [تو خراج لازم کیا جائے گا] اس لیے کہ کافر پر ابتدائی طور پر وظیفہ مقرر کیا جا رہا ہے اور خراج اس کے زیادہ لائق ہے، اور اس سے مکہ مکرمہ مخصوص ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے اس کو بزور طاقت فتح کیا تھا پھر وہاں کے لوگوں کو اس پر قابض چھوڑ دیا اور ان پر خراج لازم نہیں کیا۔

تشریح: ملک والوں سے صلح ہوئی، اور صلح کر کے فتح کیا، اور وہ لوگ کافر ہیں تو ان پر خراج لازم کیا جائے گا، کیوں کہ کافر پر ابتدائی طور پر ٹیکس متعین کیا جا رہا ہے تو اس کے لائق خراج ہی ہے۔ البتہ مکہ مکرمہ اس سے مخصوص ہے، کیوں کہ اس کو بزور طاقت فتح کیا پھر بھی اس پر خراج لازم نہیں کیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ہریرۃ قال وفدت وفود الی معاویۃ و ذالک فی رمضان... فقال یا رسول اللہ أبیحت خضراء قریش لا قریش بعد الیوم ثم قال من دخل دار ابی سفیان فھو آمن۔** (مسلم شریف، باب فتح مکہ، ص ۷۹۲، نمبر ۱۷۸۰/ ۴۶۲۲) اس حدیث میں ہے کہ اگر قریش کے لوگوں کا خون مباح کر دیا جائے تو وہ ختم ہو جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ مکہ بزور طاقت فتح ہوا ہے، اس کے باوجود اس پر خراج لازم نہیں کیا، بلکہ وہ عشری رہا۔

ترجمہ: (۲۸۵۸) جامع صغیر میں ہے کہ ہر وہ زمین جو زبردستی فتح ہوئی ہو اور اس میں نہر کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے، اور اگر اس میں نہر کا پانی نہیں پہنچا بلکہ زمین میں ہی کنواں نکال کیا گیا تو وہ عشری زمین ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے اور پیداوار پانی سے ہوتی ہے اس لیے عشری پانی سے پیدا ہو تو زمین عشری ہے، اور خراجی پانی سے پیدا ہو تو زمین خراجی ہے۔

اصول: پہلے بتایا کہ امیر نے خراج متعین کیا ہو تو زمین خراجی ہوگی، اب بتا رہے ہے کہ دو اور طریقے سے زمین خراجی، یا عشری ہوتی ہے

قَالَ: (۲۸۵۹) وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا، فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ، وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ عُشْرِيَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ،

[۱] خراجی پانی سے زمین سیراب ہوتو زمین خراجی ہوتی ہے، اور عشری پانی سے زمین سیراب کیا ہوتو زمین عشری ہوگی، یعنی پانی کا اعتبار ہے [۲] اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پڑوس میں زمین خراجی ہے تو یہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی، اور پڑوس میں زمین عشری ہے تو یہ زمین بھی عشری ہو جائے گی، یعنی پڑوس کی زمین کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: زبردستی زمین فتح کیا اور امیر نے اس پر خراج متعین نہیں کیا تو اس میں کافروں کا کھودا ہوا نہر کے پانی سے زمین سیراب کی تو اس پر خراج لازم ہوگا، اور اگر زمین میں کنواں کھودا یا تالاب کھودا اور اس سے سیراب کیا تو زمین عشری ہوگی، کیوں کہ کنوان اور تالاب کا پانی عشری پانی شمار کیا جاتا ہے۔

وجہ: غلہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے پانی کا اعتبار ہے وہ عشری ہو تو عشر اور وہ خراجی ہو تو خراج لازم ہوگا۔

لغت: انہار: اس لامی حکومت سے پہلے کافر لوگوں نے بڑا بڑا نہر کھودا تھا، چونکہ وہ کافر کا نہر تھا اس لیے اس کا پانی خراجی پانی ہے۔

عین: کنواں، چشمہ، اس کا پانی عشری پانی سمجھا جاتا ہے

ترجمہ: (۲۸۵۹) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا۔ پس اگر برابر والی زمین خراجی ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ اور بصرہ ان کے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ کی وجہ سے۔

تشریح: مردہ زمین کو زندہ کیا اور آباد کیا تو اس کو عشری قرار دیں یا خراجی قرار دیں؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ کون سے پانی سے سیراب کرتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے قریب میں کیسی زمین ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر مردہ زمین کے قریب میں خراجی زمین ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر وہ عشری زمین کے درمیان ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

وجہ: اس زمین کا پہلے سے کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لیے وہ ملک کیسا ہے یا وہ ایریا کیسا ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر قریب کی زمین مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا مسلمان کی ملکیت ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مردہ زمین بھی مجاہدین کی ملکیت تھی اس لیے اس پر بھی عشر لازم ہوگا۔ اور اگر وہ ملک کفار کی ملکیت رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہے تو یہ مردہ زمین بھی کسی نہ کسی درجہ میں کفار ہی کی ملکیت ہے اس لیے اس پر بھی خراج لازم ہونا چاہئے۔

اصول: مردہ زمین کی اصلیت کا اندازہ برابر کی زمین کیسی ہے خراجی، یا عشری اس سے لگایا جائے گا۔

بصرہ ان کے یہاں عشری زمین ہے۔ اس کا اشارہ اس اثر سے ملتا ہے۔ **عن محمد بن عبید اللہ الثقفی، قال خرج رجل من اهل البصرة من ثقیف یقال له نافع ابو عبد اللہ، و کان اول من افتلا الفلا، فقال لعمر بن الخطاب ﷺ ان قبلنا ارضا بالبصرة لیست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمین، فان رأیت ان تقطعنیها اتخذ فیها قضبا لخیلی فافعل، قال فکتب عمر الی ابی موسی الاشعری... فان لم تکن ارض جزیة ولا ارضا یجری الیها ماء جزیة فاعطها ایاه (رواه عبید فی الاموال،** ص ۲۷۷، **اعلاء السنن، باب من احیاء ارضا مواتا بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة:** ج الثانی عشر ص ۴۲۵، نمبر ۴۰۹۱) اس اثر میں ہے کہ

۱ لِأَنَّ حَيِّزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ، كَفِنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوزَ لِصَاحِبِهَا الْإِنْتِفَاعُ بِهِ. وَكَذَا لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ، ۲ وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ أَنْ تَكُونَ خَرَاجِيَّةً؛ لِأَنَّهَا مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ، إِلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ وَظَّفُوا عَلَيْهَا الْعُشْرَ فَتُرِكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ (۲۸۶۰)وَقَالَ مُحَمَّدٌ: إِنْ أَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا أَوْ بِعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءِ دَجْلَةَ وَالْفُرَاتِ وَالْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا إِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ ۱ لِمَا ذَكَرْنَا مِنَ اعْتِبَارِ الْمَاءِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ

جزیہ کی زمین نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ خراجی زمین نہیں تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مردہ زمین میں خراجی پانی جائے تو وہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مسئلے میں امام محمد کی رائے کہ جس پانی سے سیراب کیا جائے زمین وہی شمار کی جائیگی۔

لغت: حیز: اردگرد، برابر کی زمین۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ کسی چیز کے قریب ہو اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے آنگن کو گھر کا حکم دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گھر والوں کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے، اور ایسے ہی آبادی کے جو قریب زمین ہو اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس کے قریب ہوتی ہے اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے پاس جگہ ہو جس کو فناء دار کہتے ہیں اس کا حکم گھر کا حکم ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر والا اس کو استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح آبادی گاؤں کے قریب خالی جگہ ہو تو وہ آبادی کے حکم میں ہے اور گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے اس زمین میں گھر وغیرہ نہیں بنا سکتے وہ بھی آبادی کے حکم میں ہے، جس طرح یہاں پاس والے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح برابر میں خراجی زمین ہو تو اس کو خراج کا حکم دیا جائے گا، اور عشری زمین ہو تو اس کو عشر کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: حیز: جو قریب میں ہو۔ **فناء الدار:** گھر کے پاس جو چھوٹی ہوئی زمین ہوتی ہے اس کو فناء الدار، کہتے ہیں۔ **عامر:** آبادی۔

ترجمہ: ۲ اور بصرہ کے بارے میں قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی ہو کیوں کہ وہ کوفہ کے قریب ہے جو خراجی ہے، مگر صحابہ نے اس پر عشر متعین کیا اس لیے ان کے اجماع کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۰) امام محمدؒ نے فرمایا اگر زمین کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے۔ اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی ہے۔

ترجمہ: ۱ جیسے کہ پہلے ذکر کیا کہ پانی پلانے کا اعتبار ہے اس لیے کہ وہی پیداوار کا سبب ہے۔

تشریح: امام محمد کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کس قسم کا استعمال کرتا ہے اس کے اعتبار سے مردہ زمین خراجی یا عشری ہوگی۔ پس اگر خراجی پانی ڈال کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی چاہے وہ عشری زمین کے درمیان ہو۔ اور اگر عشری پانی ڈال کر زندہ کیا تو وہ عشری ہوگی۔ آگے تفصیل ہے کہ کون سا پانی عشری ہے اور کون سا خراجی ہے۔

کسی نے خود کنواں کھودا یا چشمہ نکالا تو ان دونوں کا پانی عشری ہے۔ اس سے مردہ زمین زندہ کیا تو زمین عشری ہوگی۔ یا نہر دجلہ،

۲ وَلِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَوْظِيفُ الْخَرَاجِ ابْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كَرْهًا فَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ الْمَاءُ؛ لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةُ الْتِزَامِهِ. قَالَ (۲۸۶۱) وَالْخَرَاجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ، وَمِنْ جَرِيبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخِيلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ ۱ وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ عُمَرَ، فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ حَتَّى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ، وَجَعَلَ حُذَيْفَةَ مُشْرِفًا عَلَيْهِ، فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَثَلَاثِينَ أَلْفَ أَلْفِ جَرِيبٍ وَوَضَعَ عَلَى ذَلِكَ مَا قُلْنَا، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَكَانَ إِجْمَاعًا مِنْهُمْ.

نہر فرات یا وہ نہر جس کا کوئی مالک نہیں اس کا پانی عشری ہے اس لیے اس پانی سے جو مردہ زمین زندہ کرے گا وہ عشری ہوگی۔

اور وہ نہر جس کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے نہر ملک اور نہر یزدجردان کا پانی خراجی ہے۔ اس پانی سے مردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ خراجی ہوگی۔

وجہ: اوپر حضرت عمرؓ کا قول گزرا۔ **فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه** (رواہ عبید فی الاموال، ص ۲۷۷، اعلاء السنن نمبر ۴۰۹۱) اس قول صحابی میں ہے کہ بصرہ کی اس زمین میں جزیہ یعنی خراجی پانی نہ جاتا ہو تو نافع ابو عبید اللہ کو دے دو۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے خراجی زمین بننے میں پانی کا اعتبار ہے قرب وجوار کا اعتبار نہیں۔

لغت: احتفر: حفر سے مشتق ہے کھودنا۔

ترجمہ: ۲ اس لیے کہ ابتداء مسلمان پر خراج لازم کرنا مکروہ ہے اس لیے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا اس لیے کہ خراج کا پانی پلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے۔

تشریح: یہ پانی کے اعتبار کرنے کی دلیل ہے۔ مسلمان پر ابتداء خراج لازم کرنا مکروہ ہے، اس لیے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا، کیوں کہ وہ خراجی پانی پلا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے، حکومت اس پر خراج لازم نہیں کر رہی ہے اس لیے پانی پلانے کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۶۱) وہ خراج جو حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر مقرر کیا وہ ایک جریب جس میں پانی پہنچا ہو اور کھیتی کے قابل ہو ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم اور تر کاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں دس درہم۔

ترجمہ: ۱ یہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے، اس لیے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کو عراق کی زمین ناپنے کے لیے بھیجا اور حضرت حذیفہؓ کو اس پر نگراں بنایا پھر انہوں نے ناپا تو 36000000 تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب زمین ہوئی، اور اس پر وہ خراج مقرر کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا، اور یہ بات صحابہ کے سامنے بغیر انکار کے ہوئی اس لیے اس پر اجماع ہو گیا۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیتی کی زمین جس میں پانی جاتا ہو اور زراعت کے قابل ہو ایک جریب میں ایک صاع [3.538 کیلو] غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور تر کاریوں کی زمین میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور جو گھنے ہوں اس کی ایک

جریب زمین میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج ہے۔

وجہ: ان عمر بن الخطاب ؓ بعث عثمان بن حنیف علی السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر یناله الماء درهما وقفیزا یعنی الحنطة والشعیر وعلی جریب الکرم عشرة وعلی جریب الرطاب خمسة (مصنف ابن ابی شیبة ۲۷ ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع: ۶/ ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۶/ سنن للبیهقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ۹/ ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عام کھیتی میں ایک صاع اور ایک درہم، ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ میں دس درہم خراج ہے۔ گویا کہ ایک جریب عام کی کھیتی میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور اور کھجور کی باغ میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج لازم ہوگا۔

نوٹ: چاندی کا حساب اپنے اپنے سکوں سے کرلیں۔

نوٹ: مصنف ابن ابی شیبہ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ درہم کے ساتھ پانچ صاع غلہ اور دس درہم کے ساتھ دس صاع غلہ بھی خراج میں لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۲ **ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع**: ۶/ ۴۳۸، نمبر ۳۲۷۰۲)

لغت: الرطبة: تر، یہاں ترکاری مراد ہے، **الکرم:** انگور، **المتصل:** ملا ہوا یعنی گھنا باغ، **قفیز هاشمی:** ایک صاع ہوتا ہے۔ ایک صاع 3.538 یعنی تین کیلو اور 538 گرام کا ایک صاع ہوتا ہے۔

جریب اور ایک ایکڑ کی تحقیق

جریب کتنی لمبی چوڑی ہے اس کے بارے میں ردالمحتار علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ کسری کے ہاتھ سے 60 ہاتھ لمبی اور 60 ہاتھ چوڑی زمین ہو تو وہ ایک جریب ہوتی ہے۔ اور 60 ہاتھ کو 60 ہاتھ میں ضرب دیں تو مجموعہ 3600 مربع ہاتھ ایک جریب ہوگی۔

عبارت یہ ہے **کما وضع عمر رضی اللہ عنه علی السواد لکل جریب هو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری (سبع قبضات) (رد المحتار مطلب فی خراج المقاسمة**، کتاب الجہاد، ۶/ ۲۹۲)

ایک قبضہ 3 انچ کا ہوتا ہے اس لیے 7 قبضے 21 انچ ہوئے۔ یعنی اس کا ایک ہاتھ 1.75 پونے دو فٹ کا ہوا۔ اور ساٹھ ہاتھ 105 فٹ کا ہوا۔ گویا کہ 105 فٹ لمبی اور 105 فٹ چوڑی مجموعہ 11025 مربع فٹ کی ایک جریب ہوئی۔ اور تین فٹ کا ایک گز ہوتا ہے اس لیے اس کو گز میں لے جائیں تو 35 گز لمبی اور 35 گز چوڑی مجموعہ 1225 مربع گز کی ایک جریب ہوئی۔

(میٹر کے حساب سے جریب کی تحقیق)

2.54 سینٹی میٹر کا ایک انچ ہوتا ہے اس لیے 21 انچ کا 53.34 سینٹی میٹر ہوا۔ گویا کہ کسری کا ایک ہاتھ 53.34 سینٹی میٹر کا ہوا۔ اب اس کو ساٹھ ہاتھ میں ضرب دیں تو 32.004 میٹر لمبی ہوئی۔ اور وہی 32.004 چوڑی بھی ہے۔ اس لیے 32.004 کو 32.004 میں ضرب دیں تو مجموعہ 1024.25 مربع میٹر کی ایک جریب ہوگی۔

(ایکڑ اور جریب میں فرق)

آج کل پوری دنیا میں ایکڑ کا حساب رائج ہے۔ اسی سے زمین کی پیائش کرتے ہیں اس لیے ایکڑ اور جریب میں موازنہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک ایکڑ میں کتنا خراج لازم ہوگا۔

63.614 میٹر لمبا اور 63.614 میٹر چوڑا مجموعہ 4046.856 مربع میٹر کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

اسی طرح 69.57 گز لمبا اور 69.57 گز چوڑا مجموعہ 4840 مربع گز کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

جریب چونکہ ایکڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اس لیے ایک جریب 1024.25 مربع میٹر کو ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر میں تقسیم دیں تو 3.951 گنا بڑا ایکڑ جریب سے ہوگا۔ اس لیے ایک ایکڑ زمین میں اگر عام کاشتکاری ہو تو 3.951 صاع غلہ اور 3.951 درہم خراج لازم ہوگا۔ جس کا وزن 12.094 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

(عام آدمی کا ہاتھ)

عام آدمی کا ہاتھ چھ قبضہ ہوتا ہے۔ اور ایک قبضہ 3 انچ کا ہے اس لیے ایک ہاتھ 18 انچ یعنی 1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوگا۔

چونکہ ایک انچ 2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اس لیے 18 انچ کا 45.72 سینٹی میٹر ایک ہاتھ ہوا۔

نوٹ: پوری تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

{جریب اور ایکڑ کا حساب ایک نظر میں}

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
ایک انچ	2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	18 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک گز	36 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	3 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	7.62 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

{کسری کا ہاتھ}

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
کسری کا ہاتھ	7 قبضے کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	21 انچ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	1.75 پونے دو فٹ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	53.34 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	100 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

{کسری جریب کتنی ہوتی ہے}

جریب	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک جریب	60 ہاتھ	×	60 ہاتھ	=	3600	مربع کسری ہاتھ
ایک جریب	105 فٹ	×	105 فٹ	=	11025	مربع فٹ کا ہوتا ہے
ایک جریب	35 گز	×	35 گز	=	1225	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک جریب	32.004 میٹر	×	32.004 میٹر	=	1024.25	مربع میٹر کا ہوتا ہے

{ایکڑ کتنا ہوتا ہے}

ایکڑ	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	69.57 گز	×	69.57 گز	=	4840	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	63.614 میٹر	×	63.614 میٹر	=	4046.856	مربع میٹر کا ہوتا ہے
ایک ڈسمل	6.3614 میٹر	×	6.3614 میٹر	=	40.4685	مربع میٹر کا ہوتا ہے
نوٹ: 100 سو ڈسمل کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔						

{جھارکھنڈ کا سیکر}

میرے صوبہ جھارکھنڈ میں لوہے کی ایک لمبی زنجیر سے زمین کی پیائش کرتے ہیں جس کو سیکر کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جریب بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو Chain کہتے ہیں۔

۲ وَلِأَنَّ الْمُؤَنَ مُتَفَاوِتَةٌ فَالْكَرْمُ أَخَفُّهَا مُؤْنَةً وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا مُؤْنَةً وَالرِّطَابُ بَيْنَهُمَا، وَالْوَظِيفَةُ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكَرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرُّطْبَةِ أَوْسَطَهَا. قَالَ:

اس سیکر میں 100 کڑی ہوتی ہے

ایک کڑی کی لمبائی 7.92 انچ ہوتا ہے

ایک کڑی کی لمبائی 20.11 سینٹی میٹر ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 22 گز ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 66فٹ ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 20.116 میٹر ہوتا ہے۔

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا، گویا کہ 100000 ایک لاکھ کڑی کا ایک ایکڑ ہوتا ہے

ایک ایکڑ 4840 مربع گز کا ہوتا ہے۔

ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر کا ہوتا ہے

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔ اور سیکر کی لمبائی 20.1168 میٹر ہے۔ اس طرح 20.1168 چوڑا اور 201.168 لمبا کو ضرب دیں تو مجموعہ 4046.856 مربع میٹر ہوتا ہے جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اور گز کے اعتبار سے ایک سیکر 22 گز لمبا ہوتا ہے۔ اس کو دس سیکر یعنی 220 گز میں ضرب دیں تو 4840 مربع گز نکل آئے گا جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔

{سیکر کا حساب}

سیکر	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک سیکر	20.1168 میٹر ہے	-	-	-	-	-
ایک سیکر	22 گز کا ہوتا ہے	-	-	-	-	-
ایک ایکڑ	20.1168 میٹر	×	201.168 میٹر	=	4046.86	مربع میٹر ایک ایکڑ
ایک ایکڑ	22 گز	×	220 گز	=	4840	مربع گز ایک ایکڑ

نوٹ: طلبہ کی معلومات کے لیے میں نے ہر جگہ فارمولوں اور حسابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کلکیولیٹر سے حساب کر لیں۔

ترجمہ: ۲ اور اس لیے کہ محنت کا خرچ متفاوت ہے، انگور میں کم محنت ہے، اور کاشتکاری میں زیادہ محنت ہے اور سبزی میں درمیانی محنت ہے اس لیے محنت کے تفاوت سے خراج میں تفاوت ہوتا ہے، اس لیے انگور میں زیادہ خراج لازم کیا، اور کاشتکاری میں کم اور سبزی میں درمیانی خراج لازم کیا۔

تشریح: خراج کا معاملہ محنت پر ہے، انگور کو ایک مرتبہ لگا دو تو کئی سال چلتا ہے، اس لیے اس میں محنت کم ہے اس لیے اس میں خراج اعلی

(۲۸۶۲)وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَيْرِهِ يُوضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ،۱ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ تَوْظِيفُ عُمَرَ وَقَدِ اعْتَبَرَ الطَّاقَةَ فِي ذَلِكَ فَنَعْتَبِرُهَا فِيمَا لَا تَوْظِيفَ فِيهِ۲ قَالُوا: وَنِهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَاجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَا يُزَادُ عَلَيْهِ،لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عَيْنُ الْإِنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِينَ.

یعنی دس درہم ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انگور قیمتی چیز ہوتی ہے اس لیے بھی اس میں خراج زیادہ ہے۔ اور کاشتکاری میں محنت زیادہ ہے اوراس کی قیمت کم ہوتی ہے اس لیے اس میں خراج ادنی، یعنی ایک درہم ہے۔ اور سبزی اور پھل فروٹ میں محنت درمیانی ہے، اوراس کی قیمت بھی انگور اور غلہ سے درمیانی ہے اس لیے اس پر خراج درمانی یعنی پانچ درہم ہے۔

لغت: مؤن: محنت کا خرچ، اخراجات۔ **کرم:** انگور۔ **مزارع:** کاشتکاری۔ **رطاب:** سبزی اور پھل فروٹ۔

ترجمہ: (۲۸۶۲) اس کے علاوہ جو اور قسم کی چیز ہے، مثلا زعفران اور باغات وغیرہ اس میں طاقت کے مطابق خراج لگایا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اس میں حضرت عمر کا مقرر کردہ وظیفہ نہیں ہے اوراس میں زمین کی طاقت کا اعتبار کیا ہے تو جس میں وظیفہ متعین نہیں کیا ہے اس میں ہم طاقت کا اعتبار کریں گے۔

تشریح: اوپر جو متعین کردہ مقدار زمین کی عام پیداوار کے اعتبار سے ہے۔ اس لیے اگر اس سے کم پیداوار ہو تو کم خراج متعین کیا جا سکتا ہے۔ اور جو متعین کیا ہے اگر رعیت اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم بھی کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) حضرت عمرؓ نے خراج متعین کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ یہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **رأیت عمر ؓ بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدینة و وقف علی حذیفة بن الیمان و عثمان بن حنیف قال کیف فعلتما حملتما ها امراھی له مطیقة مافیها کبیر فضل قال انظرا ان لکونا حملتما الارض مالا تطیق قال قالا لا** (بخاری شریف، **باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان**، ص ۶۲۳، نمبر ۳۷۰۰/ مصنف ابن ابی شیبة ۲۷، **ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع**: ۶/ ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا (۲)، مصنف ابن ابی شیبة کے اثر میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جملہ بھی ہے **'لو شئت لاضعفت ارضی'** جس سے معلوم ہوا کہ اگر چاہیں تو اس سے زیادہ بھی خراج متعین کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ متعین نہیں فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ ہو جائے تو کم بھی کیا جا سکتا ہے (۳) دوسرے قول صحابی میں ہے۔ **فوضع عثمان علی الجریب من الکرم عشرة دراهم و علی جریب النخل ثمانیة دراهم و علی جریب القصب ستة دراهم یعنی الرطبة و علی جریب البر اربعة دراهم و علی جریب الشعیر درهمین** (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۷ **ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع**: ۶/ ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۴/ **سنن للبیهقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد**: ۹/ ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲) اس قول صحابی میں مختلف پیداوار کا خراج مختلف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خراج کم بیش کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ طاقت یہی خراج میں آدھی کاشت لے اس سے زیادہ نہ لے اس لیے کہ آدھا عین انصاف

۳؎ وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوطُهَا حَائِطٌ وَفِيهَا نَخِيلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ، ۴؎ وَفِي دِيَارِنَا وَظَّفُوا مِنْ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِي كُلِّهَا وَتُرِكَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ كَانَ. قَالَ (۲۸۶۳) فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهُمْ الْإِمَامُ وَالنُّقْصَانُ عِنْدَ قِلَّةِ الرِّيعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ، أَلَا تَرَى إلَى قَوْلِ عُمَرَ: لَعَلَّكُمَا حَمَّلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ، فَقَالَا: لَا بَلْ حَمَّلْنَاهَا مَا تُطِيقُ، وَلَوْ زِدْنَا لَأَطَاقَتْ. وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النُّقْصَانِ

ہے، کیوں کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پوری زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔

تشریح: علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ جو خراج لیا جاسکتا ہے وہ آدھا غلہ ہے، اس سے زیادہ خراج نہ لے، کیوں کہ یہ عین انصاف ہے، کیوں کہ ہماری زمین ہے اور اس کی محنت ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے، اس لیے جب محنت اس کی ہے تو آدھا غلہ اس کو دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۳؎ باغ وہ زمین ہے جس کی چاروں طرف دیوار ہو، اس میں کھجور کا درخت اور دوسرے درخت ہوں۔

تشریح: متن میں بستان کا لفظ ہے یہ اس کی تشریح ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور ہمارے ملک میں تمام زمینوں کا خراج درہم سے لیتے ہیں اور اسی پر چھوڑ دیا ہے، اس لیے کہ اندازہ یہ ہے کہ زمین کی طاقت کے مطابق ہو چاہے کسی چیز سے ہو۔

تشریح: صاحب ہدایہ کا ملک فرغانہ ہے جو ابھی تاجکستان میں ہے جس میں تمام خراج درہم سے لیا کرتے تھے۔ ابھی ساری دنیا میں یہی حال ہے کہ روپے سے محصول لیا جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۳) غلہ کم پکتا ہو تو بالاجماع خراج کم لگایا جائے گا کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ اور ابن حنیف سے فرمایا کہ ایسا تو نہیں کیا کہ زمین جس کی طاقت نہیں رکھتی ہو اتنا خراج مقرر کر دیا، تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی مقرر کیا جتنی طاقت رکھتی ہو، اگر اس سے زیادہ مقرر کریں تو زمین میں اس کی بھی طاقت ہے، یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ خراج کم ہوسکتا ہے۔

تشریح: اگر زمین میں طاقت کم ہے تو حضرت عمر نے جو خراج متعین کیا ہے اس سے کم بھی ہوسکتا ہے، کیوں کہ انہوں نے حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے پوچھا تھا کہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں رکھ دیا، تو انہوں نے کہا تھا اس سے زیادہ کی طاقت ہے، تو اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ خراج اس سے کم بھی ہوسکتا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **رأيت عمر ﷺ بن الخطاب قبل ان يصاب بايام المدينة و وقف على حذيفة بن اليمان و عثمان بن حنيف قال كيف فعلتما حملتما اهاامر اهي له مطيقة ما فيها كبير فضل قال انظرا ان تكونا حملتما الارض مالا تطيق قال قالا لا** (بخاری شریف، **باب قصة البيعة و الاتفاق على عثمان بن عفان**، ص ۶۲۳، نمبر ۳۷۰۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷، **ماقالوا فی الخمس و الخراج كيف يوضع**: ۶/ ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا۔ ریع: غلہ، پیداوار۔

۱۔ وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرِّيعِ يَجُوزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يَزِدْ حِينَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ. (۲۸۶۴) وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ أَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوِ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِ ۱۔ لِأَنَّهُ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنَ الزِّرَاعَةِ، وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ، ۲۔ وَفِيمَا إِذَا اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَاتَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ فِي بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهُ نَامِيًا فِي جَمِيعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ عِنْدَ خُرُوجِ الْخَارِجِ.

ترجمہ: ۱۔ غلہ زیادہ ہو تو خراج زیادہ کرنا امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، وہ نقصان پر قیاس کرتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عمر کو زیادہ طاقت رکھنے کی خبر دی گئی تو انہوں نے زیادہ نہیں کیا۔

تشریح: کھیت میں غلہ زیادہ ہو تو حضرت عمر کے مقرر کردہ خراج سے زیادہ کرنا بھی امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، جیسے غلہ کم ہو تو خراج کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے جب حضرت عمرؓ کو خبر دی کہ زمین اس سے زیادہ کی طاقت رکھتی ہے تب بھی انہوں نے خراج زیادہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زیادہ ہو تب بھی خراج کو زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۴) اگر خراجی زمین پر پانی غالب آگیا یا اس سے پانی منقطع ہو گیا یا آفت نے کھیتی برباد کر دی تو ان پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لیے کہ کھیتی کرنے کی قدرت ختم ہو گئی اور وہ ہے تقدیری بڑھوتری، خراج میں یہی معتبر ہے۔

تشریح: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پیداوار کے مطابق خراج ہوگا۔ اس قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے اگر کسی مصیبت کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں ہو پائی تو خراج ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً سیلاب نے کھیتی برباد کر دی۔ یا بارش ہی نہیں ہوئی یا کوئی آفت آگئی جس کی وجہ سے کھیتی اجڑ گئی تو اہل خراج پر خراج نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) جب کھیتی ہی نہیں ہوئی تو خراج کہاں سے دے گا (۲) اوپر کے اثر میں تھا کہ طاقت کے مطابق خراج ہو اور یہاں آفت کی وجہ سے طاقت باقی نہیں رہی اس لیے خراج ساقط ہو جائے گا (۳) اوپر کے اثر کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ **قال الحسن واما اراضیھم فعلیھا الخراج الذی وضعہ عمر بن الخطاب ﷺ فان احتملوا اکثر من ذلک فلا یزاد علیھم وان عجزوا عن ذلک خفف عنھم ولا یکلفون فوق طاقتھم کما قال عمرؓ** (رواہ یحیی بن آدم فی الخراج، ص ۳۳، نمبر ۲۸، اعلاء السنن، ج ثانی عشر، ص ۳۴۷، نمبر ۴۱۰۰) اس اثر میں ہے کہ اگر خراج دینے والا عاجز ہو جائے تو اس سے کم کیا جائے۔ یہاں کھیتی ہوئی ہی نہیں اس لیے اس سے خراج معاف ہو جائے گا۔

لغت: **اصطلم:** **صلم** سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا، کھیتی برباد ہونا، الزرع: کھیتی۔

ترجمہ: ۲۔ اور جس صورت میں آفت نے کھیتی برباد کر دی تو بعض سال میں تقدیری بڑھوتری ختم ہو گئی حالانکہ پورے سال میں بڑھوتری ہونا خراج کے لیے شرط ہے، جیسے کہ زکوۃ میں ہوتا ہے، اور حکم کا دار و مدار پیداوار نکلنے کی حقیقت پر ہے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حقیقت میں پیداوار کا امکان ہو تب خراج ہے، اور یہاں آفت نے پیداوار کے امکان

قَالَ (۲۸۶۵)وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ؛ ۱؎ لِأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِي فَوَّتَهُ. ۲؎ قَالُوا: مَنْ انْتَقَلَ إِلَى أَخَسِّ الْأَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَعَلَيْهِ خَرَاجُ الْأَعْلَى؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ، وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُفْتَى بِهِ كَيْ لَا يَتَجَرَّأَ الظَّلَمَةُ عَلَى أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ. (۲۸۶۶)وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلَى حَالِهِ؛ ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمْكَنَ إِبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ

کو ختم کر دیا اس لیے خراج نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۲۸۶۵)اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین کے مالک نے تو اس پر خراج ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ پیداوار کی قدرت ثابت تھی لیکن خود زمین والے نے اس کو ختم کیا ہے[اس لیے اس پر خراج لازم ہوگا]

تشریح:کھیتی کرنے کی تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن زمین کے مالک نے سستی کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں کی تو اس پر خراج ہوگا۔

وجہ:(۱)اس سے اس کی سستی دور ہوگی (۲) غلطی خود مالک زمین کی ہے اس لیے خراج ساقط نہیں ہوگا۔

اصول:مالک زمین کی غلطی ہو تو خراج ساقط نہیں ہوگا۔

لغت:**عطل**: بیکار چھوڑ دیا۔

ترجمہ:۲؎ علماء نے فرمایا کہ بغیر عذر کے کوئی ادنی کاشتکاری کی طرف منتقل ہوا تو اس پر اعلی کاشتکاری کا خراج لازم ہوگا اس لیے کہ اس نے زیادہ غلے کو ضائع کیا ہے، اس کا علم ہونا چاہئے لیکن اس کا فتوی نہیں دینا چاہئے تاکہ ظالم لوگ مال لینے پر جرأت نہ کریں۔

تشریح:مثلا کوئی کھیت میں زعفران بوتا تھا جس پر زیادہ خراج تھا، اب بغیر کسی عذر کے اس نے گیہوں بو دیا تو اس سے زعفران کا ہی خراج لیا جائے گا، کیوں کہ بغیر کسی عذر کے زیادہ پیداوار کو ضائع کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا علم تو علماء کو ہونا چاہئے، لیکن اس کا فتوی نہیں دینا چاہئے، کیوں کہ ظالم حکمراں لوگوں سے زیادہ خراج وصول کرنے کے لیے تنگ کریں اور ظلم کریں گے۔

ترجمہ:(۲۸۶۶)اگر خراج دینے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے بدستور خراج لیا جائے گا۔

وجہ:(۱) مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اگر پہلے سے خراج لازم ہے اور زمین کا مالک مسلمان ہو گیا تو خراج لازم ہی رہے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن عمرؓ و علیؓ قالا اذا اسلم وله ارض وضعنا عنه الجزية واخذنا خراجها** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۵ ماقالوا فی الرجل من اهل الذمة يسلم من قال يرفع عنه الجزية: ۶/ ۴۶۷، نمبر ۳۲۹۳۲) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے سے جزیہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن خراج ساقط نہیں ہوگا (۳) کیوں کہ جزیہ کافر کے سر پر ہے جو ذلت کی چیز ہے، اور خراج اس کی زمین پر ہے جو اتنی ذلت کی چیز نہیں ہے۔

اصول:ابتداءً تو مسلمان پر خراج صحیح نہیں ہے، لیکن بقاءً ہو سکتا ہے، اسی طرح خراج کا سبب اختیار کرے، مثلا خراجی زمین خریدے تب بھی خراج ہو سکتا ہے، کیوں کہ مسلمان نے خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کیا ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ خراج میں محصول کا معنی ہے اس لیے بقاء کی حالت میں محصول کا معنی کا اعتبار کیا جائے گا اس لیے مسلمان پر خراج باقی رکھنا ممکن ہے۔

(۲۸۶۷) وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا. ١ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ اشْتَرَوْا أَرَاضِيَ الْخَرَاجِ وَكَانُوا يُؤَدُّونَ خَرَاجَهَا، فَدَلَّ عَلَى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَأَخْذِ الْخَرَاجِ وَأَدَائِهِ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ (۲۸۶۸) وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ ١ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا؛

تشریح: بقاء کی حالت میں مسلمان پر خراج صحیح ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ خراج کا دوسرا معنی محصول کے ہیں اس لیے بقاء کی حالت میں محصول مسلمان پر ہوسکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۷) جائز ہے کہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اور اس سے خراج لیا جائے۔

ترجمہ: ١ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے کہا [کہ خراج کا معنی محصول کے ہے اس لیے مسلمان پر بقاء ہوسکتا ہے] اور صحیح روایت میں ہے کہ صحابہ نے خراج کی زمین خریدی اور وہ خراج ادا کیا کرتے تھے، یہ دلالت کرتا ہے کہ خریدنا جائز ہے، اور خراج کا لینا اور مسلمانوں کا خراج ادا کرنا بغیر کراہیت کے ٹھیک ہے۔

تشریح: خراجی زمین کو خریدنا جائز ہے، کیوں کہ صحابہ نے اس کو خریدا ہے اور خراج ادا کیا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا عمل صحابہ یہ ہے۔ **عن ابن ابی لیلی قال اشتری الحسن بن علی ؓ ملحة او ملحا و اشتری الحسین بن علی بریدین من ارض الخراج وقال قد رد الیهم عمر ؓ ارضهم و صالحهم علی الخراج** (سنن للبیہقی، **باب من رخص فی شراء ارض الخراج**: ۹/ ۲۳۷، نمبر ۱۸۴۰۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی اور حضرت عمرؓ نے اس پر خراج لازم فرمایا۔ **قال اشتری عبد اللہ [بن الحسن] ارضا من ارض خراج۔** (سنن للبیہقی، باب من رخص فی شراء ارض الخراج: ۹/ ۲۳۷، نمبر ۱۸۴۰۳) اس عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی طور پر مسلمان پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں، لیکن خراجی زمین خریدے گا تو اس کے واسطے سے مسلمان پر خراج لازم ہو جائے گا۔

فائدہ: حضرت عمرؓ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ **عن نافع ان عبد اللہ بن عمر ؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام یأخذ الارض من اهل الذمة بما علیها من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل و الصغار** (سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلحا رقابها لاهلها و علیها خراج یؤدونها فاخذها منهم مسلم بکراء: ۹/ ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس قول صحابی میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۸) خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ: (۱) خراجی زمین میں خراج بھی لازم ہو اور عشر بھی لازم ہو تو دوگنی رقم ہو جائے گی جو جائز نہیں (۲) اور خراج ساقط کر کے عشر لازم نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لیے اس پر خراج ہی لازم ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے جس کو آگے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن الشعبی قال لا یجتمع خراج و عشر فی ارض** (**مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۱۱ من قال لا یجتمع خراج و عشر علی ارض**، ج ثانی ص ۴۱۹، نمبر ۱۰۶۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عشر اور خراج دونوں جمع ہوسکتے ہیں اس لیے کہ دونوں مختلف حق ہیں محل بھی دو ہیں اور سبب بھی دو ہیں

لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِي مَحَلَّيْنِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَا يَتَنَافَيَانِ. ۲ وَلَنَا قَوْلُهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِي أَرْضِ مُسْلِمٍ، ۳ وَلِأَنَّ أَحَدًا مِنْ أَئِمَّةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا، وَكَفَى بِإِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً، ۴ وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِي أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً قَهْرًا، وَالْعُشْرُ فِي أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا، وَالْوَصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، ۵ وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيرًا، وَلِهَذَا يُضَافَانِ إِلَى الْأَرْضِ، ۶ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الزَّكَاةُ مَعَ أَحَدِهِمَا.

اس لیے دونوں میں تنافی نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی زمین پر عشر اور خراج لازم ہو سکتے ہیں۔

وجہ: عشر اس غلے میں لازم ہوتا ہے، جو پیدا ہو چکا ہے اس میں دسواں حصہ ہے، اور خراج زمین پر لازم ہوتا ہے، اس لیے دونوں کی جگہ الگ الگ ہیں اس لیے دونوں چیزیں لازم ہو سکتی ہیں۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ مسلمان کی زمین میں خراج اور عشر جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح: یہ قول صحابی اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اس لیے کہ کسی عادل یا ظالم حکمراں نے دونوں کو جمع نہیں کیا اور ان حضرات کی اجماع ہی ہمارے لیے حجت کافی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ خراج اس زمین واجب ہوتا ہے جس کو زبردستی فتح کیا ہو اور عشر اس زمین میں ہوتا ہے جس کے لوگ خوشی سے اسلام لائے ہوں، اور دونوں صفت ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ یہاں دونوں دو صفتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ خراج کی وجہ زمین پر زبردستی قبضہ کرنا ہے اور عشر کی وجہ خوشی سے اسلام لانا ہے، اور دونوں ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی، اس لیے دونوں ایک ساتھ لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: ۵ دونوں کا حق ایک ہے اور وہ ہے پیدا کرنے والی زمین، البتہ عشر اس وقت ہوگا جب واقعی غلہ پیدا ہو چکا ہو، اور خراج اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ زمین میں پیدا کرنے کی صلاحیت ہو، یہی وجہ ہے کہ دونوں کو زمین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ عشر اور خراج دو حق ہیں، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دونوں زمین ہی کا حق ہے، البتہ عشر میں واقعی پیدا ہو چکا ہو تب لازم ہوتا ہے، اور خراج میں پیدا ہونا ممکن ہو تو لازم ہو جاتا ہے، لیکن دونوں حق زمین کا ہی ہے، اس لیے ایک ہی زمین میں دو حق جمع نہیں ہو سکتے۔

ترجمہ: ۶ اسی اختلاف پر عشر اور خراج کے ساتھ زکوۃ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے عشری زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوۃ لازم ہو، اور وہ زمین عشری ہے اس لیے عشر بھی لازم ہو، امام شافعیؒ کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوۃ لازم ہوگی، یا عشر لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔ دوسری صورت۔ ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے خراجی زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوۃ

(۲۸۶۹) وَلَا يَتَكَرَّرُ الْخَرَاجُ بِتَكَرُّرِ الْخَرَاجِ فِي سَنَةٍ؛ ١ لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يُوَظِّفْهُ مُكَرَّرًا، بِخِلَافِ الْعُشْرِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ عُشْرًا إلَّا بِوُجُوبِهِ فِي كُلِّ خَارِجٍ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ.

بَابُ الْجِزْيَةِ

(۲۸۷۰) وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ: جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتَتَقَدَّرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ ١ كَمَا صَالَحَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ،

لازم ہو، اور وہ زمین خراجی ہے اس لیے خراج بھی لازم ہو، امام شافعیؒ کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوۃ لازم ہوگی، یا خراج لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: (۲۸۶۹) سال میں دو مرتبہ پیداوار ہونے کی وجہ سے دو مرتبہ خراج لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے زمین کا وظیفہ مکرر نہیں کیا، بخلاف عشر کے، اس لیے کہ عشر تو پیداوار میں ہوتا ہے [اس لیے دو مرتبہ پیداوار ہوگی تو دو مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

تشریح: سال میں دو مرتبہ پیداوار ہوئی تو دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا، بلکہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لازم ہوگا، البتہ عشر چونکہ پیداوار میں ہوتا ہے اس لیے جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی ہی مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) حضرت عمر نے دو مرتبہ خراج نہیں لیا اس لیے دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **جاء نصرانی الی عمر فقال ان عاملک عشر فی السنة مرتين فقال من انت؟ فقال انا الشيخ النصرانی فقال له عمر و انا الشيخ الحنيف فكتب الی عامله ان لا تعشر فی السنة الا مرة** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان لا یری العشور فی السنۃ الا مرۃ: ۲/۴۱۸، نمبر ۱۰۵۸۹) اس قول صحابی میں ہے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لیا جائے گا، یہاں قول صحابی میں عشر سے مراد خراج ہے، کیوں کہ نصرانی پر عشر لازم نہیں ہوتا۔

{جزیہ کے احکام}

ضروری نوٹ: زمین پر جو ٹیکس مقرر ہو اس کو خراج کہتے ہیں، اور انسان کی ذات پر جو ٹیکس مقرر ہو اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۝۲۹ (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا

ترجمہ: (۲۸۷۰) جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزیہ وہ کہ رضامندی اور صلح سے مقرر کرے، پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے۔

ترجمہ: ١ جیسے حضور ﷺ نے نجران والوں سے بارہ سو حلے پر صلح کی تھی۔

تشریح: امیر المومنین اور ذمی کے درمیان جزیہ کے جس مقدار پر صلح ہو جائے اتنا جزیہ جائز ہو جائے گا۔

وجہ: قبیلہ نجران سے حضور ﷺ نے دو ہزار حلے کے جزیے پر صلح فرمائی تھی صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران علی الفی حلة النصف فی صفر و النصف فی رجب يؤدونها الی المسلمين** (ابو داؤد شریف،

ع وَلِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ التَّرَاضِي فَلَا يَجُوزُ التَّعَدِّي إِلَى غَيْرِ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ (۲۸۷۱)وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ وَضْعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ، وَأَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ، فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ. وَعَلَى وَسَطِ الْحَالِ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا ل وَهَذَا عِنْدَنَا.

ع وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضَعُ عَلَى كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ مَا يَعْدِلُ الدِّينَارَ، وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لِمُعَاذٍ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ.

باب فی اخذ الجزیۃ، ص، نمبر ۳۰۴۱)اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی، اور یہی جزیہ مقرر رہا۔

ترجمہ: ع اور اس لیے کہ جزیہ کا سبب رضامندی ہے اس لیے جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ یہ معاملہ رضامندی سے طے ہوا ہے اس لیے جس پر اتفاق ہو جائے وہی لازم ہوگا اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۸۷۱) اور وہ جزیہ جو امام ابتداء مقرر کرے جب وہ غالب آئے کفار اور مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے تو ظاہری مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم مقرر کرے، اور اس سے ہر مہینے میں چار درہم لے۔ اور اوسط درجے کے آدمی پر چوبیس درہم، ہر مہینے میں دو درہم۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم، ہر مہینے میں ایک درہم لے۔

ترجمہ: ل یہ ہمارے یہاں ہے۔

تشریح: اگر کفار سے جزیہ کے بارے میں بات طے نہ ہوئی ہو اور امام کفار پر غلبہ کرنے کے بعد اپنے طور پر جزیہ مقرر کرے تو اس کی مقدار یہ ہو کہ جو اچھا مالدار ہے اس پر سالانہ اڑتالیس درہم اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ اور درمیانی حال والے پر چوبیس درہم ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔

وجہ: (۱) جزیہ مقرر کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۲۹﴾ (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا (۲) اور مقدار کے بارے میں یہ قول صحابی ہے۔ **قال وضع عمر بن الخطاب فی الجزیۃ علی رءوس الرجال علی الغنی ثمانیۃ و اربعین درھما وعلی الوسط اربعۃ وعشرین وعلی الفقیر اثنی عشر درھما** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ **ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا**: ۶/ ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۳ / **سنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح**: ۹/ ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵) اس اثر سے مقدار کی تفصیل معلوم ہوئی (۳) اس میں مالدار اور فقیر کی رعایت ہے کہ مالدار پر زیادہ ہے اور فقیر پر کم ہے۔

لغت: **المعتمل**: عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔

ترجمہ: ع اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر ایک دینار لازم ہوگا، یا دینار کی قیمت کے جو برابر ہو گا وہ لازم ہوگا اور اس میں فقیر اور مالدار برابر ہے، حضرت معاذ کو حضور ﷺ نے فرمایا۔ بالغ مرد اور بالغ عورت سے ایک دینار لو یا اس کے برابر معافر کپڑا لو، اس میں

۳؎ وَلِأَنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ حَتَّى لَا تَجِبَ عَلَى مَنْ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيِّ وَالنِّسْوَانِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَنْتَظِمُ الْفَقِيرَ وَالْغَنِيَّ. ۴؎ وَمَذْهَبُنَا مَنْقُولٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، ۵؎ وَلِأَنَّهُ وَجَبَ نُصْرَةً لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبُ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْأَرْضِ، ۶؎ وَهَذَا لِأَنَّهُ وَجَبَ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذَلِكَ يَتَفَاوَتُ بِكَثْرَةِ الْوَفْرِ وَقِلَّتِهِ، فَكَذَا أَجْرُهُ هُوَ بَدَلُهُ، ۷؎ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ صُلْحًا، وَلِهَذَا أَمَرَهُ بِالْأَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ

غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں سے سالانہ ایک دینار لیا جائے گا، یا دینار کی قیمت میں جو معافر کپڑا آتا ہو وہ لیا جائے گا۔

وجہ: حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدله من المعافری ثیاب تکون بالیمن۔** (ابوداؤد شریف، **باب فی اخذ الجزیۃ** ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸ / ترمذی شریف، **باب ماجاء فی زکوۃ البقر** ص ۱۶۱، نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا چاہے مالدار ہو یا غریب۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لیے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جسکا قتل کرنا واجب نہیں جیسے بچہ اور عورت ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور یہ معنی فقیر اور مالدار دونوں کو شامل ہے۔

تشریح: یہ شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے کہ، جزیہ قتل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جس کو قتل کرنا جائز نہیں، جیسے بچے اور عورتیں ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور قتل میں مالدار اور غریب برابر ہیں اس لیے دونوں پر ایک سال جزیہ واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، عثمان اور علیؓ سے منقول ہے اور ان پر کسی مہاجر اور انصار نے انکار نہیں کیا۔

تشریح: اس کے بارے میں حضرت عمر کا قول پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

ترجمہ: ۵؎ اور اس لیے کہ یہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لیے واجب ہوا ہے اس لیے زمین کے خراج کی طرح [غریب اور مالدار میں] فرق کے ساتھ واجب ہوگا۔

تشریح: ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لیے واجب ہوا ہے، اس لیے جس طرح خراج میں انگور میں دس درہم اور غلے میں ایک درہم ہے تا کہ مجاہدین کی مدد ہو سکے اسی طرح جزیہ میں فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۶؎ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جزیہ نفس اور مدد کی حفاظت کے بدلے میں ہے اور یہ مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے، اس لیے اس بدلہ [جزیہ] بھی کم بیش ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے، کہ جزیہ نفس اور مال کی حفاظت کے بدلے میں ہے، اور مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے اس لیے جزیہ میں بھی فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۷؎ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ صلح پر محمول ہے، کہ اسی پر صلح ہوئی ہوگی یہی وجہ ہے کہ حدیث میں عورتوں سے

لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجِزْيَةُ. قَالَ (۲۸۷۲)وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ ا لِقَوْلِهِ تَعَالَى {مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ} الْآيَةَ،وَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -ﷺ- الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوسِ.

بھی لینے کا حکم ہے، حالانکہ عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے ہوسکتا ہے کہ اسی پر صلح ہوئی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں حالمہ کا لفظ ہے کہ عورت سے بھی جزیہ لیا جائے۔ حالانکہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

نوٹ: امام شافعیؒ نے جو حضرت معاذ والی حدیث پیش کی ہے وہ صلح کے طور پر نہیں ہے، بلکہ حضور ﷺ نے اس کو یہ لینے کا حکم دیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ عام حدیث میں حالمہ کا لفظ نہیں ہے، صرف حالم کا لفظ ہے، دار قطنی میں معمر کے قول میں حالمہ کا لفظ ہے۔ دار قطنی کی حدیث یہ ہے۔ **عن معاذ بن جبل... و من کل حالم دینارا او عدله معافر...** اور دوسری حدیث میں ہے۔ **و قال معمر حالمة** (دار قطنی، **کتاب الزکوۃ:** ۲/ ۸۷، نمبر ۱۹۱۸، نمبر ۱۹۱۹) یہاں دوسری حدیث میں معمر کا ایک قول حالمہ کی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۲) جزیہ مقرر کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجم کے بت پرستوں پر۔

ترجمہ: ا اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ جزئی دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اور حضور ﷺ نے ہجر کے مجوس پر جزیہ مقرر کیا۔

تشریح: یہود اور نصاری اور مجوسی چاہے عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں رہتے ہوں۔ اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان پر جزیہ مقرر ہوگا۔ اسی طرح عجم کے بت پرست ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان کے سروں پر جزیہ مقرر ہوگا۔ البتہ عرب کے بت پرستوں پر جزیہ نہیں ہے یا وہ اسلام لائیں یا قتل کے لیے تیار رہیں ذمی بن کر عرب میں نہیں رکھا جا سکے گا۔

وجہ: (۱) اہل کتاب کے لیے جزیہ کے لیے یہ آیت ہے۔ **قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾** (آیت ۲۹، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاری سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ جزیہ نہ دینے لگیں۔ اور یہ عرب اور غیر عرب کی قید سے عام ہے اس لیے عرب کے اہل کتاب پر بھی جزیہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مجوسی سے جزیہ لینے کے لیے یہ حدیث ہے۔ **سمعت عمرا قال... فاتانا کتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة فرقوا بین کل ذی محرم من المجوس و لم یکن عمر اخذ الجزیة من المجوس حتی شهد عبد الرحمن بن عوف ؓ ان رسول اللہ ﷺ اخذها من مجوس هجر** (بخاری شریف، **باب الجزیة و الموادعة مع اهل الذمة** ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۶/ ۳۱۵۷/ ابو داؤد شریف، **باب اخذ الجزیة من المجوس**، ص ۵۷، نمبر ۳۰۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوس ہجر سے آپ ﷺ نے جزیہ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مجوس سے جزیہ لیا جا سکتا ہے (۳) **عن ابن عباس قال صالح رسول اللہ ﷺ اهل نجران علی الفی حلة النصف فی صفر و النصف فی رجب یؤدونها الی المسلمین** (ابو داؤد شریف، **باب فی اخذ الجزیة**، ص، نمبر ۳۰۴۱) اہل نجران عرب کے عیسائی تھے ان سے جزیہ لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

قَالَ: (۲۸۷۳) وَعَبَدَةَ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ ۱؎ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ: إِنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَقَاتِلُوهُمْ﴾ إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِي حَقِّ الْمَجُوسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مَنْ وَرَاءَهُمْ عَلَى الْأَصْلِ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّي إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَنَفَقَتُهُ فِي كَسْبِهِ،

ترجمہ: (۲۸۷۳) اور عجم کے بت پرست سے جزیہ لیا جائے گا۔

وجہ: عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ **قال بعث عمر** رضی اللہ عنہ **الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین... فامرنا نبینا رسول ربنا** ﷺ **ان نقاتلکم حتی تعبدوا اللہ وحدہ او تؤدوا الجزیۃ** (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اهل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

لغت: **عبد الاوثان: وثن** کی جمع ہے، بت کے بندے یعنی بت پرست، **المجوس:** جو قوم آگ کی پوجا کرتی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے قتال واجب ہے، کیوں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ان لوگوں سے قتال کرو، مگر اہل کتاب کے حق میں ہم کو آیت سے معلوم ہوا کہ قتال نہ کریں، اور مجوس کے حق میں حدیث سے معلوم ہوا تو باقی لوگ اپنی اصل پر باقی رہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ یا اسلام قبول کریں یا قتال کے لیے تیار ہو جائیں، جیسے عرب کے بت پرستوں کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا وہ قتال کے لیے تیار ہو جائیں۔

وجہ: ان کا استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کو آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب، بت پرست، اور مجوس سے قتال کرو، پھر اوپر آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے سکتے ہو، اور حدیث میں گزری کہ حضور ﷺ نے مجوس سے جزیہ لیا اس لیے یہ دونوں قتال سے نکل گئے، تو اب بت پرست رہ گئے جس سے قتال واجب رہا، چاہے وہ عجم کے بت پرست ہوں چاہے وہ عرب کے بت پرست ہوں۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ہے کہ بت پرست، اہل کتاب اور مجوس سے قتال کرو۔ **وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ** (آیت ۱۹۳، سورۃ البقرۃ ۲) (۲) **وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ** (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸)

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ بھی مقرر کرنا جائز ہوگا، اس لیے کہ غلام بنانے اور جزیہ وصول کرنے دونوں میں اس کے نفس کو چھیننا ہے اس لیے کہ وہ کماتا ہے اور اپنی کمائی میں سے مسلمان کو نفقہ ادا کرتا ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ متعین کرنا بھی جائز ہوگا، کیوں کہ غلام بھی کما کر مسلمان آقا کو دیتا ہے، اور جزیہ والا بھی کما کر مسلمان کو دیتا ہے اس لیے جب غلام بنا سکتے ہیں تو اس پر جزیہ مقرر کرنا بھی جائز ہوگا۔

وجہ: عجمیوں سے جزیہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ **قال بعث عمر** رضی اللہ عنہ **الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین... فامرنا نبینا رسول ربنا** ﷺ **ان نقاتلکم حتی تعبدوا اللہ وحدہ او تؤدوا الجزیۃ** (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اهل الذمۃ والحرب، ص

(۲۸۷۴)وَإِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ؛ لـ لِجَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِمْ (۲۸۷۵)وَلَا تُوضَعُ عَلَى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا الْمُرْتَدِّينَ لـ لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ، أَمَّا مُشْرِكُوا الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- نَشَأَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجِزَةُ فِي حَقِّهِمْ أَظْهَرُ. وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ؛ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَمَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلَى مَحَاسِنِهِ فَلَا يُقْبَلُ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوِ السَّيْفُ زِيَادَةً

۲۴۴نمبر ۱۵۹ ۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

ترجمہ: (۲۸۷۴) اگر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے عجم کے بت پرستوں پر غالب آجائے تو ان کی عورتیں اور ان کے بچے مال غنیمت میں آجائیں گے۔

ترجمہ: لـ کیوں کہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

تشریح: آگے آرہا ہے کہ عرب کے بت پرست یا اسلام لائیں یا قتل کردئے جائیں، ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن عجم کے بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے قبضہ ہو جائے تو ان کے بچے اور عورتیں مال غنیمت میں آجائیں گے، کیوں کہ ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے۔ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۵) اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرتد پر۔

ترجمہ: لـ کیوں کہ ان لوگوں کا کفر شدید ہے، عرب کے مشرک کا تو اس لیے کہ حضور ﷺ ان کے سامنے پیدا ہوئے اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا اس لیے ان کے حق میں معجزہ بہت ظاہر ہے [پھر بھی ایمان نہ لائیں تو بہت بڑی غلطی ہے، اور مرتد کا کفر اس لیے شدید ہے کہ اسلام لانے کے بعد اور اس کے محاسن جاننے کے بعد اس نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اس لیے سزا میں زیادتی کے لیے یا تو وہ اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کردئے جائیں۔

وجہ: (۱) آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ عرب کے مشرکین یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کے لیے تیار رہیں۔ ذمی بن کر جزیہ دینا اس کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ آیت میں ہے۔ **فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ** (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ نماز قائم کرنے یعنی اسلام لانے تک قتال کرتے رہو اور یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے۔ اس لیے مشرکین عرب کو جزیہ دیکر جزیرۂ عرب میں رہنے کا حق نہیں ہے (۲) دوسری آیت میں بھی اس کی تائید ہے۔ **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ** (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں کفار عرب کے بارے میں اشارہ ہے کہ ان سے اتنا قتال کرو کہ پورا دین صرف اللہ کا ہو جائے۔ اس لیے بھی ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس ؓ انہ علیہ السلام قال لا یقبل من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف** (فتح القدیر، ۵/ ۲۹۳/ اعلاء السنن نمبر ۴۱۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سے قتل یا اسلام دونوں میں سے ایک

فِي الْعُقُوبَةِ. ۲ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - يُسْتَرَقُّ مُشْرِكُوا الْعَرَبِ، وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا (۲۸۷۶)وَإِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ ۱ لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - اسْتَرَقَّ نِسْوَانَ بَنِي حَنِيفَةَ وَصِبْيَانَهُمْ لَمَّا ارْتَدُّوا وَقَسَّمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ

ہےاس لیے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

مرتد پر جزیہ اس لیے نہیں ہے کہ اگر مرد ہے تو یا دوبارہ اسلام قبول کرے یا اس کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے حالانکہ اسکو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اس لیے اس سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔ چاہے عرب کا مرتد ہو چاہے عجم کا مرتد ہو۔

وجہ: (۱) اسلام کو سمجھنے کے بعد مرتد ہونا کفر سے بھی اغلظ ہے اس لیے اس کو تو بدرجہ اولی قتل کیا جائے گا یا پھر اسلام لے آئے (۲) قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس ؓ فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ ﷺ لا تعذبو بعذاب اللہ، ولقتلتھم لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ** (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مرتدہ عورت ہو تو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائے گا۔اور کفر کی حالت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔اس لیے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (۳) بخاری کی آگے دوسری حدیث ہے۔ **ثم اتبعہ معاذ بن جبل... قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات** (بخاری شریف، نمبر ۶۹۲۳) کہ مرتد کے قتل کرنے تک میں نہیں بیٹھوں گا۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ کے یہاں عرب کے مشرک کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے، اور اس کا جواب ہم نے پہلے دیا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ان کا کفر بہت شدید ہے اس لیے اس کو جزیہ لے کر نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۶) اگر ان لوگوں پر غلبہ ہو جائے تو اس کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہوں گے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ حضرت ابو بکرؓ بنی حنیف کی عورتوں اور اس کے بچوں کو غلام بنایا جب وہ مرتد ہوئے اور ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔

تشریح: عرب کے بت پرستوں اور مرتدوں پر غلبہ ہو جائے تو انکی عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بنا لیا جائے گا۔ اور مردوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ: حضرت ابو بکر کے زمانے میں قبیلہ بنی حنیفہ کے لوگ مرتد ہو گئے تھے تو حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس کی سرزنش کے لیے بھیجا وہ لوگ مغلوب ہوئے تو اس کی عورتوں کو باندی بنا لیا اور اس کے مال کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا، روایت یہ ہے۔ **ان ابا بکر ؓ ارسل الیھم خالد بن ولید فی جماعۃ من المسلمین... ثم قسم السبی قسمین** (واقدی فی کتاب الردۃ، بحوالہ نصب الرایۃ، کتاب

(۲۸۷۷)وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ لِمَا ذَكَرْنَا. (۲۸۷۸)وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ لَ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ أَوْ عَنِ الْقِتَالِ وَهُمَا لَا يُقْتَلَانِ وَلَا يُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ. قَالَ (۲۸۷۹)وَلَا زَمِنٍ وَلَا أَعْمَى لَ وَكَذَا الْمَفْلُوجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ لِمَا بَيَّنَّا.

السیر، باب الجزیة: ۳/۶۷۶)اس میں ہے کہ بنی حنیفہ کے فئی کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

ترجمہ:(۲۸۷۷)اور جو مرد مسلمان نہ ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

تشریح: عرب کے بت پرست اور مرتد ہونے والوں کے مرد مسلمان نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ اوپر گزرا کہ ان کے لیے یا اسلام لانا ہے یا قتل کر دیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۸۷۸)اور نہیں جزیہ ہے عورت پر اور نہ بچے پر۔

وجہ:(۱)عورت اور بچہ کما نہیں سکتے تو وہ جزیہ کہاں سے دیں گے، جزیہ تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کما سکتا ہو۔(۲)عورت، اور بچے پر جزیہ نہ ہونے کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **ان عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کتب الی عماله ان لا یضربوا الجزیة علی النساء و الصبیان و لا یضربوها الا علی من جرت علیه المواسی** (سنن للبیهقی، باب الزیادة علی الدینار بالصلح، ۹/ ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۳/ مصنف ابن ابی شیبة ۱۷ ماقالوا فی وضع الجزیة والقتال علیها، ۶/ ۴۳۱، نمبر ۳۲۶۲۶)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے۔(۳) **عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدله من المعافری ثیاب تکون بالیمن۔** (ابوداؤد شریف، **باب فی اخذ الجزیة**، ص ۴۷۷، نمبر ۳۰۳۸/ترمذی شریف، **باب ما جاء فی زکوة البقر**، ص ۱۶۱، نمبر ۶۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ عورت پر جزیہ نہیں ہے اور بچے پر بھی جزیہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہوتا ہے، یا وہ قتال کرے اس کی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا، اور نہ یہ دونوں قتال کرتے ہیں اس لیے کہ ان میں قتال کی اہلیت نہیں ہے[اس لیے ان دونوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ جزیہ اس لیے واجب ہوتا ہے کہ اس کو قتل کرنا تھا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا اس لیے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا، دوسری وجہ ہے کہ وہ خود قتال کرتے ہوں اس کی وجہ سے اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے خود قتال نہیں کرتے کیوں کہ ان میں قتال کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی اس لیے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اصول: جو کام نہیں کر سکتے ان پر جزیہ نہیں ہے۔

ترجمہ:(۲۸۷۹)اور نہ اپاہج پر اور نہ اندھے پر

ترجمہ: ۱؎ ایسے ہی مفلوج پر اور بہت بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ قتل نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اپاہج، اندھا اور بہت بوڑھا پر جزیہ نہیں ہے۔

وجہ:(۱)ان لوگوں کو قتل نہیں کیا جاتا ہے، اور جزیہ قتل کا بدلہ ہے اس لیے ان لوگوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔(۲)بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **قال ابصر عمر رضی اللہ عنہ شیخا کبیرا من اهل الذمة یسأل فقال له مالک؟ قال لیس لی مال و ان**

ﮯ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تَجِبُ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْجُمْلَةِ إِذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ (۲۸۸۰)وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ ﮯ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. لَهُ إِطْلَاقُ حَدِيثِ مُعَاذٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – ﮯ وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – لَمْ يُوَظِّفْهَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ –،

الجزية تو خذ منی فقال له عمر ﷺ ما انصفناك اكلنا شيبتك ثم ناخذ منك الجزية ثم كتب الى عماله ان لا يأخذوا الجزية من شيخ كبير (رواہ زنجویہ فی الاموال/اعلاء السنن، باب لا جزیۃ علی صبی ولا امرأۃ الخ، ج ثانی عشر، ص ۵۰۹، نمبر ۴۱۷۵)

اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اور اسی پر اپاہج اور اندھے کو قیاس کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ دونوں بھی کما نہیں سکتے ہیں۔

ترجمہ: ﮯ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اس لیے کہ اگر اس کی رائے ہو تو اس کو قتل بھی کیا جاتا ہے [اس لیے جزیہ بھی لیا جائے گا]

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں اگر بوڑھا جنگ میں رائے دیتا ہو تو ایسے بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ کسی نہ کسی درجے میں بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے اس لیے اس سے جزیہ بھی لیا جائے گا

ترجمہ: (۲۸۸۰) اور نہ ایسے فقیر پر جو کام نہ کرتا ہو۔

وجہ: **قال ابصر عمر شيخا كبيرا من اهل الذمة يسأل فقال له مالك؟ قال ليس لي مال و ان الجزية تو خذ منی فقال له عمر ما انصفناك أكلنا شيبتك ثم ناخذ منك الجزية ثم كتب الى عماله ان لا يأخذوا الجزية من شيخ كبير**۔ (روی ابن زنجویہ فی کتاب الاموال، بحوالہ نصب الرأیہ، باب کتاب السیر، باب الجزیۃ: ۳/۶۷۹) اس میں ہے کہ بہت بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے کیوں کہ وہ کما نہیں سکتا ہے اس لیے کام نہ کرنے والے پر جزیہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ﮯ خلاف امام شافعیؒ کے معاذؓ کی حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اوپر حضرت معاذؓ کی حدیث گزری جس میں ہے کہ ہر مرد سے ایک دینار جزیہ لیا جائے گا، چونکہ اس میں فقیر اور مالدار کا فرق نہیں ہے اس لیے فقیر سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔

وجہ: **قال وضع عمر بن الخطاب في الجزية على رؤس الرجال على الغنى ثمانية و اربعين درهما و على الوسط اربعة وعشرين وعلى الفقير اثنى عشر درهما** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷ ماقالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیہا، ۶/۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۳/سنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ۹/۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵) اس قول صحابی میں ہے کہ فقیر پر بارہ درہم جزیہ ہے۔

ترجمہ: ﮯ ہماری دلیل یہ ہے کہ عثمان بن حنیفؓ جو فقیر کام نہ کرنے والا ہو اس پر جزیہ متعین نہیں کیا تھا اور یہی صحابہ کے سامنے تھا جس سے صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے۔

تشریح: حضرت عثمان بن حنیف نے کام نہ کرنے والے فقیر پر جزیہ متعین نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

۳ وَلِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ لَا يُوَظَّفُ عَلَى أَرْضٍ لَا طَاقَةَ لَهَا فَكَذَا هٰذَا الْخَرَاجُ. ۴ وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ (۲۸۸۱) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الْمَمْلُوكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ ۱ لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَجِبُ فَلَا تَجِبُ بِالشَّكِّ (۲۸۸۲) وَلَا يُؤَدِّي عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ ۱ لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ (۲۸۸۳) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ ۱ كَذَا ذُكِرَ هٰهُنَا.

ترجمہ: ۳ اور اس لیے کہ جس زمین میں اگانے کی طاقت نہیں اس پر خراج مقرر نہیں کیا جاتا اسی طرح یہ جزیہ کا معاملہ ہے۔

تشریح: جزیہ کو خراج پر قیاس کیا جائے، جس زمین میں اگانے کی طاقت نہ ہو اس پر خراج نہیں ہے، اسی طرح جس آدمی میں کمانے کی طاقت نہ ہو اس پر جزیہ لازم نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۴ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث بیان کی ہے کہ فقیر پر خراج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرنے والا فقیر ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۸۱) مملوک پر مکاتب پر، مدبر پر اور ام ولد پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ لوگ مملوک ہیں ان لوگوں کے پاس اپنا پیسہ نہیں ہوتا اس لیے ان لوگوں پر جزیہ بھی واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں قتل کا بدلہ ہے اور ہمارے حق میں وہ لوگ مدد کریں اس کا بدلہ ہے اور دوسرے اعتبار سے واجب نہیں ہوتا ہے اس لیے شک کی بنیاد پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: دو وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، [۱] قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہم کفار کے غلاموں کو قتل کرتے ہیں اب ان کو چھوڑ دیا اس لیے اس پر جزیہ ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ ہے کہ ہم جزیہ سے مجاہدین کی مدد کرتے ہیں، لیکن ان مملوک کے پاس تو مال ہی نہیں ہے اس لیے یہ جزیہ کیا ادا کریں گے، اس اعتبار سے ان پر جزیہ واجب نہیں ہونا چاہئے اس لیے ان پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۸۲) اور ان غلاموں کی جانب سے ان کے مالک بھی ادا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ ان مالکوں پر زیادہ بوجھ ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۳) اور نہ ایسے راہب پر جو لوگوں سے نہ ملتا ہو۔

ترجمہ: ۱ امام محمدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے

وجہ: (۱): جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو وہ بھی کما نہیں سکتا ہے اس لیے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن خالد بن ولید انه صالح اهل الحيرة على تسعين و مائة الف درهم تقبل كل سنة جزاء عن ايديهم فى الدنيا رهبانهم و قسيسهم الا من كان غير ذى يد حبيسا عن الدنيا تارکا لها و سائحا تارکا للدنيا (مختصر رواه الطبرى فى تاريخه: ۴/۱۴/اعلاء السنن، باب لا توضع الدنيا على الرهبان لا يخالطون الناس، ج ثانى عشر، ص ۵۱۳، نمبر ۴۱۷۹)** اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ ٢ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُوضَعُ عَلَيْهِمْ إِنْ كَانُوا يَقْدِرُونَ عَلَى الْعَمَلِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ ٣ وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيلِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ ٤ وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوا لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ، وَالْجِزْيَةُ فِي حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيحًا وَيَكْتَفِي بِصِحَّتِهِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ. (۲۸۸۴) وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ ١ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ كَافِرًا

لغت:زمن: اپاہج، **الرھبان**: راہب کی جمع ہے، **یخالطون**: خلط سے ہے ملنا جلنا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر راہب کام کر سکتا ہو تو اس پر جزیہ متعین کیا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے، اور اس پر جزیہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کام کرنے پر قدرت تھی لیکن اس نے خود اس کو ضائع کر دیا، تو جیسے خراجی زمین کو ضائع کر دے تو اس پر خراج لازم ہوتا ہے ویسے ہی یہاں ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ اور جزیہ نہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ راہب کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ وہ لوگوں سے ملتا نہیں ہے، اس لیے اس پر قتل نہیں ہے تو جزیہ بھی نہیں ہے۔

تشریح: راہب پر جزیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، جب قتل نہیں ہے تو اس کے بدلے میں جزیہ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ اور کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سال کے اکثر حصے میں تندرست ہو۔

تشریح: یہاں مصنف فقیر غیر معتمل: کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ سال کے اکثر حصے میں کام کرنے کی صلاحیت ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا، اور اگر اکثر حصے میں بیمار ہو تو اس پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۸۴) کوئی ایسا آدمی اسلام لائے کہ اس پر جزیہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱ ایسے ہی کافر مر جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: پہلے ذمی تھا جس کی وجہ سے اس کے سر پر جزیہ تھا اب وہ مسلمان ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس کی زمین پر خراج تھا تو وہ باقی رہے گا۔ اسی طرح مثلا ایک سال سے کافر نے جزیہ نہیں دیا تھا اب وہ مر گیا تو اب اس کی وراثت سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ معاف ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ کفر کی وجہ سے اس کی ذلت کی چیز ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس ذلت کا اہل نہیں رہا اس لیے ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی مسلم جزیۃ مثل سفیان عن تفسیر ھذا فقال اذا اسلم فلا جزیۃ علیہ** (ابو داؤد شریف، **باب فی الذمی الذی یسلم فی بعض السنۃ ھل علیہ جزیۃ**، ص ۷۷، نمبر ۳۰۵۳/ ترمذی شریف، **باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ**، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، **کتاب الزکوۃ**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مسلمان ہو جائے تو اس

۲ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا. لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْعِصْمَةِ أَوْ عَنِ السُّكْنَى وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْعِوَضُ بِهَذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ. ۳ وَلَنَا قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ وَلِأَنَّهَا ۴ وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ وَلِهَذَا تُسَمَّى جِزْيَةً وَهِيَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ، وَعُقُوبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَا تُقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ، ۵ وَلِأَنَّ شَرْعَ الْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا لَا يَكُونُ إِلَّا لِدَفْعِ الشَّرِّ وَقَدِ انْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ؛ ۶ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا وَقَدْ قَدَرَ عَلَيْهَا

پر سے جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۲ دونوں کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے، یا دار الاسلام میں رہنے کے بدلے میں واجب ہوا ہے، اور ان کو عوض پہنچ چکا ہے اس لیے اس عارض [مسلمان ہونے اور موت ہونے سے] بدل ساقط نہیں ہوگا، جیسے اجرت ساقط نہیں ہوتی ہے یا دم عمد کے بارے میں صلح کی تو ساقط نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ کافر مسلمان ہونے سے، یا مر جانے سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کی اس لیے جزیہ واجب ہوتا ہے، یا دار الاسلام میں رہا ہے اس لیے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور اس کے خون کی حفاظت ہوئی، یا دار اسلام میں رہا اس لیے اس کا بدلہ جزیہ ساقط نہیں ہوگا (۲) اس کی دو مثالیں دیتے ہیں ایک یہ کہ اجرت پر کسی چیز کو لیا تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے اجرت ساقط نہیں ہوتی اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ یا جان کر خون کیا اور اس کے بدلے میں مال پر صلح کر لیا، تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے یہ مال ساقط نہیں ہوتا اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابھی اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ جزیہ کفر پر سزا کے لیے واجب ہوا ہے اسی لیے اس کا نام جزیہ ہے، یعنی کفر کا بدلہ، اور کفر کا بدلہ اسلام لانے سے ساقط ہوجاتا ہے، اور موت کے بعد باقی نہیں رہتا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ جزیہ یہ کفر کی سزا ہے، اسی لیے اس کو جزیہ یعنی بدلہ قرار دیا، اور جب مسلمان ہوگیا تو یہ بدلہ ختم ہوجائے گا کیوں کہ اب کفر ہی نہیں رہا تو اس کا بدلہ کیسا، اور موت ہوگئی تو یہ بدلہ اب جاری نہیں رہے گا، اس لیے اسلام لانے اور مر جانے سے جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور اس لیے کہ جزیہ دنیا میں سزا کے لیے مشروع ہوا ہے، اور اس کی شرارت کو دفع کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے، اور وہ مر گیا، یا مسلمان ہوگیا تو اس کی شرارت ختم ہوگئی اس لیے اب جزیہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ کفار پر جزیہ اس لیے مشروع کیا کہ وہ شرارت نہ کر سکے، اور جب مسلمان ہوگیا تو اس کی شرارت ختم ہوگئی، اسی طرح جب وہ مر گیا تو اس کی شرارت ختم ہوگئی اس لیے اب جزیہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۶ اور اس لیے کہ ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے اور اسلام کے بعد وہ خود مدد پر قادر ہوگیا ہے [اس

بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ. ۷ وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكَوْنِهِ آدَمِيًّا وَالذِّمِّيُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهِ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنَى. (۲۸۸۵)وَإِنْ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتْ الجزيتان ۱؎ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَمَنْ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ خَرَاجُ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُؤْخَذْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: يُؤْخَذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ – رَحِمَهُ اللَّهُ –

لیے جزیہ ساقط ہو جائے گا]

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے کہ جب تک وہ کافر رہا اس بات کا محتاج رہا کہ ہم اس کی مدد کریں اور اس کے بدلے میں جزیہ لیں، لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا تو اپنی حفاظت پر قادر ہو گیا، اس لیے اس سے جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۷ اور کافر آدمی ہے اس لیے حفاظت ثابت ہے، اور ذمی اپنی ملکیت میں رہتا ہے، اس لیے عصمت اور رہنے کے بدلے کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ جزیہ حفاظت اور رہنے کا بدلہ ہے اس لیے مسلمان ہونے کے بعد وہ ساقط نہیں ہوگا، اس کا جوب دیا جا رہا ہے کہ آدمی ہونے کی وجہ سے وہ خود ہی محفوظ ہے، اور اپنی ملکیت کی زمین میں رہا ہے اس لیے سکونت کے بدلے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے جزیہ عصمت اور سکونت کا بدلہ ہے ہی نہیں۔

ترجمہ: (۲۸۸۵) اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا۔

تشریح: اگر دو سال تک جزیہ نہیں دے سکا تو اب ایک سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور ایک سال ہی کا جزیہ لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں ہے۔ **عن طاؤس انه قال اذا تدارکت الصدقات فلا تو خذ الاولی کالجزیة** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۲ من قال لا تو خذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة: ۲/۴۳۱، نمبر ۱۰۷۳۳) (۲) ایک اور قول تابعی میں ہے۔ **عن الزهری قال لم یبلغنا من احد من ولاة هذه الامة الذین کانوا بالمدینة ابو بکر و عمر و عثمان انهم کانوا لا یثنون العشور لکن یبعثون علیها کل عام فی الخصب و الجدب لان اخذها سنة من رسول الله ﷺ** (مصنف ابن ابی شیبۃ، من قال لا تو خذ الصدقة فی السنة الا مرة واحدة: ۲/۴۳۱، نمبر ۱۰۷۳۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک سال میں دو مرتبہ عشر نہیں لیتے تھے۔ اور دو سال کا ایک سال میں لیں گے تو دو مرتبہ جزیہ لینا ہوگا۔ اس لیے ایک جزیہ ساقط ہوگا اور ایک جزیہ لازم ہوگا (۳) اس میں ذمی کے لیے سہولت ہے جس میں اسلام میں بڑا خیال رکھا گیا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ جامع صغیر میں ہے، کسی سے جزیہ نہیں لیا گیا یہاں تک کہ سال گزر گیا اور دوسرا سال آ گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے پچھلے سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا اس سے پچھلے سال بھی جزیہ لیا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ **و من لم یو خذ منه خراج رأسه حتی مضت السنة لم یو خذ به، و قال یعقوب و محمد ﷫ یو خذ به** (جامع صغیر، باب کتاب الخراج، ص ۳۰۷) اس عبارت میں ہے کہ سال گزر جائے تو ابا حنیفہؒ کے نزدیک پچھلے سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۲۸۸۶)وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ ا أَمَّا مَسْأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهَا ٢ وَقِيلَ خَرَاجُ الْأَرْضِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ.وَقِيلَ لَاتَدَاخُلَ فِيهِ بِالِاتِّفَاقِ ٣ لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخَرَاجَ وَجَبَ عِوَضًا، وَالْأَعْوَاضُ إِذَا اجْتَمَعَتْ وَأَمْكَنَ اسْتِيفَاؤُهَا تُسْتَوْفَى، وَقَدْ أَمْكَنَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِينَ ٤ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَسْلَمَ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ ٥ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْإِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَلِهَذَا لَا يُقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِي أَصَحِّ

وجه: امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو سال کا جمع ہوا ہے اس لیے دو سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ ورنہ حکومت کو نقصان ہوگا اور ذمی ساقط کرنے کے لیے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۶) اگر سال کے پورا ہونے پر ذمی مر گیا تو سب کے نزدیک جزیہ نہیں لیا جائے گا، اسی طرح اگر سال کے درمیان میں مر گیا تب بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جزیہ کفر کی سزا ہے اور مر جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے اس لیے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ جزیہ نصرت کا بدلہ ہے اس لیے مر گیا تب بھی مدد کرنے بدلہ لیا جائے گا۔

تشریح: سال پورا ہوا اور ذمی کا انتقال ہو گیا تو یہ جزیہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح سال کے درمیان میں ذمی مر گیا تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ کیوں کہ مرنے سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جزیہ کفر کی سزا ہے اس لیے یہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ا بہر حال موت کے مسئلے کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مرنے سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲ کہا گیا ہے کہ خراج بھی اسی اختلاف پر ہے، اور کہا گیا ہے کہ خراج میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا۔

تشریح: خراج کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ درمیان سال میں مرنے سے خراج ساقط ہو جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق ساقط نہیں ہے، کیوں کہ یہ زمین کا بدلہ ہے جو ابھی موجود ہے۔

ترجمہ: ۳ اختلافی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ مدد کرنے کے بدلے میں لیا جاتا ہے اور وہ بدلہ جب جمع ہو جائے اور اس کا وصول کرنا بھی ممکن ہو تو وصول کیا جائے گا اور ہم جس مسئلے کے بارے میں بات کر رہے ہیں اس میں کئی سال گزر جانے کے بعد بھی وصول کرنا ممکن ہے اس لیے وصول کیا جائے گا۔

تشریح: جزیہ کے بارے میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں جزیہ ذمی کو زندہ رکھنے کے بدلے میں ہے، اور کئی سالوں کا خراج وصول کرنا ممکن ہے اس لیے وصول کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ بخلاف جبکہ مسلمان ہو جائے۔ کہ اب وصول کرنا ممکن نہیں رہا۔

تشریح: اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو چونکہ جزیہ ذلت کی چیز ہے اس لیے اب اس کا وصول کرنا نا ممکن ہے اس لیے وہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر اصرار کے بدلے میں واجب ہوا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اسی لیے اگر نائب

الرِّوَايَاتِ، بَلْ يُكَلَّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطِيَ قَائِمًا، وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ. وَفِي رِوَايَةٍ: يَأْخُذُ بِتَلْبِيبِهِ وَيَهُزُّهُ هَزًّا وَيَقُولُ: أَعْطِ الْجِزْيَةَ يَا ذِمِّيُّ وَقِيلَ عَدُوَّ اللهِ فَثَبَتَ أَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ إِذَا اجْتَمَعَتْ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُودِ، ٦ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا، لَكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا فِي الْمَاضِي؛ لِأَنَّ الْقَتْلَ إِنَّمَا يُسْتَوْفَى لِحِرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَا لِحِرَابٍ مَاضٍ، وَكَذَا النُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ؛ لِأَنَّ الْمَاضِيَ وَقَعَتِ الْغُنْيَةُ عَنْهُ. ٧ ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِي الْجِزْيَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى، حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ عَلَى الْمُضِيِّ مَجَازًا. وَقَالَ: الْوُجُوبُ بِآخِرِ السَّنَةِ، فَلَا بُدَّ مِنَ الْمُضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الِاجْتِمَاعُ فَتَتَدَاخَلُ. وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مُجْرًى عَلَى حَقِيقَتِهِ، وَالْوُجُوبُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الِاجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِيءِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَنَا فِي ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِي

کے ہاتھ سے بھیجا تو قبول نہیں کیا جائے گا صحیح روایت یہی ہے بلکہ ذمی کو اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ جزیہ دینے کے لیے خود آئے او کھڑے ہو کر دیں، اور لینے والا بیٹھا ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ سینے کے پاس اس کا کپڑا پکڑ کر ہلائے گا اور کہے گا کہ اے ذمی جزیہ دو، اور بعض نے کہا کہ یوں کہے گا کہ اے اللہ کے دشمن جزیہ دو، اس سے ثابت ہوا کہ جزیہ سزا ہے اور سزا جب جمع ہو جائے تو حدود کی طرح اس میں تداخل ہو جائے گا [یعنی ایک ہی جزیہ لازم ہوگا]

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جزیہ سزا ہے، جیسے حدود سزا ہے، اور عقوبات کا قاعدہ یہ ہے کہ کئی جمع ہو جائیں تو ایک ہی لازم ہوتی ہے اس لیے کئی جزیہ جمع ہو جائیں تو تداخل ہو کر ایک ہی جزیہ لازم ہوگا، سزا ہونے کی مثال بتائی کہ جزیہ لیتے وقت خود آدمی کو بلائے اور اس کے سینے کے پاس کپڑا پکڑ کر ہلائے اور کہے کہ اے ذمی جزیہ دو یہ سزا ہونے کی دلیل ہے۔

لغت: **یہزہ: ہزہ** سے مشتق ہے، ہلانا، یہاں مراد ہے کپڑا پکڑ کر ہلانا۔ **تلبیب: لب** سے مشتق ہے، گریبان۔

ترجمہ: ۶ اور اس لیے کہ کفار کے حق میں قتل کے بدلے میں جزیہ واجب ہے، اور ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، لیکن مستقبل میں قتل نہ کرے اس پر جزیہ ہے، ماضی میں قتل نہیں کیا اس پر جزیہ نہیں ہے اس لیے کہ جو جنگ قائم ہے اس میں قتل کیا جاتا ہے جو جنگ گزر گئی اس میں قتل نہیں کیا جاتا اس لیے کہ ماضی کی بات تو ختم ہو گئی۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ نصرت کے بدلے اور قتل نہ کرنے کے بدلے میں ہم جزیہ لیتے ہیں تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ آیندہ قتل نہ کرے اس کے بدلے جزیہ ہے جو زمانہ گزر گیا اس کے بدلے جزیہ نہیں ہے وہ بات تو ختم ہو گئی اس لیے گزرے ہوئے وقت کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، **حراب:** جنگ۔ **غنیۃ عنہ:** اس کے بارے میں تو بات بن چکی ہے۔

ترجمہ: ۷ پھر جزیہ کے بارے میں جامع صغیر میں یہ جو جملہ ہے، **و جاءت سنۃ اخری**، بعض مشائخ نے اس کا ترجمہ کیا کہ دوسرا اسل بھی گزر چکا ہو اور یہ بھی کہا کہ سال گزر جانے کے بعد جزیہ واجب ہوتا ہے، اس لیے دوسرے سال کا گزر جانا بھی ضروری ہے تا کہ دو سال جمع ہو جائیں تا کہ دوسرا سال پہلے میں داخل ہو جائیں۔

اور بعض کے نزدیک وجاءت سنۃ اخری، کا جملہ حقیقت پر ہے، یعنی دوسرا سال شروع ہو گیا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سال کے

آخِرِهِ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ. وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا فِي الْمُسْتَقْبَلِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَ إِيجَابُهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهُ فِي أَوَّلِهِ.

فَصْــــلٌ

(۲۸۸۷)وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ بَيْعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، لِ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «لَا خِصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيسَةَ» وَالْمُرَادُ إِحْدَاثُهَا

شروع ہونے پر جزیہ واجب ہو جاتا ہے اس لیے سال کے آجانے یعنی شروع ہونے پر دونوں سالوں کا اجتماع ہو جائے گا۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سال کے شروع میں جزیہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے سال کے آخر میں جزیہ واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہوا ہے اس لیے وہ آئندہ کے بدلے میں واجب ہوگا جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا اس لیے سال گزرنے پر واجب کرنا مشکل ہے اس لیے سال کے شروع میں واجب کیا۔

تشریح: متن نمبر ۲۸۸۵، کی شرح میں تھا، **و جائت سنة اخری** ۔یہ جملہ جامع صغیر میں نہیں ہے، یہ عبارت صاحب ہدایہ نے لگائی ہے۔

اس عبارت کا دو مطلب ہیں [۱] ایک یہ کہ دوسرا سال بھی گزر گیا ہو تب دو سالوں کا جزیہ جمع ہوگا اور تداخل ہو کر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا، امام شافعی کے یہاں یہی مطلب ہے، کیوں کہ ان کے یہاں سال گر جانے پر جزیہ واجب ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرا سال ابھی شروع ہوا ہو تو دو سال کا جزیہ جمع ہو گیا، اس صورت میں جزیہ سال کے شروع میں واجب ہوگا، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے کہ سال کے شروع ہوتے ہی جزیہ واجب ہو جاتا۔

ترجمہ: اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں ہے، یعنی سال کے شروع میں قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہے اور یہ بات سال کے شروع ہوتے ہی ہو سکتی ہے۔

{فصل: فی بیان ما یجوز لھم ان یفعلوا}

ترجمہ: (۲۸۸۷) دار الاسلام میں یہودی اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: لِ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اسلام میں انسان کا خصی کرنا نہیں ہے اور نہ کنیسہ بنانا ہے اور یہاں حدیث میں کنیسہ بنانا مراد ہے۔

تشریح: دار الاسلام کے شہروں میں یہودی کا اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

وجہ: (۱) اس سے اس کی شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی۔ اس لیے ان کا نیا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول اللہ قال لا اخصاء فی الاسلام و لا بنیان کنیسة**۔ (سنن بیہقی، **باب کراھیة خصاء البھائم**، ج عاشر، ص ۴۱، نمبر ۱۹۷۹۳) اس حدیث میں ہے کہ کنیسہ کو نہ بنائے۔ (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس** ؓ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **لا تصلح قبلتان فی ارض واحدة و لیس علی المسلمین جزیة**۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء **لیس علی المسلمین جزیة**، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کو بہت زیادہ اس کے دین کی اشاعت

(۲۸۸۸)وَإِنْ انْهَدَمَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا ۱؎ لِأَنَّ الْأَبْنِيَةَ لَا تَبْقَى دَائِمًا، وَلَمَّا أَقَرَّهُمْ الْإِمَامُ فَقَدْ عَهِدَ إِلَيْهِمْ الْإِعَادَةَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُونَ مِنْ نَقْلِهَا؛ لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْحَقِيقَةِ. ۲؎ وَالصَّوْمَعَةُ لِلتَّخَلِّي فِيهَا بِمَنْزِلَةِ الْبِيعَةِ، بِخِلَافِ مَوْضِعِ الصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ؛ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلسُّكْنَى،

کی اجازت نہیں ہوگی۔اور نیا کنیسہ یا بیعہ بنانا دین کی اشاعت ہے اس لیے اس کی اجازت نہیں ہوگی (۵) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباس ؓ قال کل مصر مصره المسلمون لا یبنی فیه بیعة و لا کنیسة و لا یضرب فیه بناقوس و لا یباع فیه لحم خنزیر** (سنن للبیہقی، **باب یشترط علیهم ان لا یحدثوا فی امصار المسلمین کنیسة و لا مجمعا لصلواتهم و لا صوت ناقوس و لا حمل خنزیر و لا ادخال خنزیر** : ۹/ ۳۳۹،نمبر ۱۸۷۱۴/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۰ **ماقالوا فی هدم البیع و الکنائز و بیوت النار** : ۶/ ۴۷۱،نمبر ۳۲۹۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس شہر کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں ذمیوں کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

لغت: بیعة: یہودی کا عبادت خانہ، **کنائس**: کنیسۃ کی جمع ہے نصرانی کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: (۲۸۸۸) اگر پھر منہدم ہو جائیں پرانی گر جائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے اس کو اسلامی ملک میں رکھا ہے تو اس سے عہد کیا کہ عمارت دوبارہ بنانے کی اجازت دیں گے، لیکن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس لیے کہ یہ حقیقت میں نئی عبادت گاہ بنانا ہے۔

تشریح: یہودی یا نصرانی کی پرانی عبادت خانہ گر گئی تو اس کو دوبارہ بنائی جا سکتی ہے۔ البتہ اسی عبادت گاہ کو دوسری جگہ بنانا چاہے تو اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ گویا کہ نئی عبادت گاہ بنانا ہے جس کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) جو پہلے سے ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اس لیے اس کو دوبارہ بنائی جا سکتی ہے (۲) حدیث میں ہے اہل نجران سے صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ گر جائیں نہیں گرائیں گے۔ ان کے راہبوں کو نہیں نکالیں گے۔ اور ان کے دین کے بارے میں فتنے میں نہیں ڈالیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباس ؓ قال صالح رسول اللہ ﷺ اهل نجران علی الفی حلة... علی ان لا تهدم لهم بیعة و لا یخرج لهم قس و لا یفتنوا عن دینهم مالم یحدثوا حدثا او یاکلوا الربا** (ابو داؤد شریف، **باب فی اخذ الجزیة**، ص ۴۷، نمبر ۳۰۴۱/ **سنن للبیہقی، باب لا تهدم لهم کنیسة و لا بیعة**: ۹/ ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرانی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور صومعہ جو تنہائی میں عبادت کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہ بیعہ کی طرح ہے [یعنی اس کو بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، بخلاف گھر میں عبادت کرنے کی جگہ وہ گھر کے تابع ہے۔

تشریح: عیسائیوں کے یہاں صومعہ ہوتی ہے، جس میں تنہائی میں عبادت کرتے ہیں، اس کا حکم کنیسہ کی طرح ہے، یعنی شہر میں اس کو نئی بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ کوئی عیسائی اپنے گھر میں عبادت کرنے کی جگہ بنائے تو اس کی اجازت ہوگی، کیوں کہ وہ گھر کے تابع ہے، اور گھر بنانے کی اجازت ہے تو شہر میں گھر کے اندر عبادت کی جگہ بنانے کی بھی اجازت ہوگی۔

وجہ: گھر کے اندر عبادت کی جگہ ہے تو اس کا اظہار مسلمانوں کے سامنے نہیں ہوگا، اور نہ وہ عیسائیت پھیلانے کا ذریعہ بنے گا اس لیے

۳ وَهٰذَا فِي الْأَمْصَارِ دُونَ الْقُرَى، لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِي تُقَامُ فِيهَا الشَّعَائِرُ فَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِ مَا يُخَالِفُهَا. ۴ وَقِيلَ فِي دِيَارِنَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذٰلِكَ فِي الْقُرَى أَيْضًا، لِأَنَّ فِيهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ، ۵ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِي قُرَى الْكُوفَةِ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ. ۶ وَفِي أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُونَ مِنْ ذٰلِكَ فِي أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ قَالَ (۲۸۸۹) وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَا يَرْكَبُونَ

اس کی اجازت ہوگی، تا کہ عیسائی اپنی عبادت گھر کے اندر کر سکے۔

ترجمہ: ۳ یہ بات کہ نئی بیعہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ شہر میں ہے دیہات میں نہیں ہے اس لیے کہ شہر میں اسلامی شعائر ہوتے ہیں، اس لیے شہر کے مخالف دیہات میں نئی کنیسہ بنانے میں کوئی معارض نہیں ہے۔

وجہ: شہر میں اسلامی شعائر زیادہ واضح ہوتے ہیں، اور یہ اسلامی دعوت کا ذریعہ ہوتے ہیں اس لیے شہر میں نئی کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

نوٹ: اس وقت پوری دنیا میں یہود اور نصاری کا غلبہ ہے، اور اسلامی حکومت برائے نام ہے اس لیے اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

ترجمہ: ۴ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ ہمارے دیہات میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اس لیے دیہات میں کچھ شعائر موجود ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵ اور صاحب مذہب یعنی امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ کوفہ کی دیہات میں نئی کنیسہ بنانا جائز ہے اس لیے کہ وہاں اکثر لوگ ذمی ہیں۔

ترجمہ: ۶ اور عرب کی زمین میں اس کی دیہات اور شہر میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

وجہ: (۱) عرب کی سرزمین کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہاں سے یہود اور نصاری کو نکال دو اس لیے وہاں کے شہر اور دیہات میں کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **اخبر عمر بن الخطاب ؓ انه سمع رسول الله ﷺ یقول لاخرجن الیهود و النصاری من جزیرة العرب فلا اترک فیها الا مسلما۔** (ابو داود شریف، باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ یہود اور نصاری کو جزیرۃ عرب سے نکال دو۔ (۲) **سمع عمر بن عبد العزیز یقول آخر ما تکلم به رسول الله ﷺ قال قاتل الله الیهود و النصاری اتخذوا قبور انبیائهم مسجدا، لا یبقی او لا یجتمع بارض العرب دینان۔** (مصنف عبد الرزاق، باب اجلاء الیهود من المدینة: ۶ / ۴۴، نمبر ۲۷۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں دو دین نہیں ہو اس لیے نہ یہود اور نصاری کو رکھا جائے گا اور نہ اس کی عبادتگاہ بنانے کی اجازت ہوگی۔ (۳) **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تکون قبلتان فی بلد واحد۔** (ابو داود شریف، باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۰۳۲ / ترمذی شریف، باب ما جاء لیس علی المسلمین جزیة، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوة) اس حدیث میں ہے کہ جزیرہ عرب میں دو قبلہ نہ ہوں، یعنی دو قسم کی عبادت گا ئیں نہ ہوں، اس لیے عرب میں یہود اور نصاری کی عبادت گاہ نہیں بنانے دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۹) عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک میں سواریوں میں زمینوں میں اور ٹوپیوں میں۔

الْخَيْلَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِالسِّلَاحِ. ١ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيجَاتِ وَالرُّكُوبِ عَلَى السُّرُوجِ الَّتِي هِيَ كَهَيْئَةِ الْأُكُفِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُونَ بِذَلِكَ إِظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعَفَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلِأَنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ، وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ،

اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

تشریح: ذمیوں کو دار الاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر سلام نہ کرے ان کے لیے دعائیں نہ کرے۔ اور ایک انداز ے میں ذلت کے ساتھ رہے تا کہ اس کو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا الیھود و لا النصاری بالسلام و اذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ** (مسلم شریف، **باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام و کیف یرد علیھم**، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۷ / ابو داؤد شریف، **باب فی السلام علی اھل الذمۃ**، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لیے کہے تا کہ اس کی شان و شوکت کا اظہار نہ ہو (۲) قول صحابی میں ہے کہ ذمیوں پر مہر لگائے تا کہ دور سے پتا چل جائے کہ وہ ذمی ہے۔ اثر یہ ہے۔ **کتب عمر ؓ الی امراء الاجناد ان اختموا رقاب اھل الجزیۃ فی اعناقھم** (سنن للبیہقی، **باب یشترط علیھم ان یفرقوا بین ھیئتھم و ھیئۃ المسلمین**: ۹/ ۳۴۰، نمبر ۱۸۷۱۸) (۳) حضرت عمرؓ نے اہل شام سے صلح کی تو اس میں شرط لگائی کہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے میں متمیز رہے۔ باتوں میں بھی متمیز رہے۔ قول صحابی کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن غنم قال کتبت لعمر بن الخطاب ؓ حین صالح اھل الشام بسم اللہ الرحمن الرحیم... و ان نوقر المسلمین و ان نقوم لھم من مجالسنا ان ارادوا اجلوسا و لا نتشبہ بھم فی شیء من لباسھم من قلنسوۃ و لا عمامۃ و لا نعلین و لا فرق شعر و لا نتکلم بکلامھم و لا نتکنی بکناھم و لا نرکب السروج و لا نتقلد السیوف و لا نتخذ شیئا من السلاح و لا نحملہ معنا و لا ننقش خواتیمنا بالعربیۃ** (سنن للبیہقی، **باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیۃ**: ۹/ ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ذمی ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے۔ اور ہتھیار اس لیے نہ اٹھائے کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کر لے۔ اور مسلمانوں کے لیے مشکلات نہ پیدا کرے۔

نوٹ: افسوس کہ عالم عرب پر امریکیوں نے اس طرح قبضہ کر لیا کہ یہ سب مسائل خواب و خیال بن گئے۔

لغت: **زیھم:** ہیئت، لباس، **مراکب:** مرکب کی جمع ہے **رکب** سے مشتق ہے سوار، **سروج: سرج** سے مشتق ہے زین، **قلانس: قلنسوۃ** سے مشتق ہے ٹوپی۔

ترجمہ: ١ اور جامع صغیر میں ہے کہ ذمی پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ اپنی زنار ظاہر کریں اور ایسی زینوں پر سوار جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی صورت میں ہو، اور دباؤ محض اس لیے ڈالا جائے گا کہ ان کا حقیر ہونا ظاہر ہو اور مسلمانوں کی کمزوری کی حفاظت ہو سکے اس لیے کہ مسلمانوں کی عزت کی جاتی ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے۔

تشریح: جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔ ذمیوں کو ذلت کا سامنا ہے، اور مسلمانوں کی عزت ہے اس لیے دار الاسلام میں ذمیوں پر

۲ وَلَا يُبْتَدَأُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيقُ، فَلَوْ لَمْ تَكُنْ عَلَامَةٌ مُمَيِّزَةٌ فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِينَ وَذَٰلِكَ لَا يَجُوزُ؛ ۳ وَالْعَلَامَةُ يَجِبُ أَنْ تَكُونَ خَيْطًا غَلِيظًا مِنَ الصُّوفِ يَشُدُّهُ عَلَى وَسَطِهِ دُونَ الزُّنَّارِ مِنَ الْإِبْرَيْسَمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِي حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ. ۴ وَيَجِبُ أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطُّرُقَاتِ وَالْحَمَّامَاتِ، وَيُجْعَلُ عَلَى دُوَرِهِمْ عَلَامَاتٌ كَيْ لَا يَقِفَ عَلَيْهَا سَائِلٌ يَدْعُو لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ.

ایسی ہیبت ہو جس سے ذلت کا اظہار ہو، اس لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے۔

نوٹ: یہ سب چیزیں مصنف نے اپنے زمانے کے دار الاسلام کے لیے لکھی ہے جو واجب نہیں ہیں، اس وقت پوری دنیا میں ہیومن رائیٹ ہے، کہ سب کو برابر کے حقوق دو اس لیے یہ نہ کر سکے تو اس پر کوئی شرعی گرفت نہیں ہے۔

لغت: کستیجات: کالی ٹوپی اور اون کے موٹے دھاگے کے زنار کو **کستیجات** کہتے ہیں۔ زنار: اون کا موٹا دھاگا ہوتا ہے جس کو ذمی لوگ اپنی کمر پر باندھتے ہیں، اس کو زنو کہتے ہیں، یہ ہندو ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ **اکف** یہ گھوڑے کا پالان کی طرح خوبصورت اور شاندار نہیں ہوتا، بلکہ گدھے کے پالان کی طرح ہوتا ہے، گدھے کا زین۔

ترجمہ: ۲ اور انکو پہلے سلام نہ کرے، اور ان کا راستہ تنگ رکھا جائے، کیوں کہ اگر ذمی پر واضح علامت نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ مسلمان کے جیسا معاملہ کرے جو جائز نہیں ہے۔

وجہ: **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لا تبدوا اليهود و لا النصارى بالسلام و اذا لقيتم احدهم فى طريق فاضطروه الى اضيقه** (مسلم شریف، **باب النهى عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام و كيف يرد عليهم**، ص ۹۱۳ نمبر ۲۱۶۷ / ابو داود شریف، **باب فى السلام على اهل الذمة**، ص ۷۶۰ نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لیے کہے تا کہ اس کی شان و شوکت کا اظہار نہ ہو اگر وہ سلام کر دے تو وعلیکم، کہہ دے، یا اطال اللہ حیاتک و اکثر مالک، جیسے الفاظ کہہ دے، یا غیر مسلم کی زبان میں جو رائج ہو وہ کہہ دے، مثلاً گڈ مورننگ۔

ترجمہ: ۳ اور علامت یہ ہے کہ اُون کا موٹا دھاگہ [زنار] ہو جس کو اپنی کمر پر باندھے، ریشم کی زنار نہ ہو اس لیے کہ وہ مسلمان کے حق میں ظلم ہے [کیوں کہ اس سے ذمی کی بڑائی ظاہر ہوگی]

تشریح: ذمی کی کمر پر اون، یا سوت کے موٹے کی زنار ہو، وہ ریشم کی نہ ہو، کیوں کہ ریشم کے دھاگے میں اس کی عظمت ہے جو مسلمانوں کے ظلم کی چیز ہے اس لیے ریشم کی زنار نہ ہو۔

وجہ: **عن عبد الرحمن بن غنم قال كتبت لعمر بن الخطاب ؓ حين صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحيم... و ان نشد الزنانير على اوساطنا و ان لا نظهر صلبنا و كتبنا فى شىء من طريق المسلمين و لا اسواقهم** (**سنن للبيهقى، باب الامام يكتب كتاب الصلح على الجزية**: ۹/۳۳۹ نمبر ۱۸۷۱۷) اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی کمر پر زنار باندھیں گے۔

ترجمہ: ۴ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی عورتیں ہماری عورتوں سے راستے اور حمام میں متمیز ہوں، ان کے گھروں پر علامات لگا دئے جائیں تا کہ سائل اس کے پاس کھڑا ہو کر اس کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرنے لگیں۔

۵ قَالُوا: الْأَحَقُّ أَنْ لَا يُتْرَكُوا أَنْ يَرْكَبُوا إِلَّا لِلضَّرُورَةِ. وَإِذَا رَكِبُوا لِلضَّرُورَةِ فَلْيَنْزِلُوا فِي مَجَامِعِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ لَزِمَتْ الضَّرُورَةُ اتَّخَذُوا سُرُوجًا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ. ٦ وَيُمْنَعُونَ مِنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ. (۲۸۹۰)وَمَنْ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يُنْتَقَضْ عَهْدُهُ

تشریح: واضح ہے۔ان کے دلائل پہلے گر چکے ہیں۔

ترجمہ: ۵ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ضرورت کے بغیر وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، اور ضرورت کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہوں تو جہاں مجمع ہو تو وہاں اتر جائیں، پھر کسی کو لازمی ضرورت ہو جائے تو وہ اکاف کی صورت کی زین پر بیٹھے۔

وجہ: اس قول صحابی میں ہے۔ **عن عبد الرحمن بنغنم قال کتبت لعمر بن الخطاب ؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحیم... ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة** (**سنن للبیهقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیة**: ۹/۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۷) اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی گھوڑے کے پالان پر نہیں بیٹھیں گے۔

ترجمہ: ٦ اہل علم اور اہل زہد اور شرف کی طرح لباس سے بھی منع کئے جائیں۔

تشریح: جو لباس اہل علم کے لیے خاص ہے، یا زہد و تقوی والے کے لیے خاص ہے وہ لباس ذمی نہ پہنے، تاکہ لوگ اس کو اہل علم یا اہل تقوی سمجھ کر تعظیم نہ کریں

ترجمہ: (۲۸۹۰) کوئی جزیہ کی ادائیگی سے باز رہے یا مسلمان کو قتل کردے یا حضور ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کر لے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: کوئی جزیہ دینے کا اقرار تو کرتا ہے لیکن جزیہ دیتا نہیں ہے تو اس سے ذمی ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔ اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کردے یا حضور ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کر لے تو اس سے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ان جرموں کی سزا کا مستحق ہوگا۔ مثلا جزیہ ادا نہیں کرتا ہے تو جزیہ وصول کیا جائے گا۔ مسلمان کے قتل کے بدلے اس کو قتل کیا جائے گا۔ یا حضور ﷺ کو گالی دینے سے وہ خود مباح الدم ہو جائے گا۔ اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا۔

وجہ: (۱) عہد ٹوٹتا ہے جنگ پر اتر آنے سے، یا کسی چیز کی شرط لگائی تھی اور اس نے اس کے خلاف کیا تو عہد ٹوٹے گا ورنہ نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جنگ پر اتر آئے تب ان کا عہد ٹوٹا اور حضور ﷺ نے قتال کر کے ان کو قتل کیا۔ اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر ؓ حاربت قریظة و النضیر فاجلی بنی النضیر و اقر قریظة و منّ علیهم حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم و قسم نساءهم و اولادهم و اموالهم بین المسلمین** (بخاری شریف، **باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول الله ﷺ الیهم فی دیة الرجلین و ارادوا من الغدر برسول الله ﷺ**، ص ۶۷۴، نمبر ۴۰۲۸ / مسلم شریف، **باب اجلاء الیهود من الحجاز**، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۶ / ۴۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ قریظہ نے محاربت کی تب ان کا عہد ٹوٹا۔ اور اوپر کے مسئلے میں ذمی نے محاربت نہیں کی ہے اس

لہ لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ الْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لَا أَدَاؤُهَا وَالِالْتِزَامُ بَاقٍ. ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: سَبُّ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَكُونُ نَقْضًا؛ لِأَنَّهُ يَنْقُضُ إيمَانَهُ فَكَذَا يَنْقُضُ أَمَانَهُ إذْ عَقْدُ الذِّمَّةِ خَلَفٌ عَنْهُ. ۳ وَلَنَا أَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – كُفْرٌ مِنْهُ، وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَا يَمْنَعُهُ فَالطَّارِئُ لَا يَرْفَعُهُ. قَالَ (۲۸۹۱) وَلَا يُنْقَضُ الْعَهْدُ إلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوا عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَنَا؛ لہ لِأَنَّهُمْ صَارُوا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيَعْرَى عَقْدُ الذِّمَّةِ عَنْ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحِرَابِ.

لیے ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ حضور ﷺ کو اعلانیہ گالی دے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن علی ؓ ان یھودیۃ کانت تشتم النبی ﷺ و تقع فیہ فخنقھا رجل حتی ماتت فابطل رسول اللہ ﷺ دمھا** (ابو داؤد شریف، باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ۔ ص ۲۵۱، نمبر ۴۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی حضور ﷺ کو گالی دے تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔

لغت: سب: گالی دینا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ جزیہ کے لازم کرنے سے قتال رکتا ہے، اس کو ادا کرنے کوئی مطلب نہیں ہے اور لازم کرنا ابھی باقی ہے اس لیے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ حربی سے جنگ ختم ہوئی تھی وہ اس لیے ہوئی تھی کہ وہ جزیہ دینا قبول کر لیں، اور اس نے جزیہ دینا قبول کیا ہے گرچہ دے نہیں رہا ہے اس لیے ابھی اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے بھی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ اگر مومن ہوتا تو حضور ﷺ کو گالی دینے سے ایمان ختم ہو جاتا ایسے ہی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اس لیے کہ ذمی کا عہد ایمان کے قائم مقام ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان حضور ﷺ کو گالی دے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے اور دار الاسلام میں امن دینا ایمان کے قائم مقام ہے اس لیے حضور کو گالی دینے سے امن دینے کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے سے کافر ہو جائے گا ذمی کے دل میں تو پہلے سے کفر ہے پھر بھی جزیہ کا عہد ہوا تو اب کفر ہونے سے عہد کیسے ٹوٹے گا۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ ذمی کے دل میں پہلے سے کفر تھا پھر بھی اس کو امن ملا تو اب گالی دینے سے مزید کفر آئے گا تو عہد کیسے ٹوٹے گا۔

ترجمہ: (۲۸۹۱) اور عہد نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ دار الحرب چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے جنگ کرے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ ہم سے جنگ کرنے کی وجہ سے اب ذمی بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ ذمی بنانے کا مطلب یہ تھا کہ جنگ نہ ہو [اور اس نے جنگ کر ہی لیا تو ذمی بننے کا کوئی فائدہ نہیں رہا، اس لیے اب عہد ٹوٹ جائے گا]

تشریح: ذمی کا عہد دو وجہ سے ٹوٹتا ہے [۱] ایک دار الحرب چلا جائے اور وہاں بس جائے۔ [۲] دوسرا دار الاسلام میں ہی ذمیوں کا جتھا

(۲۸۹۲)وَإِذَا نَقَضَ الذِّمِّيُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ ١؎ مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللَّحَاقِ؛ ٢؎ لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْأَمْوَاتِ، ٣؎ وَكَذَا فِي حُكْمِ مَا حَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَوْ أُسِرَ يُسْتَرَقُّ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے لگ جائے۔

وجہ: (۱) ذمی بننے کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا، اور وہ جتھا بنا کر جنگ کرنے لگا تو اب امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا، یا دار الحرب چلا گیا تو گویا کہ وہ جنگ کرنے والوں کا ساتھی بن گیا تو بھی امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا اس لیے اب عہد ٹوٹ جائے گا۔ (۲) اوپر قریظہ کی حدیث گزری کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہوئے تو عہد ٹوٹ گیا۔ پھر حضور ﷺ نے اس پر چڑھائی کی اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا اور مال تقسیم کر لیا۔ **عن ابن عمر ؓ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم و قسم نسائهم و اولادهم و اموالهم بین المسلمین** (بخاری شریف، نمبر ۴۰۲۸/ مسلم شریف، نمبر ۱۷۶۶/ ۴۵۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محاربت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اور دار الحرب چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیهم ان لا یأتیهم فیقول لم ار دعونهم فکره قتله الا ببینة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیه فقد نقض الصلح** (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یأتی المسلم بغیر عهد: ۵/ ۱۹۸، نمبر ۹۷۱۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس لیے کہ وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

لغت: یلحق: لاحق ہو جائے، چلا جائے۔

ترجمہ: (۲۸۹۲) جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو اس کا حکم مرتد کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ١؎ یعنی گویا کہ وہ مر گیا [اس لیے اس کی جائداد اس کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا]

تشریح: جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو وہ مرتد کی طرح ہو گیا، اور مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو مردہ شمار کیا جاتا ہے، اور اس کی جائداد اس کے وارثین میں تقسیم کر دی جاتی ہے، اس کی بیوی بائنہ ہو جاتی ہے، اسی طرح اس ذمی کا جو مال دار الاسلام میں رہ گیا اس کو وارثین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٢؎ ایسے ہی جو مال وہ ساتھ لے کر دار الحرب گیا [اس پر غلبہ ہونے پر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا]

تشریح: ذمی جو مال لے کر دار الحرب گیا ہے اگر وہ مجاہدین کے قبضے میں آ جائے تو حربی کے مال کی طرح اس مال کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، کیوں کہ وہ مال غنیمت ہو گیا، کیوں کہ ذمی عہد توڑ چکا ہے اور وہ حربی بن چکا ہے۔

ترجمہ: ٣؎ یہ اور بات ہے کہ اگر ذمی قید ہوا تو اس کو غلام بنایا جائے گا، اور مرتد کو غلام نہیں بنایا جاتا، بلکہ یا تو وہ اسلام لائے ورنہ قتل کر دیا جائے گا، اس کو غلام بنا کر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر ؓ حاربت قریظة و النضیر فاجلی بنی النضیر و اقر قریظة و منّ علیهم حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم و قسم نسائهم و اولادهم و اموالهم بین المسلمین** (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول

فصـــل

(۲۸۹۳)وَنَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الزَّكَاةِ؛ ل لِأَنَّ عُمَرَ ؓ صَالَحَهُمْ عَلَى ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ (۲۸۹۴)وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ ل لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمُضَاعَفَةِ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِنَّ دُونَ الصِّبْيَانِ فَكَذَا الْمُضَاعَفُ.

ﷺ اليهم فی دية الرجلين وارادوا من الغدر برسول الله ﷺ: ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۰۴/ مسلم شریف، باب اجلاء الیهود من الحجاز، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۶/ ۴۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ عہد کے ٹوٹنے کے بعد اس کی عورتوں کو باندی بنادی گئی اور بچے کو غلام بنا دیا گیا، اور اس کا مال غنیمت کا مال ہے اس لیے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

{فصل: فی نصاری بنی تغلب}

ترجمہ: (۲۸۹۳) بنی تغلب کے نصاری سے اس کے مال میں دوگنا لیا جائے گا جتنی مسلمانوں سے زکوۃ لی جاتی ہے۔

ترجمہ: ل صحابہ کے سامنے حضرت عمر نے اسی پر ان لوگوں سے صلح کی تھی۔

تشریح: مسلمانوں سے زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم یعنی ڈھائی فی صد ہے تو بنی تغلب سے اس کا دوگنا لیا جائے گا یعنی بیس درہم میں ایک درہم یعنی پانچ فی صد لیا جائے گا۔ کیوں کہ حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اسی پر صلح کی تھی۔۔ اس دور میں بنی تغلب نہیں رہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **عن عمر بن الخطاب ؓ انہ صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیهم الزکوۃ مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرھوا علی دین غیرھم** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۰ **فی نصاری بنی تغلب مایوخذ منهم:** ۲/ ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے زکوۃ کے دوگنے پر صلح فرمائی۔

ترجمہ: (۲۸۹۴) بنی تغلب کی عورتوں سے یہ جزیہ لیا جائے گا لیکن اس کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ل اس لیے کہ دوگنا صدقے پر صلح ہوئی تھی اور صدقہ عورتوں پر واجب ہوتا ہے، بچوں پر واجب نہیں ہوتا، ایسے ہی جو دوگنا ہے وہ بھی عورتوں پر واجب ہوگا، بچوں پر واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں یہ بحث ہے کہ بنی تغلب سے جو کچھ لیا جا رہا ہے وہ زکوۃ ہے یا جزیہ ہے، اگر وہ زکوۃ ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا تو زکوۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے یہ جزیہ بھی ان کی عورتوں سے لیا جاءگا۔ اور اگر وہ جزیہ ہے جیسا کہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا تو جزیہ عورتوں سے نہیں لیا جاتا اس لیے ان کی عورتوں سے نہیں لیا جائے گا۔

وجہ: اوپر کے قول صحابی میں اس کو زکوۃ کہا اس لیے ان کی عورتوں سے بھی لی جائے گی، قول صحابی یہ ہے۔ **عن عمر بن الخطاب ؓ انہ صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیهم الزکوۃ مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرھوا علی دین غیرھم** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۰ **فی نصاری بنی تغلب مایوخذ منهم:** ۲/ ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اس میں ہے کہ زکوۃ کے دوگنے پر صلح ہوئی، اور جب زکوۃ ہے تو بنی تغلب کی عورتوں پر بھی واجب ہوگی۔

۲؎ وَقَالَ زُفَرُ – رَحِمَهُ اللَّهُ – لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَيْضًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّهُ جِزْيَةٌ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ: هَذِهِ جِزْيَةٌ فَسَمُّوهَا مَا شِئْتُمْ، وَلِهَذَا تُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى النِّسْوَانِ. ۳؎ وَلَنَا أَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِهِ الصُّلْحُ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وُجُوبِ مِثْلِهِ عَلَيْهَا ۴؎ وَالْمَصْرِفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجِزْيَةِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يُرَاعَى فِيهِ شَرَائِطُهَا

ترجمہ: ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ بنی تغلب کی عورتوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حقیقت میں جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جزیہ ہے اب تم لوگ اس کا جو نام دے لو، اسی لیے یہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے، اور عورت پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ جزیہ ہے اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے اس لیے بنو تغلب کی عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

وجہ: اس کی دو دلیلیں دیتے ہیں (۱) حضرت عمر نے اس کو جزیہ کہا ہے اس لیے یہ جزیہ ہے، اس کا اشارہ اس قول صحابی میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **و سالوہ احسن من ھذا السیاق فقالوا ارامھم علی الجزیۃ فقالو نحن عرب لا نو دی ما یو دی العجم و لکن خذ منا کما یأخذ بعضکم من بعض یعنون الصدقۃ فقال عمر ؓ لا ھذا فرض علی المسلمین فقالوا فزد ما شئت بھذا الاسم لا باسم الجزیۃ ففعل فتراضی ھو و ھم علی ضعف علیھم الصدقۃ۔** (سنن بیہقی، **باب نصاری العرب تضعف علیھم الصدقۃ**: ۹ / ۳۴۳، نمبر ۱۸۷۹۷) اس میں ہے کہ اس صدقے کے نام سے تم جتنا زیادہ دے دو۔ (۲) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ رقم جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتی ہے اس لیے یہ جزیہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ سے واجب ہوا ہے اور عورت پر بھی صلح کا اطلاق ہوتا ہے [اس لیے عورت پر بھی یہ جزیہ لازم ہوگا]

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ واجب ہوا ہے، اور عورت بھی صلح میں شریک ہو سکتی ہے اس لیے عورت پر بھی واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اس مال کو مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے، اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جزیہ ہی کا مال بیت المال میں ہو، آپ نہیں دیکھتے کہ اس مال کو لیتے وقت جزیہ کی شرائط ملحوظ نہیں رکھتے [مثلا دینے والا خود جا کر دے، لینے والا دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھے، ان سب کی رعایت نہیں ہے، جس کا مطلب نکلا کہ یہ جزیہ نہیں ہے بلکہ دو گنا صدقہ ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ یہ مال جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ مال مسلمان کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا، کیوں کہ یہ بیت المال کا مال ہو گیا، اس لیے یہ جزیہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ آگے دوسری بات فرماتے ہیں کہ اس مال کے وصول کرتے وقت جزیہ کی شرائط نہیں لگاتے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ مال جزیہ کا نہیں ہے، اس لیے عورت سے بھی لیا جائے گا، مثلا جزیہ دینے والا خود جا کر جزیہ دے یہ شرط ہے لیکن اس مال کے دیتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ نائب کے ذریعہ بھیج دے، یا جزیہ لینے والا امام جزیہ دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہلائے، اور کہے کہ اے اللہ کا دشمن جزیہ دو، لیکن اس مال کے دیتے

(۲۸۹۵) وَيُوضَعُ عَلَى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخَرَاجُ أَيْ الْجِزْيَةُ وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ ١ـ وَقَالَ زُفَرُ: يُضَاعَفُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَوْلَى الْهَاشِمِيِّ يَلْحَقُ بِهِ فِي حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ ٢ـ وَلَنَا أَنَّ هَذَا تَخْفِيفٌ وَالْمَوْلَى لَا يَلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيهِ، وَلِهَذَا تُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى مَوْلَى الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا، ٣ـ بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرُمَاتِ تَثْبُتُ بِالشُّبُهَاتِ فَأُلْحِقَ الْمَوْلَى بِالْهَاشِمِيِّ فِي حَقِّهِ

وقت ایسا کرنا ضروری نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ جزیہ کا مال نہیں ہے۔

لغت: **بنی تغلب:** ایک قوم کا نام ہے جن سے حضرت عمرؓ نے دوگنی زکوۃ پر صلح کی تھی، اب یہ قوم نہیں رہی۔

ترجمہ: (۲۸۹۵) اور تغلبی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جائے گا، اور زمین پر بھی خراج ہوگا، جیسے قریشی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں تغلبی کے آزاد کردہ غلام سے دوگنا جزیہ نہیں لیا جائے گا بلکہ ایک گنا جزیہ لیا جائے گا اور ایک گنا خراج لیا جائے گا، جس طرح ہاشمی کے آزاد کردہ غلام سے ایک گنا جزیہ اور ایک گنا خراج لیا جاتا ہے۔ اور امام زفرؒ کے یہاں جس طرح تغلبی سے دوگنا لیا جاتا ہے اسی طرح اس کے غلام سے بھی دوگنا جزیہ لیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں۔ جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح نہیں ہوگا۔

اصول: امام زفرؒ کے یہاں جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح ہوگا۔

ترجمہ: ١ـ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوگنا جزیہ لازم ہوگا، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قوم کا آزاد کردہ غلام کا حکم اس کے آقا کی طرح ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہاشمی کا غلام زکوۃ کے حرام ہونے میں ہاشمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقۃ... فقال ان الصدقۃ لا تحل لنا و ان موالی القوم من انفسھم** (ترمذی شریف، **باب ماجاء فی کراھیۃ الصدقۃ للنبی و اہل بیتہ و موالیہ** ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷ / ابو داود شریف، **باب الصدقۃ علی بنی ھاشم**، ص ۲۴۵، نمبر ۱۶۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اس لیے بنی تغلب سے دوگنا جزیہ لیا جاتا ہے، اس لیے اس کے آزاد کردہ غلام سے بھی دوگنا جزیہ لیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ـ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ میں تخفیف ہے اس لیے آزاد کردہ غلام اس بارے میں آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، کیوں کہ اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: جزیہ میں تخفیف ہوتا ہے اس لیے اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ نہیں ملے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ آقا مسلمان ہو تو اس پر جزیہ نہیں ہوگا، لیکن اس کا غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ ہوگا، دیکھئے یہاں غلام آقا کے تابع نہیں ہوا اسی طرح تغلبی میں غلام آقا کے تابع نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٣ـ بخلاف زکوۃ کے حرام ہونے کے اس لیے کہ اس لیے کہ حرمات شبہ کی وجہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، اس لیے زکوۃ کے بارے میں ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہاشمی کے ساتھ ملحق ہو جائے گا

تشریح: یہ امام زفر کو جواب ہے، کہ زکوۃ شبہ سے بھی حرام ہوتی ہے اس لیے جس طرح ہاشمی پر زکوۃ حرام ہے اسی طرح اس کے آزاد کردہ

ے وَلَا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا، وَإِنَّمَا الْغِنَى مَانِعٌ وَلَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمَوْلَى، أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهٰذِهِ الصِّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهُ صِينَ لِشَرَفِهِ وَكَرَامَتِهِ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَأُلْحِقَ بِهِ مَوْلَاهُ. قَالَ: (۲۸۹۶)وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالْجُسُورِ، وَيُعْطَى قُضَاةُ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ، وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيهِمْ؛ لے لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مُعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهَؤُلَاءِ عَمَلَتُهُمْ وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيِّ عَلَى الْآبَاءِ، فَلَوْ لَمْ يُعْطَوْا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتَاجُوا إِلَى الِاكْتِسَابِ فَلَا يَتَفَرَّغُونَ لِلْقِتَالِ

غلام پر بھی زکوۃ حرام کردی گئی، لیکن جزیہ کے بارے میں یہ بات نہیں ہے کہ تغلبی کے تحت میں اس کے غلام شامل کیا جائے۔

ترجمہ: ے اور مالدار کے غلام پر زکوۃ حرام نہیں ہے اس لیے کہ مالدار بھی بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے، صرف مالداری کی وجہ سے نہیں لے رہا ہے اس لیے اس کا غلام بھی زکوۃ لے گا اور ہاشمی کا حال یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر زکوۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہے، اس لیے کہ انکی شرافت کی وجہ سے لوگوں کے میل کچیل سے محفوظ رکھا گیا ہے، تو اس کے آزاد کردہ غلام کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔

تشریح: یہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ مالدار کے لیے زکوۃ لینا حرام ہے تو شبہ کی وجہ سے اس کے آزاد کردہ غلام کے لیے بھی زکوۃ لینا حرام ہونا چاہئے، تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے مالدار آدمی بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے، لیکن چونکہ ابھی مالدار ہے اس لیے اس مالداری کی وجہ سے ابھی زکوۃ نہیں لے سکتا ہے، پس چونکہ بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے اس لیے اس کا آزاد کردہ غلام غریب ہے تو زکوۃ لے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ہاشمی آدمی میں حدیث کی بنیاد پر زکوۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس لیے اس کے غلام کو بھی زکوۃ لینے کا حق نہیں ہوگا، چاہے وہ غریب ہو۔

ترجمہ: (۲۸۹۶) امام نے جو کچھ جمع کیا خراج سے، بنی تغلب کے مال سے، اور جو امام کو اہل حرب نے ہدیہ دیا، اور جزیہ دیا وہ خرچ کرے گا مسلمانوں کی مصلحت میں۔ پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی، پل بنائیں جائیں گے۔ اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں کو، ان کے عاملوں کو اور ان کے علماء کو جتنا ان کو کافی ہو دیا جائے گا۔ اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے مسلمانوں کو بغیر قتال کے ملا ہے، اور بیت المال مسلمان کی مصلحتوں کے لیے بنایا گیا ہے، اور اوپر کے جو لوگ ذکر کئے گئے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے کام کرنے والے ہیں، اور بچوں کا نفقہ ان کے باپ پر ہے، تو اگر ان لوگوں کو اتنا مال نہ دو جوان کے لیے کافی ہو تو یہ لوگ مال کمانے میں مشغول ہو جائیں گے اور قتال کے لیے فارغ نہیں ہوں گے۔

تشریح: خراج کا مال، بنی تغلب کا مال، حربیوں کا ہدیہ اور جزیہ وغیرہ عشر کی طرح عبادت والا مال نہیں ہے اس لیے ان مالوں کو مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرے۔ مثلا کفار کے ساتھ جو سرحدیں ہیں ان کو بند کرے، پل بنائے، مسلمانوں کے قاضیوں کو اتنی روزی اور وظیفہ دے کہ ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے کافی ہو جائے۔ اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کے لیے کام کرتے ہوں یا وہ علماء جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہوں یا جو مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے جتنی روزی کافی ہو وہ ادا کرے۔

(۲۸۹۷)وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ فَلَا شَيْءَ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ ۱؎ لِأَنَّهُ نَوْعُ صِلَةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ؛ وَلِهَذَا سُمِّيَ عَطَاءً فَلَا يَمْلِكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ، ۲؎ وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدَرِّسِ وَالْمُفْتِي، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

وجه:(۱) کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے فائدے کے لیے کام کررہے ہیں۔ اور اوپر کے سب مال انہیں کاموں میں خرچ کئے جاتے ہیں۔ ان سب کاموں کو نوائب المسلمین کہتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن بشیر بن یسار مولی الانصار... و عزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود و الامور و نوائب الناس** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸ نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت بھی نوائب المسلمین کے لیے رکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے خراج کا مال وغیرہ بھی امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

لغت: **جباہ:** وصول کیا، جمع کیا، **تسد:** **سد** سے مشتق ہے بند کرنا، **الثغور:** **ثغر** کی جمع ہے سرحد، **القناطر:** **قنطرۃ** کی جمع ہے پل، **جسر:** پل، **مقاتلۃ:** قتال سے مشتق ہے جہاد کرنے والے، **ذراری:** **ذریۃ** سے مشتق ہے اولاد۔

ترجمہ:(۲۸۹۷) کوئی کارکن درمیان سال میں مرجائے تو اس کو کوئی عطیہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے قرض نہیں ہے اسی لیے تو اس کو عطیہ کہتے ہیں اس لیے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے مالک نہیں بنے گا اور قبضہ سے پہلے مرنے سے عطیہ ساقط ہوگیا۔

اصول: یہاں دو وصول ہیں ایک تو یہ کہ عطیہ سال بھر کام کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ ہبہ کا مال ہے قرض کا مال نہیں اس پر قبضہ کرنے کے بعد مالک ہوگا اس سے پہلے مالک نہیں ہوگا۔

وجہ:(۱) ان احادیث میں عطیہ کا ثبوت ہے۔ **ان عبد اللہ بن عمر دخل علی معاویۃ ؓ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن فقال عطاء المحررین فانی رأیت رسول اللہ ﷺ اول ما جاءہ شیء بدأ بالمحررین۔** (ابوداؤد شریف، باب فی قسم الفیء، ص ۴۲۹، نمبر ۲۹۵۱) اس حدیث میں ہے کہ تحریر کرنے والے کو عطیہ دے۔ (۲) **قال کان رسول اللہ ﷺ یقول انا اولی بالمؤمنین من انفسهم من ترک مالا فلاهله و من ترک دینا او ضیاعا فالی و علی۔** (ابوداؤد شریف، باب فی ارزاق الذریۃ، ص ۴۲۹ نمبر ۲۹۵۴) اس حدیث میں ہے کہ جو غریب ہے اس کو بیت المال سے مال دو ۳۰۔ **ان عمر بن عبد العزیز کتب... جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبه، فرض الاعطیۃ للمسلمین و عقد لاهل الادیان ذمۃ بما فرض علیهم من الجزیۃ لم یضرب فیها بخمس و لا مغنم۔** (ابوداؤد شریف، باب فی تدوین العطایا، ص ۴۳۰ نمبر ۲۹۶۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو عطیہ دو

ترجمہ: ۲؎ اور ہمارے زمانے میں عطیہ دینے کے لائق لوگ قاضی ہے، مدرس ہے اور مفتی ہے۔

تشریح: یہ لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں اس لیے یہ حضرات عطیہ کے حقدار ہیں۔

☆☆☆

بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّيْنَ

قَالَ (۲۸۹۸)وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ ۱؎ لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ، وَفِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ. ۲؎ إِلَّا أَنَّ الْعَرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ. قَالَ (۲۸۹۹)وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَبَى قُتِلَ ۱؎ وَتَأْوِيلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيُمْهَلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِأَنَّهَا

مرتد کا بیان

ترجمہ: (۲۸۹۸) کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کوئی شبہ پیش آیا ہو تو اس کو دور کیا جائے گا، اور قتل کرنے سے سمجھا کر حل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ **عن علی ؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۲ ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثه: ۶/۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴/ سنن للبیہقی، باب من قال فی المرتد یستتاب مکانه فان تاب والا قتل: ۸/۳۵۸، نمبر ۱۶۸۸۵) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرتد پر اسلام پیش کیا اور اس کے شبے کو دور کیا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ بات بھی کہی ہے کہ مرتد کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔ مستحب ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۹۹) تین دن قید رکھا جائے گا، پس اگر اسلام لائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے گا چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، پھر اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو قتل کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اور اس کی تاویل یہ ہے کہ مرتد مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی، اس لیے کہ یہ مدت ایسی ہے جو عذر کو آزمانے کے لیے متعین کی گئی ہے۔

تشریح: جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔ متن میں جو عبارت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جائے اس کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ مرتد کو تین دن کی مہلت مانگے تو اس کو تین دن کی مہلت دے دی جائے کیوں کہ عذر کو ختم کرنے کے لیے یہ مہلت کافی ہے۔

وجہ: (۱) تین دن اس لیے قید رکھا جائے گا تا کہ اتنے دنوں میں سمجھایا جا سکے اور مرتد کو سوچنے کا موقع مل سکے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ضروری نہیں (۲) قول صحابی مین ہے۔ **عن علی ؓ قال یستتاب المرتد ثلاثا** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۰ ما قالوا فی المرتد کم یستتاب: ۶/۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۷/ **سنن للبیہقی، باب من قال یحبس ثلاثة ایام:** ۸/۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دے۔

مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دے (۱) اس کا اشارہ آیت میں ہے۔ **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** (آیت ۲۱۷، سورة

مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ. ٢ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذٰلِكَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ. ٣ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ، لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُونُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهَا بِالثَّلَاثَةِ. ٤ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ، وَكَذَا قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَأْخِيرُ

البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ مرتد ہوا تو اس کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ کافر کے درجے میں ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور مرتد حربی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے یہ بھی مباح الدم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **قال اتی علی ؓ بزنادقۃ فاحرقھم... لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ** (۳) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا مرتد کو فورا قتل کرو تو بیٹھوں گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی موسی ؓ قال... ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القیٰ لہ وسادۃ قال انزل فاذا رجل عندہ موثق، قال ماھذا؟ قال کان یہودیا فاسلم ثم تہود، قال اجلس! قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل** (بخاری شریف، باب **حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم**، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/ ۶۹۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے چاہے مرتد یہ مہلت مانگے یا نہ مانگے۔

ترجمہ: ٣ امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام پر تین دن کی مہلت دینا واجب ہے اور اس سے پہلے قتل کرنا حلال نہیں ہے اس لیے کہ مسلمان کا مرتد ہونا کسی شبہ سے ہوتا ہے اس لیے اتنی مدت ضرور ہو جس میں وہ غور کر سکے اس لیے ہم نے تین دن متعین کیا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسی وقت مرتد ہوتا ہے جبکہ اس کو کوئی شبہ ہوتا ہے اس لیے اس کے شبہ کو دور کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے۔

تشریح: حضرت عمرؓ تین دن نہ کرنے پر سختی کی ہے۔ **لما قدم علی عمر فتح تستر وتستر من ارض البصرۃ سألھم ھل من مغربۃ؟ قالوا رجل من المسلمین لحق بالمشرکین فاخذناہ، قال ما صنعتم بہ؟ قالوا قتلناہ، قال: قال افلا ادخلتموہ بیتا واغلقتم علیہ بابا واطعمتموہ کل یوم رغیفا ثم استتبتموہ ثلاثا۔ فان تاب والا قتلتموہ ثم قال اللھم لم اشھد ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۰ **ما قالوا فی المرتد کم یستتاب**: ۶/ ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۴/ **سنن للبیہقی، باب من قال یحبس ثلاثۃ ایام**: ۸/ ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر میں تین دن سے پہلے قتل کرنے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ نہ میں اس میں حاضر ہوں اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔

ترجمہ: ٤ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں مہلت دینے کی قید نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ جس نے دین کو بدلا اس کو قتل کرو [اور اس میں مہلت دینے کی بات نہیں ہے اس لیے بغیر مہلت دئے بھی قتل کرنا جائز ہوگا] اور اس

الْوَاجِبِ لِأَمْرٍ مَوْهُومٍ. ۵ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ. ۶ وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّهُ لَا دِينَ لَهُ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ. قَالَ (۲۹۰۰) فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ، وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ ۱ وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ هَاهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءُ الضَّمَانِ، لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيحٌ لِلْقَتْلِ، وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ.

لیے بھی کہ یہ حربی ہے اس کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے بغیر مہلت دئے ہوئے اس کو فی الحال قتل کر دیا جائے۔ کیوں کہ یہ وہمی بات ہے کہ وہ ایمان لائے اس لیے وہمی بات کے لیے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں مستحب ہے اس کی تین دلیل پیش کر رہے ہیں

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں یہ نہیں ہے کہ مہلت دو اس کے بعد قتل کرو، اس لیے مہلت دینا واجب نہیں ہوگا آیت یہ ہے۔ **فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ** (آیت ۵ سورۃ التوبۃ ۹) **وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ** (آیت ۱۹۱ سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو (۲) حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کر دو۔ حدیث یہ ہے۔ **قال اتی علی ﷺ بزنادقة فاحرقهم... لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دينه فاقتلوه** (بخاری شریف، **باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم** ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲) اس لیے بھی فوری قتل کرنا چاہئے۔ (۳) مرتد حربی ہو گیا ہے اور اس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور دعوت دینے کے بعد اسلام لانا ایک وہمی چیز ہے اس لیے وہمی بات کے لیے قتل کو موخر کرنا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ دلائل کے مطلق ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح: مرتد کوئی بھی ہو غلام ہو یا آزاد ہو ہر حال میں اس کو دعوت دینے کے بعد اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کیا جائے گا، کیوں کہ دلائل مطلق ہیں۔

ترجمہ: ۶ مرتد کے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر دین سے توبہ کرے اس لیے کہ مرتد کا کوئی دین نہیں ہے۔ لیکن جس دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے [مثلا ہندو بنا ہے] تو صرف اس سے ہی توبہ کر لے تب بھی کافی ہے اس لیے کہ مقصود حاصل ہو گیا، کیوں کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

تشریح: مرتد کے توبہ کرنے کے دو طریقے ہیں [۱] ایک یہ کہ سب دین سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے [۲] دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس دین کی طرف گیا ہے اس سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے اتنا بھی کافی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۰) پس اگر کسی نے اس کو قتل کر دیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ کراہیت کا مطلب یہ ہے کہ مستحب کو چھوڑنا ہوا اور قتل کا ضمان لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ کفر سے قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے، اور دعوت پہنچنے کے بعد دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔

تشریح: مرتد پر تین دین اسلام پیش کرنا چاہئے، انکار کرنے پر قتل کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور قاتل نے استحباب کے خلاف کیا ہے اس لیے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیوں کہ مرتد

(۲۹۰۱) وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْتَلُ لِمَا رَوَيْنَا؛ ۲ وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ جِنَايَةٌ مُتَغَلِّظَةٌ فَتُنَاطُ بِهَا عُقُوبَةٌ مُتَغَلِّظَةٌ وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيهَا فَتُشَارِكُهَا فِي مُوجِبِهَا. ۳ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ، ۴ وَلِأَنَّ الْأَصْلَ تَأْخِيرُ الْأَجْزِيَةِ إِلَى دَارِ الْآخِرَةِ إِذْ تَعْجِيلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ، وَإِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحِرَابُ، وَلَا يَتَوَجَّهُ ذَلِكَ مِنَ النِّسَاءِ؛ لِعَدَمِ صَلَاحِيَةِ الْبِنْيَةِ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتِ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ قَالَ

مباح الدم ہو چکا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۲۸۹۹ میں حضرت عمر کا اثر گزرا جس میں قاتل نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم کے بغیر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور نہ دیت لی، صرف **اللهم لم اشهد ولم آمر** کہہ کر افسوس کا اظہار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا (۳) حضرت معاذؓ والی حدیث میں بھی مرتد پر اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فوری طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد مباح الدم ہو گیا (بخاری شریف نمبر ۶۹۲۳)

ترجمہ: (۲۹۰۱) عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو قتل نہیں کی جائے گی لیکن اسلام لانے تک قید رکھی جائے گی۔

وجہ: قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس ؓ قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولكن يحبسن ويدعين الى الاسلام ويجبرن عليه** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۳ **ما قالوا فى المرتدة عن الاسلام**: ۶/۴۴۶، نمبر ۳۲۷۶۳/ **سنن للبيهقى، باب قتل من ارتد عن الاسلام اذا ثبت عليه رجلا كان او امرأة**: ۸/۳۵۳، نمبر ۱۶۸۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت قتل کی جائے گی اس حدیث کی بنا پر جس میں ہے کہ مرتد قتل کیا جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کر دو

وجہ: یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه** (بخاری شریف، **باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم**، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲)

ترجمہ: ۲ اور اس لیے کہ مرد مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے اس لیے کہ مغلظ جنایت ہے پس عورت مرتد ہو جائے تو وہ بھی اس میں شریک ہوگی، تو اس کی سزا میں بھی شریک ہونی چاہئے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ مرتد ہونا مغلظ جنایت ہے جس کی وجہ سے مرد کا خون مباح ہو جاتا ہے اس لیے عورت مرتد ہوگی تو اس نے بھی مغلظ جنایت کی اس لیے اس کو بھی قتل کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ **حدثنى انس بن مالك ؓ ان رسول الله ﷺ قال... ولا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا ولا صغيرا ولا امرأة**. (ابوداؤد شریف، **باب فى دعاء المشركين**، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴)

ترجمہ: ۴ اور اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ بدلہ میں تاخیر ہو اس لیے کہ دنیا میں سزا دینے سے سزا کم ہوتی ہے لیکن پھر بھی شرارت کو دفع

(۲۹۰۲)وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ؛ ۱؎ لِأَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ إِيفَاءِ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلٰى إِيفَائِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ (۲۹۰۳)وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَتُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً. وَالْأَمَةُ يُجْبِرُهَا مَوْلَاهَا ۱؎ أَمَّا الْجَبْرُ فَلِمَا ذَكَرْنَا، وَمِنَ الْمَوْلٰى؛ لِمَا فِيهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ، وَيُرْوٰى تُضْرَبُ فِي كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالَغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ. قَالَ (۲۹۰۴)وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعًى، فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ عَلٰى حَالِهَا، قَالُوا: هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَزُولُ مِلْكُهُ؛

کرنے کے لیے جلدی سزا دی جاتی ہے اور وہ جنگ کرنا، اور عورتوں میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بخلاف مرد کے تو مرتد عورت اصلی حربی عورت کی طرح ہو گئی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں سزا ملے تو یہ بھاری سزا ہوتی ہے، اس کے باوجود دنیا میں سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ شرارت کم ہو، اور وہ شرارت جنگ کرنا ہے، اور عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، چونکہ عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں اس لیے میدان جنگ میں حربی عورت ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جاتا تو مرتدہ کو بھی قتل نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۹۰۲) لیکن مرتدہ کو قید کر دینا چاہئے یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ وہ توحید کے اقرار کے بعد اللہ کے حق کو پورا کرنے سے رکی ہے، تو قید کر کے اس کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جیسے حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

تشریح: مرتدہ کو قتل تو نہیں کیا جائے گا، لیکن اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ وہ دوبارہ اسلام لے آئے۔

وجہ: اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ حقوق العباد میں یہ قاعدہ ہے کہ جیسا کرو گے اس کا بدلہ اسی طرح سے دیا جائے گا، اقرار کے بعد اس عورت نے عہد پورا کرنے سے انکار کیا ہے، اب قید کر کے اس عہد کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۰۳) جامع صغیر میں ہے عورت کو اسلام لانے پر مجبور کرے گا آزاد ہو یا باندی، اور باندی کو اس آقا مجبور کرے گا۔

ترجمہ: ۱؎ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عورت کو دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کرے گا، اور باندی آقا مجبور کرے گا اس لیے کہ اس میں دونوں حق کو جمع کرنا ہے [کہ نفقہ بھی دے رہا ہے اور دین کی بھی ترغیب دے رہا ہے] اور ایک روایت میں ہے کہ آقا ہر روز باندی کو ہلکی مار مارے گا تا کہ اسلام پر مجبور کرنے پر مبالغہ ہو۔

تشریح: جامع صغیر میں ہے کہ آزاد ہو یا باندی ہر ایک کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ اسلام آخرت کے بننے کا ضامن ہے، اور یہ بھی ہے آقا باندی کو مجبور کرے گا، کیوں کہ بندے کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ باندی کو نفقہ دے رہا ہے اور اللہ کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ اس کو دین کی ترغیب دے رہا ہے اس لیے دونوں حقوق جمع ہو گئے۔ اور یہ جو ہے کہ ہر روز مارے گا تو اس سے مراد ہے کہ ہلکی مار مارے گا تا کہ وہ اسلام لانے میں مجبور ہو، اس میں اس کا آخرت کا زبردست فائدہ وہ نہیں سمجھ رہی ہے۔ اس لیے اس کے فائدے کے لیے علماء نے یہ ترکیب اختیار کرنے کے لیے کہا ہے، یہ زور زبردستی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۴) مرتد کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے محفوظ زوال، پس اگر اسلام لایا تو اپنی

۱؎ لِأَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ، فَإِلَى أَنْ يُقْتَلَ يَبْقَى مِلْكُهُ كَالْمَحْكُومِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ. ۲؎ وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا حَتَّى يُقْتَلَ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ، وَهَذَا يُوجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ،

حالت پر لوٹ جائیگی۔

تشریح: مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔لیکن اس انداز میں زائل ہوگی کہ اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو ملکیت بحال رہے گی۔اور اگر مر گیا تو وہ مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تو اس کو قتل کرنے اور اس کے مال کو لے لینے کا حکم دیا۔حدیث یہ ہے۔ **عن یزید بن البراء عن ابیہ قال لقینی عمی وقد اعتقد رایۃ فقلت این ترید قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأۃ ابیہ ان اضرب عنقہ و آخذ مالہ** (سنن للبیہقی، باب مال المرتد اذا مات او قتل علی الردۃ: ۸ / ۳۶۱، نمبر ۱۶۸۹۳ / ابن ماجۃ شریف، باب من تزوج امرأۃ ابیہ من بعدہ، ص ۳۷۵، نمبر ۲۶۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور مال لے لیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن علی رضی اللہ عنہ انہ اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیہ الاسلام فابی قال فقتلہ وجعل میراثہ بین ورثتہ المسلمین** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲، ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثہ: ۶ / ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) بنو قریظہ نے قتال کیا تو آپ ﷺ نے سب کو قتل کیا۔لیکن جو حضور ﷺ کے ساتھ مل گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو آپ ﷺ نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے مال کو غنیمت میں تقسیم کیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ... حتی حاربت قریظۃ فقتل رجالھم وقسم نساءھم واولادھم واموالھم بین المسلمین الا بعضھم لحقوا بالنبی ﷺ فآمنھم واسلموا** (بخاری شریف، **حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین**، ص ۶۷۴، نمبر ۴۰۲۸) اس حدیث میں ہے جو یہودی مسلمان ہو گئے اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا بلکہ واپس دے دیا۔اسی طرح مرتد مسلمان ہو جائے تو اس کے مال کو تقسیم نہیں کریں گے بلکہ واپس دے دیا جائے گا۔

لغت: مراعی: رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ بات کی مرتد کی ملکیت اسلام لانے تک زائل ہو جائے گی یہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ مکلف ہے محتاج ہے اس لیے جب تک قتل نہ ہو جائے اس کی ملکیت باقی رہے گی جیسے جس پر رجم، اور قصاص کا حکم لگا دیا گیا ہو۔

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی ملکیت اس کے قتل ہونے تک باقی رہے گی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مکلف ہے اور محتاج بھی ہے، اس لیے جس طرح جس کو رجم کرنے اور قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی طرح مرتد کی بھی ملکیت باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ حربی بن چکا ہے اور ہمارے ہاتھ میں قتل تک مقہور ہے اور حربی ہونے کے بغیر قتل نہیں ہوتا

۳ غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجَى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِي أَمْرِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ الْعَارِضُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ، ۴ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ. قَالَ

(۲۹۰۵)وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي إِسْلَامِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ، وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْئًا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: كِلَاهُمَا لِوَرَثَتِهِ

اور حربی ہونے سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے،

تشریح: ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرتد ہونے کی وجہ سے حربی بن چکا ہے، اس لیے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی، ہمارے ہاتھ میں حربی ہو تو اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۳ یہ اور بات ہے کہ مجبور کر کے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لیے واپس لوٹنے کی امید ہے اس لیے اس کے معاملے کو موقوف رکھا اگر اسلام لے آتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ مرتد ہوا ہی نہیں، اور ایسا سمجھا جائے گا یہ ہمیشہ مسلمان ہی رہا ہے اور ارتداد کا سبب عمل نہیں کرے گا۔

تشریح: اگر مرتد مسلمان ہو گیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ وہ کافر ہوا ہی نہیں تھا، اس لیے اس کی ملکیت بحال رہے گی۔

ترجمہ: ۴ اور اگر اسی حال میں مر گیا یا مرتد کی حالت میں قتل کیا گیا، یا دار الحرب میں چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا حکم لگا دیا تو اس کا کفر برقرار رہے گا اور ارتداد عمل کرے گا اور اس کی ملکیت زائل رہے گی۔

تشریح: مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا۔ یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا، یا وہ دار الحرب بھاگ گیا اور قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ دار الحرب میں شامل ہو گیا ہے تو جیسے پہلے سے اس کی ملکیت زائل ہو چکی تھی ابھی بھی زائل ہی رہے گی، کیوں کہ وہ گویا کہ حربی ہونے کی حالت میں مرا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۵) اگر وہ مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں منتقل ہو جائے گا، اور اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں غنیمت ہو گی۔

ترجمہ: ا یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ دو قسم کے مال ورثہ کے لیے ہوں گے۔

تشریح: مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو جو کچھ مسلمان ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو گا۔ اور جو کچھ مرتد ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ مال غنیمت شمار ہو گا۔

وجہ: (۱) مسلمان ہونے کی حالت کی کمائی مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو گی اس کی دلیل یہ اوپر کے قول صحابی میں گزر گئی۔ **عن علی... قال فقتله و جعل میراثه بین ورثته المسلمین** (مصنف ابن ابی شیبۃ نمبر ۳۲۷۵۴) اس قول صحابی میں ہے کہ مرتد کی کمائی مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہو گی (۲) مرتد ہونا گویا کہ مر جانا ہے۔ اور مرنے کے بعد اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا مال بھی ورثہ میں تقسیم ہو گا۔ مرتد کے زمانے میں جو مال کمایا وہ غنیمت ہو گا۔

۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كِلَاهُمَا فَيْءٌ؛ لِأَنَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ، ثُمَّ هُوَ مَالُ حَرْبِيٍّ لَا أَمَانَ لَهُ فَيَكُونُ فَيْئًا. ۲ وَلَهُمَا أَنَّ مِلْكَهُ فِي الْكَسْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ وَيَسْتَنِدُ إِلَى مَا قُبَيْلَ رِدَّتِهِ إِذِ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُونُ تَوْرِيثُ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ. ۳ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ لِوُجُودِهِ قَبْلَ الرِّدَّةِ، وَلَا يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهِ قَبْلَهَا وَمِنْ

وجہ: (۱) مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہو گیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آجائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لیے مرتد کے زمانے کا مال غنیمت ہوگا (۲) مسئلہ نمبر ۲۹۰۴ میں حدیث گزری کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تھا تو اس کو قتل کیا اور اس کا مال لے لیا گیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ تھا۔ **بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأۃ ابیہ ان اضرب عنقہ و آخذ مالہ** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۶۸۹۳) جس میں تھا کہ اس کا مال لے کر غنیمت بنالیا جائے۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالتوں کا مال غنیمت ہو جائے گا اس لیے کہ کافر ہو کر مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ حربی کا مال ہے جس کو امن بھی نہیں ہے اس لیے مال غنیمت ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے جو مال کمایا ہے، اور مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے دونوں مال فئی [مال غنیمت] ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حربی ہو گیا تھا اس لیے اس کا سارا مال فئی ہوگا۔ (۲) یہ کافر ہو کر مرا تھا اور کافر کے مال کا وارث مسلمان نہیں ہوتا اس لیے کوئی مسلمان اس وارث نہیں ہوگا، بلکہ سارا مال فئی ہو جائے گا۔ (۳) یہ ایسا حربی تھا جس نے مسلمان سے امن بھی نہیں لیا تھا اس لیے بھی اس کا سارا مال فئی ہوگا۔

ترجمہ: ۲ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد دونوں کمائی میں موت تک اس کی ملکیت تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لیے موت کے بعد مال اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ وارث مرتد ہونے سے پہلے ہی اس مال کا وارث بنا ہے، اس لیے کہ مرتد ہونا موت کا سبب ہے، اس لیے یوں ہو گیا کہ مسلمان مسلمان کا وارث بنا۔

تشریح: صاحبینؒ کا قاعدہ پہلے گزرا کہ مرتد کی موت تک وہ اپنے مال کا مالک رہے گا، کیوں کہ ان کے یہاں مرتد حربی نہیں بنا، اس لیے مرتد ہونے سے پہلے جو کمایا تھا، اور مرتد ہونے کے بعد جو کمایا تھا وہ دونوں کا مالک ہے اس لیے وارث دونوں مالوں کا وارث بنے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ مرتد ہونے سے پہلے پہلے مال وارث کی طرف منتقل ہو گیا اس لیے گویا کہ مسلمان کا وارث مسلمان بنا۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں کمائی کو وارثین کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے کیوں کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی گئی ہے، اور مرتد ہونے کے بعد کمائی کو منسوب کرنا ممکن نہیں، اس لیے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی نہیں تھی، حالانکہ وارثت کی شرط یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی جائے۔

تشریح: یہاں عبارت ذرا پیچیدہ ہے۔ ایک قاعدہ گزرا کہ مسلمان مسلمان کا وارث ہوتا ہے، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، اس قاعدے پر مرتد ہونے سے پہلے وہ مسلمان تھا اس لیے مسلمان اس کا وارث ہوگا، اور مرتد ہونے کے بعد وہ کافر ہو گیا، اب اس وقت

شَرْطِهِ وُجُودُهُ. ۴ ثُمَّ إِنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إِلَى وَقْتِ مَوْتِهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ اعْتِبَارًا لِلِاسْتِنَادِ. ۵ وَعَنْهُ أَنَّهُ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرِّدَّةِ، وَلَا يَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهُ بِمَوْتِهِ بَلْ يَخْلُفُهُ وَارِثُهُ، لِأَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ. ۶ وَعَنْهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ وُجُودُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهِ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ.

میں جو کمایا وہ کفر کا مال ہے اس لیے مسلمان اس کا وارث نہیں ہوگا، وہ مال فئی ہو جائے گا۔

اسی کو ہدایہ کی عبارت میں کہا ہے۔ کہ اسلام کی حالت میں جو مال تھا وہ مسلمان کی طرف منسوب ہوگا، اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا وہ مسلمان کی طرف منسوب نہیں ہوگا

ترجمہ: ۴ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف وہ آدمی وارث بنے گا جو مرتد کی حالت میں وارث تھا اور موت تک وہ وارث رہا، تا کہ مرتد کی طرف منسوب کیا جاسکے۔

تشریح: اوپر یہ تھا کہ مرتد کے کس مال کا وارث ہوگا۔ یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ کون کون سا آدمی وارث بنے گا۔ اس کے لیے امام ابو حنیفہؒ کی تین روایتیں ہیں۔

[۱] امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ، مرتد ہونے سے پہلے جو وارث تھا اور مرتد کی موت تک وہ وارث رہا وہی وارث بنے گا، یعنی دونوں حالتوں میں موجود ہو۔ مثلاً زید جنوری کی پہلی تاریخ کو مرتد ہوا، اور چوتھی تاریخ کو قتل کر دیا گیا، دوسری تاریخ کو زید کو ساجد لڑکا پیدا ہوا، اور تیسری تاریخ کو اس کا بڑا لڑکا حامد کا انتقال ہو گیا، تو اس روایت کے اعتبار سے ساجد اس لیے وارث نہیں بنے گا کہ وہ مرتد ہوتے وقت نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا ہے۔ اور حامد اس لیے وارث نہیں بنے گا کہ زید کی موت کے وقت موجود نہیں تھا۔

ترجمہ: ۵ ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آدمی وارث ہوگا جو مرتد ہوتے وقت وارث تھا، وہ وارث مر بھی جائے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا بلکہ اس میت کا وارث وارث بنے گا، اس لیے کہ مرتد ہونا گویا کہ اسی وقت مر جانا ہے۔

تشریح: [۲] امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے وارث تھا وہ وارث بنے گا، جو بعد میں پیدا ہوا وہ وارث نہیں بنے گا۔ اوپر کی مثال میں حامد وارث بنے گا، کیوں کہ وہ زید کے مرتد ہوتے وقت وارث تھا، اور تیسری تاریخ کو مر گیا تو حامد کا جو وارث ہوگا وہ زید کا مال لے جائے گا۔ البتہ ساجد جو دوسری تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ وارث نہیں بنے گا کیوں کہ زید کے مرتد ہوتے وقت وہ موجود نہیں تھا، وہ بعد میں پیدا ہوا ہے۔

ترجمہ: ۶ امام ابو حنیفہؒ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت میں جو وارث ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، اس لیے کہ سبب کے منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے سے پہلے جو پیش آیا ہے وہ گویا کہ سبب سے پہلے پیش آیا ہے [یعنی مرتد ہونے کے بعد مرنے سے پہلے جو بات پیش آئی گویا کہ وہ مرتد ہونے سے پہلے ہی پیش آئی ہے]، جیسے بیع کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بیع سے پہلے کا بچہ سمجھا جائے گا۔

تشریح: اس روایت میں یہ ہے کہ مرتد کے موت کے وقت جو ہے وہ وارث بنے گا، اس سے پہلے جو مر گیا وہ وارث نہیں بنے گا۔ اوپر

۷ وَتَرِثُهُ امْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ فَارًّا، وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا وَقْتَ الرِّدَّةِ. ۸ وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِوَرَثَتِهَا؛ لِأَنَّهُ لَا حِرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوجَدْ سَبَبُ الْفَيْءِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - وَيَرِثُهَا ۹ زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إِنْ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِقَصْدِهَا إِبْطَالَ حَقِّهِ، وَإِنْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَا يَرِثُهَا؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ. قَالَ:

کی مثال میں ساجد وارث بنے گا، کیوں کہ وہ زید کی موت کے وقت موجود تھا، لیکن حامد وارث نہیں بنے گا کیوں کہ وہ زید کی موت کے موجود نہیں تھا وہ پہلے ہی مر گیا تھا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مرتد ہونا وارث کا سبب ہے، یہ سبب مرتد کی موت کے وقت پورا ہوتا ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ موت کے وقت مرتد ہوا اس لیے موت سے پہلے جو لوگ موجود ہیں وہ وارث ہوں گے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، مثلاً زید نے پہلی جنوری کو ایک باندی خریدی، اور چار جنوری کو اس پر قبضہ کیا، اس درمیان دو جنوری کو ایک بچہ پیدا ہو گیا، تو یہ بچہ زید کا ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ خریدنے سے پہلے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، کیوں کہ خریداری پوری ہوگی قبضہ کرتے وقت اس لیے گویا کہ پہلی تاریخ کو نہیں خریدا بلکہ چار تاریخ کو قبضہ کے وقت خریدا، اسی طرح یہاں گویا کہ موت کے وقت زید مرتد ہوا۔ اس لیے اس سے پہلے کا آدمی وارث بنے گا۔

ترجمہ: ۷ اگر مرتد مر جائے یا مرتد کی حالت میں قتل کیا جائے تو مسلمان بیوی اس کا وارث ہوگی اگر وہ اس کی عدت گزار رہی ہے تو چاہے مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا اس لیے کہ مرتد ہو کر اس عورت کو وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

تشریح: مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا پھر بھی اگر مرتد کی موت ہوئی، یا وہ مرتد کی حالت میں قتل کیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت گزار رہی تو وہ وارث ہوگی۔

وجہ: ایک تو وہ اس کی بیوی ہے، اور بیوی وارث ہوتی ہے اس لیے وہ وارث ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد ہو کر بیوی کو حق نہیں دینا چاہتا ہے، جس کو فار، کہتے ہیں اس لیے شریعت اس کو وراثت دلوائی گی۔

ترجمہ: ۸ اور مرتد عورت کی کمائی اس کے ورثہ کے لیے ہوگی اس لیے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لیے مال غنیمت کا سبب نہیں بنی بخلاف مرتد کے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک [کہ مرتد کے زمانے کی کمائی فئی ہو جائے گی]

تشریح: اوپر گزرا کہ عورت مرتد ہو جائے تو وہ حربی کے درجے میں نہیں آتی اور نہ وہ قتل کی جاتی ہے، اس لیے اس کے مرتد ہونے سے پہلے کی کمائی اور مرتد ہونے کے بعد کی کمائی دونوں اس کی ملکیت ہوگی اور فئی نہیں ہوگی، اس لیے اس کے مرنے پر دونوں کمائی اس کے ورثہ کو ملے گی۔ اس کے برخلاف مرتد مرد حربی ہو جاتا ہے اس لیے اس کے مرتد ہونے کے بعد کی کمائی فئی ہوگی وہ اس کے وارث کو نہیں ملے گی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ترجمہ: ۹ اور مسلمان شوہر مرتدہ عورت کا وارث ہوگا اگر وہ مریضہ ہو اس لیے کہ اس نے شوہر کے حق کو باطل کرنا چاہا ہے، اور اگر عورت تندرست ہو تو شوہر اس کا مالک نہیں بنے گا اس لیے کہ وہ قتل نہیں کی جائے گی تو مرتد کی وجہ سے اس کے مال کے ساتھ شوہر کا حق متعلق نہیں ہوگا، بخلاف مرتد مرد کے اس لیے کہ وہ قتل کیا جائے گا تو اس کی بیوی کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔

(۲۹۰۶)وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتْ الدُّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنُقِلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلَى وَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ. ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَبْقَى مَالُهُ مَوْقُوفًا كَمَا كَانَ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ بِاللَّحَاقِ صَارَ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ

تشریح: عورت مرتد ہوئی اس وقت وہ بیار تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شوہر کو وراثت نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے وہ فار ہے اس لیے شوہر کو وراثت ملے گی۔ اور اگر وہ تندرست تھی تو فار نہیں ہوئی، اس لیے شوہر کو وراثت نہیں ملے گی۔

وجہ: کیوں کہ وہ قتل نہیں کی جائے گی اس لیے شوہر کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہوا اس لیے وہ وارث نہیں بنے گا۔

ترجمہ: (۲۹۰۶) پس اگر مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور حاکم نے اس کے مل جانے کا حکم لگا دیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے۔ اور جو اس پر قرض ہے اس کی ادائیگی فوری ہوگی۔ اور جو کچھ کمایا اسلام کی حالت میں وہ اس کے مسلمان ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔

تشریح: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔ اور اس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ مثلاً آقا کے مرنے کے بعد مدبر غلام اور ام ولد باندی آزاد ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی یہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا ابھی ادا کرنا لازم ہوگا کیوں کہ آدمی مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا کیوں کہ مرتد گویا کہ مر گیا ہے۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عامر والحکم قالا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان کانت تحیض، وان کانت لا تحیض فثلاثة اشهر، وان کانت حاملا ان تضع حملها ویقسم میراثه بین امرأته وورثته من المسلمین ثم تزوج ان شاءت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتها ابتا علی نکاحهما** (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۱ **ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو وله امرأة ما حالها:** ۶/ ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس قول تابعی میں ہے کہ دار الحرب چلا جائے تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

لغت: لحق: مل جانا، لاحق ہو جانا، **حلت:** حلول سے مشتق ہے فوراً وقت آ جانا۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کی ملکیت موقوف رہے گی جیسے کہ ایک قسم کے سفر پر گیا ہو، تو دار الاسلام میں ہی سفر پر جانے کی طرح ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں دار الحرب میں جانے کے فیصلے کے باوجود بھی اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور نہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا بلکہ اس کا مال موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا اور وہ اسلامی احکام کے حق میں مردے کی طرح ہے،

أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتَى فَصَارَ كَالْمَوْتِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَقِرُّ لَحَاقُهُ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِي لِاحْتِمَالِ الْعَوْدِ إِلَيْنَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِهِ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيقِيِّ، ۳ ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لَحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ اللَّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهِ بِقَطْعِ الِاحْتِمَالِ، ۴ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: وَقْتَ الْقَضَاءِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ، ۵ وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا لَحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ. (۲۹۰۷)وَتُقْضَى الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ، وَمَا لَزِمَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ مِنَ الدُّيُونِ يُقْضَى مِمَّا

کیوں کہ اس پر کوئی چیز لازم کرنے کی ولایت ختم ہوگئی، جیسے مردے سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے وہ مردے کی طرح ہو گیا لیکن قاضی کے فیصلے کے بغیر یہ مضبوط نہیں ہوگا کیوں کہ ہمارے پاس لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لیے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، اور جب قاضی کے فیصلے سے اس کی موت ثابت ہوگئی تو موت کے احکامات متعلق ہو جائیں گے جنکو ہم نے ذکر کیا، جیسا کہ حقیقی طور پر مرنے سے ہوتا ہے۔

تشریح: قاضی کے فیصلے کے بعد وہ مردہ ہو گیا اس لیے اس کی وراثت تقسیم کردی جائے گی، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہو، کیوں کہ اس سے پہلے اس کے واپس ہونے گمان ہے۔

ترجمہ: ۳ پھر امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث ہوں گے اس لیے کہ بھاگنا ہی مرتد ونے کا سبب ہے، اور اس کا فیصلہ کرنا اس کو مضبوط کرنے کے لیے ہے تا کہ لوٹنے کا احتمال ختم ہو جائے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں یہ ہے کہ دار الحرب کے بھاگتے وقت جو وارث ہیں وہ وارث ہوں گے، مثلا زید پہلی جنوری کو دار الحرب بھاگا، اور چوتھی جنوری کو قاضی نے ملنے کا فیصلہ کیا، دوسری جنوری کو ساجد لڑکا پیدا ہوا، اور تیسری جنوری کو حامد بڑا لڑکا کا انتقال ہو گیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک حامد وارث بنے گا، کیوں کہ وہ دار الحرب میں ملنے کے وقت موجود تھا، اور ساجد کو وراثت نہیں ملے گی کیوں کہ وہ پہلی جنوری کو موجود نہیں تھا۔

ترجمہ: ۴ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قاضی کے فیصلے کے وقت میں جو وارث ہوں گے وہ وارث ہوں گے، اس لیے کہ قاضی کے فیصلے سے موت کا حکم لگا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں قاضی کے فیصلے کے وقت جو وارث موجود ہوں گے وہ وارث بنیں گے، اوپر کی مثال میں، فیصلے کے وقت ساجد ہے اس لیے اس کو وراثت ملے گی، اور حامد بڑا لڑکا مر چکا ہے اس لیے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۵ اور مرتدہ عورت دار الحرب بھاگ جائے تو اس بارے میں بھی وہی اختلاف ہے۔ [کہ امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث بنیں گے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فیصلے کے وقت جو وارث تھے وہ وارث بنیں گے۔

ترجمہ: (۲۹۰۷) وہ قرض جو اسلام کی حالت میں لازم ہوا ہے ادا کیا جائے اس سے جو اسلام کی حالت میں کمایا۔ اور وہ قرض جو لازم ہوا ہے مرتد کی حالت میں اس سے ادا کیا جائے جو مرتد کی حالت میں کمایا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد ہوتے ہی گویا کہ مر گیا۔ البتہ دوبارہ مسلمان ہونے کی امید پر اس کا معاملہ موقوف رکھا گیا۔

اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ لِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللّٰهُ: هٰذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ -رحمه الله- وَعَنْهُ أَنَّهُ يُبْدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ، وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذٰلِكَ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلَى عَكْسِهِ ٢ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ. وَحُصُولُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْكَسْبَيْنِ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِي وَجَبَ بِهِ الدَّيْنُ فَيُقْضَى كُلُّ دَيْنٍ مِنَ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُونَ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ. ٣ وَجْهُ الثَّانِي أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتّٰى

جب دوبارہ مسلمان نہیں ہوا تو مرتد ہونے کے وقت ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ اس لیے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) جیسے ہی مرتد ہوا وہ مردے کے درجے میں ہو گیا۔ صرف انتظار اور امید کے لیے معاملہ موقوف رکھا گیا۔ اس کی دلیل حدیث کا اشارہ ہے۔ **عن عکرمة قال... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه** (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ **قال (معاذ ؓ) لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل** (بخاری شریف، **باب حکم المرتد والمرتدة واستتابتهم**، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲ / ۶۹۲۳) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو فوراً قتل کر دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی مردے کے درجے میں ہو گیا۔ اس لیے اسلام کا قرض حالت اسلام کی کمائی سے اور حالت مرتد کا قرض حالت مرتد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ابو حنیفہؒ کی روایت ہے، ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا اس سے پورا نہ ہو تو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے پورا کیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ سے تیسری روایت اس کے الٹے کا ہے [یعنی مرتد کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے ادا کرنا شروع کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب اسلام کے زمانے میں جو کمایا اس سے پورا کیا جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف سبب سے قرض کا مستحق ہے، پس جس سبب میں قرض لیا ہے اسی سبب سے ادا کیا جائے گا [یعنی اسلام کی حالت میں قرض لیا ہے تو اسلام والی کمائی سے ادا کیا جائے گا، اور مرتد کی حالت میں قرض لیا ہے تو مرتد کی حالت کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا] تاکہ معاملہ برابر سرابر ہو جائے۔

تشریح: اس پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف حالتوں میں قرض لیا ہے، ایک قرض لیا ہے اسلام کی حالت میں اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے اس لیے اس لیے اس قرض کو اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا کرے گا۔ دوسرا قرض لیا ہے ارتداد کی حالت میں اس لیے اس قرض کو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے تو قرض کی ادائیگی کمائی کے برابر ہو جائے۔

لغت: **کسب المکتسب الذی فی تلک الحالة:** جس حال میں کمایا ہے اسی حالت کا قرض ادا کرے۔ **الغرم بالغنم:** یہ محاورہ ہے جس طرح غنیمت حاصل کی اسی طرح تاوان ادا کرے، یعنی جس طرح کمایا اسی حالت کا قرض ادا کرے۔

ترجمہ: ۳ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا وارث ہوتا ہے، اور

يَخْلُفُهُ الْوَارِثُ فِيهِ، وَمِنْ شَرْطِ هٰذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ عَنْ حَقِّ الْمُوَرِّثِ فَيُقَدَّمُ بِالدَّيْنِ عَلَيْهِ، أَمَّا كَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ، لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ بِالرِّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَا يُقْضَى دَيْنُهُ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ قَضَاؤُهُ مِنْ مَحَلٍّ آخَرَ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْهُ، كَالذِّمِّيِّ إِذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُونُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضَى مِنْهُ كَذٰلِكَ هٰهُنَا. ۴ وَجْهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ وَكَسْبَ الرِّدَّةِ خَالِصُ حَقِّهِ، فَكَانَ قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهِ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ. وَقَالَ ۵ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تُقْضَى دُيُونُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ؛ لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتّٰى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرنے والے کے حق سے فارغ ہو اس لیے وراثت سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا پھر وراثت تقسیم ہوگی [اس لیے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا] اور مرتد کے زمانے کی کمائی تو مرتد کی ملکیت نہیں ہے [وہ توفئی کا مال ہے] کیوں کہ مرتد ہونے کی وجہ سے ملکیت کا اہل نہیں ہے [گویا کہ وہ مردہ ہے اس لیے مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض ادا نہیں کیا جائے گا، ہاں اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا نہ ہو تو اس وقت مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، جیسے ذمی مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کا مال مسلمان کی جماعت کے لیے ہو جائے تو اور ذمی پر قرض ہو تو اس مال سے قرض ادا کیا جاتا ہے [اسی طرح مرتد کے زمانے کا مال فئی کا مال ہے اور مسلمان کی جماعت کے لیے ہو گیا ہے، پھر بھی اس سے قرض ادا کیا جائے گا]

تشریح: دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے، اور مرتد کی حالت کی کمائی فئی کا مال ہے جو مرتد کا مال نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وارثین اس مال کا وارث ہوتا ہے، اور وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کرے اس لیے اسلامی کمائی سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب مرتد کی حالت کی کمائی اس قرض کو پورا کیا جائے گا مرتد کی حالت کی کمائی سے بعد میں قرض ادا کیا جائے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے لیے ہو جاتا ہے لیکن اس پر قرض ہو تو پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے، اس سے جو بچے گا وہ مال مسلمانوں کے لیے ہوگا، اسی طرح یہاں مرتد کی حالت میں جو کمائے گا اگر چہ وہ مسلمانو کا مال ہے لیکن اس سے قرض ادا کیا جا سکے گا، جس طرح ذمی کا قرض ادا کیا گیا۔

ترجمہ: ۴ اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی ورثہ کا حق ہے اور مرتد کے زمانے کی کمائی خالص مرتد کا حق ہے اس لیے پہلے اس سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا، ہاں اس سے قرض پورا نہ ہو تو اب اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، کیوں کہ مرتد کا حق پہلے ہے۔

تشریح: تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی میں ورثہ کا حق ہے، اور مرتد کے زمانے کی کمائی میں مرتد کا حق ہے اس لیے پہلے اس سے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہیں ہوگا تب اسلام کے زمانے کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور صاحبینؒ کے یہاں دونوں قسم کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا اس لیے کہ ان کے یہاں دونوں قسم کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے چناں چہ ان کے یہاں دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں دونوں طرح کی کمائی مرتد کی ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری

قَالَ: (۲۹۰۸)وَمَا بَاعَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَهُوَ مَوْقُوفٌ، فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ ۱ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَجُوزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ. ۲ اعْلَمْ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلَى أَقْسَامٍ: نَافِذٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالِاسْتِيلَادِ وَالطَّلَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إلَى حَقِيقَةِ الْمِلْكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ. وَبَاطِلٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيحَةِ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ. وَمَوْقُوفٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ؛ لِأَنَّهَا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَا

ہوتی ہے، اس لیے دونوں طرح کی کمائی سے دونوں طرح کا قرض ادا کیا جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۸) مرتد کی حالت میں جو بیچا یا خریدا یا اپنے میں تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ مر گیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو اب باطل ہوں گے۔

تشریح: ارتداد کی حالت میں بیچا یا خریدا یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر مرتد کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو یہ تمام عقود باطل ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ مرتد کی ملکیت اور اس کا معاملہ اسلام لانے تک موقوف رہتا ہے۔ اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے۔ اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے تو مرتد ہونے کے دن ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔ کیوں کہ مردوں کے معاملات کا کیا اعتبار؟ (۲) قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن عامر و الحکم قالا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام و یلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان کانت تحیض، و ان کانت لا تحیض فثلاثة اشهر، و ان کانت حاملا ان تضع حملها و یقسم میراثه بین امرأته و ورثته من المسلمین ثم تزوج ان شاءت و ان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتها ثبتا علی نکاحهما** (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۱ ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو و له امرأة ما حالها: ۶/۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر کے اخیر میں ہے کہ اگر مرتد بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے تک نکاح کا معاملہ موقوف رہے گا۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقی معاملات بھی موقوف رہیں گے۔ اور جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد اسلام لائے تو نکاح ختم ہو جائے گا اسی طرح مرتد کی حالت میں مر جائے یا قتل کیا جائے یا دار الحرب بھاگ جائے تو اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کیا وہ دونوں جائز ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کا تصرف موقوف رہے گا، اور صاحبینؒ کے یہاں اس کا تصرف جائز رہے گا۔

ترجمہ: ۲ یہ جان لیں کہ مرتد کی تصرفات کی چار قسمیں ہیں [۱] ایک تو بالاتفاق نافذ ہے، جیسے ام ولد بنانا، اور طلاق دینا اس لیے کہ اس میں حقیقی ملک، اور پوری ولایت کی ضرورت نہیں ہے۔ [۲] دوسرا ہے جو بالاتفاق باطل ہے، جیسے مسلمان سے نکاح کرنا اور جانور ذبح کرنا اس لیے کہ اس کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، اور مرتد مسلمان ہے نہیں [اس لیے مسلمان سے اس کا نکاح، کرنا اور ذبح کرنا صحیح نہیں ہے۔ [۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف ہے، جیسے شرکت مفاوضہ، اس لیے کہ اس میں دونوں شریک کا مذہب کے اعتبار

مُسَاوَاةً بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسْلِمْ. وَمُخْتَلَفٌ فِي تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ.

سے برابر ہونا ضروری ہے، اور مرتد جب تک مسلمان نہیں ہوجاتا وہ مسلمان کے برابر نہیں ہے [اس لیے شرکت مفاوضہ بالاتفاق موقوف رہے گا۔[۴] اور چوتھا تصرف وہ ہے جسکو ہم نے متن میں گنایا [بیچنا، خریدنا، آزاد کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ]

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے، اور اس کی اہلیت بھی باقی رہتی ہے۔ یعنی وہ مسلمان تو نہیں ہے، لیکن احکام الٰہی کا مخاطب ہے، اس لیے یہ تصرف جائز ہیں۔

اصول: ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مرتد کی اہلیت ختم ہوجاتی ہے، یعنی وہ مسلمان نہیں ہے، اور اس کی ملکیت موقوف ہوجاتی ہے، کیوں کہ وہ حربی بن چکا ہے، البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے، پس اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کی ملکیت بحال ہوجائے گی، اور اگر وہ قتل کیا گیا تو مرتد ہونے کے دن ہی سے اس کو مردہ شمار کیا جائے گا۔ انہیں دونوں اصولوں پر آگے کے تصرفات کی تفصیل ہے۔

تشریح: یہاں فرما رہے ہیں کہ مرتد کے تصرف کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے تین میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے اور چوتھے میں دونوں کا اختلاف ہے، جس کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

[۱] پہلا تصرف ہے ام ولد بنانا اور طلاق دینا یہ بالاتفاق جائز ہے۔ مثلا مرتد ہونے کی حالت میں بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو وہ اس کی ام ولد بن جائے گی، کیوں کہ ام ولد بنانے کے لیے اپنی ملکیت ہونی ضروری نہیں ہے، بیٹے کی باندی کو بھی ام ولد بنا سکتا ہے، اسی طرح اس کے لیے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے اس لیے امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ کے یہاں بالاتفاق یہ ام ولد بن جائے گی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں مرتد ہوگئے اب مرد نے طلاق دی تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ اس کے لیے بھی مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ بیوی ملکیت میں ہوتی ہے

[۲] مرتد کا دوسرا تصرف ہے جو بالاتفاق باطل ہے اور وہ ہے نکاح کرنا، اور جانور ذبح کرنا۔ مسلمان عورت سے نکاح کرنے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لیے اس کا نکاح کرنا بھی کسی کے یہاں جائز نہیں ہے۔ دوسری مثال ہے، جانور کو ذبح کرنا، جانور حلال ہونے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لیے اس کا ذبیحہ بھی کسی کے یہاں حلال نہیں ہے۔

[۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف رہے گا، وہ شرکت مفاوضہ ہے، شرکت مفاوضہ میں مذہب کے اعتبار سے دونوں شریک کا برابر ہونا ضروری ہے، اور یہاں ایک شریک مسلمان ہے اور دوسرا مرتد ہو چکا ہے اس لیے یہ شرکت ابھی موقوف رہے گی، اگر مرتد مسلمان ہوگیا تو شرکت برقرار رہے گی اور قتل کیا گیا تو یہ شرکت ختم ہوجائے گی۔

[۴] اور چوتھا تصرف ہے جن کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے، متن میں یہی چوتھا تصرف کی بحث ہے وہ چھ تصرف ہیں، مرتد ہونے کی حالت میں بیچنا، خریدنا، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا، مال میں تصرف کرنا۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ چھ تصرف موقوف رہیں گے، اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو یہ تصرف بحال ہوجائیں گے، اور مرتد کی حالت قتل کیا گیا تو یہ تصرف باطل ہوجائیں گے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں یہ تصرف جائز ہیں۔ انکی وجہ آگے آرہی ہے۔

۳ لَهُمَا أَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ وَالنَّفَاذَ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ، وَلَا خَفَاءَ فِي وُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا، وَكَذَا الْمِلْكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، وَلِهٰذَا لَوْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ ۴ لَا يَرِثُهُ فَتَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ. إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ، إِذِ الشُّبْهَةُ تُزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ. ۵ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الْمَرِيضِ؛ لِأَنَّ مَنِ انْتَحَلَ إِلَى نِحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَأَ عَلَيْهِ

ترجمہ: ۳ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تصرف صحیح ہونے کے لیے اہلیت ہونا ضروری ہے اور تصرف نافذ ہونے کے لیے مالک ہونا ضروری ہے، اور مرتد میں اہلیت موجود ہے کیوں کہ وہ احکام الٰہی کا مخاطب ہے، اور مرتد کی ملکیت بھی ہے کیوں کہ موت سے پہلے یہ قائم ہے جیسا کہ پہلے صاحبینؒ نے ثابت کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمان بیوی سے چھ مہینے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ مرتد باپ کا وارث ہوگا، اور مرتد ہونے کے بعد اور موت سے پہلے اس کا لڑکا مر جائے تو وہ وارث نہیں ہوگا [جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے] پس جب اس کی ملکیت ہے تو اس کا تصرف بھی جائز ہو جائے گا۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد میں ابھی بھی تصرف کرنے کی اہلیت ہے، کیوں کہ وہ احکام الٰہی کا مخاطب ہے، اور اس کی ملکیت بھی موت تک باقی ہے، اس کی دو مثالیں دی ہیں [۱] مرتد ہونے کے بعد چھ مہینے سے پہلے پہلے مسلمان بیوی سے بچہ پیدا ہو تو وہ اس مرتد کا وارث ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک اس کی ملکیت باقی ہے۔ دوسری مثال دی ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کے مرنے سے پہلے اس کا لڑکا مر جائے تو وہ وارث نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی تھی، جب اس کی ملکیت ہے تو تصرف کرنے کا بھی حق رکھتا ہے اس لیے اس کا اوپر کا چھ تصرف جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۴ البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان یہ فرق ہے کہ، امام ابو یوسفؒ کے یہاں مرتد کا تصرف اس طرح درست ہوگا جس طرح ایک تندرست آدمی کا ہوتا ہے، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ مرتد سے اسلام کی طرف لوٹ آئے گا، اس لیے کہ غالب گمان یہ ہے کہ سمجھا کر شبہ ختم کر دیا جائے گا اس لیے وہ قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے وہ مرتد عورت کی طرح ہو گیا۔

تشریح: موت سے پہلے مرتد کا تصرف دونوں کے یہاں جائز ہے، لیکن دونوں کے یہاں تصرف میں فرق ہے، یہاں سے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے یہاں مرتد کا تصرف مکمل طور پر صحیح ہوگا، صرف تہائی مال میں تصرف ہو ایسا نہیں ہے، جس طرح ایک تندرست آدمی کا تصرف صحیح ہوتا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ مرتد کا شبہ دور کر دیا جائے گا اور وہ جلد ہی اسلام لے آئے گا، اور قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے تہائی مال میں نہیں بلکہ پورے مال میں اس کا تصرف درست سمجھا جائے گا تزاح: مٹایا جائے گا، دور کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور امام محمدؒ کے یہاں اس کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا [کہ تہائی مال تصرف نافذ ہوگا] اس لیے کہ وہ غیر مذہب کی طرف منتقل ہوا ہے، خاص طور پر جس اسلام پر وہ پیدا ہوا ہے اس کو کم ہی لوگ چھوڑتا ہے، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ وہ قتل

فَلَمَّا يَتْرُكُهُ فَيُفْضِي إِلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ. ٦ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فِي تَوَقُّفِ الْمِلْكِ وَتَوَقُّفُ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ، وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقْهَرُ وَيَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ، لِتَوَقُّفِ حَالِهِ، فَكَذَا الْمُرْتَدُّ. ٧ وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ فَأَوْجَبَ خَلَلًا فِي الْأَهْلِيَّةِ، بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمْدِ، لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ فِي ذَلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ. وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً؛ وَلِهَذَا لَا تُقْتَلُ.

ہی کیا جائے گا [اس لیے اس کا تصرف مرض الموت میں بیمار آدمی کی طرح ہوگا، بخلاف مرتد عورت کے [کیوں کہ اس کا پورا تصرف جائز ہے]، کیوں کہ وہ قتل نہیں کی جائے گی۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں مرتد کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا، یعنی مرض الموت میں بیمار آدمی کا تصرف تہائی مال میں جاری ہوتا ہے اسی طرح اس کا تصرف بھی تہائی مال میں جاری ہوگا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آدمی اسلامی مذہب پر پیدا ہوا تھا اور ایک زمانے تک اس پر رہا ہے، اب وہ اچانک ایک غلط مذہب کی طرف چلا گیا اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ اس کی یہ بڑی غلطی معاف نہیں کی جائے گی اور قتل ہی کیا جائے گا تو گویا کہ وہ مرض الموت میں بیمار ہے اس لیے تہائی مال میں اس کا تصرف جائز ہوگا۔

لغت: **انتحل:** منتقل ہو گیا۔ **نحلة:** مذہب، یہاں مراد ہے غلط مذہب۔ **نشأ علیه:** اس پر پیدا ہوا تھا، ایک زمانے تک اس مذہب پر رہا تھا۔ **یفضی الی القتل:** قتل کیا جائے گا، قتل تک پہنچائے گا۔

ترجمہ: ٦ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد حربی ہے البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے جیسے کہ ہم نے ملک کے موقوف ہونے میں پہلے ذکر کیا ہے، اس لیے اس پر بنا کرتے ہوئے اس کا تصرف بھی موقوف رہے گا، جیسے کوئی حربی بغیر امن لیے ہوئے دار الاسلام میں داخل ہو جائے اور وہ پکڑا جائے اور مجبور ہو جائے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے [کیوں کہ قاضی اس کو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قتل کیا جائے] اس لیے اس کا تصرف موقوف رہے گا اسی طرح مرتد کا تصرف بھی موقوف رہے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں مجبور ہے اس لیے اس میں اسلام بھی نہیں ہے اور تصرف کرنے کی اہلیت بھی نہیں ہے اس لیے اس تصرف ابھی موقوف رکھا جائے، کیوں کہ اس کی حالت ابھی درمیان میں ہے۔ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کا یہ تصرف بحال کر دیا جائے گا، اور اگر ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا کیا تصرف باطل ہو جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ ایک حربی بغیر امن لیے دار الاسلام میں داخل ہوا، اور وہ پکڑا گیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ امیر اس پر احسان کرے اور چھوڑ دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو قتل کر دے، اس لیے ابھی اس کے تصرف کو موقوف رکھا جائے گا، اسی طرح مرتد کے تصرف کو بھی موقوف رکھا جائے گا۔

ترجمہ: ٧ دونوں کو قتل اس لیے کیا جائے گا وہ معصوم نہیں رہا اس لیے ان کی اہلیت میں خلل ہو گیا، بخلاف زانی اور قاتل کے ان دونوں کو قتل کرنا ضروری ہے [مرتد کی طرح معاملہ درمیان میں اٹکا ہوا نہیں ہے۔ بخلاف مرتد عورت کے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لیے وہ قتل

(۲۹۰۹) فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ، ‌ا لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لِاسْتِغْنَائِهِ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا احْتَاجَ إِلَيْهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ، ‌۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَزَالَهُ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهِ. ‌۳ وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيلٍ

نہیں کی جائے گی۔

تشریح: یہاں تین آدمیوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں [۱] کفر کی وجہ سے مرتد کی عصمت ختم ہو چکی ہے اس لیے ممکن ہے کہ قتل کر دیا جائے اس لیے تصرف کرنے کی اہلیت میں خلل واقع ہو گیا ہے اس لیے اس کا تصرف موقوف رہے گا۔ [۲] اور زانی اور قاتل کو قتل کرنا یقینی ہے، اس کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے، پھر وہ موت تک کافر نہیں ہوا ہے اس لیے اس کی اہلیت اس کی موت تک بحال رہے گی۔ [۳] اور مرتدہ عورت حربیہ نہیں ہوئی اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے اس کی اہلیت اس کی موت تک باقی رہے گی۔

لغت: لان الاستحقاق فی ذالک جزاء علی الجنایۃ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زانی اور قاتل کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس کی سزا لازمی ہے، اس لیے اس کی اہلیت میں خلل واقع نہیں ہوا بلکہ موت تک اس کی اہلیت باقی رہی۔

ترجمہ: (۲۹۰۹) اگر مرتد لحاق کے حکم کے بعد دار الاسلام واپس آجائے تو جو پائے ورثہ کے ہاتھ میں بعینہ مال تو اس کو لے لے۔

ترجمہ: ‌ا وارث اس لیے مرتد کا خلیفہ بنا تھا کہ اب مرتد کو اس کی ضرورت نہیں رہی تھی، اور جب وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا تو اب وہ ضرورت مند ہو گیا اس لیے اپنا مال لینے میں مرتد مقدم رہے گا۔

تشریح: مرتد بھاگ کر دار الحرب چلا گیا۔ اس کے بعد حاکم نے دار الحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثہ کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے وہ واپس لے لے۔ اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ: دار الحرب میں شامل ہونے کے فیصلے کے بعد گویا کہ وہ مردہ ہو گیا۔ اس لیے ورثہ نے جو مال تقسیم کر کے لیا وہ اس کے مالک بن گئے۔ اور ان کا تصرف کرنا صحیح ہو گیا۔ اس لیے جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور جو مال ورثہ کے ہاتھ میں محفوظ ہے اس نو مسلم کو اس کی اشد ضرورت ہے، اور حقیقت میں اسی کا کمایا ہوا ہے اس لیے اس کو واپس دلوایا جائیگا۔

ترجمہ: ‌۲ بخلاف وارث نے جو مال خرچ کر دیا [وہ واپس نہیں لیا جائے گا۔

تشریح: وارث نے قاضی کے فیصلے کے بعد لیا تھا اس لیے وہ اس کا مالک بن چکا تھا اس لیے جو مال وہ خرچ کر چکا ہے وہ واپس نہیں دیگا، اور نہ اس کا ضمان ادا کرے گا۔

ترجمہ: ‌۳ بخلاف ام ولد اور مدبر کے جو آزاد ہو گئے وہ اب واپس غلام نہیں بنیں گے، اس لیے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وہ آزاد ہوئے تھے اس لیے یہ فیصلہ اب نہیں ٹوٹے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام باندی آزاد ہونے کے بعد واپس غلام باندی نہیں بنتے۔ اور یہاں تو قاضی کے باضابطہ فیصلے کے بعد آزاد ہوئے ہیں اس لیے بھی وہ فیصلہ نہیں ٹوٹے گا، اور نہ یہ لوگ مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد غلام اور باندی بنیں گے۔

مُصَحِّحٍ فَلَا يُنْقَضُ، ۳؎ وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا.

(۲۹۱۰)وَإِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَا يَرِثُهُ، وَإِنْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الِابْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ۱؎ أَمَّا صِحَّةُ الِاسْتِيلَادِ فَلِمَا قُلْنَا، وَأَمَّا الْإِرْثُ فَلِأَنَّ الْأُمَّ إِذَا كَانَتْ نَصْرَانِيَّةً وَالْوَلَدُ تَبَعٌ لَهُ لِقُرْبِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ الْمُرْتَدَّ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُ مُسْلِمٌ تَبَعًا لَهَا؛ لِأَنَّهَا خَيْرُهُمَا دِينًا وَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّ.

ترجمہ: ۳؎ اور اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد مسلمان ہو کر دار الحرب سے واپس آ گیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان ہی رہا ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی ہے، [کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد کو دار الحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جائے گا]

تشریح: مرتد دار الحرب گیا تو ضرور تھا لیکن قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان بن کر دار الاسلام واپس آ گیا، تو اس کا مدبر اور ام ولد بھی آزاد نہیں ہوں گے۔

وجہ: قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ دار الحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لیے یوں سمجھا جائے گا کہ ہمیشہ سے مسلمان ہی رہا ہے اس لیے اس کی تمام ملکیت بحال رہے گی، اور وہ اس کا مالک رہے گا۔

ترجمہ: (۲۹۱۰) اسلام کی حالت مین نصرانی باندی تھی مرتد نے اس سے وطی کی جس سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو بچہ آزاد ہوگا اور وہ مرتد کا بیٹا ہوگا لیکن بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا، اور باندی مسلمان ہو تو بیٹا باپ کا وارث ہوگا، اگر چہ باپ مرتد کی حالت میں مرا ہو، یا دار الحرب چلا گیا ہو۔

ترجمہ: ۱؎ مرتد کا نصرانیہ باندی ام ولد کیوں بن جائے گی اس کی دلیل پہلے دی کہ ام ولد ہونے کے لیے مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور بیٹا وارث اس لیے نہیں ہوگا کہ ماں جب نصرانی ہے تو بیٹا ماں کے تابع ہوگا اس لیے کہ وہ اسلام کے زیادہ قریب ہے اس لیے بیٹا کو نصرانی بننے کے لیے مجبور کیا جائے گا اس لیے بیٹا مرتد کے حکم ہو گیا اور مرتد مرتد کا وارث نہیں ہوتا ہے، اور باندی مسلمہ ہے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہے اس لیے کہ اس کا دین بہتر ہے اور مسلمان مرتد باپ کا وارث ہوتا ہے [اس لیے بچہ باپ کا وارث بنے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں بنتا لیکن مسلمان بچہ مرتد باپ کا وارث بنتا ہے۔

تشریح: مرتد کے پاس اسلام کی حالت میں نصرانی باندی تھی، اس نے مرتد کی حالت میں اس سے وطی کی جس کی وجہ سے چھ مہینے کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو یہ باندی اس کی ام ولد ہوگی، اس لیے کہ مرتد کی حالت اگر چہ اس کی ملکیت موقوف ہو جاتی ہے، لیکن ام ولد بنانے کے لیے ملکیت کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لیے یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔ اور جو لڑکا ہوگا وہ آزاد ہوگا، کیوں کہ وہ آزاد کا بیٹا ہے، لیکن وہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ: باپ مرتد ہے اور ماں نصرانی ہے جو مرتد سے بہتر دین ہے اس لیے لڑکا ماں کا تابع ہو کر نصرانی شمار کیا جائے گا، نصرانی ہونا بھی گویا کہ مرتد ہونا ہے، اور قاعدہ گزرا کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں ہوتا اس لیے یہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔

(۲۹۱۱)وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَهُوَ فَيْءٌ، فَإِنْ لَحِقَ ثُمَّ رَجَعَ وَأَخَذَ مَالًا وَأَلْحَقَهُ بِدَارِ الْحَرْبِ فَظُهِرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَوَجَدَتْهُ الْوَرَثَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ؛ لِ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِ فِيهِ الْإِرْثُ، وَالثَّانِيَ انْتَقَلَ إِلَى الْوَرَثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ فَكَانَ الْوَارِثُ مَالِكًا قَدِيمًا.

(۲۹۱۲)وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقُضِيَ بِهِ لِابْنِهِ وَكَاتَبَهُ الِابْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ، وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ؛ لِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى بُطْلَانِ الْكِتَابَةِ لِنُفُوذِهَا بِدَلِيلٍ مُنَفِّذٍ، فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِي هُوَ خَلَفُهُ كَالْوَكِيلِ مِنْ جِهَتِهِ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ فِيهِ تَرْجِعُ إِلَى الْمُوَكِّلِ، وَالْوَلَاءُ

اور اگر ماں مسلمہ باندی تھی تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، اور قاعدہ گزرا کہ مسلمان بچہ مرتد کا وارث ہوتا ہے اس لیے یہ بچہ باپ کا وارث ہوگا۔

ترجمہ:(۲۹۱۱) مرتد اپنے مال کے ساتھ دار الحرب چلا گیا پھر اس پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو یہ مال فئی ہوگا۔ اور اگر مرتد دار الحرب خالی گیا، پھر مال لے کر دار الحرب گیا اور اس مال پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور تقسیم سے پہلے ورثہ نے اس مال کو پایا تو تو یہ مال ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ:لے پہلی صورت میں مال وارث کا نہیں ہوا ہے۔ اور دوسری صورت میں قاضی کے دار الحرب چلے جانے کے فیصلے کی وجہ سے مال وارث کا ہو چکا ہے [اور وہ پرانا مالک ہے] اس لیے یہ مال اس کو دے دیا جائے گا]۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وارث کا مال ہو چکا ہو تو وہ مال وارث کو ملے گا، اور قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہو اس لیے وارث کا مال نہ ہوا ہو تو وہ مال وارث کو نہیں ملے گا، وہ مال فئی ہوگا۔

تشریح:یہاں دو صورتیں ہیں [۱] مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد مسلمانوں کا اس مال پر غلبہ ہوا تو وہ مال غنیمت کا مال ہوگا، کیوں کہ مال دار الحرب لیجانے کی وجہ سے وہ مال وارث کا نہیں ہوا اس لیے وہ مال مرتد کے وارث کو نہیں ملے گا، ہاں جو مال وہ دار الاسلام میں چھوڑ گیا تھا وہ مال وارث کو ملے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ مرتد مثلا دار الاسلام میں دس کیلو سونا چھوڑ کر دار الحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، جس کی وجہ سے یہ دس کیلو سونا اس کے وارث کا ہو گیا، لیکن اس کو تقسیم کرنے سے پہلے مرتد چپکے سے دار الاسلام آیا اور وہ دس کیلو سونا لے کر دار الحرب چلا گیا، اب جنگ کی وجہ سے اس سونے پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا، اور مجاہدین میں تقسیم سے پہلے مرتد کے وارث نے اس کو پا لیا تو یہ سونا وارث کو دیا جائے گا۔

وجہ:قاضی کے فیصلے کی وجہ سے یہ سونا وارثین کا ہو چکا تھا اور یہ سونے کا پرانا مالک ہے اس لیے یہ سونا مرتد کے وارثین کو ملے گا۔

ترجمہ:(۲۹۱۲) مرتد دار الحرب چلا گیا، اب اس کا ایک غلام تھا، مرت کے بیٹے کے لیے قاضی کا فیصلہ ہو گیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا، اب مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا تو بیٹے کا مکاتب بنانا جائز رہے گا، اور یہ مال کتابت اور ولاء اس مرتد کو ملے گا جو مسلمان بنکر آیا ہے۔

ترجمہ:لے اس لیے کہ مکاتب بنانے کو باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیوں کہ قاضی کے فیصلے سے وہ نافذ ہوا ہے اس لیے وارث کو

لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ. (۲۹۱۳)وَإِذَا قَتَلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطَأً ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ فَالدِّيَةُ فِي مَالٍ اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.وَقَالَا: الدِّيَةُ فِيمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيعًا؛ ل لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ؛ لِانْعِدَامِ النُّصْرَةِ فَتَكُونُ فِي مَالِهِ. وَعِنْدَهُمَا الْكَسْبَانِ جَمِيعًا مَالُهُ؛ لِنُفُوذِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالَيْنِ، وَلِهَذَا يَجْرِي الْإِرْثُ فِيهِمَا عِنْدَهُمَا. وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ؛ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِهِ فِيهِ دُونَ الْمَكْسُوبِ فِي الرِّدَّةِ؛ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِهِ، وَلِهَذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيرَاثًا عَنْهُ، وَالثَّانِي فَيْئًا عِنْدَهُ.

اس کا خلیفہ مانا جائے گا، گویا کہ بیٹا مرتد کی جانب سے وکیل ہے، لیکن اب عقد کے حقوق موکل [مرتد جو مسلمان ہوا ہے] کی طرف لوٹیں گے، اور ولاء اس کی ہوگی جس کی جانب سے آزاد ہوا [یعنی نو مسلم کی جانب سے]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا تو اس کا غلام اب جس حال میں ہے [یعنی مکاتب ہے] وہی اس کو ملے گا، کیوں کہ قاضی کے فیصلے سے ایسا ہوا ہے۔

تشریح: مرتد دار الحرب چلا گیا، اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ کر دیا، مرتد کا ایک غلام تھا جسکو فیصلے کے بعد اس کے بیٹے کو دے دیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا۔ اس کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا تو یہ مکاتب مکاتب ہی باقی رہے گا، اس کو توڑ کر اب غلام نہیں بنایا جائے گا، کیوں کہ یہ قاضی کے فیصلے سے ہوا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ بیٹا مکاتب بنانے میں مرتد کا خلیفہ تھا، اور اس کی جانب سے وکیل تھا، البتہ مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا ہے اس لیے مکاتب ہی کی حالت میں یہ غلام اس نو مسلم کو دیا جائے گا۔ اب مال کتابت اس نو مسلم کو ملے گا، اور جب یہ مکاتب آزاد ہوگا تو اس کی ولاء بھی اس نو مسلم ہی کو ملے گی، کیوں کہ اسی کی جانب سے مکاتب آزاد ہوا ہے۔

لغت: **لنفوذها بدليل منفذ: منفذ** سے مراد ہے نافذ کرنے والا یعنی قاضی، عبارت کا مطلب ہے کہ قاضی کے نافذ کرنے سے کتابت نافذ ہوئی ہے۔ **ولاء:** جو غلام آزاد ہوا ہے اس کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو غلام کا مال اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے، اس مال کو ولاء، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۳) مرتد نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا پھر دار الحرب چلا گیا، یا مرتد کی حالت میں قتل کر دیا گیا، تو اسلام کی حالت میں جو کمایا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف اسی مال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔

ترجمہ: ل اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا خاندان دیت میں مدد نہیں کرتا اس لیے کہ مدد باقی نہیں رہتی اس لیے مرتد ہی کے مال سے دیت ادا کی جائے گی۔

صاحبینؒ کے یہاں اس کے دونوں قسم کے مال مرتد کا مال ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں دونوں حالتوں میں مرتد کا تصرف باقی رہتا ہے، اس لیے ان کے یہاں دونوں مالوں میں وراثت جاری ہوتی ہے [اس لیے دونوں قسم کے مال سے مرتد کی دیت ادا کی جائے گی]

اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کا وہی مال ہے جو اسلام کی حالت میں کمایا اس لیے کہ اسی میں اس کا تصرف ہوتا ہے، مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا اس میں اس کا تصرف نہیں ہے، کیوں کہ اس حال میں اس کا تصرف موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے

(۲۹۱۴)وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُسْلِمِ عَمْدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِلْوَرَثَةِ

یہاں پہلے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اور مرتد کی حالت کا مال فئی ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں اسلام کی حالت میں اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا ہے دونوں مرتد کی ملکیت ہے اس لیے دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کی کمائی موقوف ہے، بلکہ وہ فئی ہے اس لیے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی، اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کا مال تھا اس لیے اسی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کا خاندان اس سے الگ ہو جاتا ہے اس لیے وہ لوگ قتل خطاء کی دیت ادا نہیں کریں گے پوری دیت مرتد ہی کے مال سے ادا کی جائے گی۔

تشریح: مرتد نے اپنی مرتد کی حالت میں کسی آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا، پھر مرتد کی حالت میں اس کو قتل کر دیا گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اسلام کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

وجہ: پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی کمائی ہے، اس لیے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور مرتد کی حالت کی کمائی فئی کا مال ہے، یہ مسلمانوں کا مال ہو چکا ہے، اس لیے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی۔

اور صاحبین کے یہاں دونوں حالتوں کی کمائی مرتد کا مال ہے اس لیے دونوں کمائی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔ انہوں نے ایک مثال دی کہ دونوں قسم کا مال ورثہ کے اندر تقسیم کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں مال مرتد کے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۴) کسی نے مسلمان کا ہاتھ جان کر کاٹ دیا، جس کا ہاتھ کاٹا نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گیا پھر مرتد کی حالت ہی میں وہ مر گیا۔ یا وہ دار الحرب چلا گیا پھر وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا اور وہ اس زخم سے مر گیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر آدھی دیت لازم ہوگی جو مرتد کے ورثہ کو ملے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اسلام کی حالت میں کسی نے جان کر ہاتھ کاٹا، اور مرتد کی حالت میں اس کی موت ہوئی تو اس کو ہاتھ کی دیت ملے گی جو جان کی دیت سے آدھی ہوتی ہے، کاٹنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر مرتد کی حالت میں ہاتھ کاٹا، پھر مسلمان کی حالت میں مرا تو ہاتھ کاٹتے وقت معصوم نہیں ہے اس کو کچھ بھی دیت نہیں ملے گی۔

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں [۱] ہاتھ کاٹتے وقت مسلمان تھا بعد میں وہ مرتد ہو گیا، اور اسی حالت میں وہ مرا، تو اس مرتد کے وارث کو ہاتھ کی دیت دی جائے گی، جو نفس کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔ یہاں جان کر ہاتھ کاٹا ہے اس لیے اس کا قصاص لازم آنا چاہئے اور کاٹنے والے کا ہاتھ کٹنا چاہئے، لیکن چونکہ آدمی مرتد ہو گیا ہے اس لیے قصاص لازم نہیں آئے گا، البتہ آدھی دیت اس لیے دلوائی جائے گی کہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان تھا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ وہ آدمی مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو یوں سمجھو کہ وہ مرتد ہی کی حالت میں مر گیا، اب وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کے ورثہ کو آدھی دیت ملے گی۔

لے أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ السِّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَأُهْدِرَتْ، ٹے بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ، لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَا يَلْحَقُهُ الِاعْتِبَارُ، أَمَّا الْمُعْتَبَرُ قَدْ يُهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرِّدَّةِ. ۳ے وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قُضِيَ بِلَحَاقِهِ فَلِأَنَّهُ صَارَ مَيِّتًا تَقْدِيرًا، وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السِّرَايَةَ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَا يَعُودُ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الْأُولَى،

---

[۳] ایک تیسری صورت آگے آرہی ہے کہ مرتد کی حالت میں اس کا ہاتھ کاٹا، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کو کوئی دیت نہیں ملے گی۔ کیوں کہ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس وقت وہ معصوم نہیں تھا، یعنی محفوظ نہیں ہے کیوں کہ وہ مرتد تھا، بعد میں مسلمان ہونے سے اس کی دیت نہیں لوٹے گی۔

ترجمہ: لے پہلی شکل [یعنی مرتد کی حالت میں مر گیا] تو بات یہ ہے کہ زخم اس وقت سرایت کی جب کہ وہ مرتد محفوظ نہیں تھا اس لیے کاٹنا بیکار گیا [یعنی اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی]

تشریح: پہلی شکل یہ ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت مسلمان ہے، لیکن زخم سرایت کر کے جب وہ مر رہا ہے تو وہ مرتد ہے اس لیے وہ غیر محفوظ ہے اس لیے قصاص نہیں لیا جائے گا، البتہ چونکہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان تھا اس لیے اس کے ورثہ کو آدھی دیت دی جائے گی۔

لغت: **اھدرت:** **ھدر** سے مشتق ہے، خون بہا نہ ملے، وہ بیکار ہو جائے۔ **حلت محلا غیر معصوم:** زخم ایسے وقت میں سرایت کیا جب کہ وہ مرتد تھا، یعنی محفوظ نہیں تھا۔

ترجمہ: ٹے بخلاف جبکہ مرتد کا ہاتھ کاٹا پھر وہ اسلام لایا اور اس زخم سے مرا تو کاٹنے والے پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ ارتداد کی حالت میں کچھ لازم نہیں ہوا تو بعد میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا، ہاں پہلے لازم ہوا ہو تو وہ ہدر ہو سکتا ہے جیسے کہ قصاص معاف کر دے، پس ایسے ہی مرتد ہونے کی وجہ سے وہ ہدر ہو سکتا ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ تیسری صورت ہے، کہ مرتد ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا، بعد میں اسلام لایا اور اسی زخم سے مرا تو آدھی دیت بھی نہیں ملے گی۔

وجہ: ہاتھ کٹتے وقت معصوم نہیں ہے، اس لیے بعد میں مسلمان ہونے سے دیت نہیں لوٹے گی۔

لغت: **اھدار لا یلحقہ الاعتبار:** مرتد ہونے کی وجہ سے پہلے خون بہا ہدر ہو گیا، یعنی بیکار ہو گیا تو اب اسلام لانے کے بعد اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی خون بہا نہیں لوٹے گا۔ **معتبر فقد یھدر:** خون بہا لازم ہوا ہو تو ہدر ہو سکتا ہے، جیسے خون بہا معاف کر دے تو وہ ہدر ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳ے دوسری صورت وہ یہ ہے کہ جب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا پھر مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اس کا معنی یہ ہے کہ قاضی نے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو تقدیراً وہ مردہ ہو گیا، اور موت کی وجہ سے زخم سرایت نہیں کرتا۔ اور جو اسلام لایا تو گویا کہ اس کی نئی زندگی ہوئی اس لیے پہلے جرم کا حکم نہیں لوٹے گا۔

تشریح: دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں ہاتھ کاٹا، اب مرتد ہو کر وہ دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اور ہاتھ کٹنے کی وجہ سے مرا تب بھی اس کو آدھی دیت ملے گی،

ﷺ فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. قَالَ (۲۹۱۵) فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً (وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ: فِي جَمِيعِ ذَلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ، ۱ لِأَنَّ اعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ أَهْدَرَ السِّرَايَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ بِالْإِسْلَامِ إِلَى الضَّمَانِ، كَمَا إِذَا قَطَعَ يَدَ مُرْتَدٍّ فَأَسْلَمَ. ۲ وَلَهُمَا أَنَّ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلَى مَحَلٍّ مَعْصُومٍ وَتَمَّتْ فِيهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ،

وجہ: کیوں کہ جب قاضی نے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر دیا تو گویا کہ اسی وقت مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا، اس لیے اس کو قصاص نہیں ملے گا، آدھی دیت ہی ملے گی۔ اور یہ جو اسلام لایا ہے، یہ نئی زندگی ہے، ہاتھ کٹنے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے قصاص نہیں دلوایا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ اور قاضی نے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ نہیں کیا ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے جسکو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح: اسلام کی حالت میں ہاتھ کٹا، پھر یہ مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا، لیکن ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آ گیا، اور مرا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں پوری دیت دلوائی جائے گی یعنی قصاص لازم ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ یہ کبھی مرتد ہوا ہی نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ مسلمان ہی باقی رہا تھا، اس کی باقی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۱۵) اگر مرتد دار الحرب گیا ہی نہیں اور اسلام لے آیا اور مر گیا تو اس کی پوری دیت لی جائے گی [امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے] اور امام محمدؒ اور زفرؒ نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں آدھی دیت ملے گی۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ بیچ میں مرتد ہو گیا تو زخم کا سرایت کرنا ختم ہو گیا اس لیے اسلام لانے سے پورے ضمان کی طرف نہیں لوٹے گا، جیسے مرتد کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہ مسلمان ہوتا تو اس کی دیت لازم نہیں ہوتی ہے ویسے یہاں ہوگا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے پہلے اور قاضی کے فیصلے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو گویا کہ وہ ہمیشہ مسلمان ہی ہے اس لیے اس کو پوری دیت ملے گی۔

اصول: امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ، مرتد ہونے کے بعد چاہے قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو مرتد شمار کیا جائے گا، اور اسکو آدھی دیت ملے گی۔

تشریح: مرتد کے لیے دار الحرب جانے کا قاضی نے ابھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس کو پوری دیت ملے گی۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے یہاں اس کو آدھی دیت ملے گی۔

وجہ: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی دیت آدھی ہو چکی ہے اس لیے اب اسلام لانے سے اس کی دیت پلٹ کر پوری نہیں ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، جیسے مرتد ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا گیا ہو پھر مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو کچھ دیت نہیں ملتی، ایسے یہاں بھی آدھی ہی دیت ملے گی۔

لغت: اهدر السراية: ہاتھ کٹنے کا زخم جو سرایت کیا، مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹتے وقت وہ مسلمان تھا، اور جب مرا تب بھی مسلمان تھا اس لیے

كَمَا إِذَا لَمْ يَتَخَلَّلِ الرِّدَّةُ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ، وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ انْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوتِ الْحُكْمِ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزِلٍ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ، وَصَارَ كَقِيَامِ الْمِلْكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِينِ. (۲۹۱۶)وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاكْتَسَبَ مَالًا فَأُخِذَ بِمَالِهِ وَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ يُوَفَّى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ ۱؎ وَهٰذَا ظَاهِرٌ عَلَى أَصْلِهِمَا؛ لِأَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهُ إِذَا كَانَ حُرًّا، فَكَذَا إِذَا كَانَ مُكَاتَبًا.

پورے جان کا ضمان لازم ہوگا، جیسے کہ بیچ میں مرتد نہ ہوتا تو پورا ضمان لازم ہوتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جرم کے باقی رہنے کی حالت میں مسلمان رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ سبب کے منعقد ہونے [ہاتھ کٹنے کی حالت میں] اسلام باقی رہنا کافی ہے اور حکم کے ثابت رہنے کے زمانے میں مسلمان ہونا کافی ہے، اور باقی رہنے کی جو حالت ہے وہ ان دونوں سے الگ ہے، جیسے قسم کے باقی رہنے کے زمانے میں ملکیت قائم رہنے کا حال ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ہاتھ کٹا تب وہ مسلمان تھا، اور جب وہ مرا تب بھی مسلمان تھا، اس لیے درمیان میں مرتد ہونے سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں مثلا زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے، اب یہ کہتے وقت وہ بیوی تھی اس کے بعد ایک طلاق بائنہ دے دی، پھر نکاح کر لیا، اور اس نکاح کی حالت میں گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوگی، یہاں طلاق کا جملہ بولتے وقت نکاح میں ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت نکاح میں ہے تو طلاق واقع ہوگئی چاہے درمیان میں نکاح میں نہیں تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح درمیان میں مرتد ہو جائے تو اس سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا یہاں عبارت منطقی ہے اس لیے اس مطلب کو عبارت سے ملا کر سمجھیں۔

لغت: **انعقاد السبب:** اس سے مراد ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان ہے۔ **حال ثبوت الحکم:** اس سے مراد ہے کہ مرتے وقت وہ مسلمان ہے۔ **حالة البقاء:** اس سے مراد ہے کہ درمیان میں وہ مرتد ہو گیا تھا۔

ترجمہ: (۲۹۱۶) مکاتب مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا اور کچھ مال کمایا پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا، اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اس کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا، تو اس کے آقا کا مال کتابت پورا کیا جائے گا، اور جو باقی بچے گا وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ صاحبین کے مسلک پر تو یہ مسئلہ آسان ہے، کیوں کہ ان کے یہاں مرتد کی حالت میں بھی اس کی ملکیت رہتی ہے اگر وہ آزاد ہو پس یہی حال ہے اگر وہ مکاتب ہو۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ۔ یہ قاعدہ پہلے گزرا ہے کہ آدمی آزاد ہو تو مرتد کے زمانے کی کمائی فئی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ مکاتب مرتد ہو تو اس کی کمائی فئی نہیں ہوگی، بلکہ آقا کا مال ہوگا، اس سے کتابت ادا کی جائے گی، اور اس سے جو بچے گی وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

اصول: صاحبینؒ کے یہاں آزاد ہو یا مکاتب ہو مرتد کی کمائی اس کی ملکیت ہوتی ہے اس لیے اس سے مال کتابت ادا کی جائے گی۔ یہ قاعدہ پہلے گزر چکا ہے۔

۲ وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ، وَالْكِتَابَةُ لَا يَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوَى وَهُوَ الرِّقُّ، فَكَذَا بِالْأَدْنَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى. (۲۹۱۷)وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبِلَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لِوَلَدِهِمَا وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ؛ ۱ لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسْتَرَقُّ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا، وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ

تشریح: مکاتب مرتد ہوکر دالحرب چلا گیا، اور وہاں کچھ کمایا، پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا، اس کو اسلام لانے کے لیے کہا لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا اس لیے قتل کیا گیا، تو مرتد کے زمانے کی جو کمائی ہے وہ اس کی ملکیت ہے فئی نہیں ہوگی، اس سے مال کتابت ادا کیا جائے گا، اور اس سے جو باقی بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ: صاحبینؒ کے یہاں تو مرتد کے زمانے کی کمائی اس کی ملکیت ہے اس لیے مال کتابت ادا ہی کیا جائے گا، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی یہ کمائی فئی نہیں ہے بلکہ مکاتب کی کمائی ہے، اس لیے کتابت بھی ادا کی جائے گی اور اس کے ورثہ میں تقسیم بھی ہوگی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں آقا کا حق جماعت مسلمین سے مقدم ہے اس لیے اس کو مال دیا جائے گا۔ وہ مال فئی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ کہ مکاتب کتابت کی وجہ سے مال کا مالک بنتا ہے اور کتابت مرتد ہونے کی وجہ سے موقوف نہیں ہوتا، اسی طرح اس زمانے کی کمائی بھی موقوف نہیں ہوگی [یعنی اس زمانے کا مال فئی نہیں بنے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جب وہ اقوی [یعنی غلامیت کی حالت میں تھا] تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوا تھا تو اس سے ادنی، یعنی مکاتب کی حالت میں بدرجہ اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غلامیت جو مرتد سے بھی بدتر ہے اس وقت بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوتا ہے، تو اس سے ذرا اعلی، یعنی مکاتب کی حالت میں جب مرتد ہو تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا، یعنی اس کا مال فئی نہیں بنے گا۔ یہاں اصل بات یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کا حق مقدم ہے اس لیے اس کا مال فئی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے آقا کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تو اس کے وارث کو دیا جائے گا۔

لغت: **الکتابۃ لا یتوقف بالردۃ:** مرتد ہو جائے تب بھی کتابت ختم نہیں ہوتی تو اس کا تصرف بھی ختم نہیں ہوگا۔ **بالاقوی:** یہاں اقوی سے مراد غلامیت کی حالت ہے۔ اور ادنی سے مراد مکاتب کی حالت ہے۔

ترجمہ: (۲۹۱۷) مرد اور اس کی بیوی مرتد ہو گئے اور دار الحرب چلے گئے، پھر عورت دار الحرب میں حامل ہوئی اور بچہ دیا، بعد میں اس کو پوتا بھی ہوا پھر ان سب پر غلبہ ہوا تو بیٹا اور پوتا دونوں مال غنیمت میں ہوں گے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اب ماں باندی بنے گی تو بیٹا، اور پوتا بھی اس کے تابع ہوکر غلام بنیں گے۔ لیکن بیٹے کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، پوتے کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ [کیوں کہ وہ دادا کے تابع نہیں ہوتا] امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت حضرت حسنؒ سے ہے کہ پوتے کو دادا کے تابع کیا جائے گا اور پوتے کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

اصول: یہاں دو اصول ہیں [۱] عورت دار الحرب چلی گئی اور اس کے جانے کا فیصلہ ہو گیا تو اب اس پر قبضہ ہوگا تو وہ فئی ہوگی، اور اس

الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ. ۲ وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَامِ وَهِيَ رَابِعَةُ أَرْبَعِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرِّوَايَتَيْنِ. وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ. وَالثَّالِثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ. وَالْأُخْرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ.

کے تحت میں وہ اور اس کا بیٹا اور پوتا غلام اور باندی بنا لیے جائیں گے۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے، پوتا دادا کے تابع ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ پوتا بھی دادا کے تابع ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا تو اس کے پوتا کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ پوتا دادا کے تابع نہیں ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اس کے پوتے کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے۔

تشریح: مرد اور عورت دونوں مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے، اور قاضی نے ان کے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا، عورت وہاں حاملہ ہوئی اور بچہ دیا اور پوتا بھی پیدا ہوا اب ان پر مجاہدین کا غلبہ ہوا تو یہ عورت باندی بنے گی، اس کا بچہ غلام بنے گا، اور اس کا پوتا بھی غلام بنے گا، کیوں کہ یہ لوگ ماں کے تابع ہو کر حربی ہیں۔

مرد جو دار الاسلام سے گیا تھا چونکہ وہ پہلے سے مسلمان تھا اس لیے اس کو دوبارہ مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے بیٹے کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ وہ بھی باپ کے تابع ہے اس لیے جب باپ کو مجبور کیا جائے گا تو اس کے بیٹے کو بھی مجبور کیا جائے گا لیکن کیا پوتے کو بھی دادا کے تابع کر کے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت میں ہے کہ یہ دادا کے تابع ہوگا اور اس کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسلام لانے میں یہ داد کے تابع نہیں ہے اس لیے اس کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ ان کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ پوتا مسلمان ہونے میں دادا کے تابع ہے یا نہیں۔ یہ چار مسائل ہیں جن میں دو دو روایتیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ ہے صدقۃ الفطر کا [کہ دادا پوتے کا صدقہ فطر ادا کرے گا یا نہیں] تیسرا مسئلہ ہے کہ دادا کو پوتے کی ولاء ملے گی یا نہیں۔ اور چوتھا مسئلہ ہے کہ رشتہ دار کے لیے مال کی وصیت کی تو اس میں دادا بھی شامل ہے یا نہیں [ان چاروں مسئلوں میں دو دو روایتیں ہیں۔

تشریح: یہاں چار مسئلے ہیں جن میں پوتا دادا کے تابع ہے یا نہیں اس میں دو دو روایتیں ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ اسلام کے لیے مجبور کیا جائے گا یا نہیں، اوپر گزر گیا۔ [۲] دوسرا مسئلہ ہے کہ باپ فقیر ہے اور دادا مالدار ہے تو دادا پوتے کا صدقہ فطرہ ادا کرے گا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہاں باپ موجود ہے اس لیے پوتا دادا کے تابع نہیں ہے، اس لیے دادا صدقہ فطرہ ادا نہیں کرے گا۔ اور دوسری حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا صدقہ فطرہ ادا کرے گا، کیوں کہ یہاں پوتا دادا کے تابع ہے۔ [۳] تیسرا مسئلہ ہے کہ باپ کسی کا غلام ہے، اور دادا پوتے کا مالک بن گیا جس کی وجہ سے وہ آزاد ہوا تو دادا پوتے کے ولاء کا حقدار ہوگا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ حقدار نہیں ہوگا، کیوں کہ باپ موجود ہے اس لیے پوتا دادا کا تابع نہیں ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ دادا حقدار ہے، کیوں کہ باپ غلام ہے، اس لیے وہ وراثت کا حقدار نہیں بنے گا اس لیے دادا ولاء کا حقدار ہوگا۔ [۴] چوتھا مسئلہ ہے کہ پوتے نے وصیت کی میرا

قَالَ (۲۹۱۸)وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ ارْتِدَادٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يُقْتَلُ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَا يَرِثُ أَبَوَيْهِ إِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ ۱؎ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ.

دو دورہم قرابت میں تقسیم کیا جائے، اور باپ بھی موجود ہے تو دادا کو اس میں حصہ ملے گا یا نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دادا کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، کیوں کہ باپ موجود ہے تو پوتا اس کے تابع نہیں ہے تو گویا کہ دادا قرابت میں داخل نہیں ہے۔ اور حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا قرابت میں داخل ہوگا اور اس کو بھی پوتے کے مال میں حصہ ملے گا۔ یہ چار مسئلے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۸) اگر بچہ سمجھدار ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے مرتد ہونے کا اعتبار ہے، اور دوبارہ اسلام قبول کرنے پر زور دیا جائے گا، لیکن قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے اسلام لانے کا بھی اعتبار ہے۔ اور اس کے والدین کافر ہوں تو اس بچے کا وارث نہیں بنیں گے، اور حضرت ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، لیکن اس کے اسلام لانے کا اعتبار ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار نہیں ہے اور اس کے اسلام کا بھی اعتبار نہیں ہے

اصول: سمجھدار بچے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے اور اس کے ایمان لانے کا بھی اعتبار ہے، کیوں کہ اس کے دل میں وہ اعتقاد موجود ہے۔

اصول: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، اور نہ اس کے اسلام لامے کا اعتبار ہے، کیوں کہ وہ اس وقت اپنے باپ کا تابع ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ بچے کے اسلام لانے کا تو اعتبار ہے، کیوں کہ اس میں آخرت کا فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ اس میں اس کا نقصان ہی نقصان ہے۔ ان اصولوں پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

تشریح: سمجھدار بچہ مرتد ہو جائے، یا اسلام لے آئے تو امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے یہاں اس کے اسلام کا بھی اعتبار ہے، اور اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ دس سال کی عمر اسلام لائے تھے اور اس کے اسلام کا حضور ﷺ نے اعتبار کیا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن محمد بن اسحاق ان علی بن طالب ؓ اسلم و هو ابن عشر سنین۔ (مستدرک للحاکم، باب ذکر اسلام امیر المومنین علی بن طالب** ج ۳/ ص ۱۲۰، نمبر ۴۵۸۰) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علی نے دس سال کی عمر میں اسلام لایا۔ اور جب اسلام کا اعتبار ہے تو اس کے کفر کا بھی اعتبار ہوگا۔ اور دلیل آگے آرہی ہے۔ (۲) **عن انس قال کان غلام یهودی یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاه النبی ﷺ یعوده فقعد عند رأسه فقال له اسلم فنظر الی ابیه و هو عنده فقال له أطع ابا القاسم ﷺ فاسلم فخرج النبی ﷺ و هو یقول الحمد لله الذی انقذه من النار۔** (بخاری شریف، **باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه،** ص ۲۱۶، نمبر ۱۳۵۶) اس حدیث میں بچے نے ایمان لایا اور حضور ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اس کے اسلام کا تو اعتبار ہے، اس لیے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا

۲ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعٌ لِأَبَوَيْهِ فِيهِ فَلَا يُجْعَلُ أَصْلًا. وَلِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ أَحْكَامًا تَشُوبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَا يُؤَهَّلُ لَهُ. ۳ وَلَنَا فِيهِ أَنَّ عَلِيًّا - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - أَسْلَمَ فِي صِبَاهُ، وَصَحَّحَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِسْلَامَهُ، وَافْتِخَارُهُ بِذَلِكَ مَشْهُورٌ. وَلِأَنَّهُ أَتَى بِحَقِيقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيقُ وَالْإِقْرَارُ مَعَهُ، لِأَنَّ الْإِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيلٌ عَلَى الْاِعْتِقَادِ عَلَى مَا عُرِفَ وَالْحَقَائِقُ لَا تُرَدُّ، ۴ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةٌ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقْبَاوِيَّةٌ، وَهِيَ مِنْ أَجَلِّ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ، ثُمَّ يَبْتَنِي عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَا يُبَالِي بِشَوْبِهِ. ۵ وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ

اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔

اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ نہ اس کے اسلام کا اعتبار ہے اور نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، کیوں کہ یہ اپنے باپ کے تابع ہے۔

ترجمہ: ۲ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچے کا اسلام اس کے باپ کے تابع ہے اس لیے بچے کو اصل نہیں بنایا جا سکتا، اور اس لیے کہ اسلام لانے میں کچھ ایسے بھی احکام ہیں جن میں بچے کو نقصان ہوگا [مثلا باپ کی وراثت نہیں ملے گی] اس لیے بچے کو اسلام لانے کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ ہر معاملے میں باپ کا تابع ہے اس لیے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ اسلام لائے گا تو اگر اس کا باپ کافر ہے تو اس کو اس کی وراثت نہیں ملے گی، یہ بچے کا بہت بڑا نقصان ہے اس لیے اس کے اسلام کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

لغت: **یشوبها المضرة:** اس میں مضرت شامل ہے۔ **لا یوھل:** اسلام کا یا مرتد ہونے کا اہل قرار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے بچپنے میں اسلام لایا اور حضور ﷺ نے اس کے اسلام کو صحیح قرار دیا، بلکہ انکی یہ افتخار مشہور ہے، اور اس لیے کہ اس نے حقیقت اسلام کو قبول کیا اور وہ ایمان کی تصدیق اور اس کے ساتھ اقرار ہے اس لیے کہ اقرار دل سے ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہے، اور حقیقت ایمان کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ بچپنے میں مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ نے اس کو قبول کیا، یہ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ایمان ہے اس لیے اس کو تو مومن ہی کہنا پڑے گا، اس لیے وہ مومن ہے۔

ترجمہ: ۴ اس کے ساتھ ہمیشہ کی سعادت ہے، نجات ہے، آخرت ہے اور یہ سب بڑے بڑے فائدے ہیں اور یہی اصلی حکم ہے، دوسرے احکام اس کے بعد آتے ہیں اس لیے میراث وغیرہ کا نقصان ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ اسلام لانے سے باپ کی میراث نہیں ملے گی، اس کا جوب دیا جا رہا ہے کہ آخرت کی نجات بڑی ہے، اور اصلی ہے اس کے مقابلے میں میراث کے نقصان کی پرواہ نہیں کی جائے گی اور بچے کو مومن مانا جائے گا

بشوبہ: جو اس میں نقصان شامل ہے۔

ترجمہ: ۵ مرتد ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف، امام شافعی، اور زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس میں خالص نقصان ہے [اس لیے بچے

أَنَّهَا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ. ۶ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ فِيهَا أَنَّهَا مَوْجُودَةٌ حَقِيقَةً، وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ، إِلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّفْعِ لَهُ، وَلَا يُقْتَلُ؛ لِأَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةً عَلَيْهِمْ. ۷ وَهَذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ. وَمَنْ لَا يَعْقِلُ مِنَ الصِّبْيَانِ لَا يَصِحُّ ارْتِدَادُهُ؛ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ لَا يَدُلُّ عَلَى تَغَيُّرِ الْعَقِيدَةِ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ وَالسَّكْرَانُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ.

کا ارتداد قبول نہیں کیا جائے گا]، البتہ اسلام کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ گزرا کہ اس میں آخرت کے بڑے بڑے فائدے ہیں اس لیے ان کے یہاں بچے کا اسلام قبول کرلیا جائے گا۔

تشریح: ارتداد قبول نہ کرنے کے بارے میں امام شافعیؒ امام زفر اور امام ابو یوسفؒ تینوں کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے میں آخرت کا اور دنیا کا خالص نقصان ہے اس لیے بچے کی بات قبول نہیں کی جائے گی، البتہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام لانے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اس لیے اس کو قبول کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۶ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ارتداد موجود ہے تو اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے، جیسے اسلام کے بارے میں کہا کہ وہ دل میں موجود ہے تو اس کا کیسے انکار کیا جائے گا [اس لیے بچے کے ارتداد کو بھی قبول کیا جائے گا، جیسے اس کے اسلام کو قبول کیا جاتا ہے]۔ مگر اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ اس میں بہت نفع ہے، لیکن بچے کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ سزا ہے، اور بچوں پر رحم کی وجہ سے اس سے سزا اٹھالی گئی ہے۔

ترجمہ: ارتداد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کا یقین بچے کے دل میں موجود ہے تو حقیقت میں وہ مرتد ہی ہے اس لیے اس کو مرتد ہی قرار دیا جائے گا، جیسے ایمان کا یقین ہو تو اس کو مومن ہی قرار دیا جاتا ہے، البتہ چونکہ اسلام میں نفع موجود ہے اس لیے دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن چونکہ بچے سے سزا اٹھالی گئی ہے اس لیے مرتد ہونے پر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۷ اوپر کی یہ تفصیل سمجھدار بچے کے بارے میں ہے لیکن بچہ ابھی سمجھدار نہیں ہوا ہے اس کے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے اس لیے اس کا اقرار عقیدے کی تبدیلی پر دلالت نہیں کرتا، یہی حال ہے مجنون کا، اور ایسے مست کا جو سمجھتا نہ ہو کہ اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: جو بچہ سمجھدار نہیں ہے وہ جو کچھ بولتا ہے وہ اس کے دل کی ترجمانی نہیں ہوتی، بلکہ زبان پر جو کچھ آیا وہی بول رہا ہے اس لیے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، مجنون اور ایسا مست جو سمجھتا نہیں ہے اسلام لانے اور مرتد ہونے میں اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

☆☆☆

باب البغاۃ

(۲۹۱۹)وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ؛ ١ لِأَنَّ عَلِيًّا فَعَلَ كَذَلِكَ بِأَهْلِ حَرُورَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ، وَلِأَنَّهُ أَهْوَنُ الْأَمْرَيْنِ. وَلَعَلَّ الشَّرَّ

{باغیوں کے احکام}

نوٹ:بغات باغی کی جمع ہے، جیسے قضاۃ قاضی کی جمع ہے۔ اس کا ترجمہ ہے امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جانا۔ امام حق ہو، اور شریعت کا پابند ہو، اور رعایا پر ظلم نہیں کرتا ہو، سب کے حقوق کو ادا کرتا ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے، اور ایسے حاکم کے خلاف جو بغاوت کرے وہ باغی کہلائے گا۔ لیکن اگر امام ہی حق پر نہ ہو، نہ وہ شریعت کا پابند ہو۔ وہ رعایا پر ظلم کرتا ہو، صرف اپنے گروپ کو نوازتا ہو، اور لوگوں کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو اس کے خلاف بغاوت کرنے کو باغی نہیں کہلائے گا بلکہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والا کہلائے گا۔

نوٹ:اس دور میں اس قسم کے منصف حاکم دیکھنے میں نہیں آتا۔

ترجمہ:(۲۹۱۹)مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان کو جماعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے۔ اور ان کے شبہ کو رفع کرے۔

ترجمہ:١ اس لیے کہ حضرت علیؓ نے حروراء والوں کے ساتھ ایسا کیا تھا، اور اس وجہ سے کہ قتال کرنے سے سمجھانا آسان ہے، اور شاید کہ سمجھانے سے شرارت دور ہو جائے، اس لیے پہلے سمجھانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

تشریح:مسلمان کی ایک جماعت امام کے خلاف ہو جائے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر قابض ہو جائے تو اس کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر جماعت میں شامل ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے گا۔ اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لیے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

وجہ:(۱) اس کا اشارہ آیت میں موجود ہے۔ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (آیت ۹، سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت میں تین باتیں ہیں [۱] اگر اختلاف ہو جائے تو پہلے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرو [۲] اگر جنگ شروع کر دے تب اس سے جنگ کرو [۳] باغی مان لیں تو اب اس پر ظلم نہ کرو بلکہ اصلاح کرو اور انصاف کرو۔ (۲) وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (آیت ۳۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اگر آپس میں اختلاف ہو جائے تو پہلے اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔ (۳) حدیث میں ہے **سمعت عرفجة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انه ستكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان۔** (مسلم شریف، **باب حكم من فرق امر المسلمين وهو مجتمع**، ص ۸۲۸، نمبر ۱۸۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔ (۴) حضرت علیؓ سے حروریہ کی جماعت باغی ہو گئی تھی تو حضرت عبد اللہ بن عباس ان کو سمجھانے گئے تھے۔ اور ان کے شبہ کو دور کرنے گئے تھے۔

يَنْدَفِعُ بِهِ فَيَبْدَأُ بِهِ. (۲۹۲۰)وَلَا يَبْدَأُ بِقِتَالٍ حَتَّى يَبْدَءُوهُ، فَإِنْ بَدَءُوهُ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ ۱؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هَكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ. وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إذَا تَعَسْكَرُوا وَاجْتَمَعُوا. ۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ حَتَّى يَبْدَءُوا بِالْقِتَالِ حَقِيقَةً؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُونَ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ؛ لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيحٌ عِنْدَهُ.

ان کا تین شبہ تھا جس کا شافی بخش جواب دیا صاحب ہدایہ نے اس کا ذکر کیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنا عبد الله بن عباس ؓ قال لما خرجت الحرورية اجتمعوا في دار وهم ستة آلاف اتيت عليا فقلت يا امير المومنين ابرد بالظهر لعلى اتى هؤلاء القوم فاكلمهم... قال عبد الله بن عباس ؓ فرجع من القوم الفان وقتل سائرهم على ضلالة** (**مستدرک للحاکم، کتاب قتال اهل البغی وهو آخر الجهاد:** ۲/۱۶۴، نمبر ۲۶۵۶/د) اس حدیث میں ہے کہ باغی جماعت کو شبہ ہو جائے تو ان کو سمجھایا جائے۔ (۵) مسند احمد میں بھی اہل حروراء کے بارے میں لمبی حدیث ہے۔ **جاء عبد الله بن شداد فدخل على عائشه... فواضعو عبد الله بن عباس الكتاب ثلاثة ايام فرجع منهم اربعة الاف۔** (مسند احمد، باب مسند علی بن طالب: ۱/۱۳۹، نمبر ۶۵۸) اس میں اہل حروراء کا پورا واقعہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۲۰) پس اگر وہ ابتدا کریں تو ان سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے۔

ترجمہ: باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کر دیں تو اب ان سے قتال کیا جائے گا اور اتنا قتال کیا جائے گا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے۔ پس اگر کوئی اچھی خاصی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قید کرے اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے تا کہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں۔ اور جن کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہیں ہے اس کے زخمیوں کو قید نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔ کیوں کہ اس کی جماعت نہیں ہے تو یوں بھی وہ منتشر ہو گئے۔

وجہ: (۱) وہ جنگ کی ابتدا کریں تب ہم جنگ کریں اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **خاصم عمر بن عبد العزيز الخوارج فرجع من رجع منهم وابت طائفة منهم ان يرجعوا فارسل عمر رجلا على خيل وامره ان ينزل حيث يرحلون ولا يحركهم ولا يهيجهم، فان قتلوا وافسدوا في الارض فاسط عليهم وقاتلهم وان هم لم يقتلوا ولم يفسدوا في الارض فدعهم يسيرون** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳ **ماذکر فی الخوارج:** ۷/۵۵۶، نمبر ۳۷۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ وہ قتال کرے اور زمین میں فساد برپا کرے تو قتال کیا جائے۔ اور اگر قتال نہ کرے تو ان کو زمین میں گھومنے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتال شروع کرے تب ہی اس سے جنگ کی جائے ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں تو اتنا ہی ذکر ہے کہ [کہ جب تک باغی قتال شروع نہ کرے ہم قتال نہیں کریں گے] لیکن امام خواہرزادہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر باغی جمع ہو جائے اور لشکر کی تیاری کریں تب بھی ان سے قتال شروع کر دینے کی گنجائش ہے۔

تشریح: امام خواہر زادہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر باغی لشکر تیار کرنے لگ جائے اور اپنی جماعت کی تشکیل کر دے تو اس وقت بھی ان سے قتال کرنا جائز ہو جائے گا، چاہے وہ ابھی قتال شروع نہ کیا ہو۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک حقیقی طور پر قتال شروع نہ کرے باغی سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مسلمان سے

۳ وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ الِاجْتِمَاعُ وَالِامْتِنَاعُ، وَهَذَا، لِأَنَّهُ لَوْ انْتَظَرَ الْإِمَامُ حَقِيقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَّمَا لَا يُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ دَفْعِ شَرِّهِمْ. ۴ وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُونَ السِّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُونَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتَّى يُقْلِعُوا عَنْ ذَلِكَ وَيُحْدِثُوا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ. ۵ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ لُزُومِ الْبَيْتِ مَحْمُولٌ عَلَى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنَ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغَنَاءِ وَالْقُدْرَةِ (۲۹۲۱) فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَاتُّبِعَ مُوَلِّيهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْ لَا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ

صرف دفعیہ کے طور پر ہی قتال کرسکتا ہے، بخلاف کافر کے اس لیے کہ ان کے یہاں کفر ہی قتال کو مباح کرنے کے لیے کافی ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی مسلمان ہے، اور مسلمان سے صرف دفعیہ کے طور پر قتال جائز ہے، اس لیے جب تک وہ قتال شروع نہ کرے اس سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، صرف لشکر کی تیاری کی ہے، یا لوگوں کو جمع کیا ہے تو اس سے ابھی قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ کافر نے لشکر کی تیاری کی ہے تو اس سے قتال کرنا جائز ہوگا، اس لیے کہ امام شافعیؒ کے یہاں کافر کا کفر ہی قتال مباح کرنے کے لیے کافی ہے، چاہے لشکر کی تیاری نہ کی ہو۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا مدار دلیل پر ہے اور وہ لوگوں کا جمع ہونا اور امام کی اتباع سے رکنا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حقیقت میں قتال کا انتظار کرے تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کو دفع کرنا ممکن نہیں ہوگا اس لیے اس کی شرارت کو دور کرنے کے لیے دلیل ہی پر قتال کا حکم لگ جائے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ لشکر جمع کرنا اور امام کی اتباع سے رکنا جنگ کی دلیل ہے اس لیے اس پر بھی قتال کا حکم لگ جائے گا، کیوں کہ اگر امام قتال کا انتظار کرے تو ممکن ہے کہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے، اس لیے قتال کی دلیل ہی پر جنگ کرنا جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴ اور جب امام کو یہ خبر پہنچے کہ وہ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں اور قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو مناسب یہ ہے کہ باغی کو پکڑے اور اس کو قید میں ڈال دے تا کہ باغی اس سے رک جائیں، اور بقدر امکان اس شر سے توبہ کر لیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵ اور امام ابو حنیفہؒ سے جو یہ روایت ہے کہ فتنہ کے وقت میں گھر میں بیٹھ جاؤ تو یہ اس وقت ہے کہ امام موجود نہ ہو، لیکن حق امام ہو تو جہاں تک قدرت ہو اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

وجہ: امام ابو حنیفہؒ کا قول کہ فتنہ میں ایک کنارے پر رہنا چاہئے اس حدیث میں موجود ہے۔ **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ستکون فتن القاعد فیها خیر من القائم، و القائم فیها خیر من الماشی و الماشی فیها خیر من الساعی من تشرف لها تستشرفه فمن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ به.** (بخاری شریف، باب **تکون فتن القاعد فیها خیر من القائم**، ص ۱۲۲۰، نمبر ۷۰۸۱) اس حدیث میں ہے کہ فتنے کے زمانے میں پناہ کی کوئی جگہ ملے تو وہاں پناہ لے لینا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۹۲۱) اگر باغی کی کوئی مدد کرنے والی جماعت ہو تو اس کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا [اس کے شر کو دفع کرنے کے لیے تا کہ جماعت سے مل کر دوبارہ جنگ نہ کریں] اور اگر اس کی مدد کرنے والی جماعت نہ ہو تو اس کے

لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيهِمْ ۱؎ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُونَهُ. ۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الْحَالَيْنِ، لِأَنَّ الْقِتَالَ إِذَا تَرَكُوهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا. وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيلُهُ لَا حَقِيقَتُهُ.
(۲۹۲۲) وَلَا يُسْبَى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ ۱؎ لِقَوْلِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْجَمَلِ: وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرٌ وَلَا يُكْشَفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ، وَهُوَ الْقُدْوَةُ فِي هَذَا الْبَابِ.

زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ اس سے پہلے ہی شر دفع ہو گیا ہے۔

تشریح: اور اس کے پیچھے جماعت ہو تو اس کے قیدی کو گرفتار کرے۔ اور بھاگنے والوں کا پیچھا اس لیے کرے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مل کر زیادہ شر نہ پھیلائے۔ اور اگر اس کی توقع نہ ہو تو قیدی گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔

وجہ: (۱) باغی کی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمی کو قید نہ کیا جائے اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لعبد اللہ بن مسعود یا ابن مسعود اتدری ما حکم اللہ فیمن بغی من ہذہ الامۃ؟ قال ابن مسعود اللہ و رسولہ اعلم۔ قال فان حکم اللہ فیہم ان لا یتبع مدبرھم و لا یقتل اسیرھم و لا یذفف علی جریحھم** (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی: ۲/ ۱۶۸، نمبر ۲۶۶۲/سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاؤ والم یتبع مدبرھم و ل یقتل اسیرھم الخ: ۸/ ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷) (۲) **عن ابی امامۃؓ قال شہدت صفین فکانوا لا یجھزون علی جریح و لا یقتلون مولیا و لا یسلبون قتیلا۔** (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی: ۲/ ۱۶۷، نمبر ۲۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ باغی کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ ان کے قیدی کو قتل کرے۔ اور نہ ان کے زخمی کو قتل کرے، اور نہ اس کا مال چھینا جائے۔ کیوں کہ وہ مسلمان ہیں۔

لغت: **فئۃ**: جماعت، **اجھز**: مار ڈالے۔ **جریح**: اسم مفعول کے معنی میں ہے زخمی، **مولی**: **ولی** سے مشتق ہے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالت میں [چاہے اس کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں] بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اب اس کا قتال باقی نہیں رہا۔ ہمارا جواب وہ ہے کہ دلیل پر ہی قتال جائز ہے، چاہے ابھی حقیقی قتال نہ کر رہا ہو۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بھاگنے والے باغی کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہر حال میں جب ان لوگوں نے ہار مان لی تو اب اس کے زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اب وہ قتال نہیں کر رہا ہے۔

وجہ: ان کی دلیل اوپر کا قول صحابی ہے جس میں ہے کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس کے پیچھے جماعت ہو اس لیے دونوں صورتوں میں اس کا پیچھا کرنا جائز نہیں ہوگا ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ اس جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کرے گا، اس دلیل کی بنا پر اس کو قتل کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۲۲) نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت نے جنگ جمل میں فرمایا تھا کہ قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، ان کے ستر کو نہ کھولا جائے اور نہ اس کا مال لیا جائے، اس

۲ وَقَوْلُهُ فِي الْأَسِيرِ تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيرَ، وَإِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا، ۳ وَلِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ وَالْإِسْلَامُ يَعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ

باب میں حضرت علیؓ کا قول رہنمائی کی چیز ہے۔

تشریح: مسلمان باغی کی اولاد کو قید کر کے غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کے مال کو غنیمت بنا کر تقسیم کرے۔

وجہ: (۱) یہ لوگ مسلمان ہیں اس لیے ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جا سکتیں اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جا سکتا ہے (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **امر علی ؓ منادیہ فنادی یوم البصرۃ لا یتبع مدبر و لا یذفف علی جریح و لا یقتل اسیر و من اغلق بابہ فھو آمن و من القی سلاحہ فھم آمن و لم یأخذ من متاعھم شیئا** (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ **سأل علیا ؓ عن سبی الذریۃ فقال لیس علیھم سبی انما قاتلنا من قاتلنا** (سنن للبیہقی، باب اھل البغی اذا فاؤا لم یتبع مدبرھم و لم یقتل اسیرھم الخ: ۸/ ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷/نمبر ۱۶۷۴۹) (۳) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **ان علیا لما ھزم طلحۃ و اصحابہ امر منادیہ ان لا یقتل مقبل و لا مدبر و لا یفتح باب و لا یستحل فرج و لا مال۔** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب کتاب الجمل، فی مسیرۃ عائشۃ و علی و طلحۃ و الزبیر: ۷/ ۵۳۸، نمبر ۳۷۸۷۷) اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا نہ اس کو غلام باندی بنایا جائے گا، اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا۔ (۴) **قال لم یسب علی ؓ یوم الجمل و لا یوم النھروان۔** (سنن للبیہقی، باب اھل البغی اذا فاؤا لم یتبع مدبرھم و لم یقتل اسیرھم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۵، نمبر ۱۶۷۵۰) ان تینوں قول صحابی سے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جا سکتی ہیں۔ اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

لغت: تسبی: سبی سے مشتق ہے قیدی بنانا، ذریۃ: اولاد۔

ترجمہ: ۲ صاحب ہدایہ نے کہا کہ باغی قیدی قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پیچھے کائی جماعت نہ ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اس کے پیچھے کوئی جماعت ہو تو امام قیدی کو قتل کرے گا، اور چاہے تو اس کو قید کرے گا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ یہ جنگ کی علامت ہے، اور علامت پر بھی یہ کاروائی کی جا سکتی ہے]

تشریح: اوپر صاحب ہدایہ نے کہا تھا کہ باغی کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے کہ اس کی مدد کے لیے کوئی جماعت نہ ہو اور یہ یقین ہو کہ یہ قیدی زندہ بچ کر مسلمانوں کے خلاف دوبارہ جنگ نہیں کریں گے تب اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، یا اس کی مدد میں کوئی جماعت ہے جس کے ساتھ مل کر دوبارہ جنگ کریں گے تب تو اس کے قیدی کو قتل کر دیا جائے گا، تا کہ یہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ اور اس کا بھی اختیار ہے کہ ان قیدیوں کو جنگ کے رفع دفع ہونے تک قید میں رکھے

ترجمہ: ۳ اور اس لیے کہ یہ باغی مسلمان ہیں اور اسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے [اس لیے اسلام کی وجہ سے ان باغیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: باغی کی اولاد کو غلام نہیں بنایا جائے گا، اس کی عورتوں کو باندی نہیں بنائی جائے گی، اس کے مال کو لیا نہیں جائے گا، کیوں کہ وہ مسلمان ہیں، اور اسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے اس لیے انکو نہ غلام بنایا جائے گا، اور اس کے مال کو لیا جائے گا۔

۴ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحِهِمْ إِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ ۵ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَالْكُرَاعُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ. لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ. ۶ وَلَنَا أَنَّ عَلِيًّا قَسَمَ السِّلَاحَ فِيمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ وَكَانَتْ قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيكِ، وَلِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ، فَفِي مَالِ الْبَاغِي أَوْلَى وَالْمَعْنَى فِيهِ إِلْحَاقُ الضَّرَرِ الْأَدْنَى لِدَفْعِ الْأَعْلَى.

ترجمہ: ۴ اور کوئی حرج نہیں ہے اگر ان کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو۔

تشریح: اگر مسلمانوں کو باغیوں کے ہتھیار سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) میدان جنگ میں کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس لیے اس کی گنجائش ہے (۲) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **كان علی ﷺ اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابته و سلاحه و اخذ علیه ان یعود و خلی سبیله (مصنف ابن ابی شیبة ۲ باب ماذكر فی صفین: ۷ / ۵۴۸ نمبر ۳۷۸۴۸)** اس قول صحابی میں ہے کہ قیدیوں کا ہتھیار اور سواری لے لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ باغیوں کا ہتھیار لینا جائز ہے تا کہ وہ دوبارہ جنگ نہ کر سکے۔ اور ہتھیار لینا جائز ہے تو اس کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۵ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ باغی کا ہتھیار لینا جائز نہیں ہے، اور اسی اختلاف پر اونٹ، اور گھوڑے کا لینا بھی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہے اس لیے اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی کے پیچھے جماعت ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کی ہتھیار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مسلمان کا ہے اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کے مال کو لینا جائز نہیں ہے۔ (۲) خود حضرت علی نے اس کے مال کو لینے سے منع فرمایا ہے۔ **ان علیا لما هزم طلحة و اصحابه امر منادیه ان لا یقتل مقبل و لا مدبر و لا یفتح باب و لا یستحل فرج و لا مال۔ (مصنف ابن ابی شیبة باب كتاب الجمل، فی مسیرة عائشة و علی و طلحة و الزبیر: ۷ / ۵۳۸ نمبر ۳۷۷۸۴)** اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۶ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے بصرہ میں صحابہ کے درمیان باغیوں کا ہتھیار تقسیم کیا، اور یہ تقسیم کرنا ضرورت کی بنا پر تھا، مالک بننے کے لیے نہیں تھا۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو باغی نہیں ہے امام کو یہ حق ہے کہ اس کے مال کو بھی ضرورت کے وقت تقسیم کر دے تو باغی کے مال میں بدرجہ اولی یہ جائز ہوگا۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اعلی نقصان کو دفع کرنے کے لیے ادنی نقصان دیا جائے [یعنی چھوٹی سی باغی جماعت سے ہتھیار لے کر مسلمان کی بڑی جماعت کو قتل کرنے سے بچایا جائے]

تشریح: ضرورت پڑنے پر امیر باغی کے ہتھیار کو مجاہدین کے درمیان میں تقسیم کر سکتا ہے، اس کی تین دلیلیں دے رہے ہیں [۱] حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں باغی کے ہتھیار مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، حضرت علی کا قول یہ ہے۔ **ان علیا قسم یوم الجمل فی العسكر ما اجابوا علیه من سلاح او كراع۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۲ باب كتاب الجمل، فی مسیرة عائشة و علی و طلحة و الزبیر، ج سابع، ص ۵۴۳، نمبر ۳۷۸۰۹)** [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ باغی نہیں ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو اس کا ہتھیار بھی لے کر تقسیم کر سکتا ہے، اس لیے باغی کا ہتھیار تو بدرجہ اولی تقسیم کر سکتا ہے۔ [۳] تیسری دلیل یہ

(۲۹۲۳) وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ فَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَقْسِمُهَا حَتَّى يَتُوبُوا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ ١ **أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ. وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهَذَا يَحْبِسُهَا عَنْهُمْ، وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا،** ٢ **إِلَّا أَنَّهُ يَبِيعُ الْكُرَاعَ؛ لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ،** ٣ **وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِانْدِفَاعِ الضَّرُورَةِ وَلَا اسْتِغْنَامَ فِيهَا. قَالَ: (۲۹۲۴) وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ**

ہے کہ باغی کا ہتھیار لے لیگا تو وہ قتل نہیں کر سکے گا، اس لیے اس چھوٹی سی جماعت کا نقصان تو ہوا لیکن اس سے بڑی جماعت کا خون بچ گیا، اس لیے اعلیٰ نقصان سے بچانے کے لیے ادنیٰ ضرر برداشت کی جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۲۳) اور امام روک لے ان کے مال کو اور اس کو واپس نہ دے اور نہ اس کو تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کرے پھر اس کو ان پر واپس کر دے۔

ترجمہ: ١ مال تقسیم نہیں کرے گا اس کی دلیل پہلے بیان کر دیا ہے [حضرت علیؓ کا قول تھا کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا] اور اس کے ہتھیار کو اس لیے روک لیا جائے گا کہ تاکہ اس کی شان شوکت کو توڑ دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ امام کو اس ہتھیار کی ضرورت نہ بھی تب بھی اس کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

تشریح: یہ سب مسائل اس اصول پر ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لیے مال تو غنیمت نہیں ہوگا لیکن ایسی صورت ضرور اختیار کی جائے کہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ چناں چہ امام ان کے اموال روک لیں اور توبہ کرنے تک واپس نہ دیں۔ البتہ توبہ کر لیں تو مال ان کو واپس کر دیں۔

وجہ: (۱) اوپر قول صحابی گزرا کہ حضرت علیؓ قیدیوں سے یہ وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ جنگ نہ کریں۔ جب وہ وعدہ کر لیتے تو اس کو چھوڑ دیتے۔ **کان علی اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابته و سلاحه و اخذ علیه ان یعود و خلی سبیله** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲ باب ما **ذکر فی صفین،** ص ۵۴۸ نمبر ۳۷۸۴۸) اس اثر میں ہے **و اخذ علیه ان یعود و خلی سبیله** یعنی جنگ سے واپس چلے جائیں تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ (۲) اور توبہ کے بعد مال واپس کر دیتے اس کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے۔ **لما جیئ علی علیہ السلام بما فی عسکر اهل النهر قال من عرف شیئا فلیاخذہ، قال فاخذت الا قدر ثم رایتها بعد قد اخذت** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳ ماذکر فی **الخوارج:** ۷ / ۵۶۳ نمبر ۳۷۹۳۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل نہروان کا مال واپس کر دیا اور یوں فرمایا جو اپنے مال کو پہچانے وہ لے جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد باغیوں کا مال واپس کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ یہ اور بات ہے کہ سواری کے جانوروں کو بیچ دیا جائے گا اس لیے کہ اس کی قیمت کو محفوظ کرنا مصلحت کے مطابق بھی ہے اور آسان بھی ہے۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمہ: ٣ اور توبہ کے بعد واپس اس لیے کرے گا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی، اور یہ مال غنیمت بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح: باغی کے توبہ کے بعد اس کا مال اس لیے واپس کر دیا جائے گا کہ اب مال رکھنے کی ضرورت نہیں رہی، اور یہ مسلمان کا مال ہے اس لیے غنیمت کا مال بھی نہیں بنا سکتا اس لیے اس کو واپس کرنا ہی بہتر ہے استغنام: غنیمت سے مشتق ہے، غنیمت بنانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۴) جو کچھ باغیوں نے وصول کر لیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آگئے تھے خراج اور عشر تو امام ان سے دوبارہ نہ لے۔

الْإِمَامُ ثَانِيًا، ۱؎ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَخْذِ لَهُ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ (۲۹۲۵)فَإِنْ كَانُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ أَجْزَأَ مَنْ أُخِذَ مِنْهُ ۱؎ لِوُصُولِ الْحَقِّ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ (۲۹۲۶)وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ فَعَلَى أَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُعِيدُوا ذَلِكَ، ۱؎ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ.

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ حمایت کرنے کی وجہ سے خراج لیا جاتا ہے اور امام نے اس کی حمایت نہیں کی [اس لیے اس کو لینے کا بھی حق نہیں رہا تھا]

تشریح: باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے تھے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوۃ وصول کر لیا تو مالکوں کی جانب سے ادا ہو گیا۔ امام دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ عشر، خراج اور زکوۃ نہ لے۔

ترجمہ: (۲۹۲۵) پس اگر جو حقدار تھا اس میں خرچ کیا تو زکوۃ دینے والوں کی جانب سے ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ وہ مستحق کو پہنچ گیا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ حبشی غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اس لیے اگر باغی حاکم بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اطاعت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ، صدقات، عشر اور خراج اس کو دے اور ادا بھی ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ذر ؓ قال ان خلیلی ﷺ اوصانی ان اسمع و اطیع و ان کان عبدا مجدع الاطراف** (مسلم شریف، باب وجوب **طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ،** ص ۸۲۴، نمبر ۴۷۵۵/۱۸۳۷/ **سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا غلبوا علی بلد واخذوا صدقات اہلہا واقاموا علیہم الحدود لم تعد علیہم:** ۸/۳۲۰، نمبر ۱۶۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی امیر کی اطاعت کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عشر اور زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) **سألت سعد ؓ و ابن عمر ؓ و ابا ہریرہ ؓ و ابا سعید ؓ فقلت ان لی مالا و انا ارید ان اعطی زکوتہ و لا اجد لہا موضعا و ہؤلاء یصنعون فیہا ما ترون، فقال کلہم امرونی ان ادفعہا الیہم** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ **من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان:** ۲/۳۸۴، نمبر ۱۰۱۸۹) اس اثر میں ہے کہ امراء کچھ بھی کریں ہماری زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ کیوں کہ وہ امیر بن گئے ہیں (۳) ایک اور قول صحابی میں ہے۔ **سألت ابن عمر ؓ فقال ادفعہا الیہم و ان اکلوا بہا لحوم الکلاب فلما عادوا الیہ قال ادفعہا الیہم و ان اکلوا بہا الہسار** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ **من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان:** ۲/۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امیر چاہے کیسے ہی ہوں زکوۃ اور عشر وغیرہ اسی کو دی جائے گی۔ اب اگر وہ صحیح جگہ پر استعمال کر دیا مثلا زکوۃ کو فقراء اور مساکین تک پہنچا دیا تو مالک کی جانب سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت: جباہ: وصول کر لیا، جمع کیا۔

ترجمہ: (۲۹۲۶) اگر باغی نے حقدار پر خرچ نہیں کیا تو زکوۃ کے مالک پر ہے کہ فیما بینہ وبین اللہ دوبارہ ادا کر دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ یہ زکوۃ مستحق تک نہیں پہنچا۔

تشریح: باغیوں نے زکوۃ وصول کی اور اس کو غربائ، مساکین پر خرچ نہیں کیا پھر بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو گئی۔ لیکن غرباء، مساکین کو زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور اس نے بنایا نہیں اس لیے دیانۃ دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔ اور اپنے طور پر غربائ، مساکین کو مالک بنانا چاہئے۔

وجہ: (۱) آیت میں مالک بنانے کا اشارہ ہے۔ **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا** (آیت ۶۰، سورۃ

۲ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: قَالُوا الْإِعَادَةُ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ؛ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوا مَصَارِفَ، وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، ۳ وَفِي الْعُشْرِ إِنْ كَانُوا فُقَرَاءَ، فَكَذَلِكَ، لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكَاةِ. ۴ وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ؛ لِأَنَّهُ يَحْمِيهِمْ فِيهِ، لِظُهُورِ وِلَايَتِهِ. (۲۹۲۷) وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ؛ ۱ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِإِمَامِ الْعَدْلِ حِينَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوجِبًا كَالْقَتْلِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

التوبۃ۹) اس آیت میں للفقراء کا لام تملیک کے لیے ہے۔ اس لیے فقراء کو مالک بنانا چاہئے۔ اور اس نے مالک نہیں بنایا اس لیے دوبارہ ادا کرے۔ لیکن یہ **فیما بینہ و بین اللہ** ہے۔ قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ قضاء کے طور پر تو ادا ہو گئی۔

ترجمہ: ۲ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ خراج کو دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ باغی بھی ایک طرح کا مجاہد ہیں تو وہ بھی خراج کا مصرف ہو گئے، چاہے وہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

تشریح: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باغیوں کو خراج دیا ہے، ان لوگوں کو دوبارہ خراج ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ باغی بھی ایک قسم کے مجاہد ہیں اس لیے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے خراج ادا ہو گیا ہے، چاہے باغی مالدار ہوں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خراج نکالنا کوئی عبادت نہیں ہے اس لیے اس کو دوبارہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو حفاظت کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اور اس دوران باغیوں نے ان لوگوں کی حفاظت کی ہے اس لیے اس کو دینے سے خراج ادا ہو گیا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور عشر کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر باغی فقیر تھے تب بھی عشر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ بھی فقیر ہیں، اس بات کتاب الزکوۃ میں ذکر کر دیا ہے۔

تشریح: عشر کے بارے فرماتے ہیں کہ اگر یہ باغی فقیر ہیں اور ان لوگوں پر عشر کے مال کو خرچ کیا تھا تو چونکہ وہ بھی فقیر ہیں اس لیے عشر کی ادائیگی ہو گئی ہے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ آیندہ سال امام ان لوگوں سے زکوۃ، اور خراج وغیرہ لیں گے، کیوں کہ اگلے سال امام حق نے ان لوگوں کی حفاظت کی، اور انکی ولایت بھی ظاہر ہو گی۔

تشریح: مثلا پہلی جنوری ۲۰۱۵ء کو امام نے باغیوں کو اس خطے سے ہٹایا تو یہ امام اگلے سال پہلی جنوری ۲۰۱۶ء کو خراج وغیرہ لے گا۔

وجہ: (۱) کیوں کہ پہلی جنوری ۲۰۱۵ء سے پہلی جنوری ۲۰۱۶ء تک امام نے ان لوگوں کی حفاظت کی۔ (۲) پہلی جنوری سے اگلے پہلی جنوری تک ان لوگوں پر اس امام کی ولایت رہی اس لیے اب اگلے سال جنوری ۲۰۱۶ء کو امام خراج، زکوۃ، اور عشر لینے کا حقدار ہو جائے گا

ترجمہ: (۲۹۲۷) باغیوں کے لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا پھر ان لوگوں پر عادل امام کا غلبہ ہوا تو قتل کرنے والے سے قصاص، یا دیت نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ قتل کے وقت عادل امام کا ان باغیوں پر ولایت نہیں تھی اس لیے دیت، یا قصاص کا سبب منعقد نہیں ہوا۔ جیسے دار الحرب میں دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو امام ان سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں امام کی ولایت نہ ہو وہاں قتل ہوا تو بعد میں ان پر امام کی حکومت ہو جائے تب بھی ان سے

(۲۹۲۸)وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمْدًا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَصُّ مِنْهُ لـ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَجْرِ عَلَى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوا قَبْلَ ذَلِكَ، وَفِي ذَلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ. (۲۹۲۹)وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ، فَإِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِي وَقَالَ قَدْ كُنْتُ عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ وَرِثَهُ، وَإِنْ قَالَ قَتَلْتُه وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثْهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ

قصاص یا دیت نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ قتل کے وقت امام کی ولایت نہیں تھی۔

تشریح: جہاں پر باغیوں کی حکومت تھی وہاں ایک باغی نے دوسرے باغی کو قتل کر دیا، اس کے بعد عادل امام کا ان پر قبضہ ہو گیا تو عادل امام اس قاتل سے نہ قصاص لے گا اور نہ دیت لیگا۔

وجہ: جہاں قتل ہوا ہے وہاں عادل امام کی حکومت نہیں تھی، یہ خود باغی کا حاکم تھا اس کا کام تھا قصاص لینا یا دیت لینا، اس لیے عادل حاکم اب نہ قصاص لیگا اور نہ دیت لیگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ دار الحرب میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا، اس کے بعد دونوں دار الاسلام آئے تو امیر ان سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکے گا، کیوں کہ امام کی حکومت میں یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۲۸) اگر کسی شہر پر باغی غالب آ گئے اور شہر کے آدمی نے کسی شہر کے آدمی کو جان کر قتل کر دیا، پھر اہل حق اس شہر پر غالب ہوئے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

ترجمہ: لـ اس عبارت کی تاویل یہ ہے کہ باغیوں کی حکومت اس شہر پر مضبوط نہیں ہوئی تھی اور اس سے پہلے ہی ان باغیوں کو اس شہر سے ہٹا دیا گیا تھا، اس صورت میں اہل حق حاکم کی حکومت ختم نہیں ہوئی اس لیے قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باغی کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی ہو اور قتل ہوا تو چونکہ اندرونی طور پر اہل حق کی حکومت میں قتل ہو ہے اس لیے قصاص لیا جائے گا۔

تشریح: کسی شہر پر باغی کا غلبہ ہوا، ابھی اس کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی کہ کسی شہری نے کسی شہری کو قتل کر دیا، پھر اہل حق نے باغی کو ہٹا دیا اور اہل حق نے غلبہ کر لیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیوں کہ اہل حق کی حکومت ہی میں قتل ہوا ہے۔

لغت: **ازعجو: زعج** سے مشتق ہے، ہٹا دیا جانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۹) اہل عدل کے آدمی نے کسی باغی کو قتل کیا تو قاتل اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر باغی نے قتل کیا اور کہا کہ میں حق پر ہوں تو باغی مقتول کا وارث ہوگا۔ اور اگر کہا کہ میں باطل پر تھا تو وارث نہیں ہوگا، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ عادل نے باغی کو قتل کیا تو وہ باغی کا وارث بنے گا، کیوں کہ باغی کو قتل کرنا جائز تھا اس لیے عادل نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ۔ اگر باغی نے عادل کو حق سمجھ کر قتل کیا تو باغی عادل کا وارث بنے گا، اور اگر یہ سمجھ کر قتل کیا کہ میں نا

ا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ: لَايَرِثُ الْبَاغِيْ فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ. ٢ وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إِذَاأَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِيْ أَوْ مَالَهُ لَايَضْمَنُ وَلَايَأْثَمُ؛ لِأَنَّهُ مَأْمُوْرٌبِقِتَالِهِمْ دَفْعًالِشَرِّهِمْ، ٣ وَالْبَاغِيْ إِذَاقَتَلَ الْعَادِلَ لَايَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا

حق پر ہوں تو اب وہ وارث نہیں بنے گا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ باغی چاہے حق سمجھ کر قتل کرے، یا باطل سمجھ کر قتل کرے دونوں صورتوں میں باغی عادل کا وارث نہیں بنے گا، کیوں کہ حقیقت میں وہ باطل پر ہی ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [ا] قاعدہ یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملتی، لیکن عادل نے باغی کو قتل کیا اور وہ قاتل کا رشتہ دار تھا تو عادل کو اس کی وراثت ملے گی۔

وجه: عادل پر باغی کو قتل کرنا واجب تھا اس لیے اس کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا، اسی لیے اس عادل پر مقتول کی دیت لازم نہیں ہوگی، اس لیے عادل باغی کا وارث ہوگا۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کر دیا تو اگر وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں، اور یہ کہتے ہوئے قتل کیا ہے تو وہ وارث ہو گا، اور اگر وہ کہتا کہ میں باطل پر ہوں اور یہ اقرار کرتے ہوئے عادل کو قتل کیا ہے تو وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔

وجه: جب وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو اس کے ذہن میں عادل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، اور یہ بھی اس کے ذہن میں ہے کہ مجھ پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور حاکم اس پر ضمان لازم نہیں کر سکتا، کیوں کہ باغی کی بڑی طاقت ہے، اور اس کے ذہن میں گناہ نہیں ہے تو وہ وارث ہوگا۔ اور اگر وہ کہتا ہے کہ میں باطل پر ہوں تو اس کے ذہن میں ہے کہ میں گناہ کا کام کیا ہے اس لیے اب وہ وارث نہیں ہوگا۔

ترجمه: ا امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باغی کہے کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر ہوں دونوں صورتوں میں وہ اہل حق کا وارث نہیں بنے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ باغی حق سمجھ کر عادل کو قتل کرے یا باطل سمجھ کر دونوں صورتوں میں وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا، اور یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔

وجه: باغی چاہے حق سمجھ کر عادل کو قتل کیا ہو لیکن حقیقت میں وہ باطل پر ہے اس لیے اس کا قتل گناہ ہے اس لیے وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۲ اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ عادل باغی کی جان کو ضائع کرے یا اس کے مال کو ضائع کرے تو وہ نہ اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ گناہ گار ہوتا ہے، اس لیے اہل حق کو اس کی شرارت کو دفع کرنے کے لیے اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح: عادل باغی کو قتل کرے تو وہ وارث ہوگا، اس کی یہ دلیل ہے۔ کہ عادل نے باغی کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اس لیے وہ اس کا وارث ہوگا۔

ترجمه: ۳ اور باغی قتال کرے تو اس پر قتل کرنے کا ضمان نہیں ہے، لیکن ہمارے یہاں وہ گناہ گار ہوگا۔

تشریح: باغی عادل کو قتل کرے تو اس پر ضمان نہیں ہے، کیوں کہ وہ حاکم کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے وہ ضمان نہیں لے سکے گا، البتہ چونکہ وہ باطل پر ہے اس لیے قتل کرنے سے گناہ گار ہوگا، پس اگر وہ اپنے کو باطل پر سمجھ کر قتل کیا ہو تو وہ وارث نہیں ہوگا، اور اگر حق پر سمجھ کر

وَيَأْثَمُ. ۴ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ – رَحِمَهُ اللَّهُ – فِي الْقَدِيمِ: إِنَّهُ يَجِبُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ إِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ، وَقَدْ أَتْلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا لَهُ أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنَعَةِ. ۵ وَلَنَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ، رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ. ۶ وَلِأَنَّهُ أَتْلَفَ عَنْ تَأْوِيلٍ فَاسِدٍ، وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ إِذَا ضُمَّتْ إِلَيْهِ الْمَنَعَةُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِي مَنَعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيلِهِمْ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيهَا مِنَ الْإِلْزَامِ أَوِ الِالْتِزَامِ، وَلَا الْتِزَامَ لِاعْتِقَادِ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَأْوِيلٍ، وَلَا إِلْزَامَ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لِوُجُودِ الْمَنَعَةِ،

قتل کیا ہو تو وارث ہوگا۔

ترجمہ: ۴ امام شافعیؒ نے قدیم قول میں کہا تھا کہ باغی پر ضمان واجب ہوگا، اور اسی اختلاف پر ہے اگر مرتد نے توبہ کر لیا، اور اپنی ارتداد کی حالت میں جان کو یا مال کو ضائع کیا تھا [تو ہمارے نزدیک وہ گناہ گار ہوگا، لیکن ضامن نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں وہ قتل کا مال کا ضامن بھی ہوگا] انکی دلیل یہ ہے کہ باغی نے معصوم مال کو اور معصوم جان کو ضائع کیا ہے اس لیے اس پر ضمان لازم ہوگا، جیسے باغی کو قوت ہونے سے پہلے وہ قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا۔

تشریح: یہاں یہ بحث ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کیا تو اس پر ضمان بھی ہے یا نہیں۔ تو امام شافعیؒ کے یہاں اس پر مقتول کا ضمان ہے، کیوں کہ اس نے معصوم جان کو قتل کیا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ باغی کی حکومت ہونے سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا اسی طرح اس کی حکومت ہونے کے بعد قتل کرے گا اس ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اس پر ضمان لازم ہوگا، جس کو حضرت زہریؒ نے روایت کی ہے۔ روایت یہ ہے۔ **اخبرنی الزھری ان سلیمان بن ھشام کتب الیہ یسالہ عن امراۃ خرجت من عند زوجھا... فاجتمع رأیھم علی ان لا یقیموا علی احد حدا فی فرج استحلوہ بتاویل القرآن و لا قصاص فی قتل اصابوہ علی تاویل القرآن و لا یرد ما اصابوہ علی تاویل القرآن الا ان یوجد بعینہ فیرد علی صاحبہ و انی اری ان ترد الی زوجھا و ان یحد من افتری علیھا۔** (مصنف عبد الرزاق، **باب قتال الحروراء**، ۹/۴۴۰، نمبر ۱۸۹۰۷) اس قول صحابی میں ہے کہ قرآن کی تاویل کر کے قتل کیا ہے تو اس پر ضمان نہیں ہے، اگر چہ یہ تاویل غلط ہو۔

ترجمہ: ۶ اور یہ دلیل بھی ہے کہ باغی نے فاسد تاویل کر کے جان ضائع کی ہے، اور اگر اس کو قوت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہے جیسے حربی کو قوت ہو جائے تو اس کی تاویل کے بارے میں یہی ہے کہ وہ صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام کے لیے ضروری ہے کہ زبردستی لازم کرے، یا خود اپنے اوپر لازم کر لے، خود اپنے اوپر تو لازم اس لیے نہیں کر رہا ہے کیوں کہ اس کی تاویل ہے کہ میرے لیے قتل کرنا مباح ہے۔ اور زبردستی لازم اس لیے نہیں کر سکتا کہ عادل حاکم کی ولایت نہیں ہے، کیوں کہ باغی کو قدرت ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ کہ باغی جانب سے فاسد تاویل ہے، اور اس کی حکومت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا حکم دو طریقے سے نافذ ہوتا ہے، [۱] ایک خود لازم کرنے سے، باغی میں یہ

ے وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنَعَةِ ۸ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيلِ ثَبَتَ الْإِلْتِزَامُ اعْتِقَادًا، بِخِلَافِ الْإِثْمِ، لِأَنَّهُ لَا مَنَعَةَ فِي حَقِّ الشَّارِعِ. ۹ إِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ: قَتْلُ الْعَادِلِ الْبَاغِيَ قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْإِرْثَ. ۱۰ وَلِأَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - فِي قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ أَنَّ التَّأْوِيلَ الْفَاسِدَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةُ هَاهُنَا إِلَى اسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ فَلَا يَكُونُ التَّأْوِيلُ مُعْتَبَرًا فِي حَقِّ الْإِرْثِ. ۱۱ وَلَهُمَا فِيهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى دَفْعِ الْحِرْمَانِ أَيْضًا، إِذِ الْقَرَابَةُ سَبَبُ الْإِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيهِ، إِلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ بَقَاءَهُ عَلَى دِيَانَتِهِ، فَإِذَا قَالَ: كُنْتُ عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوجَدِ الدَّافِعُ فَوَجَبَ الضَّمَانُ.

نہیں ہے، کیوں کہ وہ اعتقاد کرتا ہے کہ میں عادل کو حق کے طور قتل کر رہا ہوں [۲] اور دوسرا، اس پر زبردستی کر کے، یہ بھی یہاں نہیں ہے، کیوں کہ اس کی حکومت ہے، اور عادل حاکم کی اس پر ولایت نہیں ہے اس لیے اس پر زبردستی بھی نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: ے اور باغی کو قدرت سے پہلے عادل حاکم کو اس پر ولایت تھی۔

تشریح: بیچ میں یہ جملہ ایک سوال کا جواب ہے، امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ باغی کی حکومت سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کر دے تو اس سے ضمان لیا جاتا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ باغی کی حکومت سے پہلے اس پر عادل حاکم کی حکومت ہے اس لیے وہ ضمان لے گا، لیکن باغی کی حکومت مضبوط ہونے کے بعد عادل کی حکومت اس پر نہیں رہی اس لیے اب اس سے ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۸ اور باغی تاویل نہ کرے تو اپنے اعتقاد میں اپنے اوپر ضمان لازم کیا ہے۔ اور گناہ گار ہونے کے لیے شریعت میں حاکم کو قدرت ہونا ضروری نہیں ہے،

تشریح: اگر باغی اپنے قتل کرنے کی تاویل نہ کرے تو وہ خود بھی سمجھ رہا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں اس لیے اس پر اس قتل کا ضمان لازم ہو گا۔ البتہ گناہ ہونے کے لیے حاکم کی قدرت ہونا ضروری نہیں ہے، حاکم کی قدرت نہ بھی ہو تب بھی ناحق قتل کرنے پر گناہ ہو گا۔

ترجمہ: ۹ اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ عادل نے باغی کو صحیح قتل کیا اس لیے اس کی وراثت ختم نہیں ہو گی۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا خلاصہ ہے۔

ترجمہ: ۱۰ باغی نے عادل کو قتل کیا ہے اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ فاسد تاویل دفع کے حق میں معتبر ہے اور یہاں وراثت کے استحقاق کی ضرورت ہے اس لیے وراثت کے حق میں باغی کی تاویل معتبر نہیں ہو گی [اس لیے باغی کو عادل کی وراثت نہیں ملے گی]

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہے اپنے اوپر سے ضمان دفع کرنا، اور دوسرا ہے حق وراثت کو ثابت کرنا۔ فاسد تاویل دفع کرنے کے لیے تو کام آئے گا، لیکن حق کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اس لیے باغی کی فاسد تاویل سے وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۱۱ اور امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں وراثت سے محروم ہونے کو دفع کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ قرابت وارث ہونے کا سبب ہے اس لیے فاسد تاویل کا بھی اعتبار کیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ اپنی دیانت پر باقی رہے پس باغی نے جب یہ کہا کہ میں باطل پر تھا تو دفع کرنے والی چیز نہیں پائی گئی اس لیے ضمان لازم ہو گا، اور وراثت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل ہے۔ باغی عادل کی وراثت سے محروم ہے اس کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ رشتہ داری

قَالَ (۲۹۳۰) وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسَاكِرِهِمْ؛ ۱ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ۲ وَلَيْسَ بِبَيْعِهِ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ، لِأَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْأَمْصَارِ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السِّلَاحِ لَا بَيْعُ مَا لَا يُقَاتَلُ بِهِ إِلَّا بِصَنْعَةٍ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ، وَعَلَى هَذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعِنَبِ.

تقاضہ کرتی ہے کہ وہ وارث ہو جائے، اس لیے فاسد تاویل بھی یہاں وراثت کے لیے کافی ہے، اس لیے باغی یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں تو اس کو وراثت مل جائے گی، اور یہ گمان کرے کہ میں باطل پر ہوں تو اس کو وراثت نہیں ملے گی، اور قتل کی دیت بھی اس پر لازم ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۳۰) فتنہ والوں سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، اور اس کے لشکروں میں بھی ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ معصیت پر مدد کرنا ہے۔

تشریح: فتنہ کے زمانے میں فتنہ والوں سے، یا اس کے لشکر سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس سے فتنہ پر مدد ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کے لیے حدیث یہ ہے۔ **عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع السلاح فى الفتنة**۔ (طبرانی، باب عبد الله اللقيطى عن ابى رجاء، ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ / سنن بیہقی، کتاب البوع، باب كراهية بيع العصير ممن يعصر الخمر و السيف ممن يعصى الله عز و جل: ۵ / ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن قال لا يبعث الى اهل الحرب شيء من السلاح و الكراع ولا ما يستعان على السلاح و الكراع** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما يكره ان يحمل الى العدو فيتقوى به: ۶ / ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۲ کوفہ میں کوفہ والوں سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا ان لوگوں سے ہتھیار بیچنا جو فتنہ والے کو پہچانتا نہ ہو اس لیے شہر میں زیادہ تر نیک لوگ رہتے ہیں۔ اسی طرح نفس ہتھیار کو بیچنا مکروہ ہے، لیکن جس چیز سے ہتھیار بنتا ہے اس کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ سارنگی بیچنا مکروہ ہے، لیکن اس کی لکڑی کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح شراب بیچنا مکروہ ہے، لیکن انگور کو بیچنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: مثلا کوفہ میں فتنہ برپا ہو تو وہاں کے وہ لوگ جو فتنہ میں شریک نہیں ہیں ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح ایسے آدمی جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ فتنے میں شامل ہیں یا نہیں ان سے بھی بیچنا جائز ہے، کیوں کہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ نیک لوگ ہیں۔ دوسری بات بتاتے ہیں کہ فتنہ والوں سے بنا ہوا ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، لیکن جن چیزوں سے ہتھیار بنتا ہے مثلا لوہا اس کو فتنہ والوں سے بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] سارنگی، اور ستار بیچنا مکروہ یہ ہے، لیکن وہ لکڑی جس سے سارنگی اور ستار بنتی ہے اس کا بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ [۲] شراب بیچنا حرام ہے، لیکن جس انگور سے شراب بنتی ہے اس کا بیچنا حرام نہیں ہے، اس لیے ہتھیار بنانے کا لوہا بیچنا مکروہ نہیں ہوگا، وہ جائز ہے۔

☆☆☆

کتاب اللقیط

لے اللَّقِيطُ سُمِّيَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَآلِهِ لِمَا أَنَّهُ يُلْقَطُ. وَالِالْتِقَاطُ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَائِهِ، وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ ضَيَاعُهُ فَوَاجِبٌ. قَالَ (۲۹۳۱)اللَّقِيطُ حُرٌّ، لے لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي بَنِي آدَمَ إنَّمَا هُوَ الْحُرِّيَّةُ، وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْأَحْرَارِ، وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ (۲۹۳۲)وَنَفَقَتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ

{کتاب اللقیط}

ضروری نوٹ: لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لیے کوئی اس کو اٹھالے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس (۱) آیت میں ہے۔ **فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا** (آیت ۸، سورۃ القصص ۲۸) (۲) اور اس آیت میں بھی ہے۔ **قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ** (آیت ۱۰، سورۂ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور مال کو اٹھائے اس کو لقطہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: لے لقیط کا معنی اٹھانا ہے، اور ملتقط کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیوں کہ انجام کار وہ اٹھایا ہوا ہوگا۔ بچے کو اٹھالینا مستحب ہے، کیوں کہ اس سے بچہ زندہ رہ سکے گا، لیکن اگر غالب گمان ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اس کا اٹھانا واجب ہے۔

تشریح: لقیط کا لفظی ترجمہ ہے اٹھانا، چونکہ یہ بچہ اٹھایا ہوا ہے اس لیے اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عام حالات میں راستے میں پڑے ہوئے بچے کو اٹھالینا اور اس کی پرورش کرنا مستحب ہے، کیوں کہ اس میں بچے کی خدمت ہے، لیکن اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ نہیں اٹھاؤں گا یہ بچہ ضائع ہو جائے گا تو ایسے حالات میں اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۱) لقیط آزاد ہے۔

ترجمہ: لے اصل یہ ہے کہ آدم کی اولاد آزاد ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ یہ دار الاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہے، اس لیے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے بچے کو آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ دار الاسلام ہے جو آزاد لوگوں کا ملک ہے اس لیے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لیے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لیے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیوں کہ بنی آدم آزاد ہوتا ہے (۳) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **حدثنی ابو جمیلۃ انہ وجد منبوذا علی عہد عمر بن الخطاب فاتاہ بہ فاتہمہ عمر فاثنی علیہ خیرا فقال عمر فہو حر وولاؤہ لک ونفقتہ من بیت المال** (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۱) (۴) **ان علیا سئل عن لقیط فقال ہو حر عقلہ علیہم وولاؤہ لہم** (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۳ / سنن للبیہقی، باب التقاط المنبوذ وانہ لا یجوز ترکہ ضائعا: ۶ / ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۴۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔ اور بچے کی وراثت بھی بیت المال کو ملے گی۔

ترجمہ: (۲۹۳۲) اور لقیط کا خرچ بیت المال سے دیا جائے گا۔

۱؎ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنِ التَّكَسُّبِ، ۳؎ وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَ الَّذِي لَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ؛ وَلِأَنَّ مِيرَاثَهُ لِبَيْتِ الْمَالِ، وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهَذَا كَانَتْ جِنَايَتُهُ فِيهِ. ۴؎ وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ، لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ إِلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ لِيَكُونَ دَيْنًا عَلَيْهِ لِعُمُومِ الْوِلَايَةِ. قَالَ (۲۹۳۳) فَإِنِ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهُ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبْقِ يَدِهِ (۲۹۳۴) فَإِنِ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ۱؎ مَعْنَاهُ: إِذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُلْتَقِطُ نَسَبَهُ

ترجمہ: ۱؎ حضرت عمر اور حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے۔ **تشریح:** یہ روایت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے اور کمانے سے عاجز ہے اور اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، اور اس کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے تو اس اپاہج کی طرح ہو گیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لیے کہ اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، تو جسکو ملے گی اسی کو ابھی خرچ بھی دینا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ لقیط کے جرم کا بدلہ بھی بیت المال ہی کو دینا ہوتا ہے۔

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے، کہ لقیط مرے گا تو اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، جب بعد میں بیت المال فائدہ اٹھائے گا تو ابھی خرچ بھی بیت المال کرے، اسی بات کو الخراج بالضمان، سے ادا کیا ہے۔ بیت المال ہی ذمہ دار ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لقیط جرمانہ بھی بیت المال ہی ادا کرتا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اٹھانے والا لقیط پر خرچ کرے تو یہ اس پر احسان ہوگا، کیوں کہ لقیط پر اٹھانے والے کی ولایت نہیں ہے، لیکن قاضی اس کو خرچ کرنے کا حکم دے تا کہ لقیط پر قرض ہو جائے تو ایسا ہو سکتا ہے، کیوں کہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

تشریح: اٹھانے والے قاضی کے حکم کے بغیر بچے پر خرچ کرے تو یہ بچے پر حسان ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ بالغ ہونے کے بعد بچے سے وصول کر پائے گا، اور نہ بیت المال سے وصول کر پائے گا۔ اور قاضی نے بچے پر خرچ کرنے کا حکم دیا، اور یہ نہیں کہا کہ بیت المال اس خرچ کو برداشت کرے گا تو یہ بچے پر قرض ہو جائے گا، اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس سے وصول کر سکے گا، کیوں کہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۳) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھایا تو دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔

ترجمہ: ۱؎ اس نے پہلے اٹھایا ہے اس لیے اس کا حق ثابت ہو گیا۔

وجہ: (۱) جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لیے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیوں کہ انہوں نے فرمایا **و ولاؤہ لک** کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لیے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔

ترجمہ: (۲۹۳۴) پس اگر کسی نے دعوی کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ اٹھانے والے نے بیٹا ہونے کا دعوی نہیں کیا ہو تو

۲ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُقْبَلَ قَوْلُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ حَقِّ الْمُلْتَقِطِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إِقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بِعَدَمِهِ. ۳ ثُمَّ قِيلَ يَصِحُّ فِي حَقِّهِ دُونَ إِبْطَالِ يَدِ الْمُلْتَقِطِ. وَقِيلَ يُبْتَنَى عَلَيْهِ بُطْلَانُ يَدِهِ، ۴ وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمُلْتَقِطُ قِيلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا، ۵ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْأَصْلِ.

تشریح: اگر کسی نے دعوی کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لیے اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعوی کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لیے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اٹھانے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے، کیوں کہ اگر وہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اسی سے بچے کا نسب ثابت کیا جائے گا۔

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں [۱] ایک تو وہ اٹھانے والا ہے اس لیے اس کا حق پہلے ہے [۲] دوسرا یہ کہ وہ بیٹے ہونے کا دعوی کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے اس لیے اس کی بات کو ترجیح ہوگی۔

ترجمہ: ۲ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹے کا دعوی کرنے کی بات قبول نہ کی جائے اس لیے کہ اس سے اٹھانے والے کا حق باطل ہو جائے گا [کیوں کہ بچہ اس سے چھین کر بیٹے کا دعوی کرنے والے کو دے دیا جائے گا] استحسان کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے لیے ایسی بات کا دعوی کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے، کیوں کہ نسب سے بچے کو شرف ہوگی اور نہ ہونے سے ہمیشہ وہ شرمندہ ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کا نسب ثابت ہونا بہت بڑی چیز ہے، اس سے باپ کی جانب سے نفقہ ملتا ہے، وراثت ملتی ہے، اور آدمی زندگی بھر حرامی ہونے سے بچ جاتا ہے۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بچے کا نسب تو ثابت ہوگا لیکن اٹھانے والے کا حق باطل نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کی بنیاد پر اٹھانے والے کا قبضہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ نسب کا دعوی کرنے والے کے صرف اتنا ہی ہوگا کہ بچے کا نسب اس سے ثابت کر دیا جائے گا، لیکن اٹھانے والے کے ہاتھ سے چھینا نہیں جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب اس کا بیٹا ہو گیا تو اس کی بنیاد پر اٹھانے والے کے ہاتھ سے نکال کر والد کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ اگر اٹھانے والے نے نسب کا دعوی کر دیا تو کہا گیا ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں طریقے سے اس کا دعوی صحیح مانا جائے گا۔

تشریح: خود اٹھانے والے نے دعوی کر دیا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، تو فرماتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے اور احسان کے اعتبار سے بھی اس کا بیٹا شمار کیا جائے گا، کیوں کہ وہ اٹھانے والا بھی ہے، اور نسب ثابت کر کے بچے کے لیے بہت بڑا فائدہ کر رہا ہے اس لیے قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قیاس کے اعتبار صحیح نہیں ہے صرف استحسان کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مبسوط میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

(۲۹۳۴)وَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَى بِهِ، ۱؎ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ، ۲؎ وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ. ۳؎ وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ، لِأَنَّهُ ثَبَتَ فِي زَمَانٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ فِيهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ، لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَى. (۲۹۳۵)وَإِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعَى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ

وجه: جب اٹھانے والے نے بچے کو اٹھایا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا نہیں ہے، کیوں کہ اپنے بیٹے کو لقیط نہیں کہتے، اب اس کا دعوی کہ یہ میرا بیٹا ہے قیاس کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن چونکہ اس میں بچے کا فائدہ ہے اس لیے استحسان کے اعتبار سے اس کا دعوی صحیح ہے۔ کتاب الاصل میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

ترجمہ:(۲۹۳۴) اگر بیٹے کا دعوی کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ ظاہر اس کا گواہ ہے، کیوں کہ علامت اس کے کلام کے موافق ہے۔

تشریح: دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا۔ ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجه: (۱) علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔ **جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وكائها فان جاء احد يخبرك بها و الا فاستنفقها** (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۲۷۳ نمبر ۲۴۲۷) اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔ جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر کسی نے علامت بیان نہیں کی تو دونوں کا بیٹا ہوگا اس لیے دعوی کرنے سے سبب میں دونوں برابر ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر کسی ایک نے پہلے دعوی کیا تو اس کا بیٹا مانا جائے گا کیوں کہ ایسے وقت میں اس کا دعوی تھا جبکہ اس کے مخالف کوئی اور نہیں ہے، لیکن اگر دوسرے نے بیٹا ہونے پر گواہ پیش کر دیا تو اس کا بیٹا ہوگا، کیوں کہ گواہ زیادہ قوی ہے۔

وجه: (۱) اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ اس وقت اور کسی کا دعوی نہیں ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعوی کیا اس کا حق ہے۔ **عن حميد بن عبد الرحمن الحميري عن رجل من اصحاب النبي ﷺ ان النبي ﷺ قال اذا اجتمع الداعيان فاجب اقربهما بابا فان اقربهما بابا اقربهما جوارا و ان سبق احدهما فاجب الذي سبق** (ابو داود شریف، باب اذا اجتمع داعیان ایهما احق ص ۱۷۱ نمبر ۳۷۵۶) اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیوں کہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔ اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لیے اس کی دعوت قبول کی۔

ترجمہ:(۲۹۳۵) اگر مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں بچہ پایا گیا۔ پھر کسی ذمی نے دعوی کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا ۱؎ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ؛ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنُ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيرِ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالدَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيمَا يَنْفَعُهُ دُونَ مَا يَضُرُّهُ. (۲۹۳۶)وَإِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بِيعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا ۱؎ وَهٰذَا الْجَوَابُ فِيمَا إِذَا كَانَ الْوَاجِدُ ذِمِّيًّا رِوَايَةً وَاحِدَةً، ۲؎ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِي هٰذَا الْمَكَانِ أَوْ ذِمِّيًّا فِي مَكَانِ الْمُسْلِمِينَ اخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ، فَفِي رِوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيطِ أُعْتُبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهِ، وَفِي كِتَابِ الدَّعْوَى فِي بَعْضِ النُّسَخِ أُعْتُبِرَ الْوَاجِدُ وَهُوَ رِوَايَةُ ابْنِ سِمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ لِقُوَّةِ الْيَدِ، أَلَا تَرَى أَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبَعِيَّةِ الدَّارِ حَتَّى إِذَا سُبِيَ مَعَ الصَّغِيرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا، وَفِي بَعْضِ نُسَخِهِ أُعْتُبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ.

ترجمہ: ۱؎ یہ استحسان کا تقاضہ ہے کیوں کہ اس کا دعوی نسب کو شامل ہے اور یہ بچے کے لیے مفید ہے، اور دار الاسلام ہونے کی وجہ سے اس کا اسلام ثابت ہے اب اس کو باطل کرنے سے بچے کو نقصان ہوگا، اس لیے جس میں بچے کا فائدہ ہے اس میں ذمی کا دعوی صحیح ہے، اور جس میں نقصان ہے [یعنی اسلام کے بارے میں] اس میں اس کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

تشریح: چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعوی کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ: کیوں کہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔ اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔ اس لیے ذمی بھی نسب کا دعوی کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔ اس لیے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیوں کہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۶) اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ جواب کہ بچہ ذمی ہوگا اس وقت ہے جبکہ پانے والا بھی ذمی ہو ایک روایت یہی ہے

وجہ: ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لیے وہ ذمی شمار ہوگا۔

اصول: کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت: **بیعة**: یہود کا عبادت خانہ، **کنیسة**: نصاری کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر پانے والا ایسی جگہ [کنیسہ، یا بیعہ] پر مسلمان ہو، یا مسلمان کی جگہ پر پانے والا ذمی ہو تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، کتاب اللقیط کی روایت میں ہے کہ مکان کا اعتبار کیا جائے گا کیوں کہ وہ پہلے ہے، اور بعض نسخے میں کتاب الدعوی میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا، امام محمدؒ سے ابن سمعہ کی روایت یہی ہے، کیوں کہ پانے والے میں قوت ہے،، کیوں آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ بچہ والدین والدین کے تابع ہوتا ہے، اور یہ دار الاسلام کے تابع ہونے سے اوپر ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا تو دار الاسلام میں ہونے کے باوجود وہ باپ کے تابع ہو کر کافر ہوگا۔ اور بعض نسخے میں ہے کہ بچے کے فائدے کے لیے بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

تشریح: جگہ کافروں کی ہے، اور پانے والا مسلمان ہے۔ یا جگہ مسلمان کی ہے اور پانے والا کافر ہے تو اب کس کی رعایت کریں۔

(۲۹۳۷)وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ اللَّقِيطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ؛ لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ (۲۹۳۸)فَإِنْ ادَّعَى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ؛ لِ لِأَنَّهُ يَنْفَعُهُ وَكَانَ حُرًّا؛ لِ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ قَدْ تَلِدُ لَهُ الْحُرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحُرِّيَّةُ الظَّاهِرَةُ بِالشَّكِّ (۲۹۳۹)وَالْحُرُّ فِي دَعْوَتِهِ اللَّقِيطَ أَوْلَى مِنَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلَى مِنَ الذِّمِّيِّ لِ تَرْجِيحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِي حَقِّهِ.

مبسوط کے کتاب الملقیط میں ہے کہ جگہ کا اعتبار کیا جائے گا پانے والے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے اگر وہ جگہ کافر کی ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا، اور جگہ مسلمان کی ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔

لیکن مبسوط کے کتاب الدعوی میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار کیا جائے گا، چناں چہ حضرت ابن سماعہ کا امام محمدؒ سے یہی روایت نقل کی گئی ہے۔

وجہ: اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی اور اس کا بچہ قید ہو کر دار الاسلام آیا تو یہاں دار الاسلام کی وجہ سے بچہ مسلمان نہیں ہوگا، بلکہ باپ کے تابع ہو کر وہ کافر شمار کیا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ پانے والے کا اعتبار ہے، پس پانے والا مسلمان ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا، اور پانے والا کافر ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا۔ لیکن بعض نسخے میں یہ ہے کہ بچے کا فائدہ مسلمان ہونے میں ہے اس لیے یہاں بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۳۷) اگر کسی نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ بچہ آزاد ہی ہوگا، ہاں غلام ہونے پر گواہ قائم کر دے تو وہ غلام بن جائے گا۔

وجہ: غلام یا باندی ہونا بچہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لیے بچے کو کسی کا غلام یا باندی شمار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ لقیط آزاد ہوگا اس لیے صرف دعوی پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۳۸) اگر غلام نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا [کیوں کہ اس میں بچے کا نفع ہے] اور لقیط آزاد ہوگا۔

کیوں کہ غلام کی بیوی آزاد بچہ پیدا کر سکتی ہے، اس لیے شک کی وجہ سے ظاہری آزادگی ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لیے فائدہ ہے۔ اس لیے غلام دعوی کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔ اس لیے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۳۹) غلام سے آزاد لقیط کے دعوی کرنے میں بہتر ہے، اور مسلمان ذمی سے بہتر ہے۔

ترجمہ: لِ کیوں کہ بچے کے حق میں جو بہتر ہے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲۹۴۰)وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيطِ مَالٌ مَشْدُودٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ ١ اِعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ. ٢ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَشْدُودًا عَلَى دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا ٣ ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ إِلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ وَلِلْقَاضِي وِلَايَةُ صَرْفِ مِثْلِهِ إِلَيْهِ. وَقِيلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ لِلَّقِيطِ ظَاهِرًا (۲۹۴۱)وَلَهُ وِلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ ١ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ. (۲۹۴۲)وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمُلْتَقِطِ ١ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْوِلَايَةِ

اصول: بچے کے لیے جو فائدہ مند ہے اس کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح: آزاد نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور غلام بھی دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے تب بھی آزاد کا بیٹا ہوگا، کیوں کہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔ اسی طرح مسلمان نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ذمی نے بھی دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے تو مسلمان کا بیٹا قرار دیا جائے گا، کیوں کہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۴۰) اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

ترجمہ: ١ ظاہر یہی ہے کہ یہ مال بچے کا ہی ہے۔

وجہ: لقیط کے ساتھ بندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔ اس لیے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول: پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

ترجمہ: ٢ ایسے ہی اگر سامان سواری پر بندھا ہوا تھا اور بچہ اس سواری پر تھا [تو بچے کا سامان ہوگا] اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: جس سواری پر بچہ ملا اس پر کچھ سامان تھا تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ سامان بچے ہی کا ہے، کیوں کہ کوئی بدوسرا اس کا دعوی دار نہیں ہے۔

ترجمہ: ٣ پھر پانے والا قاضی کے حکم سے اس کو بچے پر خرچ کرے گا، کیوں کہ اس مال کا کوئی دوسرا محافظ نہیں ہے، اور قاضی کو یہ حق ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرے، بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ پانے والا قاضی کے حکم کے بغیر بھی بچے پر خرچ کرے گا، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔

تشریح: بچے کے ساتھ جو مال ملا ہے، اس کو قاضی کے حکم سے پانے والا بچے پر خرچ کرے گا، کیوں کہ یہ مال بچے کا ہے، اور قاضی کو یہ حق ہوتا ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرنے کی اجازت دے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ قاضی کے حکم کے بغیر بھی اس مال کو پانے والا بچے پر خرچ کر سکتا ہے۔

وجہ: کیوں کہ یہ مال بچے ہی کا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۴۱) پانے والے کو بچے پر خرچ کرنے کا حق ہوگا، اور جو کچھ اس کے لیے ضروری ہے اس کے بھی خریدنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ١ جیسے کھانا ہے، کپڑا ہے اس لیے کہ یہ سب بچے پر خرچ کرنے کی چیزیں ہیں۔

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۲۹۴۲) نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

ترجمہ: ١ کیوں کہ قرابت، ملکیت، اور سلطنت میں سے کوئی سبب اس کے پاس نہیں ہے

مِنَ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسَّلْطَنَةِ. قَالَ (۲۹۴۳)وَلَا تَصَرُّفُهُ فِي مَالِ الْمُلْتَقِطِ لِ اعْتِبَارًا بِالْأُمِّ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِتَثْمِيرِ الْمَالِ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفَقَةِ الْوَافِرَةِ وَالْمَوْجُودُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا. قَالَ: (۲۹۴۴)وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ؛ لِ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيرُ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ عَاقِلًا وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا.

تشریح: بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے(۱) یا رشتہ دار ہو(۲) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولی (۳) ملک کا بادشاہ اور حاکم ہو۔ اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لیے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے(۲) بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔

ترجمہ: (۲۹۴۳) اور نہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

ترجمہ: ۱ پانے والا ماں کی طرح ہے [یعنی ماں بچے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتی تو پانے والا بھی بچے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ کہ تصرف کی ولایت مال کو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، اور یہ پوری رائے سے ہوتا ہے، اور شفقت کاملہ سے ہوتا ہے، اور ماں اور پانے والے میں دو میں سے ایک ہے [ماں شفقت کاملہ ہے، لیکن کامل رائے نہیں ہے۔ اور پانے والے میں کامل رائے ہے، لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے۔

تشریح: پانے والا لقیط کے لیے لقیط کے مال سے کھانا، کپڑا اور ضروریات زندگی ملتقط خرید سکتا ہے۔ لیکن اس کے مال کو خرید و فروخت میں ڈال کر اس سے نفع اٹھانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔

وجہ: (۱) اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلا وجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملتقط کو ولایت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مال کو بڑھانے کے کوئی کام کرنے کی دو شرطیں ہیں [۱] اس آدمی میں شفقت کاملہ ہو، اور اس میں کامل رائے ہو، ماں میں شفقت کاملہ تو ہے، لیکن عورت ہونے کی وجہ سے اس میں کامل رائے نہیں ہے، اس لیے وہ بھی اپنے چھوٹے بچے کے مال کو خرید و فروخت میں نہیں ڈال سکتی۔ اور پانے والے میں کامل رائے تو ہے، کیوں کہ وہ عاقل بالغ مرد ہے، لیکن اس میں بچے کے لیے شفقت کاملہ نہیں ہے اس لیے وہ بھی خرید و فروخت میں اس کے مال کو نہیں ڈال سکتا۔

ترجمہ: (۲۹۴۴) اور جائز ہے کہ ملتقط قبضہ کرے لقیط کے لیے ہبہ کو۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اس میں بچے کا خالص نفع ہے۔ اسی لیے اگر بچہ سمجھدار ہو تو خود بچہ بھی اس پر قبضہ کر سکتا ہے، اور اس کی ماں اور اس کا وصی بھی ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لیے ملتقط کام کر سکتا ہے۔ مثلا لقیط کے لیے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے۔

اصول: لقیط کے لیے فائدے کا کام پانے والا کر سکتا ہے۔ نقصان کا کام نہیں کر سکتا۔

لغت: صناعة: پیشہ، کاریگری، یو اجر: اجرت پر دے، مزدوری پر دے۔

قَالَ (۲۹۴۵)وَيُسَلِّمُهُ فِي صِنَاعَةٍ؛ لِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيفِهِ وَحِفْظِ حَالِهِ. قَالَ (۲۹۴۶)وَيُؤَاجِرُهُ لِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذَا رِوَايَةُ الْقُدُورِيِّ فِي مُخْتَصَرِهِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: لَا يَجُوزُ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ. وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى تَثْقِيفِهِ. وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ. بِخِلَافِ الْأُمِّ؛ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: (۲۹۴۵) پانے والے کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بچے کو کوئی پیشہ یا ہنر سکھائے، کیوں کہ یہ بات بچے کی بہتری، اور مستقبل میں حفاظت کی قسموں میں سے ہے [جو اس کے لیے سراسر مفید ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت: صناعة: کام کرنے کا پیشہ۔ **تثقیف:** مہذب بنانا۔

ترجمہ: (۲۹۴۶) اور پانے والا بچے کو مزدوری پر لگا سکتا ہے۔

تشریح: مزدوری پر لگانے میں بچے کا فائدہ بھی ہے کہ وہ کام سیکھے گا، اور اس سے روپیہ آئے گا، لیکن اس میں نقصان بھی ہے کہ بچے کو محنت اور مشقت کرنی پڑے گی، اس لیے دونوں قسم کی روایتیں ہو گئیں [۱] ایک میں ہے کہ پانے والا بچے کو مزدوری پر رکھ سکتا ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کو مزدوری پر نہیں رکھ سکتا۔

ترجمہ: لے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قدوری کی روایت ہے، اور جامع صغیر میں یہ ہے کہ مزدوری پر رکھنا جائز نہیں ہے، اس کو باب الکراہیۃ میں ذکر کیا ہے، اور صحیح روایت یہی ہے۔ قدوری کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مزدوری بہتری کے لیے ہے۔ اور جامع صغیر کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے نفع کو ضائع نہیں کر سکتا، اس لیے پانے والا چچا کی طرح ہو گیا۔ بخلاف ماں کی اس لیے کہ وہ اپنے بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، ہم اس بات کو ان شاء اللہ کتاب الکراہیۃ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: ماں بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، کیوں کہ اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بچے کی کمائی کھائے۔ اور اس میں شفقت کاملہ بھی ہے۔ باقی بات واضح ہے، اس کی تفصیل کتاب الکراہیت میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆

کِتَابُ اللُّقْطَةِ

قَالَ (۲۹۴۷)اَللُّقْطَةُ أَمَانَةٌ إِذَا أَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلَى صَاحِبِهَا لِ لِأَنَّ الْأَخْذَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَأْذُونٌ فِيهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَ الْوَاجِبُ إِذَا خَافَ الضَّيَاعَ عَلَى مَا قَالُوا، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَا تَكُونُ مَضْمُونَةً عَلَيْهِ،

کتاب اللقطة

ضروری نوٹ: کسی گرے ہوئے مال کو اٹھا لینے کو لقطہ کہتے ہیں۔

وجه: (۱) اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **سمعت سوید بن غفلة قال لقیت ابی بن کعب فقال اصبت صرة فیها مائة دینار فاتیت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من یعرفها ثم اتیته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتیته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووکاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقیته بعد بمکة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا** (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطة بالعلامة دفع الیه ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶/مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳/۴۵۰۶) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

ترجمہ: (۲۹۴۷) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تا کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لیے اٹھانا شرعا اجازت ہے، بلکہ عام علماء کے نزدیک افضل ہے، اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھانا واجب ہے، اور شرعا اٹھانے کی اجازت ہے تو اس ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: لقطے کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لیے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مال اٹھانے والے کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا تو اس پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

وجه: (۱) حفاظت پر گواہ بنانے کے لیے یہ حدیث ہے۔ **عن عیاض بن حمار قال قال رسول اللہ من وجد لقطة فلیشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا یکتم ولا یغیب فان وجد صاحبها فلیردها علیه والا فهو مال اللہ یؤتیه من یشاء** (ابو داؤد شریف، باب التعریف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹/ابن ماجہ شریف، باب اللقطة ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطے پر گواہ بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں **عرفها حولا** سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمع زید بن خالد الجهنی صاحب رسول اللہ ﷺ یقول سئل رسول اللہ عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وکاءها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها ولتکن ودیعة عندک فان جاء طالبها یوما من الدهر فادها الیه** (مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ج ثانی ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۵۰۲/بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

۲ وَكَذٰلِكَ إِذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ، ۳ وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إِذْنِ الشَّرْعِ، ۴ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدِ الشُّهُودُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْته لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُونَ الْمَعْصِيَةِ، ۵ وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ وَادَّعَى مَا يُبَرِّئُهُ وَهُوَ الْأَخْذُ لِمَالِكِهِ وَفِيهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَا يَبْرَأُ،

ترجمہ: ۲ اگر مالک اور پانے والے نے تصدیق کرلیا کہ مالک کے لیے اٹھایا ہے، اس لیے دونوں تصدیق کرنا دونوں کے حق میں حجت ہے تو گواہ بنانے کی طرح ہو گیا

تشریح: اٹھانے پر گواہ نہیں بنایا تھا، لیکن چیز کے مالک اور پانے والے نے تصدیق کی کہ اس نے دینے کے لیے اٹھایا تھا تب بھی یہ چیز امانت کی ہو جائے گی، کیوں کہ مالک کی تصدیق سے یہ گواہ بنانے کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ۳ اور اگر اٹھانے والے نے اقرار کیا کہ اپنی ذات کے لیے اٹھایا ہے تو بالا جماع وہ ضامن ہو جائے گا۔ اس لیے کہ دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا، اور شریعت کی بھی اجازت کے بغیر لیا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ اور اگر اٹھاتے وقت لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا، اب اٹھانے والے نے کہا کہ میں نے اس کو مالک کے لیے اٹھایا تھا، اور مالک نے اس کا انکار کر دیا [یعنی یہ کہا کہ تم نے اپنے لیے اٹھایا تھا] تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن ہو جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا، اور اٹھانے والے کی بات قبول کر لی جائے گی، کیوں کہ ظاہری حالت اسی کا گواہ ہے، کیوں کہ وہ ثواب ہی کے لیے اٹھایا ہوگا، گناہ کے لیے تو نہیں اٹھایا ہوگا [یعنی ظاہر یہی ہے کہ مالک کو دینے کے لیے اٹھایا ہوگا]

تشریح: اٹھاتے وقت دینے پر گواہ نہیں بنایا تھا، اب کہہ رہا ہے کہ میں نے دینے کے لیے اٹھایا تھا، لیکن مالک کہتا ہے کہ یہ اپنے پاس رکھ لینے کے لیے اٹھایا تھا، اور چیز ہلاک ہو گئی تو طرفینؒ کے نزدیک اس کا ضمان لازم ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے چیز امانت کی سمجھی جائے گی اس لیے اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کی طرفداری کرتی ہے، کیوں کہ ایک مسلمان آدمی ثواب حاصل کرنے کے لیے اٹھاتا ہے، یعنی دینے کے لیے اٹھاتا ہے، گناہ کے لیے یعنی اپنے پاس رکھنے کے لیے نہیں اٹھاتا، کیوں کہ اس میں گناہ ہے، اس لیے ظاہری حالت کی وجہ سے اٹھانے والے کی بات مان لی جائے گی اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت: **حسبۃ**: حساب سے مشتق ہے، یعنی ثواب کے لیے۔ **معصیۃ**: گناہ کے لیے۔

ترجمہ: ۵ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا ضمان کے سبب کے قریب ہے، کیوں کہ اس نے غیر کے مال کو اٹھایا ہے، پھر اس سے بری ہونے کا دعوی کرتا ہے کہ میں نے مالک کے لیے لیا ہے اس لیے اس میں شک پیدا ہو گیا اس لیے ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اٹھانا ضمان کے قریب ہے، کیوں کہ ظاہری یہ ہے کہ اس نے نفع اٹھانے کے

۶ وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُونَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ ۷ وَيَكْفِيهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَنْشُدُ لُقَطَةً فَدُلُّوهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً ۸ كَانَتِ اللُّقَطَةُ أَوْ أَكْثَرَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ. قَالَ (۲۹۴۸) فَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا، وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا ۱ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ.

لیے اٹھایا ہے، مال کے ضائع ہونے کے بعد یہ دعوی کر رہا کہ دینے کے لیے اٹھایا تھا تا کہ ضمان سے بری ہو جاوں، اس لیے اس بارے میں شک ہو گیا کہ اس نے دینے کے لیے اٹھایا تھا، اس لیے وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶ اور امام ابو یوسفؒ نے یہ جو ذکر کیا کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کے موافق ہے، تو اس کے معارض ہے کہ ظاہری طور پر آدمی اپنے لیے اٹھاتا ہے [اس لیے اس پر ضمان لازم ہوگا]

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے یہ جو فرمایا کہ ظاہری حالت یہی ہے کہ اس نے دینے کی نیت سے اٹھایا ہو گا، تو ظاہری حالت یہ بھی ہے کہ خود نفع اٹھانے کے لیے اٹھایا ہوگا، اس لیے امام ابو یوسفؒ کی دلیل مضبوط نہیں رہی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور گواہی بنانے کے لیے اتنی بات کہنا کافی ہے کہ تم لوگ کسی تلاش کرنے والے کے بارے میں سنو تو اس کو میرا پتہ بتا دو [یعنی چیز کی پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے]

تشریح: گواہ بناتے وقت چیز کی ساری تفصیل کا ذکر کرنا ضروری نہیں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ لوگوں سے کہے کہ کوئی تلاش کرنے والا ملے تو میرا پتہ بتا دینا، اتنے ہی سے سمجھا جائے گا کہ اس نے گواہ بنا دیا، اور اس سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ یعنی گول مول جملہ سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۸ پائی ہوئی چیز ایک ہو یا زیادہ ہو سب کا حکم ایک ہی ہے، کیوں کہ لقطہ کا لفظ اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

تشریح: ایک چیز پائی ہو یا کئی قسم کی چیز پائی ہو تو بھی میں گول مول اعلان کرنے سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا، کیوں کہ لقطہ کا لفظ اسم جنس ہے اس لیے سبھی کا حکم ایک ہی ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۴۸) پس اگر دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔

ترجمہ: ۱ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت ہے۔

تشریح: لقطہ کا مال دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہو تو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

وجہ: (۱) دس درہم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن یعلی بن مرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من التقط لقطۃ یسیرۃ حبلا او درھما او شبہ ذلک فلیعرفہ ثلاثۃ ایام فان کان فوق ذلک فلیعرفہ ستۃ ایام** (سنن للبیھقی، باب ما جاء فی قلیل اللقطۃ: ۶/ ۳۲۳ نمبر ۱۲۱۰۰/ مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطۃ الیسیرۃ: ج عاشر، ص ۱۴۲ نمبر ۱۸۶۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہو تو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۲) اوپر

۲ وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى. ۳ وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ۴ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِي لُقَطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِينَارٍ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَالْعَشَرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِي مَعْنَى الْأَلْفِ فِي تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهِ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا فِي حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ، فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيفَ بِالْحَوْلِ احْتِيَاطًا، وَمَا دُونَ الْعَشَرَةِ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْأَلْفِ بِوَجْهٍ مَا فَفَوَّضْنَا إِلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ

بخاری کی حدیث گزری جس میں **تھا عرفھا حولا** جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن زید بن خالد الجھنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسألہ عما یلتقطہ فقال عرفھا سنۃ ثم اعرف عفاصھا و وکاءھا** (بخاری شریف، **باب ضالۃ الابل** ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/مسلم شریف، **باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل** ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لیے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہو اتنی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

ترجمہ: ۲ اور متن میں جو ہے، ایاما، اس کا مطلب ہے کہ امام جتنے دنوں تک مناسب اتنے دنوں تک اعلان کروائے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ امام محمدؒ نے مبسوط میں کم اور زیادہ کی تفصیل کئے بغیر ایک سال کی مدت ذکر کی ہے، اور امام مالک اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی چیز پائی تو ایک سال تک اس کا اعلان کیا کرو۔ اور اس میں کم بیش کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح: امام محمدؒ نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ چیز کی قیمت دس درہم ہو یا اس سے زیادہ ہو ہر حال میں اس کو ایک سال تک اعلان کرنا پڑے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے اوپر حدیث ایک سال اعلان کرنے کا حکم ہے، اور اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دس درہم ہو یا اس سے کم ہو اس لیے ہر حال میں ایک سال تک اعلان کرنا ہوگا۔ **عن زید بن خالد الجھنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسألہ عما یلتقطہ فقال عرفھا سنۃ ثم اعرف عفاصھا و وکاءھا** (بخاری شریف، **باب ضالۃ الابل** ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/مسلم شریف، **باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل** ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے۔

ترجمہ: ۴ پہلی روایت [جس میں کم مقدار میں کچھ دنوں تک اعلان کرنے کہا گیا ہے] کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے لیے اس لقطہ میں کہا گیا ہے جو ایک سو دینار کا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اور دس سے جو زیادہ ہے وہ ہاتھ کے کٹنے میں اور مہر بننے میں ایک ہزار کے معنی میں ہے، لیکن زکوۃ واجب ہونے کے حق میں دس درہم ایک ہزار کے برابر نہیں ہے، اس لیے احتیاطا ایک سال اعلان کرنے کے لیے کہا۔ اور جو دس سے کم ہے وہ کسی طرح بھی ایک ہزار درہم کے برابر نہیں ہے اس لیے مبتلاء بہ کی رائے پر اس کا اعلان کرنا چھوڑ دیا۔

تشریح: پہلی روایت یعنی دس درہم سے کم ہو تو کچھ دنوں تک اعلان کرے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کے لیے کہا گیا اس میں راوی نے ایک سو دینار پایا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اور دس درہم اور ایک ہزار کا حکم دو جگہ ایک

۵ وَقِيلَ الصَّحِيحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْمَقَادِيرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ، وَيُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْمُلْتَقِطِ يُعَرِّفُهَا إِلَى أَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا، ٦ وَإِنْ كَانَتِ اللُّقَطَةُ شَيْئًا لَا يَبْقَى عَرَّفَهُ حَتّٰى إِذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ، ٧ وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَرِّفَهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهَا. وَفِي الْجَامِعِ: فَإِنَّ ذٰلِكَ أَقْرَبُ إِلَى الْوُصُولِ إِلَى صَاحِبِهَا، ٨ وَإِنْ كَانَتِ اللُّقَطَةُ شَيْئًا يَعْلَمُ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا كَالنَّوَاةِ وَقُشُورِ

ہے، [۱] یعنی دس درہم کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک ہزار کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے؛ [۲] اسی طرح دس درہم مہر باندھے تب بھی بیوی حلال ہو جاتی ہے، اور ایک ہزار مہر باندھے تب بھی حلال ہو جاتی ہے، لیکن زکوۃ کے معاملے میں دونوں کا حکم الگ الگ ہے، یعنی ایک ہزار میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ دس درہم میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے اس لیے احتیاط کے طور پر دس درہم کو ہزار کے برابر کیا اور دس درہم میں بھی ایک سال تک اعلان کرنے کے لیے کہا، اور دس درہم سے کم ہو تو پانے والا جتنا دن مناسب سمجھے اتنا اعلان کرے۔

ترجمہ: ۵ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **سمعت سوید بن غفلۃ قال لقیت ابی بن کعب فقال اصبت صرۃ فیھا مائۃ دینار فاتیت النبی ﷺ فقال عرفھا حولا فعرفتھا فلم اجد من یعرفھا ثم اتیتہ فقال عرفھا حولا فعرفتھا فلم اجد ثم اتیتہ ثلاثا فقال احفظھا وعائھا وعددھا ووکاءھا فان جاء صاحبھا والا فاستمتع بھا فاستمتعت فلقیتہ بعد بمکۃ فقال لا ادری ثلاثۃ احوال او حولا واحدا** (بخاری شریف، **باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ** ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ / مسلم شریف، **باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل** ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳ / ۴۵۰۶) اس حدیث میں ہے کہ جس تھیلی کو پایا تھا اس میں ایک سو دینار تھے۔

لغت: **تعلق القطع بہ فی السرقۃ:** دس درہم اور اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ **تعلق استحلال الفرج بہ:** دس درہم مہر باندھنے میں عورت حلال ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۶ بعض حضرات نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی متعین دن لازم نہیں ہے، اور پانے والے کی رائے کے حوالے ہے، وہ اس وقت تک اعلان کرتا رہے کہ غالب گمان ہو جائے کہ مالک اب اس کی تلاش چھوڑ دیا ہوگا، پھر اس چیز کو صدقہ کر دے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: اگر پائی ہوئی چیز دیر تک باقی نہیں رہ سکتی تو اس کا اعلان کرے گا یہاں تک کہ اگر خوف ہو جائے کہ یہ خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح: پائی ہوئی چیز ایسی ہے کہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی، تو ٹھیک رہنے تک اس کا اعلان کرے، جب دیکھے کہ اب خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: ۷ مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان ایسی جگہ کرے جہاں اس کو پایا ہے، اور مجمع میں کرے [مثلا مسجد کے دروازے پر اور بازار میں] کیوں کہ اس سے مالک تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۸ اگر ایسی چیز ہو جس کے بارے میں یقین ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا، جیسے کھجور کی گٹھلی، انار کا چھلکا، جس کو لوگ

الرُّمَّانِ يَكُونُ إلْقَاؤُهُ إبَاحَةً حَتّٰى جَازَ الْإنْتِفَاعُ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيفٍ وَلٰكِنَّهُ مُبْقًى عَلٰى مِلْكِ مَالِكِهِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ الْمَجْهُولِ لَا يَصِحُّ. قَالَ (۲۹۴۹)فَإنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإلَّا تَصَدَّقَ بِهَا ١ إيصَالًا لِلْحَقِّ إلَى الْمُسْتَحِقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإمْكَانِ، وَذٰلِكَ بِإيصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا وَإيصَالِ الْعِوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلٰى اعْتِبَارِ إجَازَةِ التَّصَدُّقِ بِهَا، وَإنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا

ایسے ہی پھینک دیتے ہیں تو بغیر اعلان کئے ہوئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، پھر بھی وہ چیز اپنے مالک ہی کی ملکیت سمجھی جائے گی، اس لیے جس چیز کے مالک کا پتہ نہ ہو، اس کا مالک کسی اور کو بنا دینا صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اتنی حقیر چیز ہے کہ لوگ اس جو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں، جیسے کھجور کی گٹھلی تو اس کو بغیر اعلان کئے بھی استعمال کر لینا جائز ہے، اس لیے کہ وہ ہر ایک کے لیے مباح ہے، دوسری بات یہ فرمارہے ہیں کہ پھر بھی وہ مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس گٹھلی کا مالک مجہول ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مجہول مالک کی جانب سے کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اس لیے یہ گٹھلی حقیر ہونے کے باوجود اصلی مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

ترجمہ: (۲۹۴۹) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کردے۔

ترجمہ: ١ تاکہ چیز مستحق تک پہنچ جائے، کیوں کہ ممکن حد تک مستحق تک پہنچانا واجب ہے، اور اس کی شکل یہ ہے کہ مالک مل جائے تو عین چیز اس کو پہنچادے، یا اس وہ اجازت دیں تو اس کا بدلہ یعنی اس کا ثواب پہنچادے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مالک کے پالینے کی امید پر اس کو اپنے پاس روکے رکھے۔

تشریح: اگر لقطہ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کردے۔ تاکہ مالک کو اس کا ثواب مل جائے، اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھے رہے تاکہ کبھی بھی مالک مل جائے تو اس کو واپس دے دے۔

وجہ: (۱) مالک مل جائے تو یہ چیز اس کو دے دے، اور نہ ملے تو حتی الامکان اس کے بدلے میں اس کا ثواب اس کو دے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو صدقہ کردے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کردے۔ **ان رجلا من بنی راؤس وجد صرۃ فاتی بھا علیا... قال تصدق بھا فان جاء صاحبھا فرضی کان لہ الاجر وان لم یرض غرمتھا وکان لک الاجر** (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یاکلھا الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنۃ: ۶/ ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲/ مصنف عبد الرزاق، **کتاب اللقطۃ**: ۹/ ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۰۸) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ لقطہ صدقہ کرنا پڑے گا۔ (۳) حدیث میں ہے کہ تلاش کرنے کے باوجود مالک نہ ملے تو یہ اللہ کا مال ہے ملتقط جہاں چاہے رکھ دے۔ **عن عیاض بن حمار قال قال رسول اللہ ﷺ... فان وجد صاحبھا فلیردھا علیہ والا فھو مال اللہ یؤتیہ من یشاء** (ابوداؤد شریف، **باب التعریف باللقطۃ** ص ۲۴۸ نمبر ۱۷۰۹/ ابن ماجہ شریف، **باب اللقطۃ** ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) (۳) مالک کو یا اصل چیز پہنچائے اور وہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کر کے اس کا ثواب پہنچائے۔

نوٹ: اگر خود محتاج ہو تو لقطہ کا مال خود بھی کھا سکتا ہے۔

وجہ: ضروری نوٹ کی لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا گزرا ہے **فان جاء صاحبھا والا فاستمتع بھا فاستمتعت** (بخاری شریف، باب اذا اخبر

قَالَ (۲۹۵۰)فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا ۱؎ يَعْنِي بَعْدَمَا تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَمْضَى الصَّدَقَةَ ۱؎ وَلَهُ ثَوَابُهَا لِأَنَّ التَّصَدُّقَ وَإِنْ حَصَلَ بِإِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِإِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إجَازَتِهِ، ۲؎ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيرِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحَلِّ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُولِيِّ لِثُبُوتِهِ بَعْدَ الْإِجَازَةِ فِيهِ

رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۷۳۲ نمبر ۲۴۲۶) دوسری روایت میں ہے **والا فاستنفقها** (بخاری شریف، نمبر ۲۴۲۷/مسلم شریف، باب **معرفة العفاص و الوكاء و حكم ضالة الغنم و الابل**، ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۲ / ۴۵۰۲ / ابو داؤد شریف، باب **التعريف باللقطة** ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا بھی کھا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۰) پس اگر اس کا مالک آئے [حالانکہ وہ لقطہ صدقہ کر چکا ہے] تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ بدستور رکھے۔

ترجمہ: ۱؎ تو مالک کو اس کا ثواب ملے گا، اس لیے کہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا تھا، لیکن مالک کی اجازت نہیں ہوئی تھی اس لیے صدقے کا نافذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے لقطہ صدقہ کر دیا اس کے بعد مالک آیا اور پوری علامت بیان کی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور اٹھانے والے سے مال کا تاوان نہ لے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے۔

وجہ: (۱) اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لیے اٹھانے والے سے مالک ضمان لے سکتا ہے (۲) اور پر قول صحابی گزرا۔ **ان رجلا من بنی رؤاس وجد صرة فاتى بها عليا فقال انی وجدت صرة فيها دراهم وقد عرفتها و لم اجد من يعرفها و جعلت اشتهی ان لا يجيئ من يعرفها قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی كان له الاجر و ان لم يرض غرمتها و كان لک الاجر** (سنن للبیہقی، باب **اللقطة يأكلها الغنى و الفقير اذا لم تعترف بعد تعريف سنة**: ۶/ ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، **كتاب اللقطة**: ۹/ ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۰۸) (۳) دوسرے اثر میں ہے **عن عمر بن الخطاب قال فی اللقطة يعرفها سنة فان جاء صاحبها و الا تصدق بها فان جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها خيره فان اختار الاجر كان له و ان اختار المال كان له ماله** (مصنف عبد الرزاق، **كتاب اللقطة**: ۹/ ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۱۰) ان دونوں قول صحابی میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔

ترجمہ: ۲؎ مالک کی اجازت سے پہلے بھی فقیر کی ملکیت ہو جائے گی، اس لیے اجازت دینے کے لیے چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، بخلاف فضولی کی بیع کے [اس میں مبیع کا موجود رہنا ضروری ہے] کیوں کہ مالک کی اجازت کے بعد ہی مشتری کی ملکیت ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں فقیر کے مالک ہونے اور فضولی کی بیع ہونے میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ صورت یہ ہے کہ چیز کا مالک صدقہ کرنے کے بعد میں آیا، اس وقت فقیر کے ہاتھ سے وہ چیز ختم ہو چکی تھی تو اب مالک کی اجازت سے فقیر مالک ہوگا، یا نہیں؟ تو اس کا جواب دیا کہ ہاں چیز ختم ہونے کے بعد بھی مالک اجازت دے گا تو فقیر اس کا مالک بن جائے گا۔ اس کے برخلاف زید نے عمر کی اجازت کے بغیر اس کی گائے خالد کے ہاتھ میں بیچ دی تو خالد کے ہاتھ میں وہ گائے موجود رہے گی اور عمر نے اجازت دی تو وہ بیع ہوگی، اور خالد کے ہاتھ میں وہ گائے نہیں رہی اور عمر نے بیع کی اجازت دی تو وہ بیع نہیں ہوگی، کیوں کہ فضولی کی بیع جائز ہونے کے لیے مبیع کا

(۲۹۵۱)وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمُلْتَقِطَ لِ لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إِلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ٢ إِلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةٍ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ، وَهَذَا لَا يُنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِي تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمَخْمَصَةِ، ٣ وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمِسْكِينَ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ قَائِمًا أَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ. قَالَ (۲۹۵۲)وَيَجُوزُ الِالْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ لِ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ: إِذَا وُجِدَ الْبَعِيرُ وَالْبَقَرُ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ

موجود رہنا ضروری ہے، جبکہ فقیر کے مالک ہونے کے لیے صدقہ کی چیز کا موجود رہنا ضروری نہیں ہے، دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۱) اور اگر چاہے تو پانے والے کو چیز کا ضامن بنا دے۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ پانے والے نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا ہے۔

تشریح: مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ پانے والے کو اپنی چیز کا ضامن بنا دے، کیوں کہ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا تھا۔

وجہ: اوپر قول صحابی میں تھا کہ مالک ضامن بنا سکتا ہے۔

ترجمہ: ٢ یہ اور بات ہے کہ شریعت نے دینے کی اجازت دی ہے اور یہ بندے کے حق میں ضمان کے خلاف نہیں ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں دوسرے کے مال کو کھایا تو ضمان بھی دینا پڑتا ہے۔

تشریح: مالک کو شریعت نے صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مالک نے نہیں دیا ہے اس لیے مالک کے لیے ضمان ہوگا، اور شریعت کی اجازت سے فرق نہیں پڑے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا کھانا کھانے کی شریعت میں اجازت ہے، اس کے باوجود اس کے مالک کے لیے ضمان ہو ہوگا، اسی طرح یہاں صدقہ کرنے کی اجازت ہے پھر بھی صدقہ کرنے پر ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ٣ اور چاہے تو مسکین کو ضامن بنا دے، کیوں کہ اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے، اس لیے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا تھا، اور مالک نے اپنے مال کو پایا تو عین مال کو بھی واپس لے سکتا ہے [کیوں کہ یہ اسی کی چیز ہے]

تشریح: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مالک مسکین سے ضمان لے، کیوں کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کا مال خرچ کیا ہے۔ اور اگر مالک نے مسکین کے پاس اپنی چیز پایا تو اس کو یہ بھی حق ہے کہ مسکین سے اپنی چیز واپس لے لے، کیوں کہ حقیقت میں اسی کی چیز ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۲) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح: حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اس لیے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا، کیوں کہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا۔ لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتوی دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔ بعد میں اس کو بیچ کر اس کی قیمت رکھ لی جائے تا کہ اس کے مالک کو دیا جائے۔

وجہ: (ا) قول صحابی میں ہے۔ **سمع ابن شہاب یقول کانت ضوال الابل فی زمان عمر ؓ ابلا مؤبلة تناتج لا یمسہا حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتہا و تعریفہا ثم تباع فاذا جاء صاحبہا اعطی ثمنہا** (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالة یرید ردہا علی صاحبہا لا یرید اکلہا: ۶/ ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة: ۹/ ۵۳۳ نمبر ۱۹۲۸۷) اس قول صحابی میں اونٹ پکڑ لینے کا فتوی ہے۔

ترجمہ: لِ امام مالک اور امام شافعیؒ نے کہا اونٹ اور گائے صحراء میں پاؤ تو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے، اور اسی اختلاف پر گھوڑا ہے۔ ان

أَفْضَلُ. وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ. لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةَ الضَّيَاعِ، وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقِلُّ الضَّيَاعُ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَهَّمُ فَيَقْضِي بِالْكَرَاهِيَةِ وَالنَّدْبُ إِلَى التَّرْكِ. ٢ وَلَنَا أَنَّهَا لُقَطَةٌ يُتَوَهَّمُ ضَيَاعُهَا فَيُسْتَحَبُّ أَخْذُهَا وَتَعْرِيفُهَا صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ (۲۹۵۳) فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ ١ لِقُصُورِ وِلَايَتِهِ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ لِلْقَاضِي وِلَايَةً فِي مَالِ الْغَائِبِ نَظْرًا لَهُ وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ

دونوں کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے مال لینے میں حرمت اصل ہے، اور ضائع ہونے کے خوف سے لینا مباح قرار دیا جاتا ہے، اور جانور کے ساتھ ایسی چیز ہو جو اس کا دفعیہ کر سکتا ہو تو ضائع ہونا کم ہو جاتا ہے، لیکن ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے کراہیت کے ساتھ لی لینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن چھوڑ دینا مستحب ہے

وجه: (۱) اس کو جانور نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لیے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲) حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔ **عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه... قال یا رسول الله فضالة الغنم؟ قال لک او لاخیک او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه النبی ﷺ فقال مالک ولها؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأکل الشجر** (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/ ۴۴۹۸) اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمه: ٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے اور اس کے ضائع ہونے کا وہم ہے اس لیے اس کا لے لینا مستحب ہوگا اور اس کا اعلان کرنا مستحب ہوگا تاکہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، جیسے بکری میں ہوتا ہے

تشریح: ہمارے یہاں اونٹ کو لینا مستحب ہے۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے، اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے اس لیے اس کو لے لینا مستحب ہوگا۔

ترجمه: (۲۹۵۳) پس اگر پانے والے نے لقطہ پر خرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔

ترجمه: ١ اس لیے کہ پانے والے کی ولایت مالک پر کم ہے۔ اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے اوپر قرض ہوگا اس لیے کہ غائب کی مصلحت کے لیے غائب کے مال پر ولایت ہے، اور کبھی خرچ کرنے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔ یعنی مالک سے مقدمہ کر کے وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔ البتہ مالک خود دیدے تو ہو سکتا ہے۔ اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا جائے گا۔ جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

وجه: (۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لیے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابراهیم قالوا لو ان رجلا التقط ولدزنا فاراد ان ینفق علیه ویکون له علیه دین فلیشهد وان کان یرید ان یحتسب علیه فلا یشهد قال ابو حنیفة القول انا لیس بشیء الا ان یقرضه له علیه السلطان** (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء

(۲۹۵۴)وَإِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ، فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا ۔ لِأَنَّ فِيهِ إِبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ إِلْزَامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْآبِقِ (۲۹۵۵)وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا ۔ لِ إِبْقَاءً لَهُ مَعْنًى عِنْدَ تَعَذُّرِ إِبْقَائِهِ صُورَةً

اللقيط:۹ / ۱۶ نمبر ۱۶۱۸۸)اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔ (۲)۔ **عن جابر عن الشعبي في الرجل يجد اللقيط ثم ينفق عليه قال ليس له من نفقته شيء، انما هو شيء احتسب به عليه**۔ (مصنف عبد الرزاق، باب النفقة على الآبق و الضالة:۸ /۱۶۱،نمبر ۱۴۹۹۶)اس قول تابعی میں ہے کہ لقطہ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیوں کہ اس نے ثواب کے لیے یہ کیا ہے۔

ترجمہ:(۲۹۵۴) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔پس اگر جانور کے لیے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

ترجمہ:لے اس لیے کہ اس صورت میں مالک کی ملکیت باقی رہے گی اور اس پر کوئی قرض بھی نہیں ہوگا، بھاگے ہوئے غلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔

تشریح:مثلا گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کرکے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لیے بچتا رہے گا۔

وجہ:اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔اگر بھاگا ہوا غلام کسی نے پکڑا تو اس کو بھی اجرت پر رکھے گا، اور اس اجرت سے غلام کا خرچ نکالے گا، اور اس سے جو بچے گا وہ مالک کے لیے محفوظ رکھے گا۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لیے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت:**آجرها**: اجرت پر دے، **بهيمة**: جانور، چوپایہ۔

ترجمہ:(۲۹۵۵)اور اگر لقطہ کے لیے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

ترجمہ:لے کیوں کہ لقطہ کو صورت کے طور پر باقی نہیں رکھ سک رہا ہے تو معنی کے طور پر اس کو باقی رکھے گا، یعنی اس کی قیمت محفوظ رکھے گا۔

تشریح:لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اس کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور مالک کے لیے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوا دے گا۔اور اس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تاکہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اس کی قیمت اس کو حوالہ کردی جائے۔

وجہ:مسئلہ نمبر ۲۹۵۲ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اور اس کو بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔تاکہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کردی جائے۔اثر کا ٹکڑا یہ ہے **سمع ابن شهاب يقول... حتى اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها و تعريفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها** (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالة

(۲۹۵۶)وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا ١ لِأَنَّهُ نَصَبَ نَاظِرًا وَفِي هَذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، ٢ قَالُوا: إِنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى رَجَاءَ أَنْ يَظْهَرَ مَالِكُهَا، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا لِأَنَّ دَارَّةَ النَّفَقَةِ مُسْتَأْصِلَةٌ فَلَا نَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيدَةً. ٣ قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: وَفِي الْأَصْلِ شَرْطُ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَصْبًا فِي يَدِهِ فَلَا يَأْمُرُ فِيهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيعَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ وَلَيْسَتِ الْبَيِّنَةُ تُقَامُ لِلْقَضَاءِ. ٤ وَإِنْ قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي يَقُولُ الْقَاضِي لَهُ أَنْفِقْ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فِيمَا قُلْتَ حَتَّى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا، وَلَا يَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا.

يريد ردها على صاحبها لا يريد اكلها:٦/ ١٦٣نمبر ۱۲۰۸۰/ مصنف عبد الرزاق، **كتاب اللقطة**:۹/ ۵۳۳نمبر ۱۹۲۸۷)اس قول صحابی میں اونٹ بیچ کر اس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

ترجمہ:(۲۹۵۶)اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کر دے۔

ترجمہ:١ اس لیے کہ حاکم مصلحت کو دیکھنے کے لیے متعین کیا گیا ہے، اور اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے [کہ پانے والے کو خرچ مل جائے گا، اور مالک کو اس کی چیز مل جائے گی]

تشریح:حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔ کیوں کہ اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے۔

ترجمہ:٢ مشائخ نے فرمایا کہ دو دن یا تین دن تک خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا حاکم جیسا مناسب سمجھے، اس امید پر کہ مالک آئے گا، لیکن اگر اس مدت میں نہیں آیا تو اس کے بیچنے کا حکم دیا جائے گا، اس لیے کہ نفقے کا خرچ تو بہت دیر تک چلے گا، اس لیے لمبی مدت تک خرچ کرنے میں مصلحت نہیں ہے۔

تشریح:واضح ہے مستاصلۃ :وصل سے مشتق ہے، دیر تک رہے گا۔

ترجمہ:٣ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصل اس بات پر بینہ قائم کرنا ہے کہ [یہ لقطہ ہے اور اس کو واپس دینے کے لیے ہی اٹھایا ہے] صحیح یہی ہے کیوں کہ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس کے قبضے میں غصب کے طور پر ہو، اور غصب میں اس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، خرچ کرنے کا حکم تو صرف امانت کی صورت میں دی جا سکتی ہے، اس لیے حال کی وضاحت کے لیے گواہ ضروری ہے، فیصلے کے لیے یہ گواہی نہیں ہے۔

تشریح:یہ ممکن ہے کہ اٹھانے والے کے ہاتھ غصب کا مال ہو جس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اس لیے اس بات پر بینہ چاہئے کہ یہ لقطہ کا مال ہے اور مالک کو واپس دینے کے لیے اٹھایا ہے، یہ گواہ حالات کی وضاحت کے لیے ہے، فیصلے کے لیے نہیں ہے۔

ترجمہ:٤ اٹھانے والے نے یہ کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہے، تو قاضی اس طرح حکم دے گا کہ اگر تم اپنے بات میں سچے ہو تو اس چیز پر خرچ کرتے رہو، اور تم سچے ہو گئے تو مالک سے خرچ لے لینا۔ اور غاصب ثابت ہوئے تو خرچ نہیں ملے گا۔

تشریح:اٹھانے والا اٹھانے پر گواہ نہیں پیش کر سکتا تو قاضی حتمی فیصلہ نہیں دے گا، بلکہ درمیانی فیصلہ کرے گا کہ اگر تم اپنی بات میں

۵ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تُبَعِ اللُّقَطَةُ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوعَ عَلَى الْمَالِكِ، وَهَذِهِ رِوَايَةٌ وَهُوَ الْأَصَحُّ. قَالَ (۲۹۵۷) وَإِذَا حَضَرَ يَعْنِي الْمَالِكَ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتَّى يُحْضِرَ النَّفَقَةَ لِ لِأَنَّهُ حَيٌّ بِنَفَقَتِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ فَأَشْبَهَ الْمَبِيعَ؛ ٢ وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ رَادُّ الْآبِقِ فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسَ لِاسْتِيفَاءِ الْجُعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا، ٣ ثُمَّ لَا يَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهَلَاكِهِ فِي يَدِ الْمُلْتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ، وَيَسْقُطُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ

سچے ہوتو تم کو مالک سے خرچ ملے گا، اور غاصب ثابت ہوئے تو تم کو خرچ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۵ متن میں جو یہ جملہ ہے کہ، خرچ مالک پر قرض کردے، اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہے کہ اٹھانے والے مالک کے آنے پر اس وقت خرچ لے گا جبکہ چیز بیچی نہیں گئی ہو اور قاضی نے مالک پر لینے کی شرط لگائی ہو، اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر قاضی نے اٹھانے والے سے صرف اتنا کہا کہ اس پر خرچ کرتے رہو تو اس جملے سے مالک سے خرچ نہیں لے پائے گا، یہ مالک کی جانب سے تبرع اور احسان ہو جائے گا، ہاں یہ بھی کہا کہ یہ خرچ چیز کے مالک پر قرض ہے تب اٹھانے والا مالک سے خرچ لے سکے گا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حاکم نے خرچ کرنے کے لیے کہا، اور یہ نہیں بھی کہا کہ یہ خرچ مالک پر قرض ہوگا، تب بھی چونکہ حاکم کے حکم سے خرچ کیا ہے اس لیے مالک سے یہ خرچ لیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۵۷) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لیے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔

ترجمہ: ا اس لیے کہ پانے کے خرچ سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا ہوا کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملک سے فائدہ اٹھایا اس لیے یہ بیع کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو اپنے پاس روک کر رکھے۔

وجہ: (۱) چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اور اس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لیے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔ (۲) صاحب ہدایہ نے یہ دلیل دی ہے کہ اٹھانے والے کی ملکیت سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا سمجھو کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملکیت سے فائدہ اٹھایا ہے اس لیے اس کو اپنی چیز مالک سے لینے کا حق ہے۔ (۳) اور یوں ہو گیا گویا کہ مالک نے جانور کو خرچ کے بدلے میں بیچ دیا ہے، اس لیے پانے والے کو مالک سے لینے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ٢ اس مسئلے کے قریب ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو کسی نے پکڑا اور اس پر خرچ کیا تو خرچ لینے کے لیے غلام کو روک لینے کا حق ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ اس نے حاکم کی اجازت سے خرچ کیا اس لیے اس کو اپنا خرچ لینے کا حق ہوگا]

تشریح: زید کا غلام بھاگا، اور عمر نے اس کو پکڑا اور حاکم کی اجازت سے اس پر ایک سو درہم خرچ کیا تو عمر کو حق ہوگا کہ ایک سو درہم وصول کرنے کے لیے غلام روک لے، جیسے لقطہ روک لینے کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ: ٣ جانور کو روکنے سے پہلے پانے والے کے ہاتھ میں جانور ہلاک ہو گیا تو خرچ کیا ہوا ساقط نہیں ہوگا، اور جانور کو روکنے کے بعد ہلاک ہوا تو خرچ ساقط ہو جائے گا اور روکنا رہن کے مشابہ ہو جائے گا۔

بِالْحَبْسِ شِبْهَ الرَّهْنِ. قَالَ (۲۹۵۸)وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ لـ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ التَّعْرِيفُ فِي لُقَطَةِ الْحَرَمِ إِلَى أَنْ يَجِيءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي الْحَرَمِ «وَلَا يَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدِهَا»

تشریح: یہاں دوصورتیں ہیں[۱] پانے والے نے خرچ لینے کے لیے جانور کو ابھی روکا نہیں تھا کہ جانور ہلاک ہوگیا اس کے باوجود پانے والے نے جو خرچ کیا تھا وہ مالک سے لے سکتا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے چونکہ پانے والے نے روکا نہیں ہے اس لیے یہ جانور مالک کا ہی ہلاک ہوا ہے اس لیے مالک پر خرچ دینا ضروری ہے۔

اور اگر پانے والے نے خرچ کے لیے جانور روکا تو گویا کہ پانے والے نے جانور کو رہن پر رکھ لیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی چیز ہلاک رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو جانور کی جتنی قیمت ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے پانے والے نے جتنا خرچ کیا تھا وہ ساقط ہو جائے گا اور پانے والا اب مالک سے خرچ نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ: (۲۹۵۸) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح: یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشہیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطے کی تشہیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مالک پانے کی امید میں ہمیشہ تشہیر کرتا ہی رہے۔

وجہ: (۱) حضرت عائشہ کا قول ہے۔ **ان امرأة سألت عائشة فقالت انی اصبت ضالة فی الحرم وانی عرفتها فلم اجد احدا يعرفها فقالت لها عائشة استنفعي بها** (طحاوی شریف، **باب اللقطة والضوال** ج ثانی ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشہیر کے بعد خرچ کیا جا سکتا ہے۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ نے اس احادیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے بعد اس کو صدقہ کر سکتے ہو اور اس حدیث میں حل اور حرم کی کوئی قید نہیں ہے، اس لیے حرم کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا کہ ایک سال اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن زيد بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وكاءها** (بخاری شریف، **باب ضالة الابل** ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/مسلم شریف، **باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل** ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کر پھر اس کی علامات کو یاد کر کے اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: لـ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرم کے لقطے کو مالک کے آنے تک اعلان کرنا پڑے گا، حرم کے بارے میں حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اس کے لقطے کو اٹھانا حلال نہیں ہے مگر اس آدمی کے لیے جو اس کا اعلان کرتا رہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول الله قال... ولا تحل لقطتها الا لمنشد** (بخاری شریف، **باب كيف تعرف لقطة اهل مكة** ص ۳۲۸ نمبر ۲۴۳۳) (۲) اور ابو داؤد میں ہے۔ **عن عبد الرحمان بن عثمان التيمي ان رسول الله ﷺ نهى عن لقطة الحاج قال احمد قال ابن وهب يعني في لقطة الحاج يتركها حتى يجدها صاحبها** (ابو داؤد شریف، **باب التعريف باللقطة** ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۱۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔

۲؎ وَلَنَا قَوْلُہٗ – عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ – «اعْرِفْ عِفَاصَہَا وَوِکَاءَہَا ثُمَّ عَرِّفْہَا سَنَۃً» مِنْ غَیْرِ فَصْلٍ ۳؎ وَلِأَنَّہَا لُقَطَۃٌ، وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّۃِ التَّعْرِیْفِ إِبْقَاءُ مِلْکِ الْمَالِکِ مِنْ وَجْہٍ فَیَمْلِکُہٗ کَمَا فِي سَائِرِہَا، ۴؎ وَتَأْوِیْلُ مَا رُوِيَ أَنَّہٗ لَا یَحِلُّ الِالْتِقَاطُ إِلَّا لِلتَّعْرِیْفِ، وَالتَّخْصِیْصُ بِالْحَرَمِ لِبَیَانِ أَنَّہٗ لَا یَسْقُطُ التَّعْرِیْفُ فِیْہِ لِمَکَانِ أَنَّہٗ لِلْغُرَبَاءِ ظَاہِرًا. (۲۹۵۹)وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَی اللُّقَطَۃَ لَمْ تُدْفَعْ إِلَیْہِ حَتّٰی یُقِیْمَ الْبَیِّنَۃَ. فَإِنْ أَعْطَی عَلَامَتَہَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ یَدْفَعَہَا إِلَیْہِ وَلَا یُجْبَرُ عَلَی ذٰلِکَ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ ایک سال لقطے کا اعلان کرو، پھر اس کی علامت یاد کرلو اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اٹھالو، صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن زید بن خالد الجھنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسألہ عما یلتقطہ فقال عرفھا سنۃ ثم اعرف عفاصھا و وکاءھا** (بخاری شریف، **باب ضالۃ الابل** ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/ مسلم شریف، **باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل** ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/ ۴۴۹۸) اس حدیث میں حل اور حرم کی تفصیل نہیں ہے اس لیے حرم اور حل دونوں کے لقطے کے لیے یہی ہوگا کہ ایک سال کے بعد اس کو صدقہ کردے، یا خود فائدہ اٹھالے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لیے کہ یہ بھی لقطہ ہے، اور اعلان کی مدت کے بعد صدقہ کرنے میں گویا کہ مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے کہ اس کو چیز کا ثواب دے دیا جاتا ہے، اس لیے حل کے لقطے کی طرح اس کو بھی صدقہ کرسکتا ہے۔

تشریح: حرم کے لقطے کو اٹھانے کی دو وجہ بیان کررہے ہیں [۱] ایک یہ کہ بہر حال یہ لقطہ ہے، اس لیے ایک سال ہی اس کا اعلان ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ یہ بیان کررہے ہیں کہ صدقہ کرنے سے مالک کو ثواب ملے گا تو گویا کہ اس کی ملکیت میں ہی باقی رکھ رہے ہیں، اس لیے جس طرح حرم کے علاوہ کے لقطہ کو صدقہ کرکے مالک کی ملکیت میں باقی رکھی جائے گی، حرم کے لقطے کو بھی صدقہ کرکے مالک کی ملکیت میں باقی رکھنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اعلان کرنے والے کے لیے ہی اٹھانا حلال ہے، اور حرم کی تخصیص اس لیے ہے کہ مسافر کی جگہ ہونے کی وجہ سے اعلان کرنا ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح: اور امام شافعیؒ نے جو روایت بیان کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا کہ حرم کے لقطے کا بھی اعلان کرنا ہی ہوگا، چاہے ایک سال ہی کے لیے ہو، اور وہاں مسافر آتے ہیں اس لیے مسافر ہونے کی وجہ سے اعلان ساقط نہیں ہوگا، اس لیے جو اعلان کرے گا اسی کے لیے لقطے کا اٹھانا حلال ہوگا، البتہ ایک سال میں وہ اعلان ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۹) اگر آدمی حاضر ہوا اور حاکم کے پاس دعوی کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔ لیکن اگر گواہی پیش نہیں کی، صرف علامت بتائی پانے والے کے گنجائش ہے کہ چیز مالک کو دے دے لیکن قضا میں اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ گواہ پیش کرے تب ہی دینا واجب ہے، علامت بتانے سے دینا واجب نہیں ہے، دینے کی گنجائش ہے۔

ل وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى: يُجْبَرُ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمِّيَ وَزْنَ الدَّرَاهِمِ وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا. لَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ، فَيُشْتَرَطُ الْوَصْفُ لِوُجُودِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ، وَلَا تُشْتَرَطُ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ.

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ علامت بتادے تب بھی دینا واجب ہے۔

تشریح: مالک نے اپنی چیز ہونے پر گواہ پیش کر دیا تب تو قاضی اس کو دے دینے پر مجبور کرے گا، لیکن بینہ پیش نہیں کی صرف چیز کی علامت بتائی تو قاضی اب دینے پر مجبور نہیں کرے گا، البتہ اٹھانے والے کا دل گواہی دیکہ یہی اس کا مالک ہے تو وہ مالک کو دے دے۔

وجہ: یہاں دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ مالک کو بینہ پیش کرنا ہوگا، اس لیے اس سے استدلال کیا جائے گا کہ بینہ پیش کردے تو دینا ضروری ہوگا۔ [۲] اور دوسری حدیث ہے کہ مالک علامت بیان کردے تو اس کو دے دیا جائے، اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ علامت بیان کردے تو دینے کی گنجائش ہوگی، دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۲) بینہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال واموالهم ولکن الیمین علی المدعی علیه** (مسلم شریف، **باب الیمین علی المدعی علیه** ص ۷۴۷ نمبر ۱۷۱۱/۴۴۷۰) (۳) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة** (دارقطنی، **کتاب الحدود والدیات وغیره:** ۳/۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لیے مالک کے لیے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔ (۴) اور علامت بتائے تو اس کو دینے کی گنجائش ہے اس کی حدیث یہ ہے۔ **عن زید ابن خالد الجهنی ان رجلا سأل رسول اللہ ﷺ عن اللقطة قال عرفها سنة ثم اعرف وکاءها وعفاصها ثم استنفق بها فان جاء ربها فادها الیه** (بخاری شریف، **باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردها علیه لانها ودیعة عنده** ص ۳۹۲ نمبر ۲۴۳۶/مسلم شریف، **باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل** ص ۷۸۰ نمبر ۱۷۲۲/۴۵۰۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لیے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۵) اور مسلم شریف کی حدیث میں یہ زیادتی ہے کہ مالک علامت بتائے تو اس کو دے دو۔ **فان جاء احد یخبرک بعددها ووعاءها ووکاءها فاعطها ایاه۔** (مسلم شریف، **باب معرفة العفاص والوکاء** ص ۷۸۰ نمبر ۱۷۲۳/۴۵۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے، البتہ ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: ل امام مالک اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علامت بتانے پر ہی دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور علامت یہ ہیں مثلا درہم کا وزن بتائے، اس کی عدد بتائے، اس پر گرہ کیسی لگی تھی، اس کی تھیلی کیسی تھی، امام شافعیؒ اور امام کی دلیل یہ ہے کہ جس نے پایا ہے وہ قبضے کے بارے میں مالک سے جھگڑا کر رہا ہے، مالک ہونے کے بارے میں اس سے جھگڑا نہیں کر رہا ہے، کیوں کہ مالک تو علامت بتانے والا ہی ہے، اس لیے وصف بتانے کی شرط ہوگی، کیوں کہ کچھ ہی جھگڑا ہے، گواہ پیش کرنے کی شرط نہیں ہوگی، کیوں کہ ملک کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علامت بتادی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا، چاہے ملکیت پر گواہ پیش نہ کیا ہو۔

وجہ: (۱) ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ میری ملکیت ہے اس لیے ملکیت کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے، البتہ چیز پر اس کا قبضہ ہے تو وہ مالک کو اس کا قبضہ نہیں دینا چاہتا ہے، اس لیے قبضے کے بارے میں جھگڑا ہے، اس لیے گویا کہ کچھ جھگڑا ہے اور کچھ

۲ وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يُسْتَحَقُّ إِلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ ۳ إِلَّا أَنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ إِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَهٰذَا لِلْإِبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي الْحَدِيثَ ۴ وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيلًا إِذَا كَانَ يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ اسْتِيثَاقًا، وَهٰذَا بِلَا خِلَافٍ، لِأَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيلَ لِنَفْسِهِ، ۵ بِخِلَافِ التَّكْفِيلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ.

جھگڑا نہیں ہے، اس لیے دینے کے لیے علامت بتا دینا کافی ہے، اس لیے جب علامت بتا دی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔(۲) ان کی دوسری دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں ہے کہ علامت بتا دے تو اس کو دے دو، اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی بنا پر دینا واجب ہے۔

لغت: وکائها: وکا، بکی وکاء، مشک کو بندھن سے باندھنا۔ وعائها: برتن، یہاں مراد ہے اس کی تھیلی کیسی تھی۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی ایک مقصود کی چیز ہے، اس لیے مالک گواہ دیئے بغیر قبضے کا مستحق نہیں ہوگا ملک پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قبضہ بھی ملکیت کی طرح مقصود ہوتا ہے اس لیے قبضے کے لیے بھی مالک پر گواہی ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳ لیکن علامت کے بتانے پر پانے والے کے لیے دے دینا حلال ہوگا، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مالک آئے اور تھیلی کا رنگ بتائے، اور درہم کی تعداد بتائے تو چیز اس کو دے دو، مشہور حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم اباحت کے لیے ہے، اور وہ حدیث ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

تشریح: اوپر حدیث گزری جس کی وجہ سے یہ ہے کہ اگر چیز کی علامت بتا دے تو اٹھانے والے کے دینا حلال ہو جاتا ہے۔

وجہ: مشہور حدیث میں ہے کہ گواہ پیش کرے تب دو، اور دوسری حدیث میں ہے کہ علامت بتائے تو دے دو، اس لیے اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ علامت بتائے تو دینے کی گنجائش ہے۔ دونوں حدیثیں اوپر گزر گئیں ہیں۔

لغت: عفاص: بوتل کا ڈاٹ، یہاں مراد تھیلی کا رنگ وغیرہ۔

ترجمہ: ۴ اور جب دے تو مالک سے کفیل لے لے بات کو مضبوط کرنے کے لیے، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ اپنی ذات کے لیے کفیل لے رہا ہے۔

تشریح: پانے والا مالک کو چیز دے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ مالک سے کفیل لے تاکہ بعد میں کوئی دوسرا مالک نکل آئے تو کفیل مالک کو حاضر کرے اور اس سے چیز لے کر اصل مالک کو دے سکے، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ اس کے برخلاف غائب وارث کے لیے کفیل لینا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: زید مر گیا اب اس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وارثین سے اس بات پر کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو تم لوگ اس کو بھی وراثت دو گے، کیوں کہ یہاں وارث موجود ہیں، مزید وارث نکل جائے اس کا صرف وہم ہے،

۶ وَإِذَا صَدَّقَ قِيلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ إِذَا صَدَّقَهُ. وَقِيلَ يُجْبَرُ لِأَنَّ الْمَالِكَ هَاهُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُودِعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا، (۲۹۶۰)وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلَى غَنِيٍّ ١ لِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فَإِنْ لَمْ يَأْتِ يَعْنِي صَاحِبَهَا، فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ وَالصَّدَقَةُ لَا تَكُونُ عَلَى غَنِيٍّ فَأَشْبَهَ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوضَةَ (۲۹۶۱)وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا

اس لیے وہم کے لیے کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہاں بھی کفیل لیا جا سکتا ہے، کیوں کہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو اس کو وارثت کون دے گا۔

ترجمہ: ۶ اور پانے والا اگر مالک کی تصدیق کرے تو کہا گیا کہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسے امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل جب اس کی تصدیق کر دے [کہ آپ واقعی امانت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہیں] تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لیے کہ یہاں مالک کا پتہ نہیں ہے، اور امانت کی صورت میں مالک کا پتہ ہے [اس لیے یہ کہہ سکتا ہے کہ اصلی مالک کو ہی دوں گا۔

تشریح: پانے والے نے علامت بتانے والے کی تصدیق کی کہ ہاں تم ہی اس چیز کا مالک ہو تب بھی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید کے پاس عمر کی گائے امانت ہے، خالد آیا اور کہا کہ میں عمر کی جانب سے گائے لینے آیا ہوں، زید نے اس کی تصدیق کی پھر بھی زید پر گائے دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح یہاں چیز دینا واجب نہیں ہے۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ لقطہ کی شکل میں تصدیق کے بعد دینا واجب ہے، اور امانت کی صورت میں تصدیق کے بعد دینا واجب نہیں ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ، امانت کی صورت میں اس کا مالک معلوم ہے کہ وہ عمر ہے، اس لیے اصل مالک کو بلوا کر دے سکتا ہے۔ اور لقطہ کی صورت میں اصل مالک کا پتہ نہیں ہے، اس لیے ابھی جو مالک سامنے آیا ہے اسی کو دینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۰) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ حدیث میں صدقہ کرنے کا حکم ہے، چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مالک نہ آئے تو چیز کو صدقہ کر دے اور فرض صدقہ مالدار پر نہیں ہوتا [اس لیے مالدار پر یہ صدقہ نہ کرے]

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غرباء پر ہوتا ہے۔ اس لیے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ وسئل عن اللقطۃ فقال لا تحل اللقطۃ من التقط شیئا فلیعرفہ سنۃ فان جاء صاحبھا فلیردھا الیہ وان لم یأت صاحبھا فلیتصدق بھا** (دار قطنی، **کتاب الرضاع** ج رابع ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ / مصنف عبد الرزاق، **کتاب اللقطۃ**: ۹ / ۸/ ۵۳ نمبر ۱۹۳۱۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۶۱) اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں ہے۔ **عن نافع ان رجلا وجد لقطۃ فجاء الی عبد اللہ بن عمر فقال لہ انی وجدت لقطۃ فما ذا تری**

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجُوزُ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي حَدِيثِ أُبَيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - «فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا» وَكَانَ مِنَ الْمَيَاسِيرِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيرِ حَمْلًا لَهُ عَلَى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْغَنِيُّ يُشَارِكُهُ فِيهِ. ۳؎ وَلَنَا مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ لِإِطْلَاقِ النُّصُوصِ وَالْإِبَاحَةُ لِلْفَقِيرِ لِمَا رَوَيْنَاهُ، أَوْ بِالْإِجْمَاعِ فَيَبْقَى مَا وَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ، ۴؎ وَالْغَنِيُّ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَخْذِ

فقال له ابن عمر عرفها قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا آمرک ان تأکلها ولو شئت لم تأخذها (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأکلها الغنی والفقیر اذا لم تعرف بعد تعریف سنۃ: ۶/ ۳۱۲، نمبر ۱۲۰۶۳) (۲) لقطہ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔ فقالت (عائشۃ) اترید ان آمرک بذبحها (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ: ۹/ ۵۳۹، نمبر ۱۹۳۱۴)
ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لقطہ کا مال استعمال نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مالدار کے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب سے حضور نے فرمایا تھا کہ اگر مالک آئے تو اس کو دے دو، اور نہ آئے تو خود فائدہ اٹھا لو، حالانکہ حضرت ابی بن کعب مالدار تھے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **سمعت سوید بن غفلۃ قال لقیت ابی بن کعب فقال اصبت صرۃ فیها مائۃ دینار فاتیت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من یعرفها ثم اتیتہ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتیتہ ثلاثا فقال احفظها وعاءها وعددها ووکاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقیتہ بعد بمکۃ فقال لا ادری ثلاثۃ احوال او حولا واحدا** (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶/ مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳/ ۴۵۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا مالدار ہو تب بھی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری دلیل یہ ہے کہ فقیر کے لیے مباح اس لیے ہے تا کہ وہ لقطہ کی چیز اٹھائے اور اس کی حفاظت کرے، اس امید پر کہ اس کو بھی وہ کام آئے گی، اور اس امید میں فقیر اور مالدار برابر ہیں [اس لیے مالدار کو بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے]

تشریح: امام شافعیؒ کی جانب سے یہ دلیل عقلی پیش کی ہے۔ فقیر لقطہ کی چیز اس لیے اٹھائے گا کہ اس کو امید ہوگی کہ بعد میں مجھے بھی یہ کام آسکتی ہے، اور اس امید میں مالدار اور غریب برابر ہیں، اس لیے مالدار کے لیے بھی فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر کا مال ہے حدیث کی وجہ سے مالک کی رضامندی کے بغیر اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مال فقیر کے لیے مباح ہے [اس لیے فقیر ہی استعمال کر سکتا ہے]۔ یا یوں کہو کہ اس پر اجماع ہو گیا کہ مالدار اس کو استعمال نہ کرے۔ اس لیے جو حدیث روایت کی وہ اصل پر باقی رہے گی۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر کا مال ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار وہی ہو سکتا ہے جسکو حدیث نے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور وہ فقیر ہے اس لیے فقیر ہی فائدہ اٹھائے گا، اس لیے یوں سمجھو کہ اس پر لوگوں کا اجماع ہو گیا، اور حدیث میں جو فائدہ اٹھانے کی بات ہے وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس سے فقیر مراد ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور مالدار اس امید پر اٹھائے گا کہ شاید وہ اعلان کرنے کی مدت میں فقیر ہو جائے، اور فقیر بھی کبھی سستی کرتا ہے کیوں کہ

لِاحْتِمَالِ افْتِقَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَانَى لِاحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهِ ۵ فِيهَا وَانْتِفَاعُ أُبَيٍّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ (۲۹۶۲)وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا ۱ لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهَذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلَى فَقِيرٍ غَيْرِهِ (۲۹۶۳)وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا ۱ لِمَا ذَكَرْنَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ہوسکتا ہے کہ اس کو لقطہ کی ضرورت نہ پڑے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کے عقلی دلیل کا جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ فقیر اپنے فائدے کے لیے اٹھائے گا، اس امید میں مالدار بھی شامل ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مالدار کو بھی یہ خیال ہوگا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ابھی میں مالدار ہوں لیکن اعلان کرنے کی مدت میں میں فقیر ہو جاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ اٹھاؤں، اس لیے وہ بھی اٹھائے گا، اور چیز کی حفاظت کرے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقیر کو یہ خیال ہو جائے کہ اعلان کے درمیان میں مالدار ہو جاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ نہ اٹھا سکوں، اس لیے وہ اٹھانے میں اور اس کی حفاظت کرنے میں سستی کرے گا۔

ترجمہ: ۵ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور ﷺ کی اجازت سے فائدہ اٹھایا اس لیے اس کے لیے جائز ہو گیا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کا جواب ہے، کہ حضرت ابی بن کعبؓ مالدار تھے، لیکن حضور ﷺ نے انکو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی اس لیے امام کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوئی اس لیے ان کے لیے جائز ہو گیا، لیکن کسی دوسرے کے لیے اجازت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۶۲) اگر پانے والا فقیر ہو تو لقطہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ اس میں دونوں کو [مالک اور پانے والے کو] فائدہ ہے، اسی لیے دوسرے فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔

تشریح: فقیر کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو نفع اٹھانے ملا، اور مالک کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو اس کا ثواب ملا، تو گویا کہ دونوں کو فائدہ ملا

وجہ: اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے۔ **الا فاستنفقها** (بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷/مسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

ترجمہ: (۲۹۶۳) اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جبکہ خود مالدار ہو اپنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

ترجمہ: ۱ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی [کہ فقیر پر صدقہ کرنا جائز ہے، چاہے وہ پانے والے کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں]۔

تشریح: پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے۔

وجہ: زکوۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مال تو پانے والے کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لیے اجنبی کا مال پانے والے کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔

☆☆☆

كِتَابُ الإِبَاقِ

(۲۹۶۴)الآبِقُ أَخْذُهُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوَى عَلَيْهِ ۱؎ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَائِهِ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيلَ كَذَلِكَ، وَقَدْ قِيلَ تَرْكُهُ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ لَا يَبْرَحُ مَكَانَهُ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذَلِكَ الآبِقُ ۲؎ ثُمَّ آخِذُ الآبِقِ يَأْتِي بِهِ إِلَى السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى حِفْظِهِ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ اللُّقَطَةِ، ۳؎ ثُمَّ إِذَا رُفِعَ الآبِقُ إِلَيْهِ يَحْبِسُهُ، وَلَوْ رُفِعَ الضَّالُّ لَا يَحْبِسُهُ لِأَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَى الآبِقِ الإِبَاقُ ثَانِيًا، بِخِلَافِ الضَّالِّ قَالَ (۲۹۶۵)وَمَنْ رَدَّ الآبِقَ عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَبِحِسَابِهِ

{کتاب الاباق}

ضروری نوٹ: غلام مولی کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو اباق کہتے ہیں۔ جو آدمی اس کو لائے گا اس کو لانے کا انعام ملے گا جس کو جُعل کہتے ہیں۔ اور جو مزدوری سے کم ہو اس کو رضخ، کہتے ہیں، اور جو غلام راستہ بھٹک گیا ہو، اس کو ضال، کہتے ہیں۔

وجه: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرۃ دراھم** (**سنن للبیھقی، باب الجعالۃ:** ۶/۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳/ مصنف عبد الرزاق، **باب الجعل فی الابق:** ۸/۱۵۹، نمبر ۱۴۹۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔ اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

ترجمہ: (۲۹۶۴) جو بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ سکتا ہو اس کے لیے پکڑ لینا افضل ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ اس نے آقا کے لیے گویا کہ زندہ کر دیا، جو غلام بھٹک گیا ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بارے میں یہی حکم ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دینا افضل ہے، اس لیے کہ وہ زیادہ ادھر ادھر نہیں جائے گا اس لیے مالک اس کو پا لے گا، لیکن بھاگا ہوا غلام تو ایسا نہیں ہے [وہ تو نہ پکڑنے پر بھاگ جائے گا]

تشریح: بھاگا ہوا غلام کے لیے افضل یہ ہے کہ اس کو پکڑ لے اور مالک کو سپرد کر دے، ورنہ وہ اور بھاگ جائے گا، اور مالک غلام ضائع ہو جائے گا۔ اور غلام بھاگا نہ ہو بلکہ راستہ بھٹکا ہو تو وہ چونکہ دور تک نہیں جاتا اس لیے اس کے افضل یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۲؎ پھر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے والا اس کو بادشاہ کے پاس لائے، اس لیے کہ خود اس کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے، بخلاف پائی ہوئی چیز کے، کیوں کہ خود بھی اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ پکڑنے والا بادشاہ کے پاس لے جائے تو بادشاہ غلام کو قید کر دے، لیکن بھٹکے ہوئے غلام کو بادشاہ کے پاس لے جائے تو اس کو قید نہ کرے، اس لیے کہ بھاگے ہوئے پر کوئی اطمینان نہیں ہے کہ وہ پھر کب بھاگ جائے، لیکن بھٹکا ہوا پر بے اطمینانی نہیں ہے اس لیے اس کو قید نہ کرے۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۵) اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اس کے مولی کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے لیے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

۱؎ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى - لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ - رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ - اتَّفَقُوا عَلٰى وُجُوبِ أَصْلِ الْجُعْلِ، إِلَّا أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِينَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَا دُونَهَا، فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِينَ فِي مَسِيرَةِ السَّفَرِ وَمَا دُونَهَا فِيمَا دُونَهُ تَوْفِيقًا وَتَلْفِيقًا بَيْنَهُمَا،

تشریح: قول صحابی میں اختلاف ہے۔ بعض قول صحابی سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لیے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔ اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

وجہ: (۱) دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔ **قال قضی رسول اللہ فی العبد الآبق یوجد فی الحرم بعشرۃ دراھم** (سنن للبیھقی، باب الجعالۃ ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳) (۲) اور چالیس درہم کے لیے یہ قول صحابی ہے۔ **عن ابی عمرو والشیبانی قال اصبت غلمانا اباقا بالعین فأتیت عبد اللہ بن مسعود فذکرت ذلک لہ فقال الاجر والغنیمۃ قلت ھذا الاجر فما الغنیمۃ؟ قال اربعون درھما من کل رأس** (سنن للبیھقی، باب الجعالۃ: ۶/ ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵/ مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۰) اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔ (۳) اور حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ **ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثۃ ایام ثلاثۃ دنانیر فما زاد علی الاربعۃ فلیس لہ الا اربعۃ** (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۱) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لیے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ چالیس درہم دے یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شرط کے بغیر اس کو کچھ بھی نہ ملے، اور امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے اس لیے کہ پکڑنے والا خوشی سے نفع دے رہا ہے، اس لیے بھٹکے ہوئے غلام پکڑنے کی طرح ہو گیا۔

وجہ: (۱) جب تک مزدوری کی شرط نہ ہو، مزدوری طے نہیں ہوتی، اس لیے بغیر طے کئے ہوئے غلام کو پکڑ کر لایا تو مزدوری نہیں ملے گی۔ (۲) قول تابعی میں ہے کہ مزدوری نہیں ملے گی، قول صحابی یہ ہے۔ **عن جابر عن الشعبی فی الرجل یجد اللقیط ثم ینفق علیہ قال لیس لہ من نفقتہ شیء، انما ھو شیء احتسب بہ علیہ۔** (مصنف عبد الرزاق، باب النفقۃ علی الآبق والضالۃ: ۸/ ۱۶۱، نمبر ۱۴۹۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ لقطہ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیوں کہ اس نے ثواب کے لیے کیا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے انعام دینے پر اتفاق کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے چالیس درہم دینے کو کہا اور بعض حضرات نے اس سے کم کہا ہے، اس لیے مسافت کی مدت میں ہم نے چالیس درہم کہا اور اس سے کم میں کم کہا سب اقوال پر عمل کرنے کے لیے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے مزدوری طے کی ہے، اوپر حدیث میں بھی دس درہم کا ذکر کیا ہے اس لیے سب پر عمل کرنے کے لیے ہم نے یہ کہا کہ تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا ہو تو چالیس درہم اور اس سے کم سے لایا ہو تو اس کا حساب کر کے دیا جائے گا، مثلاً

۳وَلِأَنَّ إِيجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ إِذِ الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صِيَانَةُ أَمْوَالِ النَّاسِ ۴وَالتَّقْدِيرُ بِالسَّمْعِ وَلَا سَمْعَ فِي الضَّالِّ فَامْتَنَعَ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى صِيَانَةِ الضَّالِّ دُونَهَا إِلَى صِيَانَةِ الْآبِقِ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَارَى وَالْآبِقُ يَخْتَفِي، ۵وَيُقَدَّرُ الرَّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّا دُونَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي وَقِيلَ تُقَسَّمُ الْأَرْبَعُونَ عَلَى الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ إِذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ.

ایک دن کی مسافت سے لایا ہو تو چالیس کی تہائی 13.33 درہم ملے گا۔

ترجمہ: ۳ دوسری وجہ یہ ہے کہ انعام اس لیے متعین کیا کہ پکڑنے والا واپس دے دے، اس لیے کہ ثواب کے لیے بہت کم لوگ کرتے ہیں، اس لیے انعام دینے سے مال کی حفاظت ہو جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ، ثواب کے لیے کم لوگ اتنی دور کی مسافت طے کر کے غلام کو لائیں گے، اس لیے حدیث ہی سے مزدوری متعین کر دی تا کہ لوگ خوشی سے لائیں، اور مالک کا غلام ضائع ہونے سے بچ جائے۔

لغت: **حسبة:** حساب سے مشتق ہے، مراد ہے ثواب۔

ترجمہ: ۴ اور یہ جو چالیس درہم متعین کیا یہ قول صحابی سے ہے، اور جو غلام بھٹک گیا ہے اس کے انعام کے بارے میں کوئی قول صحابی نہیں ہے، اس لیے اس بارے میں کوئی انعام متعین نہیں ہوگا۔ ایک بات اور ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کی حفاظت مشکل ہے، کیوں کہ وہ چھپتا ہے، اور بھٹکے ہوئے کی حفاظت اتنی مشکل نہیں ہے، کیوں کہ وہ چھپتا نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں بتانا چاہتے ہیں کہ بھٹکے ہوئے غلام کے لیے حدیث میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث اور قول صحابی کی وجہ سے بھاگے ہوئے غلام کی مزدوری متعین ہوئی ہے، اور بھٹکے ہوئے غلام کے بارے میں قول صحابی میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے اس لیے بھٹکے ہوئے غلام کو پکڑ کر لائے گا تو اس کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک اور پانے والا دونوں راضی ہو کر کچھ طے کر لیں تو ہو جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھاگنے والا چھپے گا اور دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرے گا، اس لیے اس کو پکڑ کر لانا مشکل ہے اس لیے اس کی مزدوری حدیث میں متعین ہے۔ اور راستہ بھٹکنے والا نہ چھپے گا اور نہ بھاگے گا اس لیے اس کو لانا آسان ہے اس لیے اس کی مزدوری متعین نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ سفر سے کم کی مدت سے لایا تو مالک اور پانے والے رضامندی سے جو متعین ہو جائے، یا قاضی کی رائے پر سونپا جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس درہم کو تین دن پر تقسیم کر دیں، کیوں کہ کم سے کم مدت سفر تین دن ہیں۔

تشریح: تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا تو چالیس درہم مزدوری ہے، لیکن اس سے کم کی مسافت سے لایا تو اس بارے میں تین رائیں ہیں [۱] مالک اور لانے والا آپس میں جو رقم طے کر لیں وہ ملے گی [۲] قاضی جتنا دلوا دے وہ لے لے۔ [۳] اور تیسری رائے یہ ہے کہ سفر کی کم سے کم مدت تین دن کی ہے اس لیے چالیس کو تین پر تقسیم کر لیں اور ایک دن کے حساب سے 13.33 درہم دے دیں۔

وجہ: اور حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ **ان عمر بن عبد العزيز قضى في يوم بدينار وفي يومين دينارين وفي ثلاثة ايام ثلاثة دنانير فما زاد على الاربعة فليس له الا اربعة** (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۲۰۶، نمبر ۱۴۹۹۱)

قَالَ (۲۹۶۶)وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضَى لَهُ بِقِيمَتِهِ إِلَّا دِرْهَمًا قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: ١ـ وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: لَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقَلِّ لِأَنَّهُ حَطٌّ مِنْهُ. ٢ـ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيَحْيَى مَالُ الْمَالِكِ فَيَنْقُصُ دِرْهَمٌ لِيَسْلَمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيقًا لِلْفَائِدَةِ. ٣ـ وَأُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْقِنِّ إِذَا كَانَ الرَّدُّ فِي حَيَاةِ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءِ مِلْكِهِ؛ وَلَوْ رَدَّ بَعْدَ

اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔اس لیے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۹۶۶)اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لوٹانے والے کے لیے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح: مثلا غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لیے اس کو چالیس درہم ملنے چاہئے۔اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو مالک پر بوجھ ہوگا۔اس لیے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والے کو بھی مزدوری مل جائے اور مالک کو بھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے بلکہ مالک کے لیے کچھ بچ جائے۔

ترجمہ: ١ـ چالیس درہم سے کم ہونا یہ امام محمدؒ کی رائے ہے،لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا لانے والے کو چالیس درہم ہی ملے گا اس لیے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے اس لیے اس سے کم نہیں ہوگا،اس لیے اس سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں ہے،بخلاف چالیس سے کم کرنے میں لانے والے کی جانب سے کم کرنا شمار کیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں چالیس درہم مزدوری ہے،اس لیے مدت مسافت سے لائے گا تو غلام کی قیمت چاہے کم ہو لانے والے کو چالیس ہ ملے گا۔

وجہ: کیوں کہ حدیث میں یہی مزدوری متعین ہے،یہی وجہ ہے کہ چالیس سے زیادہ پر صلح ہو جائے تو وہ جائز نہیں ہے،کیوں کہ حدیث میں چالیس ہے۔ہاں پکڑنے والا چالیس سے کم لے تو جائز ہے،کیوں کہ یوں سمجھا جائے گا کہ پکڑنے والے نے اپنی جانب سے کم کر دیا ہے،جس کا اس کو اختیار ہے۔

ترجمہ: ٢ـ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پکڑنے والے کو لانے کی ترغیب دینا ہے تاکہ مالک کی چیز زندہ رہے اس لیے ایک درہم کم کیا جائے گا تاکہ تاکہ مالک کے لیے بھی کچھ فائدہ ہو جائے۔

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی رعایت ہو جائے،لانے والے کو مزدوری ملے گی تو وہ خوشی سے لائے گا،اور مالک کو کچھ بچے گا تو وہ خوشی سے اپنی چیز لے لگا،ورنہ اس کو گھاٹا ہوگا تو وہ خوشی سے اپنا غلام بھی نہیں لے گا۔

ترجمہ: ٣ـ اس بارے میں ام ولد اور مدبر کو لانا بھی خالص غلام کے حکم میں ہے اگر آقا کی زندگی میں لوٹائے اس لیے کہ اس کی ملکیت

مَمَالِهِ لَا جُعْلَ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا يُعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ الْقِنِّ. ٢ وَلَوْ كَانَ الرَّادُّ أَبَا الْمَوْلَى أَوْ ابْنَهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ فَلَا جُعْلَ لِأَنَّ هٰؤُلَاءِ يَتَبَرَّعُونَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاوَلُهُمْ إِطْلَاقُ الْكِتَابِ. قَالَ (۲۹۶۷) وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِي رَدَّهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ١ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لَكِنْ هٰذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللُّقَطَةِ. ٢ قَالَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَنَّهُ لَا شَيْءَ لَهُ، وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ، وَلِهٰذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْآبِقَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ بِحَبْسِ

کوزندہ کرنا ہے، اور اگر آقا کی موت کے بعد واپس کیا تو لانے والے کو مزدوری نہیں ملے گی، اس لیے کہ آقا کی موت سے دونوں آزاد ہو گئے، بخلاف خالص غلام کے۔

تشریح: جو حکم خالص غلام کا ہے وہی حکم ام ولد، اور مدبر غلام کا بھی، البتہ یہ فرق ہوگا کہ آقا کی موت کے بعد لائے گا تو ام ولد اور مدبر آزاد ہو چکا ہوگا، اس لیے لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، اور خالص غلام کو لائے گا تو چونکہ وہ ابھی بھی غلام ہے اس لیے آقا کے وارث کی جانب سے مزدوری مل جائے گی قن: خالص غلام۔

ترجمہ: ٢ اور اگر واپس لانے والا آقا کا باپ ہو، یا اس کا بیٹا ہو اور یہ دونوں مالک کی کفالت میں ہوں، یا واپس کرنے والا بیوی شوہر میں سے کوئی ایک ہو تو ان کو مزدوری نہیں ملے گی اس لیے کہ یہ لوگ عادۃ احسان کے طور پر واپس لا کر دیتے ہیں، اور مطلق مزدوری میں یہ لوگ شامل نہیں ہیں۔

تشریح: بیٹا اگر باپ کا خرچ برداشت کرتا ہے، اسی طرح باپ اگر اپنے بڑے بیٹے کا خرچ برداشت کرتا ہے، بیوی ہے اور شوہر ہے تو یہ لوگ بھاگے ہوئے غلام کو اپنی چیز سمجھ کر لاتے ہیں، اور احسان کے طور پر لاتے ہیں، اس لیے اگر ان لوگوں نے غلام کو لایا تو ان کو حدیث والی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک کچھ دے دے تو بہتر ہے۔ □

ترجمہ: (۲۹۶۷) اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لیے مزدوری ہے۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے کہ اس نے غلام کو پکڑتے وقت لوٹانے پر گواہ بنایا ہو، جیسا کہ ہم نے کتاب اللقطہ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔ لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔ کیوں کہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ **عن علی فی الرجل یجد الآبق فیأبق منه لا یضمنه وضمنه شریح ونحن نقول بقول علی ان کان الآبق ابق من دون تعدیه** (**سنن للبیهقی، باب الجعالة:** ۶/ ۳۳۰ نمبر ۱۲۱۲۷ / مصنف عبد الرزاق، **باب العبد الآبق یأبق ممن اخذه** ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۴) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ (۲) یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا، اور قاعدہ یہ ہے کہ امانت کی چیز بغیر تعدی نے کے ضائع ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ بعض نسخے میں، **لا شئی له**، لکھا ہوا ہے [کہ غلام لانے والے کو کچھ نہیں ملے گا، یہ جملہ بھی صحیح ہے، اس لیے کہ یہ مالک سے بیچنے

الْمَبِيعِ لِاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ، ٣ وَكَذَالِكَ إِذَا مَاتَ فِي يَدِهِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا. قَالَ (٢٩٦٨) وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتَاقِ ١ كَمَا فِي الْعَبْدِ الْمُشْتَرَى، ٢ وَكَانَ إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ لَهُ، وَالرَّدُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ. ٣ لَكِنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ فَجَازَ.

کے معنی میں ہے، اسی لیے مزدوری لینے کے لیے بھاگے ہوئے غلام کو روک سکتا ہے، جیسے کہ بائع قیمت لینے کے لیے مبیع روک سکتا ہے۔

تشریح: بعض نسخے میں لاشی ءلہ، لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پکڑ کر لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، کیوں کہ اس نے غلام لا کر نہیں دیا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غلام کو لا کر دینا ایسا ہے گویا کہ مالک سے غلام کو بیچا، تو جیسے قیمت لینے کے لیے بائع مبیع روک سکتا ہے، اسی طرح مزدوری لینے کے لیے پکڑنے والا غلام کو روک سکتا ہے، لیکن یہاں غلام کے بھاگ جانے کی وجہ سے غلام ہی نہیں دے پایا تو اس کو مزدوری کیسے ملے گی۔

ترجمہ: ٣ اسی طرح اگر پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا، تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور اس پر کچھ لازم بھی نہیں ہوگا،

تشریح: پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا جس کی وجہ سے غلام مالک کو نہیں دے سکا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیوں کہ غلام نہیں دیا۔ اور اس پر کوئی ضمان بھی لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت تھا۔

ترجمہ: (٢٩٦٨) اگر غلام سے ملاقات ہوتے ہی غلام کو آزاد کر دیا تو آزاد کرنے کی وجہ سے آقا غلام پر قبضہ کرنے والا ہوگا [یعنی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی]

ترجمہ: ١ جیسے کہ خریدے ہوئے غلام میں ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزاد کرنا بھی غلام پر قبضہ سمجھا جائے گا۔

تشریح: پکڑ کر لانے والے نے غلام مالک کو دیا، اس نے ابھی قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید نے عمر سے غلام بیچا، ابھی عمر نے اس پر قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا، تو اس سے عمر کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی، اسی طرح مالک کے آزاد کرنے سے اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔

ترجمہ: ٢ ایسے ہی لوٹانے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا [تو غلام پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا] اس لیے کہ مالک کے لیے ثمن محفوظ رہ گئی۔

تشریح: زید نے غلام کو پکڑ کر عمر مالک کو دیا، اس نے قبضہ کرنے سے پہلے زید ہی کے ہاتھ میں بیچ دیا تو اس سے بھی یہ سمجھا جائے گا کہ عمر نے غلام پر قبضہ کر لیا، اس لیے اس پر مزدوری لازم ہو جائے گی، کیوں کہ غلام کے بدلے میں عمر کو غلام کی قیمت مل گئی۔

ترجمہ: ٣ اور لوٹنے کا حکم بیع کی طرح ہے لیکن من وجہ بیع ہے، اس لیے بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جو منع کیا گیا ہے اس ممانعت میں یہ داخل نہیں ہوگا۔ اس لیے پکڑنے والے سے بیچنا جائز ہے۔

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور پہلے کہا

قَالَ (۲۹۶۹)وَيَنْبَغِي إِذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهِدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ ۱؎ فَالْإِشْهَادُ حَتْمٌ فِيهِ عَلَيْهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، حَتَّى لَوْ رَدَّهُ مَنْ لَمْ يُشْهِدْ وَقْتَ الْأَخْذِ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةُ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ ۲؎ وَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْآخِذِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرِثَهُ فَرَدَّهُ عَلَى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ رَدَّهُ لِنَفْسِهِ، إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِيَرُدَّهُ فَيَكُونُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ

گیا کہ لانے والے نے جو مالک کو دیا تو گویا کہ اس نے مالک کو بیچا ہے، اب دوبارہ مالک نے قبضہ کرنے سے پہلے لانے والے کے ہاتھ میں بیچا تو غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچا تو یہ کیسے جائز ہوا؟، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ لانے والا جو مالک کے ہاتھ میں دے رہا ہے یہ پورے طور پر بیع نہیں ہے، من وجہ بیع ہے، اس لیے حدیث میں جو ممانعت ہے اس میں داخل نہیں ہوگا، اور مالک کا لانے والے کے ہاتھ میں بیچنا جائز ہوگا

ترجمہ:(۲۹۶۹)اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تا کہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

ترجمہ:۱؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پکڑنے پر گواہ بنانا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ پکڑتے وقت گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیوں کہ گواہ بنانے کو چھوڑنا اپنے لیے پکڑنے کی دلیل ہے۔

تشریح:امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ کہ غلام کو پکڑتے وقت واجب ہے کہ گواہ بنائے کہ میں اس کو مالک کی طرف لوٹانے کے لیے پکڑ رہا ہوں تب ہی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی، اگر اس نے گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ: گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔ کیوں کہ اگر اپنے لیے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

ترجمہ:۲؎ اور ایسا ہو گیا کہ لوٹانے والے نے غلام کو پکڑنے والے سے خریدا، یا اس سے ہبہ میں وصول کیا، یا اس سے وراثت میں ملا اور پھر آقا کے پاس لایا تو لوٹانے والے کو مزدوری نہیں ملے گی، اس لیے کہ اپنے لیے لیا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت گواہ بنالیا کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لیے خرید رہا ہوں تو لوٹانے والے کو مزدوری ملے گی، اور لوٹانے والے مالک قیمت دے یہ اس کا احسان ہوگا [کیوں کہ مالک نے خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ لوٹانے والا اپنے لیے خریدا ہو، یا لیا ہو تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

تشریح:مثلا عمر کا غلام بھاگ گیا تھا، اس کو خالد نے پکڑا، بعد میں زید نے خالد سے اس غلام کو خرید لیا، یا ہبہ کے طور پر وصول کر لیا، یا اس سے وراثت میں لے لیا، اس کے بعد زید اس غلام کو عمر کے پاس لایا تو زید کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی، کیوں کہ اپنے لیے اس نے خریدا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت زید نے کسی کو گواہ بنایا کہ میں اس کو عمر کی طرف لوٹانے کے لیے خرید رہا ہوں تو اس کو مزدوری ملے گی، کیوں کہ اس صورت میں عمر ہی کے لیے خریدا ہے۔ خریدنے کی صورت میں زید عمر سے غلام کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا، کیونکہ عمر نے زید کو خریدنے کے لیے نہیں کہا تھا، اور زید عمر کا وکیل نہیں ہے، ہاں عمر زید کو غلام کی قیمت دے دے تو یہ عمر کا احسان ہوگا۔

اتہبہ: ہبہ کے طور پر وصول کیا ہو۔

(۲۹۷۰) فَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ لِ لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ، إِذِ الْإِسْتِيفَاءُ مِنْهَا وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ إِحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ، ٢ وَالرَّدُّ فِي حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، ٣ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَبِقَدْرِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُونِ فَصَارَ كَثَمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيصِهِ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ،

ترجمہ:(۲۹۷۰) پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

ترجمہ:لِ اس لیے کہ غلام کو لوٹا کر اس کی مالیت کو زندہ کیا، اور یہی غلام مرتہن کا حق تھا اس لیے کہ وصول کرنا اسی کا حق تھا، اور مزدوری مالیت کے زندہ کرنے کے مقابلے میں ہوتی ہے اس لیے مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

لغت: مثلا زید نے ایک ہزار درہم عمر سے قرض لیا، اور قرض کے بدلے میں خالد غلام کو رہن پر رکھا تو زید راہن ہوا، اور عمر مرتہن ہوا، اور غلام رہن پر ہوا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام میں دو آدمیوں کا حق ہے، تو جس کا حق جتنا ہوگا، اسی حساب سے اس پر مزدوری ہوگی، مثلا زید کا ایک حصہ ہے اور عمر کا دو حصہ غلام میں ہے تو زید پر ایک حصہ مزدوری ہوگی، اور عمر پر دو حصہ ہوگی۔

تشریح: عمر نے خالد کے پاس ایک ہزار درہم کے بدلے غلام رہن پر رکھا، غلام بھاگ گیا، اب زید وہ غلام لے کر آیا تو لانے کی مزدوری خالد مرتہن پر ہوگی

وجہ:(۱) مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔ اس لیے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لیے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔ کیوں کہ لانے والے نے اس کے حق کو زندہ کیا ہے۔

اصول: جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

ترجمہ: ٢ راہن کی زندگی میں غلام واپس کرے یا اس کے مرنے کے بعد دونوں کا حکم برابر ہے اس لیے کہ راہن کی موت سے رہن ختم نہیں ہوتا۔

تشریح: راہن کی موت کے بعد غلام کو واپس کیا تب بھی مزدوری مرتہن ہی پر ہوگی، کیوں کہ راہن کی موت کے بعد بھی رہن کا معاملہ باقی ہے اس لیے مزدوری مرتہن ہی پر ہی ہوگی۔

ترجمہ: ٣ اور یہ جو مسئلہ گزرا کہ پوری مزدوری مرتہن پر ہوگی اس وقت ہے جبکہ غلام کی قیمت قرض کے برابر ہو، یا قرض سے کم ہو، اور اگر غلام کی قیمت قرض سے زیادہ ہو، تو قرض کی مقدار مرتہن پر مزدوری ہوگی، اور باقی مزدوری راہن پر ہوگی اس لیے کہ مرتہن کا حق قرض کے برابر ہی ہے، اور ایسا ہو گیا جیسا کہ، غلام کی دوائی کی قیمت، اور غلام کو جنایت سے نکالنے کی ذمہ داری [جتنا جس کا حق ہوتا ہے، اسی حساب سے دوائی کی قیمت دینی پڑتی ہے، یا جرمانے کی ادائیگی لازم ہوتی ہے]

تشریح: مثلا عمر کے غلام کی قیمت پندرہ سو تھی، اور زید سے ایک ہزار درہم قرض لیا، اور غلام رہن پر رکھ دیا، تو یہاں ایک ہزار کی ذمہ

٤ وَإِنْ كَانَ مَدْيُونًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنِ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ، وَإِنْ بِيعَ بُدِئَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِي لِلْغُرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ وَالْمِلْكُ فِيهِ كَالْمَوْقُوفِ فَتَجِبُ عَلَى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ، ٥ وَإِنْ كَانَ جَانِيًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنِ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ، وَعَلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنِ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا إِلَيْهِمْ، ٦ وَإِنْ كَانَ مَوْهُوبًا فَعَلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ، وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بِتَرْكِهِ

داری زید کی ہے، اور پانچ سو کی ذمہ داری عمر کی ہے، اور مزدوری پندرہ درہم آئی تو دس درہم زید سے لی جائے گی اور پانچ درہم عمر دے گا۔ کیوں کہ اس وقت عمر کی ذمہ داری ایک تہائی ہی تھی۔ اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] غلام بیمار ہوا اور اس کی دوائی کا خرچ پندرہ درہم آیا تو پانچ درہم عمر پر ہوگا، اور دس درہم زید پر ہوگا۔ [۲] غلام نے جرم کیا اور اس پر پندرہ سو درہم جرمانہ آیا تو پانچ سو درہم عمر دے گا، اور ایک ہزار درہم زید جرمانے کے طور پر دے گا، حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اسی حساب سے اس کی مزدوری لازم کی جائے گی

ترجمہ: ٤ اور اگر غلام پر قرض ہے، پس اگر آقا قرض ادا کر کے اپنے پاس رکھنا چاہے تو پوری مزدوری آقا پر ہوگی۔ [کیوں کہ اب غلام صرف اسی کا ہے]۔ اور اگر غلام قرض میں بک گیا تو پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اور جو باقی بچے گا وہ قرض والوں کا ہوگا، اس لیے کہ یہ مزدوری ملکیت بچانے کا خرچ ہے، اس لیے جس کی ملکیت ہوگی اسی پر یہ خرچ لازم ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ غلام کے رہن کا نہیں ہے بلکہ اس سے ذرا ہٹ کر ہے۔ غلام پر اتنا قرض ہے کہ اسکی پوری قیمت اس میں چلی جائے گی، ایسا غلام بھاگ گیا، تو اگر آقا اس قرض کو ادا کر کے غلام کو لے گا تو مزدوری آقا پر ہوگی، کیوں کہ غلام اسی کا رہا، اور اگر غلام بک گیا تو اس کی قیمت میں سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اور جو بچے گی وہ رقم قرض دینے والوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔

وجہ: مزدوری غلام کو بچانے کا خرچ ہے، اس لیے غلام کی قیمت سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اس کے بعد قرض خواہوں میں رقم تقسیم ہوگی۔

لغت: **بدیء**: شروع کی جائے گی۔ **غرماء**: قرض دینے والے۔ **مؤنۃ الملک**: ملکیت کو بچانے کا خرچ۔ **من یستقر لہ**: جس کی ملکیت ہوگی، خرچ اسی پر آئے گا۔

ترجمہ: ٥ اگر غلام نے جرم کیا اور آقا فدیہ دیکر غلام کو چھڑانا چاہے تو یہ مزدوری آقا پر ہوگی، اس لیے کہ مزدوری کا نفع آقا کی طرف لوٹے گی۔ اور اگر غلام جرم کے ولیوں کو دے دیا تو یہ مزدوری ولیوں پر ہوگی، کیوں کہ نفع ولیوں کی طرف چلا گیا ہے۔

تشریح: بھاگے ہوئے غلام نے قتل خطاء کی تھی، جس کی وجہ سے اس پر دیت لازم تھی، اب آقا اس کی دیت ادا کر کے غلام کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو غلام لانے کی مزدوری آقا پر ہوگی، کیوں کہ غلام ابھی اسی کا ہے۔ اور اگر اس نے مقتول کے ورثہ کو دے دیا کہ تم لوگ اس کو بیچ کر دیت کی رقم وصول کر لو تو یہ مزدوری ورثہ پر ہوگی، کیوں کہ ابھی غلام انہیں لوگوں کا ہے۔

ترجمہ: ٦ اور اگر غلام کو کسی کے لیے ہبہ کر دیا ہے تو لانے کی مزدوری اس سے لی جائے گی جس کو ہبہ کیا ہو۔ اور بعد میں ہبہ کرنے والے نے ہبہ واپس لے لیا ہو تب بھی اس پر مزدوری نہیں ہوگی، کیوں کہ ابھی واپس کرنے سے واہب کو کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ غلام واپس آنے کے بعد موہوب لہ نے اس غلام میں تصرف نہیں کیا اس لیے واہب کے پاس واپس آیا ہے۔

الْمَوْهُوبِ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَعْدَ الرَّدِّ. ۷ وَإِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ مِلْكِهِ. ۸ وَإِنْ رَدَّهُ وَصِيُّهُ فَلَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيهِ.

كِتَابُ الْمَفْقُودِ

(۲۹۷۱) إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَّبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حَقَّهُ ۱ لِأَنَّ الْقَاضِيَ نُصِّبَ نَاظِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنِ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ وَالْمَفْقُودُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔عمر نے زید کو غلام ہبہ کر دیا، اب غلام بھاگ گیا تو اس کو واپس لانے کی مزدوری زید پر ہوگی۔

وجہ: مزدوری دیتے وقت یہ غلام زید کا ہے، اس لیے زید موہوب لہ ہی پر اس کی مزدوری ہوگی۔ اور بعد میں عمر نے زید سے غلام واپس لے لیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے غلام کو بیچا نہیں، اور اپنی ملکیت سے ہٹایا نہیں تو عمر کو اپنا غلام واپس لینے کا حق مل گیا، کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ شیء موہوب اپنی ملکیت سے ختم کر دے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہاں زید نے اپنی ملکیت سے ختم نہیں کیا اس لیے یہ غلام عمر واہب کی طرف واپس آ گیا۔ اس میں واہب کو مزید کوئی چیز نہیں ملی بلکہ پہلے والا غلام ہی ملا ہے۔ اس لیے مزدوری عمر واہب پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اور اگر یہ غلام بچے کا تھا تو اس کی مزدوری بھی بچے کے مال میں لازم ہوگی، اس لیے کہ اس کی ملکیت کا خرچ ہے۔

تشریح: بھاگا ہوا غلام نابالغ بچے کا تھا تو مزدوری اسی کے مال سے دیا جائے گا، کیوں کہ یہ غلام اسی کا ہے۔ اور یہ بچے کے نقصان کی چیز نہیں ہے اس لیے دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۸ اور اگر بچے کے وصی نے غلام کو واپس لایا تو وصی کو مزدوری نہیں ملے گی اس لیے کہ غلام کو واپس لانے کی ذمہ داری وصی ہی کی تھی [اس لیے کہ اس نے اپنا فرض پورا کیا اس لیے اس کو مزدوری نہیں ملے گی]

تشریح: واضح ہے۔

کتاب المفقود

ضروری نوٹ: کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔ اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔

وجہ: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر** (دار قطنی، کتب النکاح: ۳/۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴/ سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها يقين وفاته: ۷/۷۳۱ نمبر ۱۵۵۶۵)

اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۱) اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو، اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ قاضی ہر اس عاجز کی دیکھ بھال کے متعین کیا گیا ہے جو خود دیکھ بھال نہیں کر سکتا ہو، اور مفقود کا حال اسی انداز کا ہے، اور یہ

وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ، وَفِي نَصْبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ. ٢ وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِي حَقَّهُ لِإِخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَّاتِهِ وَالدَّيْنَ الَّذِي أَقَرَّ بِهِ غَرِيمٌ مِنْ غُرَمَائِهِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ، وَيُخَاصِمُ فِي دَيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهِ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي حُقُوقِهِ، وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِي تَوَلَّاهُ الْمَفْقُودُ وَلَا فِي نَصِيبٍ لَهُ فِي عَقَارٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي يَدِ رَجُلٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ وَكِيلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِي وَأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ بِلَا خِلَافٍ، ٣ إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ،

مفقود بچے اور مجنون کی طرح ہو گیا، اور اس کے مال کی حفاظت کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے کو متعین کرنے میں اسی مفقود کا فائدہ ہے۔

تشریح: کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تا کہ وہ تین کام کرے [۱] اس کے مال کی حفاظت کرے [۲] اور اس کی نگرانی کرے [۳] اور اس کا کہیں حق لگتا ہو تو اس کو وصول کرے۔ ایسے آدمی کو وصی، کہا جاتا ہے۔

وجہ: ایسے آدمی کے لیے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔ اس لیے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تا کہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔

ترجمہ: ٢ متن میں ہے کہ مفقود کے حقوق کو وصول کرے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مفقود کے غلے پر قبضہ کرے گا، کسے قرض لینے والے نے قرض لینے کا اقرار کیا تو وہ وصول کرے گا، اس لیے کہ یہ بھی حفاظت میں سے ہے، وصی نے کوئی عقد کیا ہے جس کی وجہ سے قرض ہوا ہے اس میں بھی وصی مقدمہ دائر کرے گا، کیوں کہ وصی اس بارے میں اصیل ہے۔

اصول: یہاں چھ مسئلے ہیں، جو ایک اصول پر مبنی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ، غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے وصی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں مفقود جو غائب ہے اس پر فیصلہ ہو سکے۔ البتہ ایسا کام کر سکتا ہے، جس میں مفقود پر قضاء نہ ہو۔

اصول: قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن علی قال... فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع کلام الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان یتبین لک القضاء۔ (ابو داود شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کے کلام کو سن کر فیصلہ کریں، جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں ہے کہ یستوفی حقہ، کہ مفقود کے حق کو وصول کر سکتا ہے۔ یہاں تین مسئلے وہ ہیں جن کو وصی کر سکتا ہے [۱] مفقود کی زمین ہے، جس سے غلہ آرہا تھا تو وصی اس غلے کو وصول کر سکتا ہے۔ [۲] کسی قرض لینے والے نے یہ اقرار کیا کہ میرے اوپر مفقود کا قرض ہے، تو وصی اس قرض کو وصول کر سکتا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں مسئلوں میں نالش کرنے اور قضاء علی الغائب کی ضرورت نہیں پڑتی ہے [۳] وصی نے کوئی ایسا عقد کیا جس کی وجہ قرض ہوا تو وصی اس کو مقدمہ کر کے بھی وصول کر سکتا ہے، کیوں کہ یہاں خود وصی پر مقدمہ ہو گا اور خود وصی پر فیصلہ ہو گا جو حاضر ہے، قضاء علی الغائب کی صورت نہیں ہے، اس لیے وصی یہ سب کام کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ٣ اور جس قرضہ کا ذمہ خود مفقود ہوا ہو اس بارے میں وصی مخاصمہ نہیں کر سکتا، اور مفقود کا کوئی حصہ زمین میں ہو، یا کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہو تو اس بارے میں بھی وصی مخاصمہ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ وصی نہ مالک ہے اور نہ نائب ہے، وہ تو قاضی کی

٤ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمَ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ، وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا رَآهُ الْقَاضِي وَقَضَى بِهِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ، ٥ ثُمَّ مَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ يَبِيعُهُ الْقَاضِي لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُورَتِهِ وَمَعْنَاهُ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنَى (۲۹۷۲)وَلَا يَبِيعُ مَا لَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ فِي نَفَقَةٍ وَلَا غَيْرِهَا ١ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِي حِفْظِ مَالِهِ فَلَا يَسُوغُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الصُّورَةِ وَهُوَ مُمْكِنٌ.

جانب سے قبضہ کرنے کا وکیل ہے، اور قبضہ کرنے کا وکیل مقدمہ دائر کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں جن میں مفقود کے خلاف فیصلہ ہوگا جو غائب ہے اس لیے وصی یہ کام نہیں کرسکتا۔[۱] خود مفقود نے کسی قرض کی ذمہ داری لی ہے، تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ قضاء علی الغائب ہو جائے گا۔[۲] مفقود کا کسی زمین میں حصہ ہے تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا[۳] کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہے تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہاں بھی قضاء علی الغائب ہے، اور وصی کی حالت یہ ہے کہ یہ قاضی کی جانب سے مفقود کے قرض وصول کرنے کا وکیل ہے، قاضی سے مخاصمہ کرنے کا وکیل نہیں ہے، اور اوپر کی ان تین چیزوں میں مخاصمہ کرنا پڑتا ہے اس لیے وصی یہ تینوں کام نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۳ مالک نے قرض پر قبضے کا وکیل بنایا تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مخاصمہ کرسکتا ہے یا نہیں۔

تشریح: یہاں ایک الگ مسئلہ ہے جو کتاب الوکالت کا ہے، کہ مالک نے زید کو قرضہ وصول کرنے کا وکیل بنایا تو وہ اس کو وصول کرنے کے لیے مقدمہ کرسکتا ہے یا نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کرسکتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کر کے قرضہ وصول نہیں کرسکتا، تاہم یہاں موکل حاضر ہے اس لیے قضاء علی الغائب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴ جب بات یہ ہے کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، اور اوپر کے تین معاملے قضاء علی الغائب پر شامل ہیں اس لیے وصی کو یہ تین کام کرنا جائز نہیں ہوگا، لیکن قاضی اس کام کرنے میں مناسب سمجھے اور ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کرے تو کرسکتا ہے، کیوں کہ یہ معاملہ مجتہد فیہ ہے۔

تشریح: اوپر کے تینوں مسئلوں میں قضاء علی الغائب ہے اس لیے وصی ان کاموں کو نہیں کرسکتا، لیکن اگر قاضی ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کردے تو ایسا کرسکتا ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لیے قاضی اپنی اجتہاد سے فیصلہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۵ جو چیزیں خراب ہونے کے قابل ہوں قاضی اس کو بیچے گا کیوں کہ صورت میں اس کی حفاظت ناممکن ہوگیا تو اب اس کی قیمت جمع کر کے معنوی طور پر حفاظت کرے گا۔

تشریح: مفقود کی جو چیز خراب ہونے کے قابل ہو قاضی ان چیزوں کو بیچ کر اس کی قیمت جمع کرے گا تاکہ چیز کی حفاظت نہ ہوسکے تو اس کی قیمت کی حفاظت کرے گا۔

ترجمہ: (۲۹۷۲) جو چیز خراب ہونے والی نہ ہو اس کو نفقہ یا اس کے علاوہ میں بیچ نہیں سکتا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ صورت کے طور پر ہی غائب کے مال کی حفاظت ضروری ہے، اس لیے جب تک ممکن ہو صورت کی حفاظت نہیں چھوڑ سکتا۔

قَالَ (۲۹۷۳) وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ ١ وَلَيْسَ هٰذَا الْحُكْمُ مَقْصُورًا عَلَى الْأَوْلَادِ ٢ بَلْ يَعُمُّ جَمِيعَ قَرَابَةِ الْوِلَادِ. وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِي مَالِهِ حَالَ حَضْرَتِهِ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ غَيْبَتِهِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِينَئِذٍ يَكُونُ إِعَانَةً، وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِي حَضْرَتِهِ إِلَّا بِالْقَضَاءِ لَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ فِي غَيْبَتِهِ لِأَنَّ النَّفَقَةَ حِينَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ، فَمِنَ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمِنِيُّ مِنَ الذُّكُورِ الْكِبَارِ، وَمِنَ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ.

تشریح: جو چیز خراب نہیں ہو سکتی ہو اور اس کو صورت کے طور پر حفاظت کرنا ممکن ہو تو اس کو قاضی نہ نفقہ میں بیچ سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ میں بیچ سکتا ہے۔

وجہ: قاضی پر ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے صورت کے اعتبار سے اس کی حفاظت کرے۔

ترجمہ: (۲۹۷۳) اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح: مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹی اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

وجہ: (۱) اس لیے کہ بیوی مفقود کے لیے محبوس ہے۔ اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔ اس لیے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباس و ابن عمر تذاكرا امرأة المفقود فقالا تربص بنفسها اربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة ثم ذكروا النفقة فقال ابن عمر لها نفقتها لحبسها نفسها عليه۔** (سنن للبیہقی، باب من قال تنتظر اربع سنين ثم اربعة اشهر وعشرا ثم تحل: ۷/ ۷۳۳، نمبر ۱۵۵۶۹ / مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، ج سابع، ص ۷۰، نمبر ۱۲۳۹۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ١ یہ حکم اولاد کے نفقے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ولادت کی تمام رشتہ داری پر عام ہے۔

تشریح: ولادت کی رشتہ داری کا مطلب یہ ہے کہ نیچے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، اوپر میں ماں، باپ، دادا، اور دادی، یہ سب ولادت کی رشتہ داری ہے، کیوں کہ ان میں پیدا ہونے کی وجہ سے رشتہ داری ہے، اور ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے۔

ترجمہ: ٢ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ قاضی کے فیصلے کے بغیر مفقود کی حاضری میں نفقہ کا مستحق ہے تو مفقود کی غیر حاضری میں بھی ان پر خرچ کیا جائے گا، اس لیے کہ یہاں قضاء کا مطلب اس کی مدد ہے [قضاء علی الغائب نہیں ہے]، اور جو لوگ مفقود کی حاضری میں قضاء کے بغیر نفقہ کا مستحق نہیں ہے، تو مفقود کی غیر حاضری میں ان پر خرچ نہیں کیا جائے گا اس لیے اس وقت فیصلے سے نفقہ متعین کیا جائے گا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ غائب پر قضاء جائز نہیں ہے۔ پہلی قسم جن کا نفقہ لازم ہے وہ چھوٹا بچہ ہے بڑی لڑکیاں ہیں آپاہج بیٹے ہیں۔ اور دوسری قسم جنکا نفقہ لازم نہیں ہو گا وہ بھائی ہے، بہن ہے، ماموں ہے، خالہ ہے۔

تشریح: مصنف یہاں ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں، کہ مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم ہو گا، کیوں کہ یہاں قضاء علی الغائب نہیں ہوا، قاضی کا فیصلہ صرف مدد کے طور پر ہے۔ جیسے چھوٹا بچہ، بڑی بیٹیاں، آپاہج بیٹے، ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں لازم ہو گا۔

۳۔ وَقَوْلُهُ مِنْ مَالِهِ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَلْبُوسِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي مَالِهِ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ وَهِيَ النَّقْدَانِ وَالتِّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِي هَذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ قِيمَةً كَالْمَضْرُوبِ، ۴۔ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ فِي يَدِ الْقَاضِي، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيعَةً أَوْ دَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمَا إِذَا كَانَ الْمُودَعُ وَالْمَدْيُونُ مُقِرَّيْنِ بِالدَّيْنِ الْوَدِيعَةِ وَالنِّكَاحِ وَالنَّسَبِ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُونَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي، فَإِنْ كَانَا ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ، ۵۔ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرًا الْوَدِيعَةِ أَوِ الدَّيْنِ أَوِ النِّكَاحِ وَالنَّسَبِ يُشْتَرَطُ الْإِقْرَارُ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ.

اور مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ لازم نہیں تھا، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں قضاء علی الغائب کرنا پڑے گا جو جائز نہیں ہے، اس لیے ان لوگوں کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا، جیسے بھائی، بہن، ماموں، خالہ کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳۔ اور متن میں جو جملہ ہے کہ من مالہ، یعنی مفقود کے مال میں خرچ کرے گا، اس سے مراد مفقود کا درہم ہے، دینار ہے اس لیے کہ نفقہ لینے والے کا حق کھانا ہے اور لباس ہے، اور جب یہ مال نہ ہو تو قیمت کی فیصلے کی ضرورت پڑے گی اور اس سے مراد بھی درہم اور دینار ہیں۔ اور اسی حکم میں چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی ہے [کہ ان دونوں سے بھی نفقہ حاصل کیا جائے گا] کیوں کہ یہ ڈلی سکے کی طرح ہے۔

تشریح: متن میں من مالہ، کا جملہ ہے اس سے کیا مراد ہے، فرماتے ہیں کہ اس سے مفقود کا درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، مراد ہے کہ اس سے نفقہ دیا جائے گا۔ نفقہ میں کھانا اور لباس دیا جاتا ہے، اس لیے اگر کھانے کی چیز مثلا چاول گیہوں موجود ہوں تو اس سے نفقہ دیا جائے گا، اسی طرح لباس لازم ہے، اس لیے اگر مفقود کا کپڑا موجود ہو تو اس سے لباس دیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں موجود نہ ہوں تو پھر درہم، دینار، چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی سے نفقہ ادا کیا جائے گا، مفقود کے مال سے یہی مراد ہے۔

ترجمہ: ۴۔ نفقہ دینے کا حکم اس وقت ہے جبکہ درہم اور دینار قاضی کے قبضے میں ہو، لیکن اگر کسی کے پاس امانت ہو، یا کسی پر قرض ہو تو ان دونوں سے بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ امانت رکھنے والا امانت رکھنے کا اقرار کرتا ہو، اور قرض والا قرض کا اقرار کرتا ہو، اور نکاح اور نسب کا بھی اقرار کرتا ہو۔ اور یہ اس وقت ہے کہ قاضی کے سامنے قرض اور امانت ظاہر نہ ہو، لیکن اگر قاضی بھی اس قرض اور امانت کی چیز کو جانتا ہو تو امانت دار اور قرضدار کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: مفقود کے اہل کو نفقہ دینے کے لیے تین صورتیں بتا رہے ہیں [۱] قاضی کے قبضے میں مفقود کا مال ہو تو وہ نفقہ دے سکتا ہے۔ [۲] اگر امانت رکھنے والے، یا مقروض کے پاس مفقود کا مال ہو تو وہ دو باتوں کا اقرار کرتا ہو، ایک تو اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ مفقود کا یہ مال میرے پاس ہے، اور دوسرا یہ اقرار کرتا ہو کہ واقعی یہ مفقود کے رشتہ دار ہیں، یعنی بیوی ہے، یا بیٹا ہے، تو قاضی مفقود کے اہل کو نفقہ دلوا سکتا ہے [۳] لیکن امانت دار کا اقرار کرنا اس صورت میں ہے جبکہ قاضی کو اس کا علم نہ ہو، لیکن اگر قاضی کو اس کا علم ہو تو امان رکھنے والا اقرار نہ بھی کرے تب بھی نفقہ لازم ہو جائے گا، کیوں کہ قاضی کو اس کا علم ہے۔

ترجمہ: ۵۔ اور اگر ایک چیز ظاہر ہو [یعنی اور قرض اور نسب میں سے ایک چیز ظاہر ہو] تو جو چیز ظاہر نہ ہو اس میں اقرار کی شرط ہے صحیح بات یہی ہے۔

٦ فَإِنْ دَفَعَ الْمُودِعُ بِنَفْسِهِ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي يَضْمَنُ الْمُودِعُ وَلَا يَبْرَأُ الْمَدْيُونُ لِأَنَّهُ مَا أَدَّى إِلَى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلَى نَائِبِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِي لِأَنَّ الْقَاضِي نَائِبٌ عَنْهُ. ٧ وَإِنْ كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ جَاحِدَيْنِ أَصْلًا أَوْ كَانَا جَاحِدَيْنِ الزَّوْجِيَّةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَنْتَصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحِقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِي ذَلِكَ لِأَنَّ مَا يَدَّعِيهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَعَيَّنْ سَبَبًا لِثُبُوتِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهَا كَمَا تَجِبُ فِي هَذَا الْمَالِ تَجِبُ فِي مَالٍ آخَرَ لِلْمَفْقُودِ. قَالَ (۲۹۷۴) وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ

تشریح: اگر قاضی کے سامنے ایک بات ظاہر ہو، اور دوسری بات ظاہر نہ ہو تو جو بات ظاہر نہ ہو تو امانت رکھنے والا اس کا اقرار کرے تب نفقہ دے سکتا ہے، مثلا قاضی کے سامنے یہ بات تو ظاہر تھی کہ مفقود کا مال امانت رکھنے والے کے پاس ہے، لیکن یہ ظاہر نہیں تھا کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے تو امانت رکھنے والا اس بات کا اقرار کرے کہ یہ عورت مفقود کی بیوی ہے تب قاضی نفقہ دے سکے گا۔

وجہ: یہ قید اس لیے لگا رہے ہیں کہ اگر امانت رکھنے والا اقرار نہ کرے، یا قاضی کے سامنے ظاہر نہ ہو تو قاضی کو مفقود پر فیصلہ کرنا پڑے گا جو غائب ہے، اور یہ جائز نہیں ہے اس لیے نفقہ بھی نہیں دے سکے گا۔

ترجمہ: ٦ اگر امانت رکھنے والے نے، یا قرض لینے والے نے بغیر قاضی کے حکم کے خود ہی نفقہ والے کو نفقہ دے دیا تو امانت رکھنے والا ضامن بن جائے جائے گا، اور مقروض قرض سے بری نہیں ہوگا، اس لیے کہ صاحب حق [یعنی مفقود کو] حق نہیں ملا، اور نہ اس کے نائب کو حق ملا، ہاں اگر قاضی کے حکم سے نفقہ دیا [تو امانت رکھنے والا ضامن نہیں بنے گا] اس لیے کہ قاضی مفقود کا نائب ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے حکم سے نفقہ دے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے امانت رکھنے والا اور قرض لینے والا مفقود کے اہل کو نفقہ دے، لیکن اگر بغیر اس کے حکم کے نفقہ دے دیا تو یہ اپنی جانب سے احسان ہوگا، اس لیے نہ امانت کی ادائیگی ہوگی اور نہ قرض کی ادائیگی ہوگی۔

وجہ: یہ مال مفقود کا تھا اس کو نہیں ملا، اور قاضی مفقود کا نائب تھا اسکے حکم سے بھی نہیں دیا گیا، تو اس کے نائب کو بھی نہیں ملا، اس لیے مقروض کا قرض ادا نہیں ہوگا، اور امانت دار کی امانت ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اور اگر امانت رکھنے والا اور مقروض دونوں چیزوں کا انکار کرتا ہے [یعنی اپنے پاس امانت ہونے کا بھی انکار کرتا ہے، اور زوجیت کا بھی انکار کرتا ہے، یا دونوں نسب اور زوجیت کا انکار کرتا ہے۔

تشریح: امانت رکھنے والا، اور مقروض امانت کا اور رشتہ دار ہونے کا یعنی دونوں کا انکار کرتا ہے، یا دونوں میں سے ایک چیز کا انکار کرتا ہے تو نفقہ لینے والا دعوی کر کے قاضی کے سامنے اس کو ثابت نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں قضاء علی الغائب ہوگا اس لیے یہ نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) دوسری وجہ جس کو مصنف نے بیان کیا ہے کہ، نفقہ مفقود کے اسی مال میں نہیں ہے جو امانت رکھنے والا، اور قرض لینے والا ہے، بلکہ نفقہ مفقود کے دوسرے مال سے بھی لے سکتا ہے اس لیے اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

۱ وَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ يُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَزَوَّجُ مَنْ شَاءَتْ لِأَنَّ عُمَرَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – هٰكَذَا قَضَى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجِنُّ بِالْمَدِينَةِ وَكَفَى بِهِ إِمَامًا، ۲ وَلِأَنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةٍ اعْتِبَارًا بِالْإِيلَاءِ وَالْعُنَّةِ، وَبَعْدَ هٰذَا الْاِعْتِبَارِ أُخِذَ الْمِقْدَارُ مِنْهُمَا الْأَرْبَعُ مِنَ الْإِيلَاءِ وَالسِّنِينَ مِنَ الْعُنَّةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ.

تشریح: جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہوجائے مثلا موت کی خبر آجائے یا طلاق نہ ہوجائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجه: (۱) اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ **عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر.** (دارقطنی، **كتاب النكاح:** ۳/۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴/**سنن للبيهقي، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها يقين وفاته:** ۷/۷۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) **عن علي في امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هي امرأته ان شاء طلق وان شاء امسك ولا تخير** (**سنن للبيهقي، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها يقين وفاته:** ۷/۷۳۱ نمبر ۱۵۵۶۲/مصنف عبدالرزاق، **باب التي لا تعلم مهلك زوجها:** ۷/۶۷ نمبر ۱۲۳۸۰) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیوں کہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) **عن ابن جريج قال بلغني ان ابن مسعود وافق عليا على انها تنتظره ابدا** (مصنف عبدالرزاق، **باب التي لا تعلم مهلك زوجها:** ۷/۶۷ نمبر ۱۲۳۸۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

ترجمه: ۱ امام مالکؒ نے فرمایا کہ مفقود پر چار سال گزر جائے تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گا، پھر وہ عدت وفات [چار ماہ دس دن گزارے گی، پھر چاہے گی تو نکاح کرلے گی، اس لیے جس آدمی کو مدینہ شریف میں جنات لے گیا تھا حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور ہمارے فیصلے کے لیے ان کا قول کافی ہے۔

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تتربص اربع سنين ثم امر ولي الذي استهوته الجن ان يطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا** (دارقطنی، **كتاب النكاح:** ۳/۲۱۷ نمبر ۳۸۰۳/**سنن للبيهقي، باب من قال تنتظر اربع سنين ثم اربعة اشهر وعشرا ثم تحل:** ۷/۷۳۲ نمبر ۱۵۵۶۶/مصنف عبدالرزاق، **باب التي لا تعلم مهلك زوجها:** ۷/۶۴ نمبر ۱۲۳۶۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ: زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جوان عورت کے لیے آج کل اسی پر فتوی دیتے ہیں۔

ترجمه: ۲ دوسری دلیل یہ ہے کہ مفقود نے غائب رہ کر عورت کا حق روکا اس لیے قاضی ایک مدت گزر جانے کے بعد تفریق کرا دے گا ایلاء پر اور عنین پر قیاس کرتے ہوئے، اس اعتبار کرنے کے بعد دونوں سے مقدار لیا چار کا لفظ ایلاء سے لیا اور سال کا لفظ عنین سے لیا دونوں شبہ پر عمل کرتے ہوئے۔

۳ وَلَنَا قَوْلُهُ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ. وَقَوْلُ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيهَا: هِيَ امْرَأَةٌ ابْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتّٰى يَسْتَبِينَ مَوْتٌ أَوْ طَلَاقٌ خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُورِ فِي الْمَرْفُوعِ، ۴ وَلِأَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوتُهُ وَالْغَيْبَةُ لَا تُوجِبُ الْفُرْقَةَ وَالْمَوْتُ فِي حَيِّزِ الِاحْتِمَالِ فَلَا يُزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ، ۵ وَعُمَرُ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - رَجَعَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - ۶ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْإِيلَاءِ لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعَجَّلًا فَاعْتُبِرَ فِي الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوجِبًا لِلْفُرْقَةِ، وَلَا بِالْعُنَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَةَ تُعْقِبُ الْأَوْبَةَ، وَالْعُنَّةُ وَقَلَّمَا

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔مفقود غائب رہ کر عورت کے حق کو روکا اس لیے قاضی اس کے درمیان تفریق کرا دیگا، البتہ ایلاء میں چار مہینے ہیں، اس لیے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عنین میں ایک سال تک انتظار کا حکم ہے، اس لیے سال کا لفظ عنین سے لیا اور چار سال کا حکم لگا دیا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل مفقود کے بارے میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ جب تک بیان نہ آجائے عورت اس کی بیوی ہے، اور ایک عورت مبتلاء ہوئی تو اس بارے میں حضرت علیؓ کا بھی قول ہے، کہ موت یا طلاق کی وضاحت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ صبر کرے، حضرت علیؓ کا یہ جملہ مرفوع حدیث کا بیان ہے۔

تشریح: ہماری دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے جس میں تھا کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک عورت مفقود کی بیوی ہے۔دوسری دلیل حضرت علی کا قول ہے کہ وہ صبر کرتی رہے۔

وجه: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **عن الحکم ان علیا قال ھی امراۃ ابتلیت فلتصبر حتی یأتیھا موت او طلاق۔** (مصنف عبد الرزاق، **باب اللتی لا تعلم مھلک زوجھا**: ۷/ ۶۷، نمبر ۱۲۳۸۰ / **سنن للبیھقی، باب من قال امراۃ المفقود امراتہ حتی یاتیھا یقین وفاتہ**: ۷/ ۳۱، نمبر ۱۵۵۶۲) اس حضرت علیؓ کے قول میں ہے کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک صبر کرتی رہے۔اور یہ قول صحابی حدیث کا بیان ہے اس لیے اس پر عمل کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح ثابت ہے اور غیبوبت سے فرقت نہیں ہوتی، اور موت کا صرف احتمال ہے اس لیے شک کی وجہ سے نکاح جیسی ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، نکاح ثابت ہے، اور مفقود کی موت ہوئی ہے یا نہیں اس میں شبہ ہے اس لیے شبہ سے ایک ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵ حضرت عمرؓ نے حضرت علی کی بات کی طرف رجوع کیا ہے۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اس کا ثبوت مجھے نہیں ملا۔البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کی موافقت کی ہے۔روایت یہ ہے۔ **بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انھا تنتظرہ ابدا۔** (مصنف عبد الرزاق، **باب التی لا تعلم مھلک زوجھا**: ۷/ ۶۶، نمبر ۱۲۳۸۱) اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے حضرت علی کی موافقت کی ہے۔

ترجمہ: ۶ ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء سے فوری طلاق واقع ہوتی تھی، شریعت نے اس کو چار ماہ کے موخر پر طلاق واقع کی، تاہم ایلاء فرقت کا سبب ہے۔جبکہ غائب ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے۔اور عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیوں کہ غائب ہونے

تَنحَلُّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً. قَالَ (۲۹۷۵)وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ لـ قَالَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –: وَهٰذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْأَقْرَانِ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ بِمِائَةِ سَنَةٍ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِينَ، وَالْأَقْيَسُ أَنْ لَا يُقَدَّرَ بِشَيْءٍ. وَالْأَرْفَقُ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ، وَإِذَا حُكِمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ (۲۹۷۶)وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ لـ كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً إِذِ الْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيقِيِّ

کے بعد واپس ہونے کا امکان ہے جبکہ عنین میں ایک سال گزر چکا ہو تو ٹھیک ہونے کا امکان نہیں ہے، اس لیے عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔

تشریح: یہ امام مالکؒ کے استدلال کا جواب ہے۔ مفقود کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء کا ترجمہ تھا فورا طلاق واقع ہونا، اور شریعت نے اس کو یہ کیا کہ چار مہینے کے بعد طلاق واقع ہوگی تاہم طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن گم ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے اس لیے گم ہونے کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیوں کہ عنین پر ایک سال گزر جائے تو اب اچھا ہونے کی امید نہیں ہے، اور گم ہونے میں ہر وقت یہ امکان ہے کہ وہ گھر آجائے گا، اس لیے گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، اس لیے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عنین سے سال کا عدد لیا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۵) پس جبکہ اس کے لیے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اس کی موت کا۔

تشریح: زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لیے پیدائش سے لے کر ایک سو بیس سال گزر جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: لـ ایک سو بیس سال کا قول امام ابو حنیفہؒ کا حضرت حسن سے ہے اور ظاہر مذہب میں ہم عمر کی موت کے ساتھ اندازہ لگایا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک سو سال سے اندازہ لگایا، اور بعض حضرات نے نوے سال سے اندازہ لگایا، اور زیادہ قیاس کی چیز یہ ہے کہ کسی عمر کی قید نہ لگائی جائے، اور زیادہ آسان یہ ہے کہ نوے سال سے اندازہ لگایا جائے۔ اور جب موت کا حکم لگ گیا تو اس وقت سے عورت عدت وفات گزارے گی۔

تشریح: یہاں پانچ روایتیں بیان کر رہے ہیں [۱] ایک سو بیس سال یہ امام ابو حنیفہؒ سے حضرت حسن کی روایت ہے۔ [۲] دوسری روایت ہے کہ گم ہونے والے کے ہم عمر مر جائیں تو اب اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے۔ [۳] تیسری روایت یہ ہے کہ، ایک سو سال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے، [۴] چوتھی روایت یہ ہے کہ نوے سال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے اور یہ روایت زیادہ آسان ہے۔ [۵] اور پانچویں رائے یہ ہے کہ کسی سال کے ساتھ متعین نہ کیا جائے بلکہ حالات کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا جائے، مثلا گم ہونے کی حالت یہ ہے کہ اب وہ مر گیا ہوگا تو اب مرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور جب موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو اس وقت سے اس کی بیوی عدت وفات چار ماہ دس روز عدت گزارے گی۔ اور موت کے فیصلے کے وقت جو وارثین ہوں گے ان میں مفقود کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۷۶) اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

ترجمہ: لـ گویا کہ ابھی اس کی موت ہوئی ہے حکم کو حقیقی موت پر قیاس کیا جائے گا۔

(۲۹۷۷)وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ ۱؎ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُومَةً
(۲۹۷۸)وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ أَحَدًا مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهِ ۱؎ لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَا يَصْلُحُ حُجَّةً فِي الِاسْتِحْقَاقِ

وجہ:(۱) ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔اس لیے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن قتادة قال اذا مضت اربع سنین من حین ترفع امرأة المفقود امرها انه یقسم ماله بین ورثته** (مصنف عبد الرزاق، باب التی لاتعلم مهلك زوجها: ۷/ ۶۷ نمبر ۱۲۳۷۷) (۳) **ان عمر و عثمان قضیا فی میراث المفقود ان میراثه یقسم من یوم تمضی الاربع سنوات علی امرأته و تستقبل عدتها اربعة اشهر و عشرا** (مصنف عبد الرزاق، باب التی لاتعلم مهلك زوجها: ۷/ ۶۴ نمبر ۱۲۳۶۶)
اس قول صحابی میں ہے۔ کہ چار سال کے بعد مفقود کے لیے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔
نوٹ: ایک سو بیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔
ترجمہ:(۲۹۷۷) ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔
ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ جب تک موت کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے وہ زندہ ہی سمجھا جائے گا۔
تشریح: مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔
وجہ:(۱) مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔اس لیے موت کے فیصلے سے پہلے جو لوگ مر گئے ان کو مفقود کے مال میں حصہ نہیں دیا جائے گا۔(۲) اوپر قول صحابی میں تھا کہ موت کے فیصلے کے بعد وراثت تقسیم ہو گی، اس لیے اس سے پہلے جو مر گیا اس کو وراثت نہیں ملے گی۔
ترجمہ:(۲۹۷۸) مفقود کے گم ہونے کے زمانے میں جو مر گئے ہوں مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔
ترجمہ:۱؎ مفقود کو پچھلی حالت کے اعتبار سے زندہ سمجھا گیا ہے، لیکن یہ وراثت کے مستحق ہونے کے لیے کافی نہیں ہے
تشریح: مثلا ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو لوگ مریں گے مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔
وجہ:(۱) مفقود کا زندہ رہنا مشکوک ہے صرف ظاہری حالت کی وجہ سے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لیے اس کو وراثت نہیں ملے گی، کیوں کہ انکا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔
اصول: مفقود کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لیے اس کے مال میں کوئی وارث نہیں ہوگا۔لیکن مفقود کسی اور کا وارث ہو اس بارے میں اس کو مردہ سمجھا گیا ہے اس لیے وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا۔
لغت: استصحاب حال: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو حالت چل رہی تھی اسی حالت کو ماننا ہے۔**وھو لا یصلح حجة فی الاستحقاق:** وراثت کے مستحق ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہے، کیوں کہ مستحق ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یقینی طور پر وہ

(۲۹۷۹)وَكَذٰلِكَ لَوْ أَوْصَى لِلْمَفْقُودِ وَمَاتَ الْمُوصِي ١ ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُودِ وَارِثٌ لَا يُحْجَبُ بِهِ وَلَكِنَّهُ يَنْتَقِصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى أَقَلَّ النَّصِيبَيْنِ وَيُوقَفُ الْبَاقِي وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهِ لَا يُعْطَى أَصْلًا. بَيَانُهُ: رَجُلٌ مَاتَ عَنْ ابْنَتَيْنِ وَابْنٍ مَفْقُودٍ وَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِي يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوا عَلَى فَقْدِ الِابْنِ وَطَلَبَتْ الِابْنَتَانِ الْمِيرَاثَ تُعْطَيَانِ النِّصْفَ لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيُوقَفُ النِّصْفُ الْآخَرُ وَلَا يُعْطَى وَلَدَ الِابْنِ لِأَنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْمَفْقُودِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَا يَسْتَحِقُّونَ الْمِيرَاثَ بِالشَّكِّ (۲۹۸۰)وَلَا يُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إلَّا إذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ

زندہ ہو، اور مفقود یقینی طور پر زندہ نہیں ہے، اس کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔

ترجمہ:(۲۹۷۹) ایسے ہی کسی نے مفقود کے لیے وصیت کی اور وصیت کرنے والا مر گیا[تو مفقود کو وصیت کی چیز نہیں ملے گی]

تشریح: گم ہونے کے زمانے میں کسی نے مفقود کے لیے وصیت کی تو وصیت کا یہ مال مفقود کو نہیں ملے گا۔

وجہ: کیوں کہ جس دن سے گم ہوا ہے مال لینے کے حق میں اسی دن سے مردہ مانا جائے گا، اس لیے اس کو مال نہیں ملے گا۔

ترجمہ:١ اصل قاعدہ یہ ہے کہ مفقود کے ساتھ کوئی وارث ہو جو محجوب نہ ہوتا ہو لیکن اس کا حق کم ہو جاتا ہو تو کم دیا جائے گا اور باقی مال کو موقوف رکھا جائے گا۔ اور اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو محجوب ہوتا ہو تو اس کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی مرا، اس کو دو بیٹی ہے اور ایک مفقود بیٹا ہے، اور پوتا اور پوتی بھی ہے اور مال اجنبی کے ہاتھ میں ہے اور دونوں [یعنی وارث اور جس کے ہاتھ میں مال ہے] تصدیق کرتے ہیں کہ بیٹا گم ہے، اور دونوں بیٹیوں نے وراثت مانگا تو دونوں بیٹیوں کو آدھا دے دیا جائے گا کیوں کہ اتنا دینا تو یقینی ہے اور دوسرے آدھے کو موقوف رکھا جائے گا اور بیٹے کی اولاد کو نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ مفقود کی وجہ سے وہ محجوب ہیں، کیوں کہ اگر مفقود بیٹا زندہ ہوتا تو پوتے کو حق نہیں ملتا اس لیے مفقود کی زندگی میں شک کی وجہ سے پوتے مستحق نہیں ہوں گے۔

اصول: دوسرا آدمی وارث بنے یا نہ بنے اس بارے میں مفقود کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں مفقود کی دو حالتیں بیان کی جا رہی ہیں [١] مفقود اگر یہاں موجود ہوتا تو اس کی وجہ سے ایک وارث محروم نہیں ہوتا ہو، البتہ کم ملتا ہو تو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کم دیا جائے گا اور جو مال باقی رہے گا وہ اجنبی کے قبضے میں محفوظ رکھا جائے گا۔ [٢] اور اگر مفقود موجود رہتا تو ایک وارث کو کچھ نہیں ملتا تو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

زید مرا، اس نے دو بیٹی فاطمہ اور عائشہ چھوڑی، اور ایک بیٹا عمر چھوڑا جو ابھی گم ہے، اور اس گم بیٹے کا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی ہے، جو زید مرنے والے کا پوتا اور پوتی ہوئی۔ اب اگر عمر بیٹے کو مردہ مان لیا جائے تو دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گی، اور باقی ایک تہائی پوتا اور پوتی کو مل جائے گی، لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جائے گا، بلکہ عمر بیٹے کو زندہ مانا جائے گا، جس کی وجہ سے دونوں بیٹیوں کو آدھا مال ملے گا، اور جو باقی آدھا ہوگا [جو عمر کو ملنا چاہئے] وہ پوتے اور پوتی کو بھی نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ عمر کو زندہ تصور کیا گیا ہے، اور قاعدہ ہے کہ عمر زندہ ہوتا تو یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں ملتا اس لیے عمر کا یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ عمر کے وصی کے پاس رکھا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۹۸۰) اور اجنبی کے ہاتھ سے مفقود کا مال نہیں لیا جائے گا، ہاں اس سے خیانت ظاہر ہو جائے تو اس سے لیا جائے گا۔

ل وَنَظِيرُ هَذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ يُوقَفُ لَهُ مِيرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ آخَرُ إِنْ كَانَ لَا يَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطَى كُلٌّ نَصِيبَهُ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَا يُعْطَى، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطِي الْأَقَلَّ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُودِ وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى بِأَتَمَّ مِنْ هَذَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ. .

تشریح: مفقود کو جو آدھا مال اس کے مورث سے ملا تھا وہ مال وصی کے پاس رکھا جائے گا، اور جب تک اس سے خیانت کا پتہ نہ چلے اس سے نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ وہ وصی ہے۔ اسی طرح اگر مفقود نے اپنا مال کسی کے پاس رکھا تھا تو اس کے گم ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس رکھا جائے گا، کیوں کہ وہ مفقود کا قابل اعتماد آدمی ہے، ہاں اس سے خیانت کا پتہ چلے تو قاضی اس کے ہاتھ سے نکال کر کسی امانت دار کے ہاتھ میں رکھے گا تا کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

ترجمہ: ل مفقود کی مثال حمل ہے، حمل کو لڑکا شمار کر کے اس کا حصہ رکھا جاتا ہے، جیسا کہ فتوی ہے۔

اگر حمل کے ساتھ دوسرے دو وارث ہوں جو کبھی ساقط نہ ہوتے ہوں اور نہ حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو ان وارثوں کو پورا حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کی وجہ سے وراثت ساقط ہو جاتی ہو تو وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو کم والا حصہ دیا جائے گا، کیوں کہ یہ یقینی ہے، جیسا کہ مفقود میں ہوتا ہے۔ کفایۃ المنتہی میں میں پوری تفصیل سے بیان کیا۔

تشریح: مصنفؒ نے وراثت کے بارے میں مفقود کی حالت کو حمل پر قیاس کیا ہے۔ آگے حمل کی دو حالتیں بیان کی ہیں اور مفقود کو اس پر قیاس کیا ہے۔

[۱] زید کا انتقال ہوا اور اس کی بیوی کے پیٹ میں حمل ہے تو اس کو لڑکا شمار کیا جائے گا اور اس حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، پس اگر زید کے ایسے وارث ہیں جو حمل لڑکا ہونے کی وجہ سے محروم نہیں ہوتا، اور نہ اس کا حصہ کم ہوتا ہے تو اس وارث کو پورا حصہ دے دیا جائے گا۔ مثلا زید مرا اور اس نے ایک حمل چھوڑا، ایک زندہ بیٹا چھوڑا، اور ایک دادا چھوڑا، تو دادا کو چھٹا حصہ، یعنی سو میں سے **16.66** دیا جائے گا، باقی رہا **83.34** تو اس میں سے آدھا زندہ بیٹا کو دیا جائے گا جو، **67. 41** ہوگا، اور **41.67** جو باقی رہا وہ حمل کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اگر حمل نہ بھی رہتا تو بھی چونکہ مرنے والے کا ایک بیٹا موجود ہے اس لیے دادا کو چھٹا حصہ ہی ملتا، اس لیے حمل کی موجودگی میں بھی دادا کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔

[۲] اور اگر حمل لڑکا ہو تو وارث محروم ہو جاتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہیں ملے گا، مثلا زید مرا، اور اس نے حمل لڑکا چھوڑا، اور پوتا چھوڑا، اور بھائی چھوڑا، تو اگر بیٹا موجود ہو تو پوتا کو کچھ نہیں ملتا، اور بھائی کو بھی کچھ نہیں ملتا اس لیے یہاں حمل کو لڑکا مان کر پوتے اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا، یہ سارا مال حمل کے وصی کے پاس محفوظ رکھا جائے گا۔

[۳] زید مرا اس نے حمل چھوڑا، اور بیوی چھوڑی، اور ماں چھوڑی۔ اگر لڑکا موجود نہ ہوتا تو ماں کو ایک تہائی ملتی، اور بیوی کو چوتھائی ملتی، اور لڑکا کو موجود مانا جائے تو ماں کو چھٹا ملے گا، اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، پس لڑکے کو موجود مان کر ماں کو چھٹا دیا جائے گا، اور بیوی کو آٹھواں دیا جائے گا، اور حمل کے حصے میں جو مال آئے گا اس کو وصی کے ہاتھ میں محفوظ رکھا جائے گا۔

كِتَابُ الشَّرِكَةِ

(۲۹۸۱)الشَّرِكَةُ جَائِزَةٌ لِ لِأَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بُعِثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُونَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ، قَالَ

(۲۹۸۲)الشَّرِكَةُ ضَرْبَانِ: شِرْكَةُ أَمْلَاكٍ، وَشِرْكَةُ عُقُودٍ. فَشِرْكَةُ الْأَمْلَاكِ: الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَكُلٌّ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ

حاصل یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں حمل کو مانا گیا، بلکہ لڑکا مانا گیا اور اسی حساب سے وراثت تقسیم کی گئی، اسی طرح مفقود کو زندہ مانا جائے گا، اور موجود مانا جائے گا، اور اس کے حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، اور جو مال مفقود کے حصے میں آئے گا اس کو قاضی اس کے وصی کے پاس رکھے گا، تاکہ مفقود کے آنے پر اس کو دیا جائے گا، اس کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

کتاب الشرکۃ

ضروری نوٹ: کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ** (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔ جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالی یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم** (ابو داؤد شریف، باب فی الشرکۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۳) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لیے شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: (۲۹۸۱) شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور دنیا کہ لوگ شرکت کا معاملہ کر رہے تھے اور حضور ﷺ نے اس کو برقرار رکھا [اس لیے شرکت کا معاملہ جائز ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن السائب قال اتیت النبی فجعلوا یثنون علی و یذکرونی، فقال رسول اللہ ﷺ انا اعلمکم یعنی بہ قلت صدقت بابی انت و امی کنت شریکی فنعم الشریک کنت لا تداری و لا تماری۔** (ابو داود شریف، باب فی کراھیۃ المراء، ص ۶۸۳ نمبر ۴۸۳۶ / ابن ماجۃ شریف، باب الشرکۃ و المضاربۃ، ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں ہے کہ حضور خود شرکت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

ترجمہ: (۲۹۸۲) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔ پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔ پس دونوں میں سے ایک کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے حصے میں بغیر دوسرے کی اجازت کے تصرف کرے، اور ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

تشریح: شرکت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک کو شرکت املاک کہتے ہیں اور دوسری کو شرکت عقود کہتے ہیں۔ شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ مثلا والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آ گئی۔ اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے تو دونوں

ل وَهٰذِهِ الشَّرِكَةُ يَتَحَقَّقُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ فِي الْكِتَابِ كَمَا إِذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا أَوْ مَلَكَاهَا بِالِاسْتِيلَاءِ أَوْ اخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعِ أَحَدِهِمَا أَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيزَ رَأْسًا أَوْ إِلَّا بِحَرَجٍ،

ایجاب وقبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔ چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لیے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔ یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لیے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

شرکت املاک میں ہر فریق دوسرے کے لیے اجنبی کی طرح ہے، اس لیے ایک کو دوسرے کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجه: (۱) وراثت میں شرکت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔ **فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ** (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) (۲) اور خریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن زهرة بن معبد انه كان يخرج به جده عبد الله بن هشام الى السوق فيشترى الطعام فيلقاه ابن عمر و ابن الزبير فيقولان له اشركنا فان النبى ﷺ قد دعا لك بالبركة فيشركهم** (بخاری شریف، **باب الشركة فى الطعام وغيره** ص ۴۴۰ نمبر ۲۵۰۲ / **سنن للبيهقى، باب الشركة فى البيع:** ۶/ ۳۰ نمبر ۱۱۴۲۶) اس عمل صحابی میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔ اور بغیر اجازت کے دوسرے کے حصے کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجه: (۱) اگر چہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے لیے باری مقرر کر دے اور باری باری استعمال کرے (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ **عن عمر بن يثربى قال شهدت رسول الله ﷺ فى حجة الوداع بمنى فسمعته يقول لا يحل لامرأ من مال اخيه شىء الا ما طابت به نفسه۔** (دار قطنی، **كتاب البيوع:** ۳/ ۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

ترجمه: ل متن میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ کے طریقے سے بھی شرکت املاک ہو جاتی ہے، مثلا دو آدمیوں کو کوئی چیز ہبہ کر دی، یا دو آدمیوں نے کسی حربی سے زبردستی اس کی چیز لے لی۔ یا دو آدمیوں کا مال بغیر اس کے ارادے کے مل گئے، یا دونوں نے اپنا اپنا مال اس طرح ملا لیا کہ اب الگ الگ کرنا ناممکن ہے، یا الگ ہو تو سکتا ہو لیکن مشکل سے۔

تشریح: قدوری کی متن میں شرکت املاک کی دو صورتیں بیان کی ہیں، مصنفؒ شرکت املاک کی چار صورتیں اور بیان کر رہے ہیں [۱] دو آدمیوں کا ایک چیز ہبہ کی تو یہ دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ [۲] دو آدمیوں نے حربی سے ایک چیز چھینی تو یہ دونوں اس چیز میں شریک ہو گئے۔ [۳] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی مثلا چنا اور مٹر ایک جگہ رکھی اور بغیر دونوں کے ارادے کے دونوں مل گئے تو بھی شرکت املاک ہو گئی۔ [۴] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی اور دونوں نے جان کر ملا دیا تو یہ بھی شرکت املاک ہے۔ آگے ملنے کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں، [۱] ایک یہ کہ دونوں چیزوں کا الگ ہونا اب ناممکن ہے، مثلا نمک اور شکر مل گئے تو ان دونوں کا

ل وَيَجُوزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيبَهُ مِنْ شَرِيكِهِ فِي جَمِيعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا فِي صُورَةِ الْخَلْطِ وَالِاخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى (۲۹۸۳)وَالضَّرْبُ الثَّانِي: شِرْكَةُ الْعُقُودِ، وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارَكْتُك فِي كَذَا وَكَذَا وَيَقُولُ الْآخَرُ قَبِلْت ل وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدَ الشَّرِكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُونَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا

الگ الگ ہونا ناممکن ہے[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا الگ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن مشکل سے الگ ہوتا، جیسے مٹر اور چنا، کہ دونوں کو چن کر الگ الگ کیا تو جاسکتا ہے، لیکن بہت مشکل ہے۔

لغت:يمنع التميز راسا: بالکل الگ نہیں ہوسکتا ہو۔ **الا بحرج:** اس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن بہت مشکل سے الگ ہوتا ہو۔

ترجمہ: ۲ ان تمام صورتوں میں اپنا حصہ اپنے شریک سے بیچ سکتا ہے۔ اور شریک کی اجازت کے بغیر دوسروں سے بھی بیچ سکتا ہے۔ لیکن اگر چیز مل گئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے ہاتھ نہیں بیچ سکتا۔ کفایۃ المنتہی میں میں نے اس کا فرق بیان کیا ہے

تشریح: یہاں شرکت املاک کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ اگر دونوں کی ملکیت بالکل خلط ملط ہوگئی ہو تب تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے سے بیچنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خلط ملط نہیں ہوئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ دوسرے سے بیچنا جائز ہے۔

وجہ: بالکل خلط ملط ہوئی ہے تو اس کو مشتری کو سپرد کرنا مشکل ہوگا اس لیے شریک کی اجازت کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۸۲) دوسری صورت عقود کی شرکت ہے، اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے، مثلا ایک شریک کہے کہ میں نے تم کو شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا۔

ترجمہ: ا شرکت عقد کی شرط یہ ہے کہ جس چیز میں شریک کیا اس میں وکیل بننے کی صلاحیت ہو تاکہ تصرف کر کے اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور یہ نفع دونوں میں مشترک ہو، اور شرکت کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو جائے۔

تشریح: شرکت عقود کا مطلب یہ ہے کہ معاملات میں شرکت کر رہا ہے، اس لیے اس کا رکن اور اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک شریک کہے کہ میں نے شریک کیا، اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا تو شرکت ہو جائے گی۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جس میں شریک کر رہا ہو اس میں وکالت بھی جاری ہو سکتی ہو، تاکہ وکیل بن کر معاملہ کرے اور اس سے نفع اٹھائے، اور شریک کو تقسیم کر کے دے سکے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ لکڑی چننے میں شریک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ لکڑی چننے میں وکالت نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ لکڑی جو چنتا ہے اسی کا ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۳) اور دوسری قسم شرکت عقود ہے۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

ترجمہ: ا شرکت عقود کو عقود اس لیے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو شرکت عقود کہتے ہیں۔ اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: مُفَاوَضَةٌ، وَعِنَانٌ، وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ، وَشِرْكَةُ الْوُجُوهِ. (۲۹۸۴)فَأَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِي مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا لِأَنَّهَا شِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ التِّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشِّرْكَةِ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنَ الْمُسَاوَاةِ، قَالَ قَائِلُهُمْ: لَا يَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضَى لَا سُرَاةَ لَهُمْ وَلَا سَرَاةَ إِذْ جُهَّالُهُمْ سَادُوا أَيْ

ترجمہ: (۲۹۸۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں، یا دین، یعنی مذہب میں۔

تشریح: مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لیے دونوں شریک تین باتوں میں برابر ہوں [۱] دونوں کا مال برابر ہو، ایک کا مال کم اور دوسرے کا زیادہ نہ ہو۔ [۲] دونوں کا تصرف برابر ہو، ایک مثلا آزاد ہے، اور دوسرا غلام ہے تو آزاد کا تصرف زیادہ ہے اور غلام کا تصرف کم ہے تو ان دونوں میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ [۳] دونوں کا مذہب برابر ہو، مثلا ایک کافر ہے وہ سور خریدے گا، اور دوسرا مسلمان ہے جو سور نہیں خرید سکے گا تو کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے دونوں پر قرض برابر ہو، یعنی کسی ایک نے قرض لیا تو یہ قرض دونوں پر آئے گا، اور دونوں اس کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ: (۱) شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن صالح بن صهيب عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فيهن البركة البيع الى اجل و المقارضة واخلاط البر بالشعير للبيت لا للبيع.** (ابن ماجہ شریف، **باب الشركة والمضاربة** ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹) اکثر روایت میں مقارضہ، قرض سے ہے، لیکن بعض روایت میں مفاوضہ، وفاضہ سے ہے، اس لیے مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ ثابت ہوگی (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن ابن سيرين قال المفاوضة فى المال اجمع** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضين... احدهما او يرث مالا هل يكون بينهما:** ۸/ ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۷) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا۔ (۳) اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لیے یہ اثر ہے۔ **اخبرنا سفيان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء فى المال وحتى يخلطا اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض.** اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں۔ اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں۔ **وما ادان واحد من المتفاوضين فقال قد ادنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغريم يأخذ ايهما باع سلعته اخذ المبتاع ايهما شاء** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضين**، ج ثامن، ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک کا بیچنا، خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لیے ہوں گے۔ اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ شرکت مفاوضہ تمام تجارتوں میں شرکت ہے شرکت کا کوئی بھی معاملہ ہو ایک شریک دوسرے پر سونپتا ہے، کیوں کہ مفاوضہ کا ترجمہ ہے مساوات، [برابری] چناں چہ شاعر نے کہا، جب لوگ بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی سردار نہ رہے، اور جاہل لوگ سردار بن جائیں تو اس میں سرداری نہیں رہ سکتی۔ اس شعر میں فوضی کا ترجمہ برابری، ہے اس لیے شرکت کے شروع میں بھی برابری ہو اور آخیر میں بھی برابری ہو۔

مُتَسَاوِيَيْنِ. فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذَلِكَ فِي الْمَالِ، ٢ وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصِحُّ الشَّرِكَةُ فِيهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا لَا يَصِحُّ الشَّرِكَةُ فِيهِ، ٣ وَكَذَا فِي التَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَا يَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِي، وَكَذَلِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى، ٤ وَهَذِهِ الشَّرِكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ لَا تَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. وَقَالَ مَالِكٌ: لَا أَعْرِفُ مَا الْمُفَاوَضَةُ. وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتِ الْوَكَالَةَ بِمَجْهُولِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُولٍ، وَكُلُّ ذَلِكَ بِانْفِرَادِهِ فَاسِدٌ. ٥ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ -ﷺ- فَاوِضُوا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُونَهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ

تشریح: مفاوضہ کا معنی ہے برابری، اس لیے شرکت مفاوضہ میں دونوں کا مال بھی برابر ہو، دونوں کا تصرف بھی برابر ہو، اور دونوں جو قرض لائے گا وہ بھی دونوں پر برابر ہوگا۔ مصنفؒ نے عربی کے ایک شعر سے استدلال کیا ہے، جس میں فوضی کا ترجمہ برابری ہے۔

ترجمہ: ٢ اور یہ مال میں ہوگا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جس مال میں شرکت ممکن ہو اس میں برابری ہو، اور جس میں شرکت نہیں ہے اس میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: درہم اور دینار میں شرکت مفاوضہ ہوتی ہے اس لیے اس میں برابری ہو، یعنی دونوں کا درہم برابر ہو۔ اور سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی اس لیے اس میں کم بیش ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہاں جب سامان کو بیچے گا تو اس کی جو قیمت آئے گی اس میں برابری ہو۔

ترجمہ: ٣ اسی طرح تصرف میں بھی دونوں برابر ہوں کیوں کہ ایک آدمی تصرف کر سکتا ہو اور دوسرا اس بارے میں تصرف نہیں کر سکتا ہو تو برابری نہیں رہی، ایسے مذہب میں بھی دونوں برابر ہوں [یا قرض لینے میں بھی دونوں برابر ہوں]، اس بات کو بعد میں بیان کروں گا ان شاء اللہ

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٤ یہ شرکت مفاوضہ ہمارے نزدیک استحسانا جائز ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، چناں چہ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام مالک نے تو فرمایا کہ مفاوضہ کیا چیز ہے، مجھے اس کا علم نہیں ہے، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مجہول جنس کی وکالت ہے، اور کفالت بھی مجہول چیز کی ہے [یعنی کیا کام کریں گے اور کیا خریدیں گے یہ ابھی معلوم نہیں ہے] اور دونوں الگ الگ ہوں اور دونوں مجہول ہو تو فاسد ہے اس لیے دونوں ایک ساتھ ہو تب بھی فاسد ہوگا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جب ہو جائے گی تو کس چیز میں تجارت کرے گا، یہ پتہ نہیں ہے، اس لیے ایک دوسرے کا جو وکیل ہوگا، وہ کس مال میں ہوگا یہ ابھی معلوم نہیں ہے اس لیے مجہول الجنس ہوا، اسی طرح کس مال میں ایک دوسرے کا کفیل بنے گا ابھی یہ معلوم نہیں ہے، اس لیے کفالت میں جہالت ہوئی اس لیے کہ شرکت جائز نہیں ہونی چاہئے، چناں چہ امام شافعی، اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ ان کے یہاں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، لیکن حدیث کی بنا پر ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: ٥ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شرکت مفاوضہ کیا کرو اس لیے کہ اس میں برکت ہے، اور لوگ بغیر نکیر کے یہ شرکت کرتے چلے آئے ہیں اس لیے اس سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن صالح بن صهيب عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فيهن البركة**

۶ وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمَّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ(۲۹۸۵) وَلَا تَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَةِ لِ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِّ، حَتَّى لَوْ بَيَّنَا جَمِيعَ مَا تَقْتَضِيهِ تَجُوزُ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنَى. قَالَ (۲۹۸۶)فَتَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحَقُّقِ التَّسَاوِي، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا تَجُوزُ أَيْضًا لِمَا قُلْنَا وَلَا تَجُوزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ لِانْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ، لِأَنَّ الْحُرَّ الْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ، وَالْمَمْلُوكُ لَا يَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى، وَالصَّبِيُّ لَا يَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إِلَّا بِإِذْنِ الْوَلِيِّ.

البيع الى اجل والمقارضة واختلاط البر بالشعير للبيت لا للبيع۔ (ابن ماجہ شریف، باب الشركة والمضاربة،ص۳۲۶،نمبر ۲۲۸۹)

ترجمہ: ۶ اور جو وکالت، اور کفالت کی جہالت ہے وہ تابع کے طور پر ہے اس لیے اس کو برداشت کرلیا جائے گا، جیسے بیع مضاربت میں وکالت مجہول ہوتی ہے پھر بھی اس کو برداشت کرلیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مجہول وکالت کو برداشت کرلیا جائے گا۔

تشریح: یہ جملہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ شرکت مفاوضہ کی وکالت، اور کفالت میں جہالت ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ جہالت تابع میں ہے اس لیے اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، جیسے مضاربت میں تابع میں جہالت ہوتی ہے اس لیے اس کو برداشت کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی برداشت کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۸۵) مفاوضہ کے لفظ سے ہی شرکت مفاوضہ منعقد ہوگی۔

ترجمہ: لِ کیوں کہ عوام اس کی شرطوں کو نہیں جانتے ہیں، چناں چہ مفاوضہ کا جو تقاضہ ہے اگر اس کو بیان کر دیا جائے تو شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے گی، اس لیے کہ معنی کا ہی اصل اعتبار ہے۔

تشریح: عوام کو شرکت مفاوضہ کی شرطوں کا پتہ نہیں ہوتا، اس لیے لفظ مفاوضہ سے شرکت مفاوضہ منعقد ہوگی، لیکن اگر کوئی آدمی مفاوضہ کا لفظ نہ بولے، اور اس کی تمام شرطوں کو بیان کر دے تب بھی مفاوضہ منعقد ہو جائے گی، کیوں کہ معنی کا اعتبار ہے اور معنی بیان کر دیا ہے اس لیے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۶) شرکت مفاوضہ جائز ہے اگر دونوں شریک آزاد ہوں، بڑے ہوں دونوں مسلمان ہوں یا دونوں ذمی ہوں، کیوں کہ تصرف میں دونوں برابر ہیں، اور اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز ہے [کیوں کہ دونوں کافر ہیں]، اور ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح ایک بچہ ہو اور دوسرا بالغ ہو تو بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ برابری نہیں ہے۔ کیوں کہ آزاد اور بالغ تصرف کا مالک ہے اور کفالہ کا مالک ہے اور جو غلام ہے وہ آقا کی اجازت کے بغیر نہ تصرف کر سکتا ہے اور نہ کفیل بن سکتا ہے۔ اور بچہ ولی کی اجازت کے بغیر نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ تصرف کر سکتا ہے [اس لیے یہاں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ یا ایک بالغ ہو اور دوسرا بچہ ہو تو شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ دونوں ذمی ہوں تب بھی شرکت مفاوضہ ہو جائے گی، کیوں کہ دونوں کا مذہب ایک ہے اسی طرح ایک نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز

قَالَ (۲۹۸۷)وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ ۚ لِ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَجُوزُ لِلتَّسَاوِي بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِيِّ وَالْحَنَفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ. وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ لَا يَهْتَدِي إِلَى

ہے، کیوں کہ نصرانی اور مجوسی کا مذہب تقریبا ایک جیسا ہے، اس لیے دونوں ایک دوسرے کا کفیل بھی بنے گا اور وکیل بھی بنے گا۔

وجه: (۱) اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لیے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لیے خریدتے ہیں۔ اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔ اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔ اس لیے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں تھا۔ **عن ابن سیرین... فاذا کانت شرکۃ مفاوضۃ فامر کل واحد جائز علی صاحبہ فی البیع و الشراء و الاقالۃ** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین یقر احدھما او یرث مالا ھل یکون بینھما؟**: ۸/۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

ترجمه: (۲۹۸۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان۔

وجه: (۱) اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لیے نہیں ہوگی کہ مثلا کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا نہیں کر سکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لیے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لیے ہو۔ یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سود اپنے لیے اور آدھا سود مسلمان کے لیے ہو۔ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ شراب، سور اور سود مسلمان کے لیے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہیں۔ اس لیے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔ شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہو سکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ **قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم و انہ مشارک الیھودی و النصرانی قال لا تشارک یھودیا و لا نصرانیا و لا مجوسیا قلت لم؟ قال لانھم یربون الربوا لا یحل۔** (سنن للبیہقی، **باب کراھیۃ مبایعۃ من اکثر مالہ من الربا او ثمن المحرم**: ۵/۵۴۷، نمبر ۱۰۸۲۲/ مصنف ابن ابی شیبۃ **۲۸ فی مشارکۃ الیھودی و النصرانی**: ۴/۲۶۸، نمبر ۱۹۹۷۳) اس اثر میں یہودی، نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

ترجمه: ۱ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی رائے ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکالت اور کفالت میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں اس لیے ان دونوں میں شرکت مفاوضہ جائز ہے، اور کسی ایک کو زیادہ تصرف ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسے شافعی اور حنفی کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، حالانکہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، لیکن ذمی اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ مکروہ ہے اس لیے کہ ذمی کئی معاملے میں صحیح کام نہیں کر سکے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے

الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُودِ. ٢ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَسَاوِي فِي التَّصَرُّفِ، فَإِنَّ الذِّمِّيَّ لَوِ اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُورًا أَوْ خَنَازِيرَ صَحَّ، وَلَوِ اشْتَرَاهَا مُسْلِمٌ لَا يَصِحُّ (٢٩٨٨)وَلَا يَجُوزُ بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيَّيْنِ وَلَا بَيْنَ الْمُكَاتَبَيْنِ ١ لِانْعِدَامِ صِحَّةِ الْكَفَالَةِ، وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِ شَرْطِهَا، وَلَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الْعِنَانِ كَانَ عِنَانًا لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْعِنَانِ، إِذْ هُوَ قَدْ يَكُونُ خَاصًّا وَقَدْ يَكُونُ عَامًّا. قَالَ (٢٩٨٩)وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ ١ أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشَّرِكَةُ فِي الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ: فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا هُوَ مِنْ مُوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيعًا.

شوافع اور حنفی کے درمیاں یہ اختلاف ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ حلال ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حلال نہیں ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، اسی طرح مسلم اور کافر کے درمیاں تصرف میں تھوڑا سا اختلاف ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیاں شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن بعض جگہ کافر شریعت کے مطابق کام نہیں کر پائے گا اس لیے مکروہ ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لیے وہ وکیل اور کفیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے مسلمان ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ: ٢ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی تصرف میں مسلمان کے برابر نہیں ہے، کیوں کہ ذمی اگر شرکت کے مال سے شراب اور سور خریدے تو اس کے لیے صحیح ہے لیکن اگر اس کو مسلمان خریدے تو اس کے لیے صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ ذمی شراب اور سور خریدے گا تو اس کے لیے صحیح ہے، لیکن شرکت مفاوضہ کی وجہ سے وہ وکیل ہے اس لیے شراب اور سور کا آدھا حصہ مسلمان کا بھی ہوگا، جو کسی حال میں صحیح نہیں ہے اس لیے مسلمان کا ذمی کے ساتھ شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (٢٩٨٨) دو غلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور نہ دو بچوں کے درمیان، اور نہ دو مکاتب کے درمیان۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ کفالہ صحیح نہیں ہے، اس لیے شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ان چیزوں میں مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور چونکہ شرکت عنان میں کفالت کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے عنان کی ساری شرطیں موجود ہیں اس لیے شرکت عنان جائز ہے، اس لیے کہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے اور کبھی عام ہوتی ہے۔

تشریح: دو غلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اسی طرح دو بچوں کے درمیان بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور اسی طرح دو مکاتب غلام کے درمیان میں بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ شرکت عنان جائز ہے۔

وجہ: ابھی اوپر گزرا کہ شرکت مفاوضہ میں ایک دوسرے کا کفیل بھی ہوتے ہیں۔ اور غلام کسی کا کفیل نہیں بن سکتا اس لیے شرکت مفاوضہ نہیں ہو گی، اسی طرح بچہ بھی کفیل نہیں بن سکتا، اور مکاتب غلام بھی کفیل نہیں بن سکتا اس لیے ان لوگوں کے درمیاں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ ہاں شرکت عنان میں ایک دوسرے کا کفیل بننا شرط نہیں ہے اس لیے ان لوگوں کے درمیان شرکت عنان ہو سکتی ہے، شرکت عنان کی بحث آئے گی۔

ترجمہ: (٢٩٨٩) شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

ترجمہ: ١ وکالت اس لیے ہوگی تا کہ مقصد حاصل ہو جائے، اور مقصد یہ ہے کہ جو مال خریدے وہ دونوں کا ہو جائے۔ اور کفالہ اس لیے کہ قرضے میں دونوں برابر ہو جائیں، کیوں کہ یہ تجارت کے لوازمات ہیں، کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پر قرض کا مطالبہ ہو۔

قَالَ (۲۹۹۰)وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَكُونُ عَلَى الشَّرِكَةِ إلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَكِسْوَتَهُمْ لـ وَكَذَا الْإِدَامُ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاةُ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ، وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا، إلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّهُ مُسْتَثْنًى عَنْ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُورَةِ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّاتِبَةَ

تشریح: شرکت مفاوضہ میں دونوں ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے، اور کفیل بھی ہوتا ہے۔ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ مثلا زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی، اور زید نے شرکت کے سرمایہ سے جو کچھ خریدا اس میں سے آدھا عمر کا بھی ہوگا، کیوں کہ زید عمر کا وکیل ہے۔ اور کفیل کا مطلب یہ ہے کہ زید پر جو کچھ قرض آئے گا اس میں سے آدھا عمر پر بھی قرضہ آئے گا، کیوں کہ کفالت کی وجہ سے عمر بھی قرضہ کا ذمہ دار ہے۔

وجہ: (۱) **عن ابن سیرین... فاذا کانت شرکۃ مفاوضۃ فامر کل واحد جائز علی صاحبہ فی البیع و الشراء و الاقالۃ** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین یقر احدھما او یرث مالا ھل یکون بینھما؟** ۸: ۲۰۰/ نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں (۲) **اخبرنا سفیان... فلا تکون مفاوضۃ حتی یخلطا و ما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا و کذا فھو مصدق علی صاحبہ۔** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین یقر احدھما او یرث مالا ھل یکون بینھما؟** ۸: ۲۰۱/ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک نے قرض لیا تو یہ دونوں پر ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۹۰) دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

اصول: تجارت کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک کا بھی ہوگا، لیکن نجی ضروریات کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک پر نہیں ہو گا، کیوں کہ وہ تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

تشریح: دونوں شریکوں میں سے ہر ایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لیے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لیے ہوگا۔ البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لیے وہ جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لیے ہوں گے۔ شریک کے لیے نہیں ہوں گے۔ صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ مفاوضہ میں مساوات ہوتی ہے مساوات۔

وجہ: کیوں کہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔ **عن ابن سیرین... فاذا کانت شرکۃ مفاوضۃ فامر کل واحد جائز علی صاحبہ فی البیع و الشراء و الاقالۃ** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین** ج ثامن، ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۶) اس اثر میں ہے کہ خرید و فروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل و عیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لیے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول: شرکت مفاوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

لغت: **کسوۃ:** کپڑا وغیرہ۔ **ادام:** سالن۔

ترجمہ: لـ ایسے ہی خود شریک کا کپڑا، اور ایسے ہی سالن، اس لیے کہ مساوات کا مقصد یہ ہے کہ تصرف میں دونوں ایک دوسرے کا قائم مقام ہو اور ایک کا خریدنا دوسرے کے لیے ہو، مگر متن میں جس کو الگ کیا ہے [وہ ایک کا خریدنا دوسرے کے لیے نہیں ہوگا] اور یہ

مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ، وَلَا يُمْكِنُ إِيجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا التَّصَرُّفُ مِنْ مَالِهِ، وَلَا بُدَّ مِنَ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ ضَرُورَةً. وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الشَّرِكَةِ لِمَا بَيَّنَّا (۲۹۹۱)وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ ١ الْمُشْتَرِي بِالْأَصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ، ٢ وَيَرْجِعُ الْكَفِيلُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِحِصَّتِهِ مِمَّا أَدَّى لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا. قَالَ (۲۹۹۲)وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدُّيُونِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الِاشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ ١ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ،

استحسان کا تقاضہ ہے، اس لیے کہ ضرورت کی بنا پر یہ خریداری مفاوضہ سے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ روزمرہ کی ضرورت تو ہونے والی ہے، لیکن یہ خریداری شریک پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ان چیزوں کو شرکت کے مال خریدا جا سکتا ہے، حالانکہ اس کا خریدنا ضروری ہے، اس لیے ضرورت کی بنا پر اس کو خاص کر دیا، حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ خریداری بھی شرکت پر ہو، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا] کہ دونوں میں مساوات ضروری ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ میں برابری ہوتی ہے، اور ہر چیز میں شریک وکیل ہوتا ہے اس لیے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کھانا اور کپڑا خریدے تب بھی شرکت میں ہو، لیکن استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ کھانا کپڑا وغیرہ نجی ضروریات کی چیزوں میں شرکت نہیں ہوگی، کیوں کہ ہر ایک کی ضرورت الگ الگ ہیں، اس لیے ایک کی چیز دوسرے پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ہی شرکت کے مال سے یہ چیزیں خریدنا جائز ہوگی۔ اور اصل بات یہ ہے کہ تجارت کی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے، نجی ضروریات میں شرکت نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے قول تابعی سے بیان کر دیا گیا۔

ترجمہ: (۲۹۹۱) اور بائع کے لیے جائز ہے کہ جس شریک سے چاہیں قیمت لے لیں۔

ترجمہ: ١ خریدنے والے سے اس لیے کہ اس نے ہی خریدا ہے، اور اس کے ساتھی سے اس لیے کہ وہ بھی ذمہ دار ہے [کفیل ہے]

تشریح: جس نے بیچا ہے اس کے لیے دو اختیار ہیں [۱] خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کرلے، کیوں کہ اس نے ہی خریدا ہے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کے شریک سے وصول کرلے، کیوں کہ وہ بھی کفیل اور ذمہ دار ہے۔

ترجمہ: ٢ پھر کفیل اپنے حصے کا خریدنے والے سے وصول کرے گا اس لیے کہ خریدنے والے کا قرض مشترک مال سے ادا کیا ہے۔

تشریح: بائع نے کریدنے والے سے قیمت وصول نہیں کی بلکہ اس کے ساتھی سے قیمت وصول کی تو ساتھی کو یہ حق ہوگا کہ جتنا حصہ مشتری کا ادا کیا وہ مشتری سے وصول کرلے۔

ترجمہ: (۲۹۹۲) اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ١ برابری کو ثابت کرنے کے لیے۔

تشریح: تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

۲ فَمَا يَصِحُّ فِيهِ الِاشْتِرَاكُ اَلشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالِاسْتِئْجَارُ، وَمِنَ الْقِسْمِ الْآخَرِ الْجِنَايَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَعَنِ النَّفَقَةِ. قَالَ (۲۹۹۳)وَلَوْ كَفَلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَلْزَمُهُ ۱ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَالْمُكَاتَبِ، وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيضِ يَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ.

وجه: (۱) شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔ اس لیے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے (۲) قول تابعی گزر چکا ہے۔ **اخبرنا سفیان... وما ادان واحد من المفاوضین فقال قد ادنت کذا و کذا فھو مصدق علی صاحبه و ان مات احدھما اخذ الآخر و ان شاء الغریم یأخذ ایھما باع سلعته اخذ المبتاع ایھما شاء** (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ پس جس میں دونوں کا اشتراک صحیح ہے وہ خریدنا ہے، بیچنا ہے، اجرت پر لینا ہے۔ اور جس میں اشتراک صحیح نہیں ہے، وہ شریک کا جرم کرنا ہے، نکاح کرنا ہے، خلع کرنا ہے، جان کر کسی کو قتل کیا اس پر صلح کرنا ہے، یا بیوی کے نفقے کے بارے میں صلح کرنا ہے [ان چیزوں میں ایک شریک نے کیا تو اس کا آدھا دوسرے ساتھی پر نہیں جائے گا، کیوں کہ یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہے]

اصول: جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے ہو ان میں ایک شریک کرے گا تو اس کا آدھا دوسرے پر بھی لازم آئے گا، اور جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے نہ ہو، بلکہ اس کا نجی ہو وہ معاملہ کرے گا تو جو کرے گا اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی، شریک پر اس کا آدھا حصہ نہیں آئے گا۔

تشریح: خریدنا، بیچنا، تجارت کے کام کے لیے کسی کو اجرت پر لینا، ان میں شرکت ہوگی، اور ایک کرے گا تو اس کا آدھا دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا، کیوں کہ یہ تجارت کے متعلقات ہیں۔ ایک شریک نے کوئی جرم کر لیا، اپنا نکاح کر لیا جس سے اس پر مہر لازم ہوا، عورت شریک تھی اس نے اپنا خلع کیا جس کے بدلے میں رقم دینی پڑی، جان کر قتل کیا اور اس کے بدلے میں رقم دے کر صلح کی، بیوی کا نفقہ لازم ہوا تو یہ سب جس شریک نے کیا ہے اسی پر لازم ہوگا، اس کا آدھا دوسرے پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ سب تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۹۳) اگر دو شریکوں میں سے ایک اجنبی کے مال کا کفیل بنا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دوسرے شریک کو بھی یہ مال لازم ہو جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دوسرے شریک کو لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ کیوں کہ یہ احسان کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ، ماذون غلام، اور مکاتب کفیل نہیں بن سکتا، اور مریض کفیل بنے تو تہائی مال سے ہی کفالت جاری ہوتی ہے [یہ دلیل ہے کہ کفالت تبرع اور احسان ہے] اور ایسا ہو گیا کہ قرض دینا اور کفالہ بالنفس لینا [یہ شریک پر نہیں ہوتا تو مال کا کفالہ بھی شریک پر نہیں ہوگا]

لغت: کفالہ بالمال: کسی کے مال کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لینا، اگر یہ [**مکفول عنہ**] اس آدمی کے حکم سے کفالت لی ہے تو جو رقم اس کو دیا ہے وہ واپس لے سکے گا، اس صورت میں یہ ابتداء میں احسان ہے، لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہے۔ اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ذمہ داری لی ہے تو جو رقم کفالہ میں دی ہے اس کو واپس نہیں لے سکے گا، یہ تبروع اور احسان ہوگا، ہاں وہ خود دے دے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ اس صورت میں یہ کفالہ ابتداء میں بھی احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے۔ **کفالہ بالنفس:** کسی کو قاضی کے پاس

۲ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّي عَلَى الْمَكْفُولِ عَنْهُ إِذَا كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ، فَبِالنَّظَرِ إِلَى الْبَقَاءِ يَتَضَمَّنُهُ الْمُفَاوَضَةُ، وَبِالنَّظَرِ إِلَى الِابْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِمَّنْ ذَكَرَهُ وَتَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ مِنَ الْمَرِيضِ،

حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا، مثلا زید نے کسی کو قتل کیا تھا اس لیے قاضی اس کو دار القضاء میں بلا رہے تھے، تو عمر نے یہ ذمہ داری لی کہ فلاں تاریخ کو میں اس کو قاضی کے سامنے حاضر کروں گا، اس کو کفالہ بالنفس، کہتے ہیں، یہ ابتداء میں بھی تبروع اور احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے، کیوں کہ اس میں کوئی رقم ملنے والی نہیں ہے۔ **لو صدر من المریض**: ایسا آدمی جو مرض الموت میں مبتلاء ہو وہ وصیت کرے تو تہائی مال میں اس کی وصیت جاری ہوتی ہے، اسی طرح وہ کسی کا کفیل بن جائے تو اپنے تہائی مال سے کفالہ ادا کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، کیوں کہ کفالہ ابتداء احسان ہے۔ **مکفول لہ**: جس آدمی کی جانب سے کفیل بنا ہے اس کو مکفول عنہ، کہتے ہیں۔

اصول: تبرع کی چیز میں شریک ذمہ دار نہیں ہوگا، تجارت کی چیز کی آدھی شریک کے ذمے ہوگی۔

تشریح: مثلا زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی، پھر زید نے خالد پر ایک ہزار درہم قرض تھا اس کو ادا کرنے کی کفالت یعنی ذمہ داری لے لی، تو کیا آدھا یعنی پانچ سو درہم عمر پر بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ پانچ سو درہم عمر پر بھی آئے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پانچ سو درہم عمر پر نہیں آئے گا۔

وجہ: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زید نے جو کفالہ لیا ہے وہ تبرع کے طور پر ہے، وہ کوئی مالی تجارت نہیں ہے، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ کوئی مالی تجارت ہو اسی کی رقم شریک کے ذمے ہوتی ہے۔ یہ کفالہ تبروع ہے، صاحبین نے اس کی پانچ دلیلیں دی ہیں۔ [۱] یہ کفالہ بچہ نہیں لے سکتا، کیوں کہ بچہ وہی لے سکتا جس میں مالی فائدہ ہو یا تجارت کی چیز ہو، اور اس میں مالی فائدہ نہیں ہے اس لیے بچہ کفالہ نہیں لے سکتا۔ [۲] وہ غلام کس کو تجارت کی اجازت ہو وہ بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیوں کہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے۔ [۳] مکاتب غلام بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیوں کہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے۔ [۴] کوئی مرض الموت میں مبتلاء ہو تو وہ تجارت کر سکتا ہے، لیکن کفالہ نہیں لے سکتا، اگر لے گا تو صرف تہائی مال میں یہ کفالہ جاری ہوگا، جیسے وصیت میں جاری ہوتی ہے۔ [۵] زید اپنے لیے قرض لے لے تو یہ قرض شریک پر نہیں آئے گا، کیوں کہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، تبرع ہے۔ [۶] زید کفالہ بالنفس لے لے تو یہ ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی کیوں کہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے، پس جس طرح ان چھ میں شریک پر ذمہ داری نہیں ہوگی، اسی طرح مال کا کفالہ لیا تو اس کی آدھی ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ شروع میں تبروع ہے لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جو کچھ ادا کیا مکفول عنہ پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہے، اگر اس کے حکم سے ہو، اس لیے بعد پر نظر کرتے ہوئے یہ معاوضہ ہے، ہاں شروع پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں سے صحیح نہیں ہے جنکو آپ نے ذکر کیا [کہ بچے اور غلام سے کفالہ صحیح نہیں ہے] اور مریض کفالہ لے لے تو تہائی مال میں درست ہوتا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مکفول لہ کے حکم سے کفیل بنا ہے تو یہ رقم بعد میں مکفول عنہ دے گا، اس لیے ابتداء میں یہ تبرع ہے، لیکن انتہاء میں یہ معاوضہ ہے، جو ایک طرح کی تجارت ہوگی، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ تجارت کی چیز شریک پر بھی ہوتی ہے اس

۳ بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ لِأَنَّهَا تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً. ۴ وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ، وَلَوْ سَلِمَ فَهُوَ إِعَارَةٌ فَيَكُونُ لِمِثْلِهَا حُكْمُ عَيْنِهَا لَا حُكْمَ الْبَدَلِ حَتَّى لَا يَصِحُّ فِيهِ الْأَجَلُ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةً. ۵ وَلَوْ كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ. ۶ وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ، ۷ وَضَمَانُ الْغَصْبِ وَالِاسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ انْتِهَاءً.

لیے کفالہ شریک پر بھی آدھا ہوگا، اور صاحبینؒ نے جن باتوں سے استدلال کیا ہے وہ ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے ہے، انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف کفالہ بالنفس کے [کہ وہ شریک پر نہیں ہوگا] کیوں کہ وہ ابتداء میں بھی تبروع ہے اور انتہاء میں بھی تبروع ہے۔

تشریح: کفالہ بالنفس شروع میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے اس لیے یہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴ کسی کو قرض دینے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ وہ شریک پر بھی لازم ہو جائے گا، لیکن اگر مان لیا جائے کہ قرض شریک پر لازم نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عاریت ہے [مانگ کر لینا ہے] مقروض جو کچھ دے گا وہ عین قرض ہے یہ بدلہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض کی واپسی کے لیے مدت متعین کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے وہ معاوضہ نہیں ہوا [اس لیے یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا]

تشریح: قرض کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی ایک رائے ہے کہ وہ شریک پر لازم نہیں ہے، اور دوسری رائے ہے کہ شریک پر لازم نہیں ہے۔

وجہ: شریک پر لازم نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ قرض دینا عاریت ہے، یہ معاوضہ نہیں ہے، اور بدل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مقروض جو پیسہ دے گا وہ پہلا ہی پیسہ مانا جائے گا قرض کا بدلہ نہیں سمجھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرض کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے، اس کے لینے کے لیے کوئی وقت متعین کرنا چاہے تو وقت متعین نہیں ہوگا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرض دینا تبرع ہے اس لیے وہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو صحیح روایت یہی ہے کہ یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ اس میں مفاوضہ کا معنی نہیں ہے۔

تشریح: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو یہ تبروع ہے، اور مکفول عنہ چاہے گا تو رقم دے گا اور چاہے گا تو رقم نہیں دے گا اس لیے اس کا ادھا شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶ اور متن میں جو کہا گیا ہے کہ شریک کفیل بن گیا تو وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہے [تب ہی تو معاوضہ بنے گا اور شریک پر آدھا لازم ہوگا]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۷ غصب کا ضمان دیا، اور کسی چیز کو ہلاک کر دیا اور اس کا ضمان دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ کفالہ بالمال کی طرح ہے اس لیے کہ آخیر میں یہ معاوضہ ہے۔

تشریح: کسی نے دوسرے کا مال غصب کر لیا تھا، ایک شریک نے اس کا ضمان ادا کیا، یا کسی نے دوسرے کا مال ہلاک کر دیا تھا، ایک

قَالَ (۲۹۹۴) فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَا لَا يَصِحُّ فِيهِ الشَّرِكَةُ أَوْ وُهِبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلَى يَدِهِ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا ۱؎ **لِفَوَاتِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا يَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ إِذْ هِيَ شَرْطٌ فِيهِ ابْتِدَاءً وَبَقَاءً، وَهَذَا لِأَنَّ الْآخَرَ لَا يُشَارِكُهُ فِيمَا أَصَابَهُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِي حَقِّهِ، إِلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِلْإِمْكَانِ، فَإِنَّ الْمُسَاوَاةَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ،** ۲؎ **وَلِدَوَامِهِ حُكْمُ الِابْتِدَاءِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ**

شریک نے اس کا ضمان ادا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس کا آدھا دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا۔

وجہ: ان کے یہاں یہ کفیل بننے کی طرح ہے، اور اس کا معاوضہ بعد میں ملے گا تو یہ معاوضہ ہو گیا اس لیے دوسرے شریک پر بھی اس کا آدھا لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۹۴) پس اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ راس المال میں برابری ختم ہو گئی، جبکہ شروع میں اور آخیر میں بھی برابری ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا شریک پائے ہوئے مال میں شریک نہیں ہو سکا، کیوں کہ اس کے حق میں سبب نہیں ہوا [یعنی اس کی وراثت نہیں تھی] لیکن یہ شرکت عنان بن جائے گی اس لیے کہ شرکت عنان میں برابری ضروری نہیں ہے۔

تشریح: آگے آرہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رائج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔ مثلاً پہلے پہلے زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی اور دونوں نے ایک ایک ہزار درہم جمع کئے، اب زید وراثت میں مزید پانچ سو درہم کا مالک بن گیا، اور ان کے پاس پندرہ سو درہم ہو گئے، اور عمر کے پاس ایک ہزار درہم ہی رہے، اس لیے راس المال میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے شرکت مفاوضہ ختم ہو جائے گی، اور شرکت عنان بن جائے گی، کیوں کہ شرکت عنان میں برابری ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجہ: (۱) یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس لیے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ (۲) اثر میں ہے **اخبرنا سفیان قال لا تکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال و حتی یخلطا اموالهما۔** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین** ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔ اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہو گیا اس لیے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی)۔ **عن الشعبی قال کل شریک بیعه جائز فی شرکة الا شریک المیراث** (مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین** ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۸) اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس کے دوام کا حکم ابتداء کا ہے جو لازم نہیں ہے۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہمیشہ برابری نہیں رہی تو سمجھو کہ شروع میں ہی برابری نہیں رہی، اور چونکہ

(۲۹۹۵)فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرَضًا فَهُوَ لَهُ وَلَا تَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ ۱؎ وَكَذَا الْعَقَارُ لِأَنَّهُ لَا تَصِحُّ فِيهِ الشَّرِكَةُ فَلَا تُشْتَرَطُ الْمُسَاوَاةُ فِيهِ.

فصل

(۲۹۹۶)وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ إلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ ۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ: تَجُوزُ بِالْعُرُوضِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ أَيْضًا إذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا؛ لِأَنَّهَا عُقِدَتْ عَلَى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُومٍ فَأَشْبَهَ النُّقُودَ.

شرکت مفاوضہ لازم نہیں ہے اس لیے برابری نہ ہونے کی وجہ سے وہ شرکت عنان بن جائے گی۔

لغت:و وصل الی یدہ: ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لیے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔اس لیے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

ترجمہ:(۲۹۹۵) پس اگر کوئی ایک شریک سامان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۱؎ ایسے ہی زمین کا مالک بن گیا اس لیے کہ اس میں شرکت صحیح نہیں ہے اور اس میں برابری کی بھی شرط نہیں ہے۔

اصول: سامان جمع کرے تو اس میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی ہے۔

تشریح: ایک شریک سامان کا وارث بن گیا، یا زمین اور مکان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔

وجہ: جب سامان میں شرکت نہیں ہوتی تو کسی ایک وارث کے پاس اس کے آنے سے راس المال میں برابر ختم نہیں ہوگی، اس لیے شرکت مفاوضہ برقرار رہے گی۔

فصل

ترجمہ:(۲۹۹۶) اور شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دینار اور رائج سکوں سے۔

ترجمہ:۱؎ جو ثمن ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی، سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اور شرکت کرے تو ہوگی۔

وجہ:(۱) قول تابعی میں ہے۔**اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضۃ حتی تکون سواء فی المال و حتی یخلطا اموالھما و لا تکون المفاوضۃ و الشرکۃ بالعروض ان یجیء ھذا بعرض و ھذا بعرض** (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹)(۲)۔**عن محمد ابن سیرین قال لا یکون الشرکۃ و المضاربۃ بالدین و الودیعۃ و العروض و المال الغائب** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲۸ **فی الشرکۃ بالعروض**: ۴/ ۸۴ ۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔(۳) اوپر اثر میں آیا کہ کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔لیکن سامان بیچا اور کسی کی قیمت زیادہ آئی اور کسی کی کم تو مال میں برابری نہیں ہوئی اس لیے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ سامان سے، کیلی چیز سے، اور وزنی چیز سے بھی شرکت مفاوضہ ہوگی اگر دونوں ایک ہی جنس کے ہوں، اس لیے کہ راس المال معلوم ہے اس پر عقد ہوا ہے اس لیے یہ نقد کی طرح ہو گیا،

۲ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَا لِمَا فِيهَا مِنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ. فَيُقْتَصَرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ. ۳ وَلَنَا أَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ؛ لِأَنَّهُ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَتَفَاضَلَ الثَّمَنَانِ فَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِي مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحُ مَا لَمْ يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يُضْمَنْ، ۴ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ لِأَنَّ ثَمَنَ مَا يَشْتَرِيهِ فِي ذِمَّتِهِ إِذْ هِيَ لَا تَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحُ مَا يُضْمَنُ، ۵ وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُودِ الشِّرَاءُ، وَبَيْعُ أَحَدِهِمَا مَالَهُ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ شَرِيكًا فِي ثَمَنِهِ لَا يَجُوزُ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ

تشریح: امام مالکؒ نے فرمایا کہ غلہ ہے، سامان ہے، اگر دونوں جانب ایک ہی چیز ہے تو اس سے شرکت مفاوضہ کرنا جائز ہے۔

وجہ: (۱) اس لیے کہ دونوں جانب ایک ہی چیز ہے، اور دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی نہیں ہوگی اس لیے جائز ہوگی۔ (۲) ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن ابن سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع** (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ۸ ص ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۷) اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ بخلاف مضاربت کے اس لیے کہ قیاس اس کا انکار کرتا ہے اس لیے کہ اس میں جس چیز کا ضامن نہیں ہے اس کا نفع لے رہا ہے، اس لیے شریعت جتنے پر وارد ہوئی ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

لغت: **ربح مالم یضمن**: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک چیز کی ذمہ داری نہیں لیتے ہیں، پھر بھی اس کا نفع لینا چاہتے ہیں، مثلا مضاربت میں ایک آدمی کا مال ہوتا ہے اور دوسرے آدمی کی محنت ہوتی ہے، اب محنت والا مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا کیوں کہ مضاربت کا مال ضائع ہو جائے تو محنت والا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا پھر بھی نفع لیتا ہے تو اس نفع کو ربح مالم یضمن کہتے ہیں۔

تشریح: یہ امام مالک کی دلیل ہے کہ مضاربت میں بغیر ضمان کے نفع لیتا ہے، اس لیے وہاں حدیث میں جتنا وارد ہوا کہ صرف درہم اور دینار میں مضاربت ہوگی اتنے ہی پر اکتفاء کیا جائے گا لیکن شرکت میں تو دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں، اس لیے سامان اور غلے میں بھی شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان سے شرکت ہوگی تو بھی ربح مالم یضمن ہوگا، کیوں کہ جب سامان بیچے گا اور دونوں کی قیمت کم بیش ہوگی تو جس کی رقم زیادہ ہوگی تو دوسرا آدمی اس کا نفع لیگا تو یہ ربح مالم یضمن ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، غور سے سمجھیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب دونوں سامان بیچیں گے تو ایک کی قیمت زیادہ آئے گی اور دوسرے کی قیمت کم آئے گی، تو جس کی قیمت زیادہ آئے گی اس کا نفع دوسرے شریک نے لیا، بلکہ دوسرا شریک اس نفع کا ذمہ دار نہیں تھا، تو ربح مالم یضمن تو یہاں بھی ہوا اس لیے سامان میں شرکت جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴ بخلاف درہم اور دینار کے اس لیے کہ اپنی قیمت سے جو خریدے گا وہ اسی خریدنے والے کے ذمے ہوگا، کیوں کہ قیمت متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لیے ربح ما ضمن ہوا۔

تشریح: بخلاف جب درہم اور دینار میں شرکت کی تو اس دینار سے جو کچھ خریدا وہ چونکہ متعین نہیں ہے اس لیے جس نے خریدا اسی کے ذمے درہم لازم ہوا اس لیے اب جو نفع آیا وہ اپنی ذمہ داری کا نفع آیا، اس لیے یہ نفع ما ضمن ہوا۔

ترجمہ: ۵ اور اس لیے کہ سامان میں پہلا تصرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو بیچا جاتا ہے، اور درہم دینار میں پہلے خریدنا ہوتا ہے، اور اپنے مال کو بیچنا

الْمَبِيعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ. ٦ وَأَمَّا الْفُلُوسُ النَّافِقَةُ فَلِأَنَّهَا تَرُوجُ رَوَاجَ الْأَثْمَانِ فَالْتَحَقَتْ بِهَا. قَالُوا: هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُودِ عِنْدَهُ حَتَّى لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الِاثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلَى مَا عُرِفَ، ٧ أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَتَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيرُ سِلَعًا. ٨ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَالْأَوَّلُ أَقْيَسُ وَأَظْهَرُ،

کہ دوسرا اس کی قیمت میں شریک ہو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اپنے مال سے کسی چیز کو خریدنا اس شرط پر کہ مبیع دونوں کے درمیان ہو جائز ہے۔

تشریح: سامان میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے اس کی یہ دوسری دلیل ہے۔ سامان میں تصرف کا طریقہ یہ ہوگا پہلے اس کو بیچے گا پھر اس کی رقم آئے تب جا کر شرکت کرے گا۔ اور درہم میں ایسا ہوگا اس سے خریدے گا پہلے خریدے گا۔ اس صورت حال میں سامان کو بیچنا اور اس کی قیمت میں دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کسی چیز کو خریدنا کہ مبیع دونوں کے درمیان ہو یہ جائز ہے، اس لیے سامان میں شرکت نہیں ہوگی

ترجمہ: ٦ رائج سکہ کا رواج درہم اور دینار کی طرح ہے اس لیے اس کا حکم درہم دینار کی طرح ہوگا، یعنی اس سے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے، کہ شرکت جائز ہوگی اس لیے کہ ان کے یہاں نقد کے ساتھ ملحق ہے، چناں چہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا، اور ایک سکہ کے بدلے میں دو سکے کا بیچنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

لغت: فلوس نافقہ: سونے اور چاندی کے علاوہ کا سکہ ہو جیسے ڈالر اور روپیہ ہوتا ہے اس کو فلوس نافقہ، کہتے ہیں، اس کی دو حیثیت ہیں، اس سے خریدنے کا رواج ہو تو یہ درہم اور دینار کی طرح ثمن ہے، اور حکومت اس کی ثمنی حیثیت ختم کر دے تو یہ لوہا اور تانبے کی طرح سامان ہے، چونکہ اس کی دونوں حیثیت ہیں اس لیے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک وہ درہم کی طرح ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سامان کی طرح ہے۔ نقد: نقد کا مطلب ہے درہم اور دینار۔

تشریح: فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں ہے؟ اس بارے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ درہم کی طرح ہے، اس کے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، ایک فلوس دیکر دو فلوس خریدنا جائز نہیں ہے، پس جب وہ درہم کی طرح ہے تو اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہوگی۔

ترجمہ: ٧ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی ثمنیت روز بدلتی رہتی ہے اس لیے وہ سامان ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربت جائز نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں فلوس نافقہ سامان ہے، کیوں کہ اس کی قیمت روزانہ بدلتی رہتی ہے، اور حکومت نے اس کو رائج کیا ہے تو آج وہ سکہ ہے، کل اس کو ختم کر دے گا تو اپنی اصلی حقیقت کی طرح پیتل اور تانبا بن جائے گا، چونکہ یہ سامان ہوا اس لیے اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ اور مضاربت جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ٨ یہ روایت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام محمدؒ کی طرح ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے

۹ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا. قَالَ (۲۹۹۷)وَلَا يَجُوزُ الشَّرِكَةُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ ۱ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ بِهِمَا، هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ (۲۹۹۸)وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَلَا يَكُونُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَثَاقِيلِ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ ۱ وَمُرَادُهُ التِّبْرُ، فَعَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ التِّبْرُ سِلْعَةٌ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَ الشَّرِكَاتِ. وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النُّقْرَةَ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ حَتَّى لَا يَنْفَسِخُ الْعَقْدُ بِهَا بِهَلَاكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ، فَعَلَى تِلْكَ الرِّوَايَةِ تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِيهِمَا، وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّهُمَا خُلِقَا ثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ، إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ؛ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتِّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لَكِنَّ الثَّمَنِيَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوصِ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ لَا تُصْرَفُ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَنَزَلَ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُونُ ثَمَنًا وَيَصْلُحُ رَأْسُ الْمَالِ.

ساتھ ہونا چاہئے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں فلوس نافقہ سے شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، یعنی جائز ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں کہ جائز نہیں ہے، اور زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

ترجمہ: ۹ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ فلوس نافقہ سے مضاربت جائز ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۹۹۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی۔

ترجمہ: ۱ پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔ متن میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

تشریح: درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلا چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ: چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔ کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت: **التبر:** سونے کی ڈلی۔ **النقرۃ:** چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

ترجمہ: (۲۹۹۸) جامع صغیر میں ہے کہ سونے کے مثقال اور چاندی کے مثقال سے شرکت مفاوضہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اس سے مراد ہے کہ سونے کی ڈلی، اور چاندی کی ڈلی سے [شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہوگی] اس روایت پر ڈلی جو ہے وہ متعین کرنے سے متعین ہوگی اس لیے شرکت مفاوضہ اور مضاربت میں راس المال نہیں بنے گی۔ اور جامع صغیر کے کتاب الصرف میں ہے ڈلی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی [یعنی وہ درہم کی طرح ہے] یہی وجہ ہے کہ ڈلی کو سونپنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو عقد فاسد نہیں ہوگی، اس روایت پر ڈلی مفاوضہ، اور مضاربت میں راس المال بن سکتی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی کی ڈلی پیدائشی طور پر ثمن ہیں، لیکن جامع صغیر کی روایت زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اگرچہ ڈلی تجارت کے لیے پیدا کی گئی ہے لیکن ثمنیت ڈھلے ہوئے سکے کے ساتھ خاص ہے، اس لیے کہ اس صورت میں سکہ کسی اور چیز [زیور وغیرہ میں] صرف نہیں ہوسکتا، لیکن اگر دونوں کی ڈلی کو

۲؎ ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَا تَجُوزُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيلَ وَالْمَوْزُونَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحُ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيعَتُهُ. ۳؎ وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَكَا فَكَذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَالشَّرِكَةُ شَرِكَةُ مِلْكٍ لَا شَرِكَةُ عَقْدٍ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ شَرِكَةُ الْعَقْدِ. ۴؎ وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِي فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطِ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُو يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –

ثمن کی طرح استعمال کرنے لگے تو وہ راس المال بن جائے گا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۲۹۹۷ میں قدوری کی عبارت میں تھا کہ لوگ چاندی اور سونے کی ڈلی کو سکے کی طرح استعمال کرنے لگ جائیں تو اس سے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی، اور جامع صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سونے اور چاندی کی ڈلی سے شرکت مفاوضہ اور مضاربت نہیں ہوگی، اس لیے ان دونوں عبارتوں کی تصریح کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ڈلی بھی ثمن ہے، اور ڈھلا ہو سکہ بھی ثمن ہے، لیکن ڈھلا ہوا سکہ تجارت کے لیے ہی بنا گیا ہے، اب اس سے زیور وغیرہ نہیں بن سکتا اس لیے ڈھلا ہوا سکہ تجارت میں اصل ہے، لیکن کسی ملک میں ڈلی کو بھی تجارت کے لیے استعمال کرنے لگیں تو یہ بھی سکے کے درجے میں آجائے گی، اور اس سے شرکت مفاوضہ اور مضاربت صحیح ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ مصنف کا قول کے اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے [درہم، دینار، سونے، چاندی کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے] یہ جملہ کیلی چیز، وزنی چیز، ایسے گنتی کی چیز جو قریب قریب ہوں ان سب کو شامل ہے [یعنی ان چیزوں سے شرکت نہیں ہوگی]، اگر یہ چیز ملائی نہیں گئی ہو تو اس بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، اور جس کا جتنا سامان ہوگا اسی حساب سے اس کو نفع مل جائے گا، اور اسی حساب سے اس کا نقصان بھی ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ تھا کہ اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے، یعنی درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے اس بارے میں اگر دونوں جنسوں کا ملایا نہیں ہے تب تو جس کی جتنی چیز ہے وہ اسی کی رہے گی، اور اس کا جتنا نفع ہے اس کو ملے گا، اور اس کا جتنا نقصان ہے وہ اس کو ملے گا

لغت: وضیعۃ: نقصان۔

ترجمہ: ۳؎ لیکن اگر ان چیزوں کا ملا دیا گیا پھر دونوں شریک ہوئے تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں پھر بھی شرکت نہیں ہوگی، بس یوں کہا جائے گا کہ دونوں کی ملکیت مل گئی ہے، لیکن عقد میں دونوں الگ الگ ہیں۔ اور امام محمدؒ کے یہاں عقد کی شرکت بھی ہو جائے گی۔

تشریح: مثلا دونوں کے پاس گیہوں ہے اور دونوں نے گیہوں کا ملا دیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت جمع ہو جائے گی اور عقد کے اعتبار سے دونوں الگ الگ رہے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت بھی جمع ہوگئی اور عقد کے اعتبار سے بھی دونوں ایک ہو گئے۔

ترجمہ: ۴؎ اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ دونوں کا مال برابر برابر ہوں اور نفع میں کمی بیشی کی شرط لگا دی جائے، اس لیے ظاہر روایت یہی ہے جیسا امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ [نفع مال کے حساب سے ملے گا، کمی زیادتی جائز نہیں] اس لیے کہ ملانے کے بعد بھی یہ

لِأَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ بَعْدَ الْخَلْطِ كَمَا تَعَيَّنَ قَبْلَهُ. ۵ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهٍ حَتَّى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ. وَمَبِيعٌ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْحَالَيْنِ، بِخِلَافِ الْعُرُوضِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ ۶ وَلَوْ اخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمْنِ فَخَلَطَا لَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ بِهَا بِالِاتِّفَاقِ. ۷ وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَخْلُوطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ، وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ

چیز متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، جیسے ملانے سے پہلے متعین ہوتی تھی۔

تشریح: دونوں اماموں کے درمیان اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ۔ زید اور عمر نے گیہوں ملا دیا دونوں کا گیہوں برابر تھا، لیکن زید نے دو تہائی نفع مانگا، اور عمر نے ایک تہائی نفع مانگا، یعنی گیہوں کے برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی کی شرط رکھی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، کیوں کہ ان کے یہاں شرکت ہی نہیں ہوئی ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں ہوگی، کیوں کہ ملانے کی وجہ سے شرکت ہوگئی ہے۔

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملانے کے باوجود بھی گیہوں متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے اس لیے وہ درہم و دینار کے درجے میں نہیں آیا اس لیے شرکت نہیں ہوگی، کیوں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ درہم اور دینار کے علاوہ میں شرکت نہیں ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۵ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال من وجہ ثمن بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو ذمہ میں قرض قرار دے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز خریدے تو جائز ہے۔ اور دوسری اعتبار سے یہ مبیع ہے، کیوں کہ اس کو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ اس لیے دو حالت کے اعتبار سے دو شبہ پر عمل کیا [یعنی اگر ملایا نہیں ہے تو سامان کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد نہیں ہوگی، لیکن اگر ملا دیا ہے تو اب ثمن کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد بھی ہو جائے گی]۔ بخلاف سامان کے کہ وہ کسی حال میں ثمن نہیں ہے اس لیے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گیہوں کو ملا دیا اب اس کی دو حیثیت ہوگئی، ایک حیثیت سے یہ مبیع ہے کیوں کہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے یہ ثمن بھی ہے، مثلاً گیہوں کے بدلے میں انڈا خرید لے، اور گیہوں ابھی نہ دے بلکہ بعد میں دینے کا وعدہ کرلے تو یہ ثمن کے درجے میں، ہوگیا چونکہ کسی نہ کسی درجے میں ثمن ہے اس لیے جب دونوں شریک نے گیہوں ملا دیا تو ہم نے ثمن کا درجہ دیکر شرکت جائز کر دی۔ لیکن اگر سامان مثلاً کرسی وغیرہ ہو تو اس کو ملانے کے بعد بھی امام محمدؒ کے یہاں بھی شرکت نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ کسی درجے میں بھی ثمن نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ لیکن اگر کیلی چیز دو جنس کی ہوں، جیسے گیہوں اور جو ہو، یا زیتون کا تیل اور گھی ہو، پھر دونوں کو ملا دیا تب بھی بالاتفاق شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: دو جنس کی چیزیں ہیں، مثلاً ایک شریک کا گیہوں ہے، اور دوسرے شریک کا جو ہے اور دونوں نے ملا دیا تب بھی شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں نہیں ہوگی یہ تو ظاہر ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں نہیں ہوگی اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام محمدؒ کے یہاں فرق یہ ہے کہ ایک جنس کی دونوں چیزیں ہوں تو یہ ذوات الامثال ہے۔ اور دو جنس کی چیز ہوں تو ذوات القیم ہے اور اس میں جہالت ہو جائے گی، جیسے سامان میں ہوتا ہے اس لیے شرکت صحیح نہیں ہوگی تو ملانے سے بھی شرکت نہیں ہو

الْقِيَمِ فَتَمَكَّنَ الْجَهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ، وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ فَحُكْمُ الْخَلْطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ.

قَالَ (۲۹۹۹)وَإِذَا أَرَادَ الشَّرِكَةَ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ، ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِكَةَ ل قَالَ وَهَذِهِ الشَّرِكَةُ مِلْكٌ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوضَ لَا تَصْلُحُ رَأْسَ مَالِ الشَّرِكَةِ. ۲ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ قِيمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ، وَلَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ يَبِيعُ صَاحِبُ الْأَقَلِّ بِقَدْرِ مَا يَثْبُتُ بِهِ الشَّرِكَةُ.

گی۔اس کو ہم نے کتاب القضاء میں بیان کیا ہے۔

تشریح: ایک شریک کا گیہوں اور دوسرے شریک کا چنا ہو، یعنی دو جنس ہوں اب اس کو ملا دیں تب بھی شرکت نہیں ہوگی، اس کی دلیل امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ دو جنس کو ملانے کے بعد اب یہ ذوات الامثال نہیں رہی، یہ قیمت والی چیز بن گئی، کیوں کہ یہ ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی، اس کے مثل گیہوں اور چنا ملا کر کوئی نہیں دے گا، اب اس کی قیمت ہے تو اس میں جہالت ہوگئی، پتہ نہیں کتنی قیمت لازم ہوگی اس لیے شرکت صحیح نہیں ہوئی۔ اب جس شریک کا جتنا گیہوں تھا اس کی قیمت وہ لے لے گا، اور جس شریک کا جتنا چنا تھا اس کی قیمت وہ لے لے گا، کیوں کہ یہاں شرکت نہیں ہوئی۔

لغت: ذوات الامثال: گیہوں ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں گیہوں ہی لازم ہو اس کو **ذوات الامثال** کہتے ہیں۔ اور گائے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اس کی قیمت لازم ہو اس کو **ذوات القیم** کہتے ہیں۔ گیہوں اور چنا دونوں کو ملا دیا جائے اب وہ کسی سے ہلاک ہو جائے تو اس کی مثل گیہوں اور چنا ملا ہوا لازم نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ وہ کون دے گا، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اس لیے یہ **ذوات القیم** ہوگئی۔

ترجمہ: (۲۹۹۹) اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح: چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لیے سامان میں شرکت کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ: (۱) براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن محمد ابن سیرین قال لا یکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲۸ فی الشرکۃ بالعروض: ۴/ ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ل یہ شرکت ملک ہوگی [شرکت عقد نہیں ہوگی] کیوں کہ ہم نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ میں راس المال سامان نہیں ہو سکتا۔

تشریح: ایک نے اپنا سامان دوسرے کے آدھے کے بدلے میں بیچا تو اس وقت چونکہ وہ سامان ہے اس لیے ابھی یہی کہیں گے کہ یہ شرکت ملک ہوئی، یعنی دونوں کی ملکیت ایک ساتھ ہوگئی، ابھی عقد میں شرکت نہیں ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۲ اس کی تاویل یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر دونوں میں فرق ہو تو کم والا کو چاہئے کہ اپنی چیز اتنے زیادہ میں بیچے کہ قیمت میں برابر ہو جائے۔

تشریح: زید اور عمر ایک ایک کوئنٹل گیہوں لے کر شریک ہوئے، زید کے گیہوں کی قیمت کم ہے اور عمر کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہے تو

قَالَ (۳۰۰۰)وَأَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُونَ الْكَفَالَةِ، وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعِ بُرٍّ أَوْ طَعَامٍ، أَوْ يَشْتَرِكَانِ فِي عُمُومِ التِّجَارَاتِ وَلَا يَذْكُرَانِ الْكَفَالَةَ، ١ وَانْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُودِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ، ٢ وَلَاتَنْعَقِدُ عَلَى الْكَفَالَةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْأَعْرَاضِ يُقَالُ عَنَّ لَهُ: أَيْ عَرَضَ، وَهَذَا لَا يُنْبِئُ عَنِ الْكَفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ. (۳۰۰۱)وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ. وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ

زید اپنا گیہوں عمر سے زیادہ قیمت میں بیچ دے، البتہ اپنے حساب سے بیچے کہ دونوں کی قیمت برابر ہو جائے۔

ترجمہ: (۳۰۰۰) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔ مثلا دو آدمی کپڑے کے قسم میں شریک ہو جائیں، یا غلے میں یا عام تجارت میں شریک ہو جائیں اور کفالہ کا ذکر نہ کریں تو یہ شرکت عنان ہے۔

تشریح: عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔ چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لیے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لیے ہوگا اور آدھا شریک کے لیے ہوگا۔ البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

ترجمہ: ١ شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے، کیوں کہ اسی سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: شرکت عنان میں صرف وکالت ہوتی ہے، یعنی ایک شریک جو کچھ خریدے گا تو دوسرے کا اس کا آدھا ہوگا۔

ترجمہ: ٢ شرکت عنان میں کفالہ نہیں ہوگا اس لیے کہ عن کا ترجمہ اعراض کرنا ہے، لوگ کہتے ہیں **عن له**، اس سے اعراض کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کفالہ نہیں ہے اور لفظ کے مقتضی کے خلاف تصرف نہیں ہوتا۔

تشریح: عن کا ترجمہ ہے اعراض کرنا، اس لیے لفظ کا جو تقاضہ ہے اس کے خلاف نہیں ہوگا اس لیے اس میں کفالہ نہیں ہوتا ہے، یعنی ایک شریک پر قرض آئے تو اس کا آدھا دوسرے پر نہیں ہوگا، اسی شریک پر اس کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہوگی جس سے قرض لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۱) اور صحیح ہے کمی بیشی مال میں [کیوں کہ اس کی ضرورت ہے اور عنان کے لفظ میں یہ نہیں ہے کہ مال میں برابر ہو] اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

تشریح: شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔ اور نفع بھی کم و بیش ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

وجہ: (۱) کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لیے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے اگر شرط کر لے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت عنان میں یہ جائز ہے (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن جابر بن زید قالوا الربح علی ما اصلحوا علیه والوضیعة علی المال هذا فی الشریکین فان**

۱؎ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ، فَإِنَّ الْمَالَ إذَا كَانَ نِصْفَيْنِ وَالرِّبْحَ أَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِلَا ضَمَانٍ، إذْ الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، ۲؎ وَلِأَنَّ الشَّرِكَةَ عِنْدَهُمَا فِي الرِّبْحِ لِلشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ، وَلِهَذَا يَشْتَرِطَانِ الْخَلْطَ، فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيَسْتَحِقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ. ۳؎ وَلَنَا قَوْلُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - الرِّبْحُ عَلَى مَا شَرَطَا، وَالْوَضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ وَلَمْ يَفْصِلْ، ۴؎ وَلِأَنَّ الرِّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا

هذا بمائة وهذا بمائتين (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب و ضيعته، ج ثامن، ص ۱۹۲ نمبر ۱۵۱۶۸) (۳) حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ **عن علی فی المضاربة الوضيعة على المال، والربح على ما اصلحوا اعليه** (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب و وضيعته ج ثامن ص ۱۹۱ نمبر ۱۵۱۶۶) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سرابر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال برابر ہو اور نفع میں کمی بیشی ہو یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں کمی بیشی سے ربح مالم یضمن ہوگا [یعنی ایک چیز کا ذمہ دار نہیں ہے اور اس کا نفع لے رہا ہے]، اس لیے کہ جب مال آدھا آدھا ہے اور نفع ایک تہائی اور دو تہائی ہے، پس جو شریک زیادہ نفع لیگا وہ بغیر ذمہ داری کے نفع کا مستحق ہوگا، کیوں کہ جتنا اس کا مال ہے اسی کی مقدار اس کی ذمہ داری ہے۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال دونوں کا برابر ہو اور نفع کم زیادہ ہو، مثلا ایک کی ایک تہائی ہو اور دوسرے کی دو تہائی نفع ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ جس کا جتنا مال ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری ہے، اب اس کا مال ہے آدھا اور نفع لے رہا ہے دو تہائی تو بغیر ذمہ داری کے نفع لے رہا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ربح مالم یضمن، جائز نہیں ہے اس لیے یہ شرکت جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک جو اصل مال ہے اسی کا نفع ہوتا ہے، اس لیے یہ دونوں حضرات ملانے کی شرط لگاتے ہیں، اس لیے نفع اصل کی پیداوار ہے اس لیے اصل مال میں جتنی ملکیت ہے اسی کی مقدار نفع کا مستحق ہوگا۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی، اور امام زفرؒ کے یہاں اصل مال کا نفع ہوتا ہے، جیسے اصل گائے کا بچھڑا ہوتا ہے، اس لیے اصل جتنا ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا، یہاں اصل مال آدھا آدھا ہے تو ایک کو دو تہائی نفع نہیں ملے گا، اور یہ شرط لگا دی تو شرکت فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل صحابی کا قول ہے آپس میں جتنا نفع طے ہو جائے اتنا لے سکتا ہے، اور نقصان مال کی مقدار ہوگا، اور اس قول صحابی میں کوئی تفصیل نہیں ہے [اس لیے مال برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی ہو سکتی ہے]

تشریح: صاحب ہدایہ کی قول صحابی یہ ہے۔ **عن علی فی المضاربة الوضيعة على المال، والربح على ما اصلحوا اعليه** (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب و وضيعته ج ثامن ص ۱۹۱ نمبر ۱۵۱۶۶) اس قول صحابی میں ہے کہ نقصان جتنا ہوگا وہ مال کے مطابق ہوگا، اور نفع کے بارے میں جس پر صلح ہو جائے اتنا نفع لے سکتا ہے، یعنی کمی بیشی بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۴؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفع جس طرح مال سے لیتا ہے، کام کے بدلے بھی نفع لے سکتا ہے، جیسے مضاربت میں ہوتا ہے [کہ

فِي الْمُضَارَبَةِ؛ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقَ وَأَهْدَى وَأَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقْوَى فَلَا يَرْضَى بِالْمُسَاوَاةِ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَى التَّفَاضُلِ، ۵ بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشَّرِكَةِ وَمِنَ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلَى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلَى بِضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ، ۶ وَهَذَا الْعَقْدُ يُشْبِهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِيكِ، وَيُشْبِهُ الشَّرِكَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمِلْنَا بِشَبَهِ الْمُضَارَبَةِ. وَقُلْنَا: يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ وَبِشَبَهِ الشَّرِكَةِ حَتَّى لَا يَبْطُلُ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا.

مضارب اپنے کام کا نفع لیتا ہے] کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شریک ہوشیار ہو اور تجربہ کار ہو، زیادہ کام کرتا ہو اس کو طاقت بھی زیادہ ہو تو وہ برابر کے نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لیے نفع میں کمی بیشی کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں جو مضارب ہوتا ہے، وہ مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا، مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر بھی وہ کام کرنے کا نفع لیتا ہے، جو ربح مالم یضمن ہے، اسی طرح یہاں بھی ربح مالم یضمن جائز ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی ہوشیار ہوتا اور وہ زیادہ کام کرتا ہے اس لیے وہ برابر نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لیے زیادہ نفع دینے کی مجبوری ہے، اس لیے شرکت عنان میں زیادہ نفع جائز ہوگا۔

لغت: احذق: حذاقت سے مشتق ہے، زیادہ ہوشیار۔ **اھدی:** ہدایت سے مشتق ہے، زیادہ تجربہ کار۔

ترجمہ: ۵ ہاں پورا ہی نفع کسی ایک شریک کے لیے شرط لگا دی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں شرکت اور مضاربت سے نکل جائے گا، اگر کام کرنے والے کے لیے پورے نفع کی شرط لگا دی جائے تو یہ اس کے لیے قرض ہو جائے گا، اور مال والے کے لیے شرط لگائی جائے تو یہ بضاعت [یعنی مفت کا کام لینا ہو جائے گا]

تشریح: اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ پورا نفع کسی ایک کے لیے ہو جائے تو یہ نہ مضاربت ہوگی اور نہ شرکت رہے گی، کیوں کہ مضاربت میں پورا نفع کام کرنے والے کے لیے ہو تو یہ قرض ہو جاتا ہے، مضاربت باقی نہیں رہتا، یعنی یوں سمجھو کہ کام کرنے والے نے رب المال سے مال قرض لیا اور اپنا فائدہ اٹھایا، اور پورا نفع مال والے کے لیے ہو جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ مال والے نے کام کرنے والے سے مفت کام لیا۔ اس لیے شرکت عنان میں پورا نفع کسی ایک کے لیے نہیں ہوگا، اور اگر ایسا کیا تو شرکت عنان فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۶ کم بیش نفع کی شرط اس لیے بھی لگا سکتے ہیں کہ شرکت عنان مضاربت کے مشابہ ہے اس لیے کہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور شرکت کے مشابہ ہے، کیوں کہ اس کا نام شرکت عنان ہے، اور اور دونوں کام بھی شرکت میں کرتے ہیں، اس لیے مضاربت کے مشابہ کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز قرار دیا، اور شرکت کے مشابہ کرتے ہوئے دونوں ہی کے کام کی شرط لگائی جائے تب بھی شرکت باطل نہیں ہوتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا کہ ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، اس کا جواب دیا کہ یہ شرکت عنان مضاربت کے مشابہ ہے، کیوں کہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور مضاربت میں ربح مالم یضمن جائز ہے اس لیے مضاربت کا اعتبار کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز ہوگا۔ اور شرکت تو ہے ہی، کیوں کہ اس کا نام ہی شرکت عنان ہے، اس لیے یہ شرط لگا دی جائے کہ دونوں شریک اس میں کام کریں گے تو اس سے یہ شرکت فاسد نہیں ہوگی۔

قَالَ (۳۰۰۲)وَيَجُوزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُونَ الْبَعْضِ لِ لِأَنَّ الْمُسَاوَاةَ فِي الْمَالِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ إِذِ اللَّفْظُ لَا يَقْتَضِيهِ (۳۰۰۳)وَلَا يَصِحُّ إِلَّا بِمَا بَيَّنَّا لِ أَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ (۳۰۰۴)وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ أَحَدِهِمَا دَنَانِيرُ وَمِنَ الْآخَرِ دَرَاهِمُ، وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بِيضٌ وَمِنَ الْآخَرِ سُودٌ لِ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي مُخْتَلِفِي الْجِنْسِ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ:(۳۰۰۲) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

ترجمہ:لے اس لیے کہ شرکت عنان میں مال کی برابری ہونا شرط نہیں ہے، اور عنان کا لفظ بھی برابری کا تقاضہ نہیں کرتا۔

تشریح: مثلا زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔

وجہ:(۱) اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔ عنان کے لفظ سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں کا مال برابر ہو۔

ترجمہ:(۳۰۰۳) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح: اوپر بیان کیا تھا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں، کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔ اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔ اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔ سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ: قول تابعی گزر چکا ہے۔ **عن محمد قال لا یکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب** (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ **فی الشرکة بالعروض**: ۴/ ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴ / مصنف عبد الرزاق، **باب المفاوضین**: ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:(۳۰۰۴) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے دراہم ہوں۔ ایسے ہی ایک جانب سے سفید درہم ہوں اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں۔

وجہ: چونکہ دونوں ثمن ہیں اور تقریبا ایک جنس مانے جاتے ہیں اس لیے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح ایک جانب سے سفید درہم ہوں یعنی اچھا درہم ہو اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں یعنی کھوٹے درہم ہوں تب بھی شرکت عنان ہو جائے گی، کیوں کہ یہ سبھی درہم میں شمار ہوتے ہیں۔

ترجمہ:لے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں درہم کو ملانا شرط ہے، اور مختلف جنس ہو تو ملانا متحقق نہیں ہوگا، اس لیے شرکت بھی نہیں ہو پائے گی، اس بات کو ان شاء اللہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی خلط ملط کرنا ضروری ہے۔ اور درہم، دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لیے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

قَالَ (۳۰۰۵)وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشِّرْكَةِ طُولِبَ بِثَمَنِهِ دُونَ الْآخَرِ لِمَا بَيَّنَّا ۱؎ أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ دُونَ الْكَفَالَةِ، وَالْوَكِيلُ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْحُقُوقِ. قَالَ (۳۰۰۶)ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ ۱؎ مَعْنَاهُ إِذَا أَدَّى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِي حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ. ۲؎ فَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ ذَلِكَ إِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي وُجُوبَ الْمَالِ فِي ذِمَّةِ الْآخَرِ وَهُوَ يُنْكِرُ، وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ قَالَ (۳۰۰۷)وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشِّرْكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتْ الشِّرْكَةُ ۱؎ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ فِي عَقْدِ الشِّرْكَةِ الْمَالُ، فَإِنَّهُ يَتَعَيَّنُ فِيهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ، وَبِهَلَاكِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ يَبْطُلُ

ترجمہ:(۳۰۰۵) جو کچھ خریدا دونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے۔

ترجمہ:۱؎ کیوں کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ شرکت عنان میں وکالت ہے کفالت نہیں ہے، اور حقوق میں وکیل ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔

تشریح:ایک شریک نے شرکت کے لیے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی ہوگی۔ بائع خریدنے والے سے ہی اپنی قیمت وصول کرے گا، دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا

وجہ: کیوں کہ شرکت عنان میں خریدنے والا وکیل ہوتا ہے، کفیل نہیں ہوتا۔ اس لیے بائع صرف خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمہ:(۳۰۰۶) پھر یہ خریدنے والا شریک سے اس کا حصہ وصول کرے گا۔

ترجمہ:۱؎ کیونکہ اس نے اپنے مال سے خریدا تھا، اس لیے کہ یہ شریک کا وکیل ہے، پس جب اپنا مال دیا تو شریک سے اس کا حصہ لے گا۔

تشریح: زید اور عمر نے شرکت عنان کیا، پھر زید نے اپنے پیسے سے ایک ہزار کی چیز خریدی تو اس کا پانچ سو درہم عمر سے لے گا، کیوں کہ زید عمر کا وکیل ہے، اور زید نے اپنا پیسہ دیا ہے اس لیے عمر کے حصے کا پیسہ عمر سے وصول کرے گا۔

ترجمہ:۲؎ اور اگر ایسا ہے کہ خریدنے والے سے ہی معلوم ہوتا ہو کہ اس نے خریدا ہے تو اس کو گواہ پیش کرنا ہوگا، کیوں کہ وہ دوسرے کے ذمے مال کا دعوی کر رہا ہے اور دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے، پس اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

تشریح: مثلا زید نے ایسی چیز خریدی جس کا ظاہری ثبوت نہیں ہے تو زید کو گواہی پیش کرنی ہوگی، اور گواہی پیش نہیں کر سکا تو قسم کے ساتھ عمر کی بات مانی جائے گی۔

وجہ: کیوں کہ زید مدعی ہے اس لیے اس پر گواہ ہوگا، اور عمر منکر ہے اس لیے زید گواہ پیش نہیں کر سکا تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

ترجمہ:(۳۰۰۷) اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائیگی۔

ترجمہ:۱؎ شرکت میں جو عقد ہوا ہے وہ مال ہے اس لیے کہ شرکت میں مال متعین ہوتا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں متعین ہوتا ہے اس لیے معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے، جیسے بیع میں مبیع ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: شرکت کا جو مال تھا وہ کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو شرکت ختم ہو جائے گی۔ یا ابھی کوئی چیز خریدی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ: شرکت کا جو مال ہے وہ متعین ہوتا ہے، جیسے مبیع متعین ہوتی ہے، جب متعین مال ہلاک ہو گیا تو اب دوسرا مال بھی جمع نہیں کر سکتا،

الْعَقْدَ كَمَا فِي الْبَيْعِ، ٢ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِيهِمَا بِالتَّعْيِينِ، وَإِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَا عُرِفَ، ٣ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا إِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ، وَكَذَا إِذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا؛ لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِشَرِكَةِ صَاحِبِهِ فِي مَالِهِ إِلَّا لِيُشْرِكَهُ فِي مَالِهِ، فَإِذَا فَاتَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشَرِكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ، ٤ وَأَيُّهُمَا هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ؛ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ فَظَاهِرٌ، وَكَذَا إِذَا كَانَ هَلَكَ فِي يَدِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، ٥ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشَّرِكَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ

اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٢ بخلاف مضاربت کے، یا تنہا وکالت کے اس لیے کہ ان دونوں میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا بلکہ چیز پر قبضے کے بعد متعین ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

تشریح: مضاربت اور وکالت میں رقم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی، چناں چہ اگر رقم ہلاک ہو جائے تو مضاربت اور وکالت باطل نہیں ہوتی، مثلاً زید نے عمر کو کہا کہ یہ ایک ہزار درہم دوں گا تم مضاربت کرو، ابھی درہم نہیں دیا تھا کہ وہ متعین ہزار ہلاک ہو گیا تو مضاربت باطل نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ ہزار متعین نہیں ہوا ہے اس لیے اب دوسرا ہزار دے گا اور مضاربت باقی رہے گی۔ یہی حالت وکالت کی ہے۔

ترجمہ: ٣ اگر دونوں کے مال ہلاک ہو گئے تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی، ایسے ہی ایک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی یہ اسی وقت راضی ہے کہ اپنے مال میں شریک کریں جبکہ دوسرا اس کو اپنے مال میں شریک کرے، لیکن جب اس کا مال ہی ہلاک ہو گیا تو اب کس چیز میں شریک کرے گا، اس لیے یہ اس کو شریک کرنے پر راضی نہیں ہوگا اس لیے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے شرکت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: دونوں کا مال ہلاک ہو گیا تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی۔ لیکن ایک کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ: مثلاً زید اس لیے عمر کو اپنے مال میں شریک کر رہا تھا کہ عمر بھی اپنے مال میں زید کو شریک کرے گا، لیکن جب عمر کا مال ہلاک ہو گیا تو اب وہ کس میں زید کو شریک کرے گا؟ اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٤ جس شریک کا بھی مال ہلاک ہوا اگر اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ظاہر ہے کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا، اور اگر اس کا مال دوسرے شریک کے قبضے سے ہلاک ہوا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی کیوں کہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔

تشریح: زید اور عمر نے شرکت عنان کی اور زید کا مال زید ہی سے ہلاک ہوا تو مال نہیں رہا، اور اگر عمر کے ہاتھ سے زید کا مال ہلاک ہوا تو عمر کے ہاتھ میں امانت ہے اس لیے بھی زید کا مال ہلاک ہوا اس لیے شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٥ اگر مال کو ملانے کے بعد ہلاک ہوا تو شرکت کا مال ہلاک ہوا اس لیے دونوں کے مال کا ہلاک سمجھا جائے گا۔

تشریح: کسی چیز کے خریدنے سے پہلے، یا مال کو ملانے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جاتی ہے، لیکن اگر ملانے کے بعد ہلاک ہوا شرکت کا مال ہلاک سمجھا جائے گا، پس اگر سب مال ہلاک ہو گیا تو اب شرکت ختم ہو جائے گی، لیکن اگر کچھ مال ہلاک ہوا تو

الْهَلَاكُ مِنَ الْمَالَيْنِ. (۳۰۰۸)وَإِنِ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا عَلَى مَاشَرَطَا ۱؎ لِأَنَّ الْمِلْكَ حِينَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَكًابَيْنَهُمَالِقِيَامِ الشَّرِكَةِوَقْتَ الشِّرَاءِ فَلَا يَتَغَيَّرُ الْحُكْمُ بِهَلَاكِ مَالِ الْآخَرِ بَعْدَ ذَلِكَ، ۲؎ ثُمَّ الشَّرِكَةُ شِرْكَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ، حَتَّى إِنَّ أَيُّهُمَا بَاعَ جَازَ بَيْعُهُ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرَى فَلَا يُنْتَقَضُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا. قَالَ (۳۰۰۹)وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّةٍ مِنْ ثَمَنِهِ ۱؎ لِأَنَّهُ اشْتَرَى نِصْفَهُ بِوَكَالَتِهِ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ،

باقی مال میں شرکت باقی رہے گی۔

ترجمہ:(۳۰۰۸)اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ خریدی ہوئی چیز پر جب ملکیت ہوئی تو مشترک ملک ہوئی کیوں کہ خریدتے وقت شرکت قائم تھی اس لیے دوسرے شریک کے مال کے ہلاک ہونے سے شرکت کا حکم نہیں بدلے گا۔

تشریح:دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کریگا۔

وجہ:چونکہ شرکت میں مال خریدا جا چکا ہے اس لیے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔ اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔ اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لیے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

ترجمہ:۲؎ امام محمدؒ کے یہاں یہ عقد میں شرکت ہے اور حضرت حسن بن زیاد اس کے خلاف ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے بھی بیچا تو اس کی بیع جائز ہے اس لیے کہ خریدی ہوئی چیز میں شرکت پوری ہو گئی ہے، اس لیے شرکت پوری ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

لغت:**شرکۃ عقد**:شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہی ہے لیکن صرف ساتھ رکھے ہوا ہے، اس صورت میں جس کی ملکیت ہے صرف وہی اپنی چیز بیچ سکے گا دوسرا شریک اس کو نہیں بیچ سکے گا۔ اور شرکت عقد کا مطلب یہ ہے کہ عقد کے اعتبار سے بھی شرکت ہو گئی ہے، اور یہ چیز دونوں کی مشترکہ ہے۔ اس لیے اس کو دونوں بیچ سکتا ہے۔

تشریح:ایک شریک نے اپنے مال سے چیز خرید چکا ہے اس لیے عقد کے اعتبار سے بھی دونوں کی چیز مشترک ہو چکی ہے، اس لیے دونوں میں سے کوئی بھی اس چیز کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ:خریدنے کی وجہ سے شرکت مکمل ہو چکی ہے اس لیے ایک کے مال ہلاک ہونے سے اب شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ:(۳۰۰۹)خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کی رقم وصول کرے گا۔

ترجمہ:۱؎ اس لیے کہ اس کا وکیل بن کر اس کا آدھا حصہ خریدا ہے، اور اپنا پیسہ دیا ہے، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

۲ هٰذَا إِذَا اشْتَرٰى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوَّلًا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ. أَمَّا إِذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْآخَرُ بِمَالِ الْآخَرِ، إِنْ صَرَّحَا بِالْوَكَالَةِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ فَالْمُشْتَرَى مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ إِنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمُصَرَّحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرَكًا بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ. ۳ وَيَكُونُ شِرْكَةَ مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، ۴ وَإِنْ ذَكَرَا مُجَرَّدَ الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَنُصَّا عَلَى الْوَكَالَةِ فِيهَا كَانَ الْمُشْتَرَى لِلَّذِي اشْتَرَاهُ خَاصَّةً؛ لِأَنَّ الْوُقُوعَ عَلَى الشَّرِكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِي تَضَمَّنَتْهَا الشَّرِكَةُ، فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِي ضِمْنِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُودَةٌ.

تشریح: یہ آدمی شریک کا وکیل تھا اور اپنے پیسے سے اس کی چیز خریدی تھی اس لیے اس سے آدھی رقم وصول کرے گا۔

ترجمہ: ۲ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ ایک نے پہلے مال خریدا پھر دوسرے کا مال ہلاک ہوا [تو شرکت ہوگئی]۔ لیکن اگر ایک کا مال ہلاک ہوگیا پھر دوسرے نے اپنے مال سے چیز خریدی، تو اگر الگ سے وکیل بنانے کی تصریح کی تو شرط کے مطابق خریدی ہوئی چیز دونوں کی ہوگی، اس لیے کہ شرکت اگر چہ ختم ہو چکی ہے، لیکن وکیل بنانے کی جو تصریح کی ہے وہ ابھی بھی قائم ہے اس لیے وکالت کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز مشترک ہو جائے گی۔

تشریح: چیز پہلے خریدی پھر دوسرے شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو چیز مشترک ہوگی۔ لیکن اگر ابھی چیز نہیں خریدی تھی اور ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا، اس کے بعد دوسرے شریک نے مال خریدا، تو اگر شرکت کے علاوہ صراحت سے یہ کہا تھا کہ تم میرا وکیل ہو تو جو چیز اب خریدی گئی ہے وہ بھی شرکت پر ہوگی۔

وجہ: ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی تھی، لیکن صراحت کے ساتھ جب یہ کہا کہ تم میرا وکیل ہو تو اس وکالت کی وجہ سے خریدے ہوئے مال میں شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳ اور شرکت ملک ہوگی، اور چیز کے آدھے حصے کی قیمت شریک سے وصول کرے گا، اس دلیل سے جو ہم نے بیان کیا کہ [یہ دوسرے کا بھی وکیل تھا اور اس کی وکالت میں چیز خریدا تھا]

تشریح: البتہ یہ شرکت عقد نہیں ہوگی، بلکہ شرکت عقد ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس نے خریدا تھا صرف وہی اس مال کو بیچ سکے گا، اور جتنا دوسرے شریک کے حصے میں آئے گا اس کی قیمت اس سے وصول کرے گا، کیوں کہ اس نے اپنا پیسہ اس کی چیز خریدنے میں دیا تھا۔

ترجمہ: ۴ اور اگر صرف شرکت کا تذکرہ تھا، اور وکیل بنانے کی تصریح نہیں کی تھی، تو خریدی ہوئی چیز اسی کی ہوگی جس نے خریدا ہے، اس لیے کہ یہاں وکالت شرکت کے اندر ہے، پس جب شرکت ختم ہوگئی تو اس کے اندر کی وکالت بھی ختم ہوگئی، اس کے برخلاف وکالت کی صراحت کی ہو تو وہاں وکالت مقصود ہے [اس لیے وکالت ختم نہیں ہوگی]

تشریح: شرکت کے عقد کرتے وقت الگ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تم کو وکیل بھی بناتا ہوں، تو ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی، اس لیے اس کے اندر جو وکالت تھی وہ بھی ختم ہوگئی، اس لیے دوسرے شریک نے جو مال خریدا وہ صرف اسی کا ہوگا، کیوں کہ نہ شرکت رہی اور نہ وکالت رہی ہے۔ ہاں صراحت کے ساتھ وکیل بناتا تو اس وکالت کی وجہ سے خریدا ہوا مال میں دوسرا آدمی شریک ہو جاتا۔

قَالَ (۳۰۱۰)وَتَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ ـ۱ـ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ، وَلَا يَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشَّرِكَةِ إِلَّا بَعْدَ الشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهَذَا يُضَافُ إِلَيْهِ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِينُ رَأْسِ الْمَالِ، ـ۲ـ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرِكَةٍ، وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عِمَالَةً عَلَى عَمَلِهِ، أَمَّا هُنَا بِخِلَافِهِ، ـ۳ـ وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ لَهُمَا حَتَّى يُعْتَبَرَ اتِّحَادُ الْجِنْسِ. وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَا يَجُوزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِي فِي الْمَالِ. وَلَا يَجُوزُ شَرِكَةُ

ترجمہ: (۳۰۱۰) اور شرکت عنان جائز ہے اگر چہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح: دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔

وجہ: یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لیے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لیے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لیے ہوگا۔ اس لیے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال کو بغیر ملائے ہوئے شرکت عنان جائز نہیں ہے، کیوں کہ نفع مال کا فرع ہے اور اصل مال میں شرکت کے بغیر فرع میں شرکت نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا محل مال ہے اسی لیے نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور راس المال کو متعین کرنے کی شرط لگاتے ہیں۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں جب تک دونوں شریک مال کو نہیں ملائے گا تب تک شرکت درست نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نفع مال کا فرع ہے اس لیے نفع میں شرکت اس وقت ہوگی جبکہ اصل یعنی مال میں شرکت ہو، اس کی بنیاد یہ بتاتے ہیں کہ نفع کا محل مال ہے، یہی وجہ ہے کہ نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور راس المال یعنی مال کو متعین کرنا شرط لگاتے ہیں اس لیے مال کو ملانا ضروری ہے (۲)۔ **اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالهما ولا تکون المفاوضة والشرکة بالعروض ان یجیئ هذا بعرض وهذا بعرض** (مصنف عبد الرزاق، باب **المفاوضین** ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول صحابی میں ہے کہ مال کو ملائے گا تب ہی شرکت صحیح ہوگی۔

ترجمہ: ۲ بخلاف مضاربت کے [اس میں مال ملانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ شرکت نہیں ہے، مضاربت میں تو مضارب رب المال کے لیے کام کرتا ہے اور اپنے کام کا نفع لیتا ہے، شرکت میں اس کے خلاف ہے [یعنی شرکت میں دونوں کام کرتے ہیں]

تشریح: مضاربت میں مال کی شرکت نہیں ہوتی، وہاں تو ایک کا مال ہوتا ہے اور دوسرا آدمی محنت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں مزدوری لیتا ہے، بخلاف شرکت کے، یہاں دونوں کا مال ہوتا ہے اور دونوں ہی کام کرتے ہیں اور دونوں ہی پیسہ لیتے ہیں، اس لیے یہاں مال کا ملانا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳ امام زفر اور امام شافعیؒ کے لیے یہ بہت بڑا قاعدہ ہے [کہ مال کو ملانا ضروری ہے] اس کی وجہ سے جنس کا متحد ہونا ضروری ہے، مال کو ملانا ضروری ہے، مال برابر ہو تو نفع میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے، شرکت تقبل اور شرکت اعمال جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ مال نہیں ہے۔

التَّقَبُّلِ وَالْأَعْمَالِ لِانْعِدَامِ الْمَالِ. ٤ وَلَنَا أَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتَنِدَةٌ إِلَى الْعَقْدِ دُونَ الْمَالِ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمَّى شِرْكَةً فَلَا بُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ مَعْنَى هَذَا الِاسْمِ فِيهِ فَلَمْ يَكُنِ الْخَلْطُ شَرْطًا. ٥ وَلِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ لَا يَتَعَيَّنَانِ فَلَا يُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ، وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيلٌ. وَإِذَا تَحَقَّقَتِ الشَّرِكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُونِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُونِهِ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوِي فِي الرِّبْحِ، وَتَصِحُّ شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ. قَالَ (۳۰۱۱) وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ إِذَا شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ مِنَ الرِّبْحِ ١ لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُوجِبُ انْقِطَاعَ الشَّرِكَةِ فَعَسَاهُ لَا يَخْرُجُ إِلَّا قَدْرَ الْمُسَمَّى لِأَحَدِهِمَا، وَنَظِيرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ.

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں یہ بہت بڑا قاعدہ ہے کہ شرکت میں مال کا ملانا ضروری ہے، جس کی وجہ سے تین باتیں ہوں گی[۱] دونوں کی جنس ایک ہو، چناں چہ ایک کا درہم اور دوسرے کا دینار نہیں چلے گا، کیوں کہ اس میں دونوں میں خلط ملط نہیں ہوگا[۲] مال برابر ہو تو نفع میں کمی بیشی بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان کے یہاں نفع مال کا فرع ہے، اس لیے جس کا جتنا مال ہوگا اتنا ہی نفع دیا جائے گا اس لیے مال کم ہو اور نفع زیادہ لے لے یہ صحیح نہیں ہوگا[۳] ان کے یہاں شرکت تقبل، یعنی شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ کاریگری میں مال نہیں ہوتا، اور شرکت کے مال ضروری ہے، اس لیے شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ٤ ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ عقد کی طرف منسوب ہے مال کی طرف منسوب نہیں ہے، اس لیے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لیے اس نام کا معنی متحقق ہونا چاہئے، اس لیے مال کو ملانا شرط نہیں ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ مال کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ عقد کی طرف منسوب ہے، یہی وجہ ہے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لیے نام کا اعتبار کرتے ہوئے ملانے کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: ٥ اور اس لیے کہ درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لیے راس المال سے نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ تصرف سے نفع ہوتا ہے، اس لیے کہ آدھے تصرف میں اصل ہے اور آدھے تصرف میں وکیل ہے، اس لیے بغیر ملائے ہوئے تصرف میں شرکت متحقق ہوگئی تو نفع میں بھی شرکت متحقق ہوگئی اور یہ شرکت مضاربت کی طرح ہوگئی اس لیے ایک جنس ہونے کی شرط نہیں ہوگی، اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے، اور شرکت تقبل بھی جائز ہوگی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ دینار اور درہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لیے نفع درہم اور دینار سے نہیں ہے، بلکہ تصرف سے ہے اور تصرف میں آدھا اپنی جانب سے ہے اور آدھا دوسرے کی جانب سے وکیل کے طور پر ہے، اور جب تصرف میں شرکت ہوئی تو یہ تینوں کی ضرورت نہیں ہے[۱] مال کو ملانے کی ضرورت نہیں ہے، [۲] اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے [۳]، اور تقبل، یعنی صنائع میں بھی شرکت صحیح ہوجائے گی، کیوں کہ وہاں بھی تصرف ہے، مال نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۱) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگا لے کسی ایک کے لیے نفع میں سے متعین درہم۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے جس سے شرکت ہی ختم ہوجائے گی۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ اتنا ہی درہم نفع ہو جتنا ایک شریک کے

قَالَ (۳۰۱۲)وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَفَاوِضَيْنِ وَ شَرِيكَيِ الْعِنَانِ أَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ لِ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ، ٢ وَلِأَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ عَلَى الْعَمَلِ، وَالتَّحْصِيلُ بِغَيْرِ عِوَضٍ دُونَهُ فَيَمْلِكُهُ، ٣ وَكَذَا لَهُ أَنْ يُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَا يَجِدُ التَّاجِرُ مِنْهُ بُدًّا. قَالَ (۳۰۱۳)وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً؛ لِ لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِكَةِ فَتَتَضَمَّنُهَا.

لیے متعین کیا ہے۔اس کی مثال کتاب المزارعت میں گزر گئی ہے۔

تشریح: مثلا یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے،تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔کیوں کہ نفع میں شرکت کا نام شرکت ہے اور وہ یہاں نہیں ہوئی،اس لیے اس شرط سے شرکت فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔اس لیے متعین درہم ایک کے لیے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصص کو منع فرمایا ہے۔**عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمی انھم کانوا یکرون الارض علی عھد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربعاء او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنھی النبی ﷺ عن ذلک** (بخاری شریف، **باب کراء الارض بالذھب والفضة** ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنیٰ کر لینے کو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔اس لیے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنیٰ کر لینا بھی جائز نہیں ہے (۳) **عن ابن المسیب قال یکرہ ان یبیع النخل ویستثنی منه کیلا معلوما** (مصنف عبد الرزاق، **باب بیع الثمر ویشترط منھا کیلا** ج ۸ ص ۲۰۳ نمبر ۱۵۲۲۹) اس قول تابعی میں متعین کیل کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۲) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ شرکت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

تشریح: یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔مثلا مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔

اصول: شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ٢ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شریک کے لیے یہ جائز ہے کہ کام کے لیے کسی کو اجرت پر لے، یہاں تو مفت لے رہا ہے جو اجرت سے بھی کم ہے اس لیے شریک اس کام کو بھی کر سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٣ شریک کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ شرکت کے مال کو کسی کے پاس امانت رکھے، اس لیے کہ تجارت میں اس کی بھی عادت ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تاجر کو امانت رکھے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے [اس لیے امانت بھی رکھ سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۳) شرکت کے مال کو مضاربت کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: لِ اس لیے کہ یہ شرکت سے کم ہے اس لیے یہ بھی کر سکتا ہے۔

۲ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شِرْكَةٍ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ، وَهُوَ رِوَايَةُ الْأَصْلِ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِيلُ الرِّبْحِ كَمَا إذَا اسْتَأْجَرَهُ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْلَى؛ لِأَنَّهُ تَحْصِيلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِي ذِمَّتِهِ، ۳ بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُهَا لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ. قَالَ (۳۰۱۴)وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ ۱ لِأَنَّ التَّوْكِيلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَ الشَّرِكَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ، ۲ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طُلِبَ مِنْهُ تَحْصِيلُ الْعَيْنِ فَلَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے برابر کا کام تو نہیں کر سکتا، لیکن اس سے کم حیثیت کا کام کر سکتا ہے، مضاربت شرکت سے کم درجے کا ہے اس لیے مضاربت کر سکتا ہے۔

تشریح: شرکت میں نقصان ہو تو دونوں کا ہوتا ہے، اور مضاربت میں مضارب سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے شریک شرکت کے مال کو مضاربت پر بھی رکھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریک کو مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے اس لیے کہ وہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے، لیکن صحیح روایت پہلی ہے، اور یہی مبسوط کی روایت ہے، کیوں کہ مضاربت میں شرکت مقصود نہیں ہوتا، صرف نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کو اجرت پر کام کرنے کو لے لے، بلکہ مضاربت میں یہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ نفع نہ ہو تو مضارب کچھ بھی نہیں لیتا ہے [جبکہ مزدور کو دینا ہی پڑتا ہے]

تشریح: پہلی روایت یہ ہے کہ شریک مال کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) مضاربت میں نفع مقصود ہوتا ہے، شرکت مقصود نہیں ہے اس لیے مضاربت کر سکتا ہے۔ (۲) شرکت کے مال کو اجرت پر تجارت کے لیے دو تو نفع نہ بھی ہو تب بھی مزدوری دینی پڑتی ہے، جبکہ مضارتب میں اگر نفع نہ ہو تو مضارب کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا ہے، اس لیے اجرت پر دے سکتا ہے تو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے۔

لغت: تحصیل بدون ضمان فی ذمتہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مضاربت میں نفع نہ ہو تو کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف شرکت کا کام نہیں کر سکتا، اس لیے کہ کوئی چیز اپنی مثل نہیں کر سکتا۔

تشریح: شریک کسی کو شریک بنا کر شرکت کا کام نہیں کر سکتا، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جس درجے کی چیز ہے اس سے کم درجے کام کرنے کا تو مالک ہوگا، اسی کے مثل کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۱۴) ایسے کسی کو وکیل بنائے جو تجارت کرے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ خریدنے اور بیچنے کا وکیل بنانا تجارت کے تابع ہیں، اور شرکت اس لیے کیا ہے تاکہ تجارت کرے [اس لیے تجارت کا وکیل بنا سکتا]

تشریح: شرکت تجارت کے لیے ہے، اور تجارت کرنے کا وکیل بنانا تجارت کرنا ہے اس لیے تجارت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ خریدنے کا وکیل بنایا تھا وہ کسی دوسرے کو خریدنے کا وکیل نہیں بنا سکتا، اس لیے کہ یہ خاص عقد ہے جس سے متعین چیز کو

قَالَ (۳۰۱۵)وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ ١ لِأَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ بِإِذْنِ الْمَالِكِ ٢ لَا عَلَى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ. قَالَ (۳۰۱۶)وَأَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَتُسَمَّى شِرْكَةَ التَّقَبُّلِ كَالْخَيَّاطِينَ وَالصَّبَّاغِينَ يَشْتَرِكَانِ عَلَى أَنْ يَتَقَبَّلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُونَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوزُ ذَلِكَ ١ وَهَذَا عِنْدَنَا.

حاصل کرنا ہے اس لیے اس کی مثل وکیل نہیں بنا سکتا۔

تشریح: خریدنے کا وکیل بنایا اب یہ وکیل چاہے کہ دوسرے کو اسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنے دے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

وجہ: دوسرے کو وکیل بنانا بھی پہلے کی طرح ہے اس لیے اپنے مثل کرنے کا مالک نہیں بنے گا

لغت: فلا یستطیع مثلہ: اپنے مثل کو تابع نہیں بنا سکتا۔ یعنی وکیل بالشراء، دوسرے کو وکیل بالشراء نہیں بنا سکتا۔

ترجمہ: (۳۰۱۵) اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

ترجمہ: ١ اس لیے کہ مالک کی اجازت سے مال پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح: یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔ اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے۔ اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لیے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے۔ **عن صالح بن دینار ان علیاً کان لا یضمن الاجیر المشترک۔** (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا ؟: ۴/۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لیے اس پر حضرت علیؓ نے ضمان لازم نہیں کیا۔ اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لیے اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک** (مصنف عبد الرزاق، **باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح: ۸/۱۹۶،** نمبر ۱۵۲۰۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

ترجمہ: ٢ بدل اور وثیقہ کے طور پر نہیں لیا ہے۔

تشریح: بھاؤ کرنے کے لیے کوئی مبیع لے جاتا ہے تو یہ بدلے کے لیے لے جاتا ہے اس لیے وہ امانت کا مال نہیں ہے بلکہ ضمانت کا مال ہے۔ اسی طرح رہن کے طور پر کوئی چیز لے کر جاتا ہے تو یہ ضمانت کے طور پر ہوتا ہے، کیوں کہ وثیقہ اور مضبوط کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ شرکت کا مال نہ بھاؤ لے طور پر لیا، اور نہ رہن کے طور پر لیا ہے، اس لیے یہ امانت کا مال ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۶) اور شرکت صنائع یہ ہے [اس کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں] کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔

ترجمہ: ١ یہ ہمارے نزدیک ہے۔

تشریح: دو کاریگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔ چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لیے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔ اس صورت میں ایک

۲ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ هٰذِهِ شِرْكَةٌ لَا تُفِيدُ مَقْصُودَهَا وَهُوَ التَّثْمِيرُ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ تُبْتَنَى عَلَى الشِّرْكَةِ فِي الْمَالِ عَلَى أَصْلِهِمَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ. ۳ وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ التَّحْصِيلُ وَهُوَ مُمْكِنٌ بِالتَّوْكِيلِ، لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ وَكِيلًا فِي النِّصْفِ أَصِيلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتْ الشِّرْكَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ ۴ وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرَ فِيهِمَا؛ لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشِّرْكَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ لَا يَتَفَاوَتُ

شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔ اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجه: (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله قال اشتركت انا و عمار و سعد فيما نصيب يوم بدر قال فجاء سعد باسيرين ولم اجئ انا و عمار بشيء** (ابوداؤد شریف، **باب في الشركة على غير رأس مال** ص ۴۸۴ نمبر ۳۳۸۸/نسائی شریف، **باب شركة الابدان** ص ۱۴۱ نمبر ۳۹۶۹/ ابن ماجہ شریف، **باب الشركة والمضاربة** ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔ (۲) اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔ **عن علي في المضاربة الوضيعة على المال، والربح على ما اصطلحوا عليه** (مصنف عبد الرزاق، **باب نفقة المضارب و وضيعته** ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۲۶) (۳) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔ اس لیے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔

ترجمہ: ۲ یہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ شرکت جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مال نہیں ہے تو اس کا نفع بھی نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے امام شافعیؒ کے قاعدے کے مطابق شرکت میں نفع کی بنیاد مال ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام شافعی، اور امام زفرؒ کے یہاں مال سے ہی نفع ہوتا ہے اور شرکت صنائع میں مال نہیں ہے بلکہ صرف کام کر کے نفع لینا ہے اس لیے ان کے یہاں شرکت صنائع جائز نہیں ہے، اس مسئلے کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے

ترجمہ: ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرکت کا مقصود نفع ہے اور نفع میں وکیل بنا کر یہ ممکن ہے، اس لیے کہ جب آدھے میں وکیل ہوا تو آدھے میں اصیل ہوگا اور نفع میں شرکت ہو جائے گی۔

تشریح: ہماری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مقصود نفع حاصل کرنا ہے، اور نفع میں شرکت کر لی جائے کہ آدھا اس کا ہو اور آدھا شریک کا ہو اتنا ہی کافی ہے، اس کے لیے مال ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ شرکت صنائع میں مکان اور کام بھی ایک ہو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے، امام مالک اور امام زفرؒ اس کے خلاف ہیں، کیوں کہ جائز شرکت معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تشریح: دونوں شریک کا ایک ہی کام ہو اس کی ضرورت نہیں ہے، ایک آدمی رنگ کا کام کرے اور دوسرا آدمی درزی کا کام کرے اور دونوں شرکت کر لے تب بھی جائز ہے، اسی طرح ایک جگہ پر دونوں کا کام کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ الگ الگ کام کرے اور شرکت کر لے تب بھی جائز ہے۔

(۳۰۱۷)وَلَوْ شَرَطَا الْعَمَلَ نِصْفَيْنِ وَالْمَالَ أَثْلَاثًا جَازَ ۱ وَفِي الْقِيَاسِ: لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ، فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَمْ يَجُزِ الْعَقْدُ لِتَأْدِيَتِهِ إلَيْهِ، ۲ وَصَارَ كَشَرِكَةِ الْوُجُوهِ، وَلَكِنَّا نَقُولُ: مَا يَأْخُذُهُ لَا يَأْخُذُهُ رِبْحًا لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ، وَقَدْ اخْتَلَفَ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحَ مَالٌ فَكَانَ بَدَلَ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ يَتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قُوِّمَ بِهِ فَلَا يَحْرُمُ، ۳ بِخِلَافِ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ، لِأَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ، وَرِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ لَا يَجُوزُ إلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ.

وجه: اصل مقصود نفع کمانا ہے اس لیے نفع میں شرکت کر لے اتنا ہی کافی ہے۔

امام مالک اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کام بھی ایک ہو اور جگہ بھی ایک ہو تب شرکت صنائع ہوگی، ان کے یہاں شرکت کے لیے کام کو خلط ملط کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۷) اگر شرط لگائی کہ کام آدھا کرے اور نفع ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو بھی جائز ہے۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام کرنے والا تجربہ کار اور ماہر ہوتا ہے اور دوسرا اتنا ماہر نہیں ہوتا اور کام سستی سے کرتا ہے اس لیے ایک نے دو تہائی نفع لیا اور دوسرے نے ایک تہائی رقم لی تب بھی جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۱ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو اس لیے کہ نفع کام کی مقدار سے ہوتا ہے اور اس پر زیادہ کرنا، ربح مالم یضمن ہے۔ اس لیے ربح مالم یضمن تک پہنچنے کی وجہ سے یہ عقد جائز نہ ہو، جیسے شرکت وجوہ میں جائز نہیں ہے۔

تشریح: قیاس کا تقاضی ہے کہ یہ شرکت صحیح نہ ہو اس لیے کہ جتنا کام ہو اسی کے حساب سے نفع ملنا چاہئے، اس لیے اس سے جو زیادہ نفع ملا وہ ربح مالم یضمن ہوا، تو جس طرح شرکت وجوہ میں کم زیادہ جائز نہیں ہے یہاں بھی جائز نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: ۲ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ربح نہیں ہے، کیوں کہ ربح اس کو کہتے ہیں جو اتحاد جنس سے ہو یعنی مال سے ہو، اور یہاں تو دونوں الگ الگ ہیں، اس لیے کہ یہاں راس المال کام ہے، اور ربح جو ہے وہ مال ہے، تو یہاں نفع کام کا بدلہ ہوا، اور کام کی جو قیمت لگائی جائے وہ ہو جاتی ہے اس لیے کام کی جتنی قیمت لگائی جائے گی وہ حلال ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ربح مالم یضمن اس کو کہتے ہیں جو مال کا نفع ہو، اور یہاں مال کا نفع نہیں ہے، کیوں کہ یہاں مال ہی نہیں ہے، یہاں کام کا نفع ہے، اور کام ماہر والے کا ہو تو نفع زیادہ لے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف شرکت وجوہ کے اس لیے کہ وہاں مال کی جنس متفق ہے اور نفع متفق جنس سے متحقق ہو رہا ہے۔ اور ربح مالم یضمن صرف مضاربت میں جائز ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں ہر شریک اپنی کوشش سے مال ہی لا تا رہا ہے، اس لیے وہاں نفع مال کا ہی ہے کام کا نہیں ہے، اس لیے جتنا مال ہے اسی حساب سے نفع ملنا چاہئے تا کہ ربح مالم یضمن، نہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ صرف مضاربت میں ربح مالم یضمن جائز ہے۔

لغت: الربح يتحقق في الجنس المتفق: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جنس متفق، یعنی درہم اور دینار کا نفع ہوتا ہے۔

قَالَ (۳۰۱۸)وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ ۱؎ حَتَّى إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُطَالَبُ بِالْعَمَلِ وَيُطَالِبُ بِالْأَجْرِ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ ۲؎ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذَلِكَ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ. ۳؎ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ الشَّرِكَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّ مَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُونٌ عَلَى الْآخَرِ، وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهِ عَلَيْهِ فَجَرَى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ

ترجمہ:(۳۰۱۸)دونوں میں سے ایک نے کام کو قبول کیا تو شریک پر بھی یہ کام لازم ہو جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ یہی وجہ ہے کہ دونوں سے کام کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور دونوں ہی گا ہک سے اجرت مانگ سکتا ہے۔ اور کسی ایک شریک کو اجرت دے دی تو دینے والا اجرت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں تین باتیں بیان کررہے ہیں۔[۱] شرکت صنائع میں ایک شریک نے کام قبول کیا تو یہ کام دوسرے شریک پر بھی لازم ہو جائے گا، چناں چہ گا ہک دوسرے شریک سے بھی کام کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔[۲] اور دوسرا شریک گا ہک سے اجرت بھی وصول کر سکتا ہے۔[۳] اور گا ہک دوسرے شریک کو اجرت دے دے تو اجرت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

وجہ: شرکت صنائع میں ایک قسم کا مفاوضہ بھی ہوتا ہے اس لیے دونوں شریک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ترجمہ:۲؎ شرکت صنائع میں مفاوضہ بھی کر لیا تو تب تو ظاہر ہے[کہ کسی ایک کو اجرت دینے سے اجرت پوری ہو گئی] لیکن اگر مفاوضہ نہیں ہے تب بھی استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ دینے سے اجرت پوری ہو جائے، اور قیاس اس کے خلاف ہے اس لیے کہ مطلق شرکت ہوئی ہے اور مفاوضہ میں کفالہ بھی ہوتا ہے۔

تشریح: شرکت صنائع میں شرکت مفاوضۃ بھی کر لیا تب تو ظاہر ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار بن جائے گا، لیکن اگر شرکت مفاوضہ نہیں کیا تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار نہ ہو، اور دوسرے شریک کو اجرت دینے سے اجرت کی ادائیگی نہ ہو، کیوں کہ یہ شرکت مطلق ہے، جس میں ہر ایک کے کفیل ہونے کی شرط نہیں ہے۔

ترجمہ:۳؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس شرکت میں ہر شریک ضامن ہوتا ہے، کیوں آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ایک شریک کام قبول کرے تو دوسرے پر بھی کام لازم ہو جاتا ہے، اور اس پر کام لازم ہونے کی وجہ سے وہ اجرت لینے کا بھی مستحق ہو جاتا ہے، اس لیے یہ شرکت کام کے ضمان لازم ہونے میں مفاوضہ کے قائم مقام ہے اور بدل کا تقاضہ کرتا ہے۔

تشریح: استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں کفالہ بھی ہے، کیوں کہ کام کرنے کا ضامن دونوں ہوتے ہیں، اور دونوں اجرت کا مستحق ہوتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندر خانہ کفالہ بھی ہے اس لیے ایک کو اجرت دے تو اس سے اجرت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت: **یستحق الاجر بسبب نفاذ تقبلہ فجری مجری المفاوضۃ**: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شریک پر بھی کام کی ذمہ داری آ گئی ہے، اسی لیے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اس لیے یہ مفاوضہ کے درجے میں ہے۔ **اقتضاء العمل، و اقتضاء البدل**: کام کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اجرت کا بھی تقاضہ کرسکتا ہے۔

الْبَدَلِ. قَالَ [۱۳۳۰]وَأَمَّا شِرْكَةُ الْوُجُوهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَا مَالَ لَهُمَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِهِمَا وَيَبِيعَا فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ عَلَى هٰذَا مُسَمَّيَتْ بِهِ ۱؎ لِأَنَّهُ لَا يَشْتَرِي بِالنَّسِيئَةِ إلَّا مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ، ۲؎ وَإِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَحْقِيقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْأَبْدَالِ، وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُونُ عِنَانًا لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إلَيْهِ ۳؎ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شِرْكَةِ التَّقَبُّلِ.

ترجمہ:[۱۳۳۰] (۲۸) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ جس کا لوگوں کے درمیان رعب ہو وہی ادھار چیز خرید سکتا ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھار خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔ اس طرح دو آدمی شرکت کرلے تو جائز ہے۔ اور اس شرکت کو وجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید اور بیچ رہا ہے۔ اس لیے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

وجہ: اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لیے قول صحابی میں ہے۔ **قال اخبرنی ابی قال کنت ابیع البز فی زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لا یبیعه فی سوقنا اعجمی فانهم لم یفقهوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذهبت الی عثمان بن عفان فقلت له هل لک غنیمة باردة؟ قال ماهی؟ قلت بز قد علمت مکانه یبیعه صاحبه برخص لا یستطیع بیعه اشتریه لک ثم ابیعه لک قال نعم الخ** (موطا امام محمد، باب الشرکۃ فی البیع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کپڑا لے کر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔

لغت: وجوہ: اس کا معنی ہے، چہرہ، یہاں اس کا معنی ہے، رعب، جان پہچان۔

ترجمہ: ۲؎ اس شرکت میں مفاوضہ بھی ہوگی اس لیے کہ مبیع اور ثمن میں وکالت اور کفالت دونوں ہونا ممکن ہے، لیکن جب مطلق شرکت کی تو شرکت عنان ہوگی اس لیے مطلق شرکت عنان کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

تشریح: اس شرکت وجوہ میں شرکت مفاوضہ بھی ہوگی یا نہیں، اس بارے میں فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شرکت میں مبیع بھی ہے اور ثمن بھی ہے اس لیے اس میں وکالت بھی ہوگی اور کفالت بھی ہوگی، اس لیے شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے، البتہ شرکت مفاوضہ کا تذکرہ نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں شرکت عنان ہو جائے گی، کیوں کہ جب مطلق شرکت ہوتی ہے تو اس سے شرکت عنان ہی قائم ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہمارے نزدیک یہ شرکت جائز ہے، خلاف امام شافعیؒ کے، شرکت تقبل میں دوں حضرات کی دلیل ہم نے بیان کردی ہے۔

تشریح: ہمارے نزدیک شرکت وجوہ جائز ہے، اور شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ: شرکت کے لیے ہمارے یہاں مال ہونا ضروری نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کا ذمہ دار بن جائے اور نفع میں شرکت ہو جائے تب بھی شرکت ہو سکتی ہے، اور شرکت وجوہ میں نفع میں شرکت ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے اس لیے یہ شرکت جائز ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں شرکت کے لیے مال کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں کسی کے پاس مال نہیں ہے اس لیے شرکت وجوہ بھی نہیں ہوگی۔

قَالَ (۳۰۲۰)وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيلُ الْآخَرِ فِيمَا يَشْتَرِيهِ ۔ ا؎ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِوِلَايَةٍ وَلَا وِلَايَةَ فَتَعَيَّنَ الْوَكَالَةُ (۳۰۲۱)فَإِنْ شَرَطَا أَنَّ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحَ كَذَلِكَ يَجُوزُ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَفَاضَلَا فِيهِ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُونَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذَلِكَ،

ترجمہ:(۳۰۲۰)دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

تشریح:ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ:اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لیے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اس کا ہوگا۔

ترجمہ:ا؎ اس لیے کہ دوسرے کے مال پر تصرف دو وجہ سے ہوتی ہے، وکالت ہو یا ولایت ہو، یعنی آپ کو مال دے دے، یہاں ولایت نہیں ہے اس لیے وکالت ہی ہوگی۔

تشریح:دوسرے کے مال پر تصرف کرنے کی دو صورتیں ہیں، یا یہ چیز آپ کو دے دے، اور آپ اس کا ولی بن جائیں تو تصرف کر سکتے ہیں، یا دوسرے آدمی کا آپ وکیل بن جائیں، اس وکالت کی بنیاد پر اس مال پر تصرف کریں۔ یہاں ولایت تو ہے نہیں اس لیے وکالت ہی ہوگی، یعنی شریک کا وکیل بن کر اس کے مال پر تصرف کریں۔

ترجمہ:(۳۰۲۱)پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا ہوگا۔ اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح:اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر ایک کو اسی مناسبت سے ہوگا۔ یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔ اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ:(۱) نفع لینے کا مدار تین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔ یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضاربت میں مال والے کا مال ہوتا ہے اس لیے وہ نفع لیتا ہے۔ یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔ شرکت وجوہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔ کیوں کہ کسی کے پاس مال تو ہے نہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہا ہے۔ اس لیے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔ اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔ اس لیے نفع مالم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا (۲) اور ربح مالم یضمن کی حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح مالم یضمن و لا بیع مالیس عندک**۔ (ابو داؤد شریف، **باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ** ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴/ ترمذی شریف، **باب ماجاء فی کراهیة بیع مالیس عندہ** ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴) اس لیے اس حدیث کی بنا پر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہو تو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

۱ وَهَذَا لِأَنَّ الرِّبْحَ لَا يُسْتَحَقُّ إلَّا بِالْمَالِ أَوْ الْعَمَلِ أَوْ بِالضَّمَانِ فَرَبُّ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ، وَالْأُسْتَاذُ الَّذِي يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التِّلْمِيذِ بِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ، وَلَا يُسْتَحَقُّ بِمَا سِوَاهَا؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ تَصَرَّفْ فِي مَالِكِ عَلَى أَنَّ لِي رِبْحَهُ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ هَذِهِ الْمَعَانِي. وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِي شَرِكَةِ الْوُجُوهِ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّا ۲ وَالضَّمَانُ عَلَى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرَى وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحَ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُهُ إلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ وَالْوُجُوهُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا، ۳ بِخِلَافِ الْعِنَانِ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِي مَالِ صَاحِبِهِ فَيُلْحَقُ بِهَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: ۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا مستحق یا مال کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کام کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا ذمہ داری لینے کی وجہ سے ہوتا ہے، پس رب المال مال کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے، اور مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے، اور استاذ جو شاگردوں کو آدھے پر کام دیتا ہے وہ ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے، ان تین کے علاوہ کے طریقے سے نفع کا مستحق نہیں ہوتا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دوسرے سے یوں کہیں آپ اپنے مال میں تصرف کریں اور نفع میرے لیے ہو تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں تینوں صورتوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ اور شرکت وجوہ میں نفع ذمہ داری کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ تین ذریعہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ [۱] مال لگائے تو اس کے نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضاربت میں رب المال، مال لگاتا ہے تو وہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ [۲] کام کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضارب کام کرتا ہے اور اس کے بدلے نفع لیتا ہے۔ [۳] ذمہ داری کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے کوئی ذمہ دار کام لیتا ہے، اور وہ کام مزدور سے کروالیتا ہے اور جو نفع بچتا ہے وہ لے لیتا ہے، لیکن یہ تین صورتیں نہ ہوں تو نفع کا مستحق نہیں ہوتا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید عمر سے کہے کہ تم اپنے مال میں کام کرو اور اس کا نفع مجھے دو تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ میں ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور خریدی ہوئی چیز میں جتنی ملکیت جس کی ہے اتنی ہی ذمہ داری ہے، اور اس سے زیادہ نفع لینا ربح مالم یضمن ہے اس لیے اس کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے سوائے مضاربت کے، اور شرکت وجوہ مضاربت کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں جتنی چیز اپنی ذمہ داری پر لایا اسی کا وہ ذمہ دار ہے، اس لیے جتنی ذمہ داری ہے اتنا ہی نفع لینا چاہئے، اس لیے اس سے زیادہ نفع جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ ربح مالم یضمن ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف شرکت عنان کے اس لیے کہ وہ مضاربت کے معنی میں ہے اس لیے کہ دونوں شریک دوسرے ساتھی کے مال میں کام کرتا ہے اس لیے عنان کو مضاربت کے ساتھ ملحق کر دیا۔

تشریح: مضاربت میں مضارب رب المال کے لیے کام کرتا ہے، اسی طرح عنان کا ہر شریک دوسرے کے مال میں کام کرتا ہے، اس لیے شرکت عنان کو مضاربت کے ساتھ ملا دیا، اور مضاربت میں زیادہ نفع لے سکتا ہے تو شرکت عنان میں بھی زیادہ نفع لے سکتا ہے۔ البتہ شرکت وجوہ میں زیادہ نفع نہیں لے سکتا۔

فَصْلٌ فِي الشِّرْكَةِ الْفَاسِدَةِ

(۳۰۲۲)وَلَا تَجُوْزُ الشِّرْكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَالْاِصْطِيَادِ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوْ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِهِ، لـ وَعَلَى هَذَا الْاِشْتِرَاكُ فِي أَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ،لِأَنَّ الشِّرْكَةَ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ، وَالتَّوْكِيلُ فِي أَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ لِأَنَّ أَمْرَ الْمُوَكِّلِ بِهِ غَيْرُ صَحِيحٍ، وَالْوَكِيلُ يَمْلِكُهُ بِدُوْنِ أَمْرِهِ فَلَا يَصْلُحُ نَائِبًا عَنْهُ.

{فصل فی الشرکۃ الفاسدہ}

ترجمہ: (۳۰۲۲) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔ اور ان میں جو کوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا۔

اصول: مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اور اس پر جو قبضہ کرلے اسی کی مفت ہو جاتی ہیں۔ ان میں شرکت کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

وجہ: (۱) کیوں کہ جوں ہی اس پر قبضہ کرلیا وہ چیز اس کی ہوگئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلا ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہوجائے گی۔ گھاس جنگلون میں مفت ملتی ہے اس لیے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہوجائے گی۔ یہی حال شکار کے جانور کا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جو ان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہوجائے گی۔ **عن ابیض بن جمال... فقال رسول اللہ ﷺ هو منک صدقة وهو (الملح) مثل الماء العدمن ورده اخذه** ۔ (ابن ماجہ شریف، **باب الطاع الانهار والعیون** ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷۵) اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہوجائے گا۔ (۳) **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون شرکاء فی الثلاث، فی الماء و الکلاء و النار وثمنه حرام** ۔ (ابن ماجہ شریف، **باب المسلمون شرکاء فی الثلاث**، ص ۳۵۴ نمبر ۲۴۷۲) اس حدیث میں ہے کہ پانی، اور گھاس اور آگ سبھی کا ہے، یعنی وہ مباح ہے۔

لغت: الاحتطاب: حطب سے مشتق ہے، جمع کرنا۔ **الاحتشاش: حشیش** سے مشتق ہے، گھاس کاٹنا۔ **الاصطیاد: صید** سے مشتق ہے، شکار کرنا۔

ترجمہ: لـ اس قاعدہ پر ہر وہ چیز جو مباح ہے اس کے لینے میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح مال میں وکیل بنانا باطل ہے اس لیے کہ موکل کا حکم دینا اس میں صحیح نہیں ہے، موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کا مالک ہے اس لیے وکیل موکل کا نائب نہیں بن سکتا۔

تشریح: جتنی بھی چیز مباح ہے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح چیز میں وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کو لے سکتا ہے اور مالک بن سکتا ہے اس لیے وکیل بنانے سے فائدہ نہیں ہے، اس لیے اس میں شرکت بھی نہیں ہے۔

۲ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ، فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلْ الْآخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ، ۳ وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بِأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ، أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِلْمُعِينِ أَجْرُ الْمِثْلِ ۴ بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُجَاوَزُ بِهِ نِصْفُ ثَمَنِ ذَلِكَ، وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ. قَالَ (۳۰۲۳) وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلِأَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى، وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الرَّاوِيَةِ إِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ

ترجمہ: ۲ دونوں کی ملکیت لینے سے اور جمع کرنے سے ہوگی۔ اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لیا تو سبب کے برابر ہونے کی وجہ سے دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، اور اگر ایک نے حاصل کیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو حاصل کرنے والے کی ملکیت ہوگی۔

تشریح: مباح چیز کو لینے اور حاصل کرنے سے ملکیت ہو جائے گی، پس اگر دونوں نے لیا تو دونوں مالک ہوں گے، کیوں کہ دونوں کا سبب برابر ہے، اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو لینے والا مالک بنے گا، اور دوسرے کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۳ اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی، مثلا ایک نے درخت اکھیڑا اور دوسرے نے جمع کیا، یا ایک نے اکھیڑا اور جمع کیا اور دوسرا لاد کر لے گیا تو مدد کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔

تشریح: اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو لینے والے کی ملکیت ہوگی، اور مدد کرنے والے کو بازار میں اس کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ ملے گی۔

ترجمہ: ۴ امام محمدؒ کے یہاں یہ اجرت جتنی بھی ہو جائے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھی قیمت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، اس کی تفصیل دوسری جگہ الاجارۃ الفاسدہ میں موجود ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں مثلی اجرت جتنی بھی ہو سکتی ہو وہ ملے گی، چاہے اس چیز کی آدھی قیمت سے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ زیادہ سے زیادہ اجرت اس چیز کی آدھی قیمت ہو اس سے زیادہ اس کو اجرت نہیں ملے گی، کیوں کہ چیز لینے والے کا بھی آدھا حق ہے۔ اس کی تفصیل اجرت فاسدہ کے باب میں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۳) اگر دو آدمی شریک ہو جائے ان مین سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔ کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا خچر والا ہے۔ اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح: دو آدمی ملے، ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔ تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔ پس اگر خچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔ اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

۱؎ أمَّا فَسَادُ الشَّرِكَةِ فَلانعِقَادِهَا عَلَى إحْرَازِ المُبَاحِ وَهُوَ المَاءُ، ۲؎ وَأمَّا وُجُوبُ الأجْرِ فَلِأنَّ المُبَاحَ إذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرِزِ وَهُوَ المُسْتَقِي، وَقَدْ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مِلْكِ الغَيْرِ وَهُوَ البَغْلُ أوْ الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أجْرُهُ (۳۰۲۴) وَكُلُّ شَرِكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيهِمَا عَلَى قَدْرِ المَالِ، وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ

وجه: پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لیے شرکت فاسد ہوگی۔ اس لیے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

اصول: پانی مباح ہے، اس لیے جس نے اس پر قبضہ کیا، یعنی اس کو کنواں سے کھینچ کر باہر نکالا، پانی اسی کا ہے، باقی دوسرے لوگ مزدور ہیں، ان کو انکی مزدوری ملے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے ان کو اس کی اجرت مثل مل جائیگی۔

لغت: **استقی:** پانی پلانا، سیراب کرنا۔ **الراویۃ:** مشک، چرس۔

ترجمہ: ۱؎ شرکت اس لیے فاسد ہے کہ مباح چیز کے جمع کرنے پر عقد ہوا ہے، یعنی پانی پر۔

تشریح: مباح چیز کے جمع کرنے پر شرکت کا عقد ہوا ہے اس لیے شرکت فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ خچر والے کو اس لیے اجرت دینی پڑے گی، کہ مباح چیز لینے والے کی جب ملکیت ہوگئی تو اس نے عقد فاسد کے ذریعہ غیر کا نفع حاصل کیا ہے اور وہ ہے خچر، یا مشک تو اس پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

تشریح: خچر والے، یا مشک والے کو کیوں اجرت دینی پڑتی ہے اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں، کہ پانی پر قبضہ کرنے کی ملکیت ہوگئی، اور دوسرے سے عقد فاسد کے ذریعہ نفع حاصل کیا ہے، تو اس کی اجرت لازم ہوگی۔

لغت: **محرز:** حوز سے مشتق ہے، جمع کرنے والا۔ بغل: خچر۔ **راویۃ:** مشک، چمڑے کا تھیلا، جس میں پانی بھرتے ہیں، اور کنواں سے نکالتے ہیں۔

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ عقد فاسد ہو جائے تو مزدوری والے کو اس کی مزدوری دینی پڑتی ہے۔ کیوں کہ غیر سے کام لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۴) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح: جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ: (۱) شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہوا تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن مجاھد قال اشترک اربعۃ رھط علی عھد رسول اللہ ﷺ فی زرع فقال احدھم قبلی الارض وقال الآخر قبلی الفدان وقال الآخر قبلی البذر وقال الآخر علی العمل فلما استحصد الزرع تفاتوا فیہ الی النبی ﷺ فجعل الزرع لصاحب البذر والغی صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شیئا معلوما وجعل لصاحب العمل درھما کل یوم** (مصنف

ل لِأَنَّ الرِّبْحَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ، كَمَا أَنَّ الرِّبْحَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِ فِي الزِّرَاعَةِ، وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ، وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الِاسْتِحْقَاقُ عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ (۳۰۲۵)وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ ل لِأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِيَتَحَقَّقَ الشَّرِكَةُ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْوَكَالَةُ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، وَكَذَا بِالِالْتِحَاقِ مُرْتَدًّا إِذَا قَضَى الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ، ٢ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا عَلِمَ الشَّرِيكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ، وَإِذَا بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ،

ابن ابی شیبۃ ۷۷ ۳القوم یشترکون فی الزرع: ۴/۵۰۶،نمبر ۲۲۵۵۶)اس اثر میں پوری زراعت دانے والے کو دی گئی۔کیوں کہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لیے نفع مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔اور کمی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔(۳) حضرت ابو قلابہ کا یہ جملہ ہے۔**عن ابی قلابۃ الضمان علی من تعدی والربح لصاحب المال** (مصنف عبد الرزاق، **باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح** ج ثامن ص ۱۹۵ نمبر ۱۵۱۸۹)اس قول تابعی میں نفع مال کو دیا گیا ہے۔

ترجمہ:ل اس لیے کہ نفع مال کے تابع ہوتا ہے،اس لیے جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ہوگا، جیسے کاشتکاری میں غلہ بیج کے تابع ہوتا ہے،اور جو زیادہ نفع کی بات تھی وہ متعین کرنے سے مستحق ہوتا تھا،اور وہ تعین فاسد ہوگیا تو اب راس المال کی مقدار مستحق ہونا باقی رہ گیا، اس لیے جتنا راس المال ہوگا اسی کے حساب سے نفع ملے گا،زیادہ نہیں ملے گا]

تشریح:یہاں ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کبھی بھی شرکت فاسد ہو جائے تو اب نفع کا معیار مال ہوگا،جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا،مثلا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی ادھا آدھا ملے گا،اس سے زیادہ مانگے گا تو نہیں ملے گا۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ نفع عقد کی وجہ سے تھا،اور شرکت فاسد ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہوگیا تو اب زیادہ نفع بھی نہیں ملے گا۔

لغت:**بذر**:بیج، دانہ۔**مزارعۃ**:کھیتی۔**تسمیۃ**:عقد کرنا، متعین کرنا۔

ترجمہ:(۳۰۲۵)اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ:ل اس لیے کہ شرکت میں وکالت بھی ہوتی ہے تا کہ شرکت متحقق ہو جائے،اور مرنے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے[اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی]ایسے ہی مرتد ہو کر دار الحرب میں مل جائے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا وہ بھی موت کے درجے میں ہے۔

وجہ:شرکت کے لیے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی۔مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔کیوں کہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہوگیا اس لیے وکالت ختم ہوگئی۔

ترجمہ:۲ اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک کو ساتھی کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو،اس لیے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے،اور جب وکالت ختم ہوگئی تو شرکت بھی ختم ہوگئی۔

تشریح:ایک شریک کے مرنے سے شرکت ختم ہو جائے گی چاہے دوسرے شریک کو موت کا علم ہو یا نہ ہو،دوسرے شریک کو خبر دینا

۳؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا فَسَخَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الشَّرِكَةَ وَمَالُ الشَّرِكَةِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ عَزْلٌ قَصْدِيٌّ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

فَصْلٌ

(۳۰۲۶) وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، ۱؎ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التِّجَارَةِ،

(۳۰۲۷) فَإِنْ أَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ. فَإِنْ أَدَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ عَلِمَ بِأَدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، ۱؎ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: لَا يَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ

ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جب دو شریک میں سے ایک نے شرکت فسخ کی ہو تو دوسرے کو بتلانا ضروری ہے، کیوں کہ قصداً عزل کرنا ہے۔

تشریح: قصداً عزل کرنا ہو تو دوسرے شریک کو بتلانا ضروری ہے، جب تک اس کو علم نہیں ہو تو معزول نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں قصداً معزول کرنا ہے۔

فصل فی اداء الزکوۃ

ترجمہ: (۳۰۲۶) شریک میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ زکوۃ ادا کرنا تجارت کی جنس میں سے نہیں ہے۔

تشریح: دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لیے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوۃ ادا کرسکتا ہے۔

وجہ: زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لیے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

ترجمہ: (۳۰۲۷) پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کردی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱؎ اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کردی۔ تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوۃ ادا کی وہ تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔ کیوں کہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کردی تھی۔ اس لیے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔ اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

وجہ: پہلے شریک نے جوں ہی زکوۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔ اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لیے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصے دار کے لیے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

۲ وَهَذَا إِذَا أَدَّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ، أَمَّا إِذَا أَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيبَ صَاحِبِهِ. وَعَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ الْمَأْمُورُ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ بَعْدَمَا أَدَّى الْآمِرُ بِنَفْسِهِ. ۳ لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالتَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ، وَقَدْ أَتَى بِهِ فَلَا يَضْمَنُ لِلْمُوَكِّلِ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي وُسْعِهِ التَّمْلِيكَ لَا وُقُوعَهُ زَكَاةً لِتَعَلُّقِهِ بِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ، وَإِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَا فِي وُسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُورِ بِذَبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إِذَا ذَبَحَ بَعْدَمَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحَجَّ الْآمِرُ لَمْ يَضْمَنِ الْمَأْمُورُ عَلِمَ أَوْ لَا. ۴ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَالْمُؤَدَّى لَمْ يَقَعْ زَكَاةً

وجہ: بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لیے وہ ضامن نہیں ہوگا (۲) ادائیگی زکوۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا ہے اس لیے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوۃ سے معزول نہیں ہوا۔

ترجمہ: ۲ یہ شریک پر ضمان لازم ہونا جب ہے کہ یکے بعد دیگرے زکوۃ ادا کی ہو، اور اگر دونوں نے ساتھ میں زکوۃ ادا کی تو دونوں ساتھی کے حصے کا ضامن ہوں گے، اور اسی اختلاف پر ہے اگر زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو، اور اس نے فقیر کو دے دیا، جبکہ حکم دینے والے نے خود بھی زکوۃ ادا کی تھی۔

تشریح: یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو تو بعد والا ضامن بنے گا، لیکن شریک نے خود ادا کیا، اس کے بعد دونوں نے ساتھی کی جانب سے ایک ساتھ زکوۃ ادا کی تو اس صورت میں دونوں دوسرے کے حصے کا ضامن بنے گا۔ کیوں کہ خود ادا کرنے کی وجہ سے دونوں معزول ہو گئے تھے اور معزول کے بعد ادا کیا تو دونوں ایک دوسرے کے حصے کا ضامن ہوں گے۔ یہی حال ہے اگر کسی نے کسی کو زکوۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی زکوۃ ادا کر دی، اور بعد میں وکیل نے زکوۃ ادا کی تو اسی اختلاف پر ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل ضامن بن جائے گا، اور صاحبینؒ کے یہاں ضامن نہیں بنے گا۔

ترجمہ: ۳ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا جو اس نے کر دیا اس لیے موکل کے لیے ضامن نہیں بنے گا، اس لیے کہ اس کے اختیار میں فقیر کو مالک بنانا تھا زکوۃ کو ادا کرنا نہیں تھا، کیوں کہ اس کا مدار موکل کی نیت پر ہے، اس لیے جتنا اس کے اختیار میں ہے اسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور ایسا ہو گیا کہ دم احصار کے لیے ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر احصار ختم ہوا اور حج کیا اس کے بعد ذبح کیا، تو جس کو حکم دیا تو وہ ضامن نہیں بنے گا، مامور کو احصار ختم ہونے کا علم تھا یا نہیں تھا۔

تشریح: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے جب یہ کہا کہ زکوۃ ادا کرو تو گویا کہ یہ کہا کہ فقیر کو مالک بنا دو اور اس نے فقیر کو مالک بنا دیا اس لیے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کے اختیار میں اتنا ہی تھا۔ اس کی ایک مثال دی کہ، زید حج کرنے سے محصر ہو گیا، اس نے عمر کو حکم دیا کہ دم احصار ذبح کر دو، اس کے بعد زید کا احصار ختم ہو گیا، پھر عمر نے دم ذبح کیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں زکوۃ کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اور جو ادا کی ہے وہ زکوۃ نہیں تھی وہ تو صدقہ نافلہ ہو گئی، اس

فَصَارَ مُخَالِفًا، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْأَمْرِ إِخْرَاجُ نَفْسِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْوَاجِبِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ، وَهَذَا الْمَقْصُودُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرِيَ أَدَاءَ الْمَأْمُورِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُولًا عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ. ۵ وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ. وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَزُولَ الْإِحْصَارُ. وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتُبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُودًا فِيهِ دُونَ دَمِ الْإِحْصَارِ. قَالَ (۳۰۲۸) وَإِذَا أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ لِصَاحِبِهِ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَأَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ

لیے حکم دینے والے کی مخالفت ہوگئی [اس لیے ضمان لازم ہوگا] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر کا مقصد اپنے آپ کو واجب کی ذمہ داری سے نکالنا ہے، اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ نقصان کو دفع کرنے کے لیے ہی نقصان برداشت کرتے ہیں، اور یہ مقصد ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے، اور یہاں مامور کی ادائیگی اس سے خالی ہے اس لیے مامور اس سے معزول ہو جائے گا، چاہے اس کو معزول ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، کیوں کہ یہ حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، پس جب خود ادا کر دیا تو مامور معزول ہو گیا، اور یہ معزول حکمی ہے اس لیے مامور کو اس علم نہ بھی تب بھی معزول ہو جائے گا، اور معزول ہونے کے بعد شرکت کے مال سے صدقہ نافلہ ادا کیا اس لیے وہ ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور دم احصار کا معاملہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس میں بھی اختلاف ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دم احصار اور زکوۃ میں فرق ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دم احصار واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ صبر کرے جس کی وجہ سے بعد میں احصار زائل ہو جائے، اور زکوۃ کے مسئلے میں زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہے تو زکوۃ ساقط کرنا اصل مقصود ہے، دم احصار میں ساقط کرنا مقصود نہیں ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دم احصار کے بارے میں بھی اختلاف ہے، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ضمان لازم ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں جان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بھی ضمان لازم نہیں ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دم احصار میں اور زکوۃ میں فرق ہے۔ دم احصار دینا واجب نہیں ہے، کیوں کہ محصر تھوڑا صبر کرے تا کہ احصار زائل ہو جائے تو دم لازم نہیں ہوگا، چونکہ یہ دم آمر پر لازم نہیں ہے، اس لیے مامور نے جیسا ادا کیا وہ ادا ہو گیا، اس لیے مامور پر ضمان نہیں ہے۔ اور زکوۃ دینا واجب ہے، اس لیے مامور کو واجب ہی ادا کرنا چاہئے لیکن مامور نے واجب ادا نہیں کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۳۰۲۸) شرکت مفاوضہ کرنے والے میں سے ایک شریک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ باندی خرید لو اور اس سے صحبت کرو، اس نے ایسا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خریدنے والے شریک پر کچھ لازم نہیں ہوگا [کیوں کہ کہنے والے نے اپنا حصہ خریدنے والے کو ہبہ کر دیا] اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کہنے والا خریدنے والے سے آدھی قیمت وصول کرے گا۔

۱۔لِأَنَّهُ أَدَّى دَيْنًا عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ بِنَصِيبِهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ وَهَذَا لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لَهُ خَاصَّةً وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ. ۲۔وَلَهُ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشَّرِكَةِ عَلَى الْبَتَاتِ جَرْيًا عَلَى مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ إِذْ هُمَا لَا يَمْلِكَانِ تَغْيِيرَهُ فَأَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ، ۳۔غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةَ نَصِيبِهِ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْمِلْكِ، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِثْبَاتِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُخَالِفٌ

ترجمہ: ۱۔اس لیے کہ خریدنے والے نے مشترک مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے، اس لیے کہنے والا اپنا حصہ خریدنے والے سے وصول کرے گا، جیسے وہ کھانا اور کپڑا خریدتا تو کہنے والا اپنا حصہ وصول کرتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنے والے کی ملکیت ہوئی اور ثمن ملک کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

اصول: یہاں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جب شریک نے باندی خریدنے اور اس سے وطی کرنے کے لیے کہا تو اس کے ضمن میں اپنے حصے کو خریدنے والے کو ہبہ کر دیا، اس لیے یہ اپنے حصے کی قیمت شریک سے وصول نہیں کر سکتا۔

اصول: اور صاحبین کا اصول یہ ہے کہ اپنی باندی کے لیے مشترک مال ادا کیا، اس لیے آدھی قیمت شریک کو دینا ہوگا۔

تشریح: زید اور عمر کے درمیان شرکت مفاوضہ تھی، زید نے عمر سے کہا کہ ایک باندی خرید لو اور اس سے وطی کرو، تو زید کی یہ اجازت کہ وطی کرو۔ اس کے ضمن میں یہ بھی ہوا کہ میں نے باندی کا اپنا حصہ تم کو ہبہ کر دیا، اس لیے میرے حصے کی رقم مجھے دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے عمر نے باندی خرید کر وطی کی تو اس پر زید کے حصے قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیوں کہ اس نے اپنا حصہ عمر کو ہبہ کر دیا ہے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ زید کا جو حصہ بنتا ہے وہ زید کو ادا کرے۔

وجہ: کیوں کہ عمر نے مشترک مال سے باندی خریدی ہے، اور پوری باندی کو اپنے استعمال میں لایا ہے، اس لیے عمر پر آدھی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس کی ایک مثال دی ہے کہ عمر مشترک مال سے اپنے لیے کھانا اور کپڑا خریدے تو اس کو زید کے حصے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے ہی یہاں بھی زید کے حصے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

ترجمہ: ۲۔امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باندی یقینی طور پر شرکت میں تھی، کیوں کہ یہ شرکت کا تقاضہ ہے، کیوں کہ شرکت کو دونوں مالک بدل نہیں سکتا، اس لیے اجازت نہ دینے کی حالت کے مشابہ ہو گیا، یہ اور بات ہے کہ اجازت میں اپنے حصے کا ہبہ شامل ہے، اس لیے کہ اپنی ملکیت کے علاوہ میں وطی حلال نہیں ہے، اور اس میں بیع ثابت نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہ شرکت کے تقاضہ کے مخالف ہے اس لیے ہم نے اجازت کے ضمن میں ہبہ ثابت کر دیا۔

تشریح: یہاں بھی عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت میں تین باتیں ہیں۔ [۱] ایک بات تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زید اپنے حصے کو عمر کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا، کیوں کہ شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپس میں بیع نہ ہو۔ [۲] دوسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وطی کے لیے ضروری ہے کہ باندی میں عمر کی پوری ملکیت ہو، ورنہ زنا کرنا لازم آئے گا۔ [۳] اور تیسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجازت کے ضمن میں ہبہ ہے کہ زید نے عمر کو اپنا حصہ ہبہ کر دیا اس لیے زید اب اپنے حصے کی قیمت عمر سے وصول نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ ہبہ کر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ بخلاف کھانے اور کپڑے کے اس لیے کہ ضرورت کی بنا پر یہ مستثنیٰ ہے، اس لیے اس کے عقد کے تحت میں اسی کی ملکیت

مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ فَأَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِي ضِمْنِ الْإِذْنِ، بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ مُسْتَثْنًى عَنْهَا لِلضَّرُورَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ فَكَانَ مُؤَدِّيًا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشَّرِكَةِ. وَفِي مَسْأَلَتِنَا قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا (۳۰۲۹)وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ ۱ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ، وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتْ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ.

ثابت ہوگی، اور اس میں شرکت کے مال سے ادا کرنے والا ہوگا، اور ہمارے باندی کے مسئلے میں دونوں پر جو قرض ہے وہ ادا کرنے والا ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کھانے اور کپڑے پر قیاس تھا، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ کھانا اور کپڑا ضروری چیز ہے اس لیے عمر نے اس کو شرکت کے مال سے خریدا تو یہ عمر کا ہی ہوگا، اور اس نے مشترک مال سے اس کی قیمت ادا کی ہے، اس لیے عمر پر ضروری ہوگا کہ اس کی آدھی قیمت زید کی طرف لوٹائے۔ اور باندی سے وطی کرانا کھانے کی طرح ضروری نہیں ہے اس لیے اس میں اجازت دینا زید کی جانب سے ہبہ ہے اس لیے اس کی آدھی قیمت ادا نہیں کرے گا۔

ترجمہ: (۳۰۲۹) اور بائع کے لیے جائز ہے کہ دونوں میں سے کسی سے بھی اپنی قیمت وصول کرے، یہ بالاتفاق ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ تجارت کی وجہ سے دین واجب ہوئی ہے اور شرکت مفاوضہ میں کفالہ بھی ہے، اس لیے باندی کی قیمت کھانے اور کپڑے کی طرح ہوگئی۔

تشریح: اوپر کے مسئلے میں باندی صرف عمر نے خریدی تھی، لیکن یہاں شرکت مفاوضہ ہے اس لیے زید بھی یہاں کفیل ہے اس لیے باندی کا مالک عمر سے بھی باندی کی قیمت وصول کرسکتا ہے اور زید سے بھی وصول کرسکتا ہے، کیوں کہ کفالت کی وجہ سے وہ بھی قیمت کا ذمہ دار ہے، جیسے دونوں کے لیے مشترک کھانا اور کپڑا خریدتا تو بائع کسی شریک سے بھی اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے کیوں کہ دونوں ایک دوسرے کا کفیل ہیں۔

کتاب الوقف

قَالَ (۳۰۳۰) أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُولَ إِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِي عَلَى كَذَا.

کتاب الوقف

ضروری نوٹ: وقف کا معنی روکنا ہے۔ وقف میں زمین، جائداد غریبوں کے لیے روکتے ہیں اس لئے اس کو روکنا کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔ **يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں مال کی وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں وقف کرنا بھی ہے اس لیے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) اور حدیث میں یہ ہے۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فما تأمرنی؟ بہ قال ان شئت حبست اصلھا و تصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیھا ان یاکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول** (بخاری شریف، **باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط** ص ۴۸۲ نمبر ۲۷۳۷/ مسلم شریف، **باب الوقف،** ص ۱۴ نمبر ۱۶۳۲ / ۴۲۲۴) اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جا سکتا ہے۔ (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاثۃ أشیاء من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔** (ابو داود شریف، **باب ما جاء فی الصدقۃ عن المیۃ،** ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا ہے جس میں وقف شامل ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۰) نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابو حنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے یا اپنی موت پر معلق کر دے اور یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کر دیا۔

تشریح: وقف کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ جائداد ہے اس لیے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے، یا وقف کو موت پر معلق کر دے، یوں کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا گھر فلاں کے لیے وقف ہے۔

وجہ: (۱) موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہو گئی۔ اب چونکہ موقوف علیہ کے لیے دے چکا ہے اس لیے ورثہ کے بجائے موقوف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **ان سعد بن عبادۃ اخا بنی ساعدۃ توفیت امہ وھو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ان امی توفیت وانا غائب عنھا فھل ینفعھا شیء ان تصدقت بہ عنھا قال نعم قال فانی اشھدک ان حائطی المخراف صدقۃ علیھا۔** (بخاری شریف، **باب الاشھاد فی الوقف والصدقۃ،** ص

(۳۰۳۱)وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ. (۳۰۳۲)وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَزُولُ حَتَّى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ ۔ ۱؎ قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: الْوَقْفُ لُغَةً. هُوَ الْحَبْسُ تَقُولُ وَقَفْتُ الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتُهَا بِمَعْنًى. ۲؎ وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ: حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ

۳۸۷ نمبر ۲۷۶۲)اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضور ﷺ کو گواہ بنایا گویا کہ حتی وقف کے لیے فیصلہ بھی کروانا ہے۔ اس لیے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۴) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔ **عن یحیی ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد اللہ عمر فی ثمغ فقص من خبره نحو حدیث نافع** (ابو داؤد شریف، **باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف** ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو با ضابطہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۳۱) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجہ: ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں واقف نے نہ موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔ مثلا حدیث میں ہے۔ **عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا و اللہ لا نطلب ثمنه الا الی اللہ** (بخاری شریف، **باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فهو جائز** ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں نہ قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے، اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہوگئی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۲) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کے لیے کسی کو ولی بنائے اور اس کو اس کی طرف سپرد کر دے۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لیے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کر دے تب ملکیت زائل ہوگی۔

وجہ: اوپر کی حدیث میں بنو نجار نے حضور کو زمین کا ولی بنایا اور اس کو سپرد کر دیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔ اس لیے ولی بنائے اور اس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وقف کا لغوی ترجمہ، روکنا ہے، لوگ کہتے ہیں **وقفت الدابۃ، یا اوقفتھا،** دونوں کا ترجمہ ہے میں نے سواری کو روک دیا۔

تشریح: وقف کا لغوی معنی ہے روکنا۔ اور شرعی معنی کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اصل زمین کو مالک کی ملکیت پر روک لو، اور زمین کا جو نفع ہے

الْعَارِيَةِ. ٣ ثُمَّ قِيلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُومَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُومِ لَا يَصِحُّ، فَلَا يَجُوزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهُ، وَهُوَ الْمَلْفُوظُ فِي الْأَصْلِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ. ٤ وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى حُكْمِ مِلْكِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهٍ تَعُودُ مَنْفَعَتُهُ إِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ. وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيحُ بِالدَّلِيلِ.

اس کوصدقہ کردو، جیسے عاریت کی زمین میں ہوتا ہے [کہ زمین مالک کی ہوتی ہے اور نفع دوسرا آدمی اٹھاتا ہے]۔

تشریح: متن میں یہ بتایا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی تین طریقے سے شیء موقوفہ سے واقف کی ملکیت ختم ہوجائے گی، لیکن یہاں صاحب ہدایہ یہ فرمارہے ہیں کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ شیء موقوفہ پر واقف کی ملکیت باقی رہے گی، البتہ اس کا نفع ان لوگوں پر تقسیم ہوگا، جس کے لیے وقف کیا۔ دوسری بات یہ بتارہے ہیں کہ یہ وقف لازم نہیں رہے گا، بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے، جیسے کہ مانگی ہوئی عاریت کی چیز کو ہمیشہ عاریت والے کے پاس رکھنا لازم نہیں ہے، بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے، اور دو حدیث بعد میں آرہی ہے۔ **ان عمر ملک مأة سهم من خيبر اشتراها فاتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله انى اصبت مالا لم أصب مثله قط و قد اردت ان اتقرب به الى الله عز و جل فقال حبس الاصل و سبل الثمرة** (سنن بیہقی، **باب وقف المشاع:** ۶/ ۲۶۸ نمبر ۱۱۹۰۴ / ابو داؤد شریف، **باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف** ص ۴۱۸ نمبر ۲۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کو تو روک لو اور اس کے پھل کو وقف کردو۔ (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله انى اصبت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندى منه فماتأمرنى به قال ان شئت حبست اصلها و تصدقت بها** (بخاری شریف، **باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط** ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ **حبست اصلها** جس کا مطلب یہ نکلا کہ اصل زمین کی ملکیت اپنے پاس رکھو اور اس کا جو نفع آئے اس کو صدقہ کردو۔

ترجمہ: ۳ پھر اس پر ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ، نفع تو ابھی معدوم ہے اور معدوم کا صدقہ جائز نہیں ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے، چناں چہ مبسوط میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی وقف کرنا جائز ہے، لیکن وقف کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے لازم نہیں ہے، جیسے زمین عاریت پر دیں تو ہمیشہ کے لیے دے دینا لازم نہیں ہے۔

تشریح: مبسوط میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وقف جائز نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وقف جائز ہے، البتہ اس کی ملکیت مالک کے پاس رہے گی، اور عاریت کی طرح ہمیشہ کے لیے لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ صاحبینؒ کے نزدیک وقف کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز [یعنی زمین] اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، اور وقف کرنے والے کی ملکیت ختم ہوجائے گی، اس طرح کہ اس کا نفع بندوں کو پہنچتا رہے، اور یہ وقف کرنا لازم ہوجائے گا، اب زمین بیچی نہیں جاسکتی، نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جاسکتی ہے، اور وقف کا ترجمہ دونوں ہی ہوسکتے ہیں [یعنی واقف کی ملکیت زائل نہ ہو، اور واقف کی ملکیت زائل ہوجائے]، البتہ دلیل سے ترجیح دی جائے گی۔

۵ لهما «قول النبي – صلى الله عليه وسلم – لعمر – رضي الله عنه – حين أراد أن يتصدق بأرض له تدعى ثمغا: تصدق بأصلها لا يباع ولا يورث ولا يوهب» ۶ ولأن الحاجة ماسة إلى أن يلزم الوقف منه ليصل ثوابه إليه على الدوام، وقد أمكن دفع حاجته بإسقاط الملك وجعله لله تعالى. إذ له نظير في الشرع وهو المسجد فيجعل كذلك. ۷ ولأبي حنيفة قوله – عليه الصلاة والسلام – «لا حبس عن فرائض الله تعالى» وعن شريح: جاء محمد – عليه الصلاة والسلام – ببيع الحبس

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں وقف کا مطلب یہ پانچ ہیں [۱] شیء موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، [۲] اور یہ اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، [۳] اور اس کا نفع ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا جن پر وقف کیا۔ [۴] یہ وقف لازم رہے گا، واقف دوبارہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ [۵] البتہ نہ یہ بیچی جائے گی، نہ مالک کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ اور نہ ہبہ کی جا سکے گی۔

ترجمہ: ۵ صاحبین کی دلیل۔ حضرت عمر مقام ثمغ کی زمین صدقہ کرنا چاہتے تھے تو حضور ﷺ نے ان سے کہا، تصدق باصلھا، کہ اصل زمین کو صدقہ کر دو اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے، نہ وراثت میں تقسیم ہو، اور نہ ہبہ کی جائے۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر ؓ ... فقال النبی ﷺ تصدق باصله، لا یباع و لا یوھب، و لا یورث و لکن ینفق ثمرہ فتصدق بہ عمر۔** (بخاری شریف، باب و ما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم و ما یاکل منه بقدر عمالته، ص ۴۵۷، نمبر ۲۷۶۴)

اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کو صدقہ کر دو، اس طرح کہ اس کو نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس کو وراثت میں تقسیم کی جائے۔

نوٹ: یہاں کئی قسم کی حدیثیں ہیں، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ واقف اصل زمین کو اپنے لیے روک لے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کر دے، اور اس کا نفع بھی صدقہ رہے، انہیں دو حدیثوں کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین کو اپنی ملکیت میں رکھے، اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کرے۔

ترجمہ: ۶ اور واقف کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ، وقف لازم ہو جائے تاکہ ہمیشہ اس کا ثواب پہنچتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کرنا ممکن ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اللہ کی ملکیت ہو جائے، اور شریعت میں اس کی مثال مسجد موجود ہے، اس لیے اسی طرح کر دیا جائے [کہ واقف کی ملکیت ختم کر دی جائے اور اللہ کی ملکیت میں دے دی جائے]

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے کہ۔ آدمی کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وقف لازم ہو جائے تاکہ ہمیشہ اس کو اس کا ثواب ملتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کی جائے گی کہ وقف سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے، اور یہ چیز اللہ تعالی کی ملکیت میں چلی جائے، اس کی مثال مسجد کی زمین ہے، یہ زمین انسان کی ملکیت سے ختم ہو جاتی ہے اور اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح موقوفہ زمین کی ملکیت مالک سے ختم ہو جائے گی، اور اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

ترجمہ: ۷ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل۔ حضور ﷺ کا قول ہے، اللہ کے فرائض میں حبس نہیں ہے، اور حضرت شریح سے منقول ہے حضور ﷺ حبس کو روکتے تھے۔

تشریح: وقف سے مالک کی ملکیت زائل نہ ہو اس کے لیے صاحب ہدایہ پانچ دلیلیں لا رہے ہیں، ان میں دو دلیل نقلی ہیں اور چار دلیل

۸ لِأَنَّ الْمِلْكَ بَاقٍ فِيهِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ يَجُوزُ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ زِرَاعَةً وَسُكْنَى وَغَيْرَ ذٰلِكَ وَالْمِلْكُ فِيهِ لِلْوَاقِفِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيهِ بِصَرْفِ غَلَّاتِهِ إِلَى مَصَارِفِهَا وَنَصْبِ الْقُوَّامِ فِيهَا إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِيهَ الْعَارِيَةِ، ۹ وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَا تَصَدُّقَ عَنْهُ إِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلَى مِلْكِهِ، ۱۰ وَلِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ أَنْ يُزَالَ مِلْكُهُ، لَا إِلَى مَالِكٍ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ.

عقلی ہیں۔[۱]۔صاحب ہدایہ نے ایک حضور ﷺ کا قول [۲] اور دوسرا شریح کا قول نقل کیا ہے، اور اس سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ واقف کی ملکیت باقی رہے اور اس کا نفع صدقہ ہو جائے۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا حبس عن فرائض الله عز و جل۔** (دار قطنی، باب کتاب الفرائض و السیر و غیر ذالک: ۴/ ۷، نمبر ۴۰۱۷) اللہ کے فرائض کو روکنا جائز نہیں ہے۔ (۲) **قال علی: لا حبس عن فرائض الله الا ما کان من سلاح او کراع۔** (مصنف ابن ابی شیبة، باب فی الرجل یجعل الشیء حبسا فی سبیل الله: ۴/ ۵۵۳، نمبر ۲۰۹۲۲) اللہ کے فرائض سے حبس نہیں ہے مگر ہتھیار ہو یا سواری کی چیز ہو۔ (۳) صاحب ہدایہ کا قول تابعی یہ ہے۔ **عن شریح قال جاء محمد ﷺ بمنع الحبس،** (سنن بیہقی، باب من قال لا حبس عن فرائض الله: ۶/ ۲۶۹، نمبر ۱۱۹۱۰ / مصنف ابن ابی شیبة، باب فی الرجل یجعل الشیء حبسا فی سبیل الله: ۴/ ۵۵۳، نمبر ۲۰۹۲۴) اس قول تابعی میں ہے کہ حبس کی چیز کو روکتے تھے۔ یعنی اونٹنی کو بحیرہ، سائبہ، وصلیہ اور حام بنانے سے روکتے تھے۔

ترجمه: ۸ [۳] اور مالک کی ملکیت باقی رہنے کی دلیل یہ بھی ہے کہ کھیتی کرکے یا اس میں قیام کرکے، اور اس کے علاوہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس میں وقف کرنے والے کی ملکیت موجود رہتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ واقف کو شیء موقوفہ میں تصرف کرنے کا حق ہے، اس کے غلے کو مصرف میں خرچ کر کے اس پر نگراں متعین کر کے، یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرے تو یہ وقف عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: [۳] یہ تیسری دلیل عقلی ہے۔ موقوفہ چیز پر مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وقف کے بعد مالک زمین میں کھیتی کرتا ہے، مکان ہو تو اس میں قیام کرتا ہے، یہ کرنا اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ پھر اس پر تصرف کرتا ہے، مثلا وقف کے غلے کو اس کے مصرف میں خرچ کرتا ہے، اس پر نگراں متعین کرتا ہے، یہ بھی اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرتا ہے، اس لیے یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

لغت: غلاته: غلہ، اناج۔ **قوام:** قائم کی جمع ہے، نگرانی کرنے والے۔ **نصب:** متعین کرنا۔ **عارية:** مانگی ہوئی چیز۔

ترجمه: ۹ [۴] دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس کے غلے کو صدقہ کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی ملکیت میں باقی رہے۔

تشریح: [۴] یہ چوتھی دلیل عقلی ہے۔ واقف کو ہمیشہ ثواب چاہئے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ موقوف شیء پر اس کی ملکیت باقی رہے۔

ترجمه: ۱۰ [۵] ایک بات اور بھی ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ بنے یہ شریعت میں مشروع نہیں ہے، جبکہ وہ چیز موجود رہے، جیسے سانڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہے۔

۱۱ بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ، ۱۲ وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالَى وَلِهٰذَا لَا يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ، وَهٰهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالَى. قَالَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -: ۱۳ قَالَ فِي الْكِتَابِ: لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ، وَهٰذَا فِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيحٌ؛ لِأَنَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ، أَمَّا فِي تَعْلِيقِهِ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَزُولُ مِلْكُهُ إِلَّا أَنَّهُ تَصَدَّقَ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًا فَيَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا فَيَلْزَمُ، وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلَى، فَأَمَّا الْمُحَكَّمُ فَفِيهِ

ترجمہ:[۵] ایک چیز موجود رہے اور واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے، جیسے عرب میں اونٹنی چھوڑ دیتے تھے، کہ اصل مالک بھی اس کا مالک نہ رہے اور کوئی دوسرا بھی اس کا مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح یہاں زمین مالک کی ملکیت سے نکل جائے اور اس کا کوئی مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لیے موقوف شیء مالک کی ملکیت میں رہنی چاہیے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (آیت ۱۰۳، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ان جانوروں چھوڑنے سے منع فرمایا۔

لغت: سائبۃ: لوگ اونٹنیوں کا بت کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، جس سے قرآن نے منع فرمایا۔

ترجمہ: ۱۱ بخلاف غلام آزاد کرنے کے، اس لیے یہاں تو غلام کو گویا کہ ضائع کرنا ہے۔

تشریح: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ غلام کو آزاد کیا تو یہ مالک کی ملکیت سے نکل گیا، اور کسی کی ملکیت میں داخل نہیں ہوا تو یہ کیسے جائز ہو گیا؟ اس کا جواب دیا کہ وہ چیز موجود رہے اور کسی کی ملکیت میں نہ رہے وہ جائز نہیں ہے، اور غلام کو آزاد کرنا گویا کہ اس کو غلامیت سے ہلاک کرنا اور ضائع کرنا ہے اس لیے وہ جائز ہو گا

ترجمہ: ۱۲ بخلاف مسجد کے اس لیے کہ وہ خالص اللہ تعالی کے لیے کر دی جاتی ہے، اس لیے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف میں بندے کا حق منقطع نہیں ہوتا، اس لیے خالص اللہ کے لیے نہیں ہوا۔

تشریح: یہ دوسرا اعتراض ہے۔ مالک نے مسجد کے لیے زمین وقف کی تو اس میں بھی اس کی ملکیت سے نکل گئی، حالانکہ وہ موجود ہے تو یہ کیسے جائز ہوئی؟ تو اس کا جواب دیا کہ مالک کی ملکیت سے نکل خالص اللہ کی ملکیت میں داخل ہو گئی، اسی لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف کی زمین سے بندہ اٹھاتا ہے، اس لیے وہ خالص اللہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی اس لیے اس کو واقف ہی کی ملکیت میں رکھی جائے گی۔

نوٹ: حدیثوں کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں طرح وقف کرنا جائز ہے [۱] زمین اپنی ملکیت میں رکھے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ [۲] خود زمین ہی کو اپنی ملکیت سے نکال دے، اور اس کا نفع صدقہ کر دے۔

ترجمہ: ۱۳ متن میں جو کہا گیا کہ، جب تک حاکم فیصلہ نہ کرے وقف کرنے والے کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، یا اپنی موت پر معلق کرے، یہ معاملہ حاکم کے فیصلے کے بارے میں تو صحیح ہے، اس لیے کہ مجتہد فیہ مسئلے میں فیصلہ کرنا ہے۔ اور موت پر معلق کرنے کے بارے

اختلاف المشايخ. ۴؎ ولو وقف في مرض موته قال الطحاوي: هو بمنزلة الوصية بعد الموت. والصحيح أنه لا يلزمه عند أبي حنيفة، وعندهما يلزمه إلا أنه يعتبر من الثلث والوقف في الصحة من جميع المال، ۵؎ وإذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند أبي يوسف وهو قول الشافعي بمنزلة الإعتاق لأنه إسقاط الملك. ۶؎ وعند محمد لا بد من التسليم إلى المتولي لأنه حق الله تعالى، وإنما يثبت فيه في

میں صحیح بات یہ ہے کہ جب تک ہمیشہ کے لیے نفع کو صدقہ نہ کرے اس وقت تک ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور یہ نفع کو ہمیشہ کے لیے وصیت کرنے کے درجے میں ہو جائے گی اس لیے لازم ہوگی۔

اور حاکم سے مراد یہ ہے کہ امیر نے حاکم متعین کیا ہو، اور وہ حکم جو مدعی اور مدعی علیہ متعین کرتے ہیں اس کے فیصلے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ متن کے دو جملوں کی تشریح کر رہے ہیں۔ متن کا پہلا جملہ تھا، کہ حاکم فیصلہ کرے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لیے حاکم کے فیصلے سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، دوسری بات فرماتے ہیں کہ۔ ایک ہوتا ہے جو بادشاہ حاکم کو متعین کرے، یہاں یہی حاکم مراد ہے۔ دوسرا ہوتا ہے جو مدعی اور مدعی علیہ کسی کو حکم مان لے، یہاں یہ مراد نہیں ہے، کیوں کہ حکم فیصلہ کرے تو واقف کی ملکیت ختم ہوگی یا نہیں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ دوسرا جملہ تھا کہ وقف کو اپنی موت پر معلق کرے، تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شیء موقوفہ کیمنافع کو ہمیشہ کے لیے صدقہ کر دے تو یہ وصیت کے درجے میں ہو جائے گی، اور وقف لازم ہو جائے گا۔

لغت: **المولی**: بادشاہ نے جسکو حاکم بنایا ہو۔ **محکم**: مدعی اور مدعی علیہ نے جس کو حکم بنایا ہو۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر مرض الموت میں وقف کیا تو حضرت طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ وصیت لازم بھی نہیں ہے، او صاحبینؒ کے یہاں یہ لازم ہے مگر تہائی مال میں اس کا اعتبار ہوگا، اور صحت کے زمانے میں وقف کرے تو پورے مال میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح: اگر مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ لازم نہیں ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں یہ وقف لازم ہو جائے گا، البتہ چونکہ یہ وصیت ہے اس لیے یہ وقف تہائی مال میں جاری ہوگا۔ لیکن اگر صحت کی حالت میں وقف کیا ہو تو پورے مال میں وقف جاری ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ صاحبین کے نزدیک موقوفہ چیز سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہہ دینے سے زائل ہو جائے گی، یہی امام شافعیؒ کا قول بھی ہے، جیسے آزاد کرنے میں صرف کہنے سے آزاد ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہاں ملکیت کو اپنے سے ساقط کرنا ہے۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں وقف سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف کہہ دینے سے ملکیت زائل ہو جائے گی، جیسے آزاد کرنا ہو تو صرف کہہ دینے سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس لیے اس میں بندے کو سپرد

ضِمْنِ التَّسْلِيمِ إِلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُودًا، وَقَدْ يَكُونُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ. قَالَ (۳۰۳۱)وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ (وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: وَإِذَا اُسْتُحِقَّ مَكَانَ قَوْلِهِ إِذَا صَحَّ) خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ ا لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهُ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ.

کرنے کے ضمن میں اللہ تعالی کا حق ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالی ہر چیز کا مالک ہے اس لیے مقصود کر کے اللہ کو مالک نہیں بنایا جا سکتا بلکہ دوسرے کے تابع ہو کی اللہ کی ملکیت ہوگی، اس لیے وقف کرنا زکوۃ اور صدقہ کی طرح ہو گیا

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اور اللہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، بلکہ وقف کے متولی کو سپرد کرنے سے زائل ہوگی۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ سب چیز اللہ کی ملکیت میں ہے، اس لیے اللہ کو مقصود بنا کر حوالہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ بندوں کو حوالہ کر و اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی، اس کی مثال دیتے ہیں کہ زکوۃ، اور صدقہ کسی غریب کو دیتے ہیں اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اسی طرح کسی متولی کو سپرد کر و اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۳۱) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔ [بعض نسخے میں صح، کے بجائے استحق ہے]

تشریح: اوپر جو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزرا اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔ لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مال وقف بیچنا یا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

وجہ: (ا) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فما تأمرنی بہ قال ان شئت حبست اصلھا و تصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث و تصدق بھا فی الفقراء و فی القربی و فی الرقاب و فی سبیل اللہ و ابن السبیل و الضیف لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف و یطعم غیر متمول** (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ **حبست اصلھا** جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وراثت میں تقسیم بھی کرتے۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ موقوف علیہ اس کا مالک نہیں بنا، بلکہ وہ اللہ کی ملکیت میں چلی گئی

ترجمہ: ا اس لیے کہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا تو اس پر وقف نہیں رہتا بلکہ اسکی اور ملکیت کی طرح اس میں اسکی بیع نافذ ہو جاتی۔

لغت: وقف: وقف کا مطلب یہ ہے کہ آج یہ زمین موقوف علیہ کے پاس ہے، یہ اس سے فائدہ اٹھائے، بعد میں وہ زمین دوسرے کے

۲؎ وَلِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَهُ لَمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرْطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ. ۳؎ قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: قَوْلُهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُمَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَبَقَ ذِكْرُه. قَالَ (۳۰۳۲) وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ۱؎ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتُهُ.

پاس چلی جائے گی وہ فائدہ اٹھائے گا، لیکن اس زمین کا کوئی مالک نہیں بنے گا۔

تشریح: وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، اس کی یہ پہلی دلیل عقلی ہے۔ اگر زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی تو یہ اس پر وقف نہیں رہتی، بلکہ اس کی مملوکہ چیز کی طرح وہ اس کو بیچ سکتا، لیکن چونکہ وہ اس کو بیچ نہیں سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی۔

ترجمہ: ۲؎ اگر موقوف علیہ وقف کا مالک بن جائے تو پہلے مالک کی شرط کے مطابق وہ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہوگی، جیسے موقوف علیہ کی اور ملکیت ہیں۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ، وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی۔ وقف کرنے والے نے شرط لگائی تھی کہ یہ زمین موقوف علیہ کے پاس جائے، اور اس کے بعد دوسرے کے پاس جائے، اس کے بعد تیسرے کے پاس جائے، لیکن اگر موقوف علیہ اس کا مالک بن جائے تو یہ زمین دوسرے کے پاس اور تیسرے کے پاس نہیں جائے گی، جیسے موقوف علیہ کی اپنی ملکیت دوسرے اور تیسرے کے پاس نہیں جاتی ہے، لیکن واقف کی شرط کے مطابق دوسرے اور تیسرے کے پاس جائے گی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موقوف علیہ اس زمین کا مالک نہیں بنا۔

ترجمہ: ۳؎ متن میں یہ کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی تو یہ صاحبینؒ کے قول پر ہوگا۔

تشریح: اوپر گزر گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں، وقف کرنے سے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی، اور متن میں جو کہا گیا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی یہ صاحبینؒ کے مسلک پر ہوگا، کیوں کہ ان کے یہاں واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۲) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح: کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف جائز ہے۔

وجہ: (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لیے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔ صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔ اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہو سکتا ہے (۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترکہ طور پر وقف کیا (۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترکہ طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔ حدیث میں ہے۔ **عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم ھذا قالوا لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ** (بخاری شریف، باب اذا وقف **جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز** ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترکہ طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔ جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تقسیم کرنے کے بعد قبضہ مکمل ہوتا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں متولی کو قبضہ دینا ہی ضروری نہیں اس لیے تقسیم کرنا بھی

۲؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَجُوزُ لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَا مَا يَتِمُّ بِهِ، ۳؎ وَهٰذَا فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ، وَأَمَّا فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوزُ مَعَ الشُّيُوعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ يَعْتَبِرُ بِالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ

ضروری نہیں ہے۔

تشریح: یہاں محاورہ استعمال کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کے لیے متولی کو سپرد کرنا اور اس کو قبضہ دلوانا ضروری نہیں ہے اس لیے اس کو تقسیم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مشاع اور مشترک چیز بھی وقف ہو سکتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشاع چیز کا وقف جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں وقف پر قبضہ شرط ہے، اور بغیر تقسیم کیے ہوئے قبضہ مکمل نہیں ہوگا، اس لیے وقف بھی جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کر دے۔

وجہ: (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کیے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لیے تقسیم کرنا ضروری ہے (۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے (۳) حدیث میں اشارہ ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لیے ایک لمبی حدیث ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **انہ سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر الانصار بالمدینة مالا من نخل... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول اللہ فقسمها ابو طلحة فی اقاربہ و بنی عمہ۔** (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فهو جائز ص ۴۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳؎ یہ بحث اس صورت میں ہے جبکہ وہ چیز تقسیم کے قابل ہو اور اگر وہ تقسیم ہی نہیں ہو سکتی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک مشترک کی حالت میں بھی وقف کے قابل ہے اس لیے کہ وہ ہبہ اور نافذ صدقہ پر قیاس کرتے ہیں۔

لغت: مشترک اور مشاع چیز دو قسم کی ہوتی ہیں۔ [۱] جو چیز تقسیم کے بعد بھی فائدہ اٹھانے کے قابل ہو، جیسے ایک ایکڑ زمین، کہ اس کو تقسیم کے بعد بھی ہر آدمی اپنے حصے میں کاشتکاری کر سکتا ہے، ایسی چیز مشترک ہو تو اس پر قبضہ مکمل نہیں ہوتا، اس کو تقسیم کر کے ہی ہبہ کیا جائے گا یا وقف کیا جائے گا [۲] ایسی چیز جو تقسیم کے بعد استفادے کے قابل نہ رہے، جیسے غسل خانہ [حمام] پن چکی کہ اس کو ٹکڑا کر دیا جائے تو وہ نہانے کے قابل نہیں رہتا، ایسی چیز کو مشترک رکھیں تب بھی اس پر قبضہ مکمل ہو جاتا، ایسی چیز کو بغیر تقسیم کیے بھی وقف کرنا جائز ہے مشاع: شائع سے مشتق ہے، مشترک چیز۔

تشریح: جو چیز تقسیم نہیں کی جا سکتی ہو، بلکہ تقسیم ہونے سے فائدے کے قابل نہیں رہتی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس کا مشترک حالت میں ہی وقف کرنا جائز ہے۔

وجہ: ہبہ اور صدقہ کے باب میں گزر گیا کہ جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی ہے اس کو مشترک حالت میں ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا جائز ہے، اور اسی حالت میں اس پر قبضہ مکمل سمجھا جاتا ہے۔ وقف میں بھی یہی ہوگا کہ اسی مشترک حالت میں متولی کا قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۴ إلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ، فَإِنَّهُ لَا يَتِمُّ مَعَ الشُّيُوعِ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّرِكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوصَ لِلَّهِ تَعَالَى، وَلِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ فِيهِمَا فِي غَايَةِ الْقُبْحِ بِأَنْ يُقْبَرَ فِيهِ الْمَوْتَى سَنَةً، وَيُزْرَعَ سَنَةً وَيُصَلَّى فِيهِ فِي وَقْتٍ وَيُتَّخَذَ إِصْطَبْلًا فِي وَقْتٍ، ۵ بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الِاسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ. ۶ وَلَوْ وَقَفَهُ الْكُلَّ ثُمَّ اُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِي عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الشُّيُوعَ مُقَارِنٌ كَمَا فِي الْهِبَةِ، ۷ بِخِلَافِ مَا إِذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثُّلُثَيْنِ بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيضِ وَقَدْ وَهَبَ أَوْ أَوْقَفَهُ فِي مَرَضِهِ وَفِي

ترجمہ: ۴ مگر مسجد اور مقبرہ کا حال یہ ہے کہ تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا ہو پھر بھی اس کا وقف کرنا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں شرکت ہو تو خالص اللہ کے لیے نہیں ہوگا، اور اس لیے کہ ان دونوں میں باری باری کرنا بہت برا ہے، کیوں کہ ایک سال اس میں دفن کرے، اور دوسرے سال اسی میں کھیتی کرے، یا ایک وقت میں مسجد میں نماز پڑھے، اور دوسرے وقت میں اس کو اصطبل بنادے یہ اچھا نہیں ہے۔

تشریح: مسجد اور مقبرہ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مشترکہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) مشترک کردیں تو یہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوگا، جبکہ یہ خالص اللہ کے لیے ہونا چاہئے۔ (۲) اگر مشترک کریں تو مسجد میں ایک دن نماز پڑھے گا اور دوسرا حصے دار دوسرے دن اصطبل بنائے گا، اور قبرستان میں ایک سال مردہ دفن کرے گا اور دوسرے سال اس میں کھیتی کرے گا، یہ اچھا نہیں ہے اس لیے مسجد اور مقبرہ میں شرکت ہو تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی وقف نہیں ہوگا۔

لغت: **مہایات**: نفع کو باری باری تقسیم کرنا، کہ ایک دن یہ نفع اٹھائے اور دوسرے دن دوسرا فریق نفع اٹھائے۔ **اصطبل**: گھوڑے کو رکھنے کی جگہ۔

ترجمہ: ۵ بخلاف اور وقف کے اس لیے کہ اس سے غلہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور غلے کی تقسیم بھی ہوسکتی ہے۔

تشریح: مسجد اور مقبرے کے علاوہ کسی کھیت کو مشترکہ طور پر وقف کیا ہو تو یہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، کیوں کہ دونوں فریق غلہ اگائیں گے اور دونوں تقسیم کرلیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ اور اگر کل زمین کو وقف کیا پھر اس کا کچھ حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک باقی وقف بھی باطل ہو جائے گا، کیوں کہ اشتراک وقف کے وقت ہی تھا، جیسے کہ ہبہ میں ہوتا ہے۔

اصول: یہاں دو مسئلے اس اصول پر ہیں کہ وقف کرنے سے پہلے، یا وقف کرنے کے ساتھ موقوف شیء میں اشتراک ہوگیا تو امام محمدؒ کے نزدیک وقف باطل ہوجائے گا۔ لیکن وقف کیا اس وقت اشتراک نہیں تھا وقف کے بعد کسی طرح اشتراک ثابت ہوئی تو اب وقف باطل نہیں نہوگا، کیوں کہ وقف کے وقت اشتراک نہیں تھا۔ یہی حال ہبہ کا بھی ہے۔

تشریح: زید نے اپنی زمین وقف کی، اور اس میں عمر کا حصہ نکل گیا تو امام محمدؒ کے یہاں وقف باطل ہوجائے گا، کیوں کہ وقف سے پہلے شرکت ہوگئی، اور پہلے گزر چکا ہے کہ وقف سے پہلے شرکت ہوجائے تو امام محمد کے یہاں وقف باطل ہوجاتا ہے۔

لغت: **لان الشیوع مقارن**: یہاں شرکت وقف کے ساتھ ہے، اس لیے وقف باطل ہوگا۔

ترجمہ: ۷ بخلاف اگر ہبہ کرنے والے نے بعض حصے میں رجوع کیا تو۔ یا مرض الموت کے بعد وارث نے دو حصوں میں رجوع کیا،

الْمَالِ ضِيقٌ، لِأَنَّ الشُّيُوعَ فِي ذَلِكَ طَارِئٌ. ۸ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِي لِعَدَمِ الشُّيُوعِ وَلِهَذَا جَازَ فِي الِابْتِدَاءِ، وَعَلَى هَذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوكَةُ. قَالَ: (۳۰۳۳) وَلَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ حَتَّى يَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا سَمَّى فِيهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ.

اور حال یہ تھا کہ مرض الموت میں ہبہ کیا تھا یا وقف کیا تھا اور مال میں کمی تھی، تو اس شرکت سے وقف باطل نہیں ہوگا، اس لیے یہاں اشتراک بعد میں آیا ہے۔

اصول: اس مسئلے میں یہ بتانا چاہتے ہیں وقف کے بعد شرکت ہوئی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس سے وقف باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں۔[۱] ہبہ کیا یا وقف کیا اس کے بعد خود وقف کرنے والے نے بعض حصے سے رجوع کر لیا تو وقف باطل نہیں ہوگا۔ کیوں کہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے [۲] واقف نے مرض الموت میں زمین وقف کی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وصیت ہوئی، اور اس کے پاس صرف یہی زمین تھی، جس کی وجہ سے ایک تہائی میں وصیت جاری ہوئی اور دو تہائی زمین وارث کی نکلی، تو وارث کا حصہ نکلنے سے وقف باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے۔

لغت: **ضیق:** زمین کم تھی، تنگی تھی۔ **طاری:** بعد میں آئی ہے۔

ترجمہ: ۸ اور اگر متعین جز کا مستحق نکل گیا تو باقی میں ہبہ باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں اشتراک نہیں ہے، اس لیے شروع میں بھی ایسا ہبہ جائز ہے۔ اور یہی حال ہبہ اور صدقہ مملوکہ کا ہے۔

اصول: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر زمین وقف کی اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا، یا ہبہ کیا، یا صدقہ کیا اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو چونکہ باقی زمین میں یہ شرکت نہیں ہے، مشاع نہیں ہے اس لیے وقف، ہبہ، یا صدقہ باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: وقف کرنے کے بعد زمین کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو وقف باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں زمین کی شرکت نہیں ہے، یہی حال ہبہ، اور صدقہ کا بھی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۳) امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ بھی کہے یہ ہمیشہ کے لیے وقف ہی رہے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لیے وقف ہی رہے گا، نہیں بھی کہا تب بھی وقف ہو جائے گا، اور فقراء کا نام نہ بھی لیا ہو تب بھی یہ بعد میں فقراء کے لیے ہو جائے گا۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ، ہمیشہ کے لیے وقف ہے، واقف کو یہ بولنا پڑے گا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں واقف کو یہ بولنا پڑے گا تب وقف ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس کے بولے بغیر بھی وقف صحیح ہو جائے گا، اور بعد میں خود ہی ہمیشہ کے لیے غرباء اور مساکین کے لیے وقف ہو جائے گا۔

تشریح: طرفینؒ کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لیے غرباء و مساکین کے لیے ہو جائے۔ اور واقف کو اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لیے فقراء کے لیے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔

(٤) لَهُمَا أَنَّ مُوجَبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعِتْقِ، فَإِذَا كَانَتِ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَا يَتَوَفَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ، فَلِهَذَا كَانَ التَّوْقِيتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالتَّوْقِيتِ فِي الْبَيْعِ.

وجه: حضرت عمرؓ نے مقام ثمغ کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اہل رائے ہوں گے اور اس کا فائدہ غرباء و مساکین کو ہمیشہ کے لیے پہنچتا رہے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لا یباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه** (ابو داؤد شریف، **باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف** ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹/ دار قطنی، **کتاب الاحباس** ج رابع ص ۱۷۷ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کر دی کہ یہ ہمیشہ کے لیے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لیے رہے گا۔ اور بیچا اور خریدا نہیں جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تصریح

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لیے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔ لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ کے لیے فقراء کے لیے ہو جائے گا۔

وجه: وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لیے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اس لیے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لیے قربت حاصل کرنا ہے اس لیے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لیے فقراء و مساکین کے لیے ہو جائے گا۔

لغت: جهة تنقطع: یہ محاورہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ جیسے اولاد پر وقف کرے تو اس کے مرنے کے بعد یہ جہت منقطع ہو جائے گی۔ اور، **جهة لا تنقطع**، کا مطلب یہ ہے کہ ایسے فقراء پر وقف کرے جو ہمیشہ باقی رہے۔

ترجمه: (٤) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا اصل سبب واقف کی ملکیت کا زائل ہونا ہے، اور اب کسی اور کو مالک نہ بنانا ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ رہے، جیسے آزادگی ہمیشہ رہتی ہے، پس اگر وقف میں ایسی جہت ہو جو منقطع ہو سکتی ہو تو وقف کا تقاضہ پورا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ چند دن کے لیے وقف کرے تو یہ باطل ہے، جیسے چند دن کے لیے بیچے تو باطل ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ، وقف کا مطلب یہ ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے، اور ہمیشہ کے لیے کسی کو مالک نہ بنایا جائے، اور یہ مطلب اسی وقت پورا ہوگا جب ہمیشہ کی تصریح ہو، اس لیے وقف کرنے میں ہمیشہ کی تصریح ضروری ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ چند دنوں کے لیے بیچے تو جائز نہیں اسی طرح کچھ دنوں کے لیے وقف کرے تو بھی جائز نہیں ہوگا، ہمیشہ کے لیے وقف کرنا ہوگا۔

لغت: جهة یتوهم انقطاعها: ایسے لوگوں پر وقف کرے جو منقطع ہو سکتے ہوں، مثلاً اپنی اولاد پر وقف کرے، تو یہ ممکن ہے کہ اس کی

٢ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مُوَفَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُونُ فِي الصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ ٣ وَقِيلَ إِنَّ التَّأْبِيدَ شَرْطٌ بِالْإِجْمَاعِ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إِزَالَةُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، ٤ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ شَرْطٌ لِأَنَّ هَذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ، وَذَلِكَ قَدْ يَكُونُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُونُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهُ لَا يَنْصَرِفُ إِلَى التَّأْبِيدِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّنْصِيصِ. قَالَ (۳۰۳۴) وَيَجُوزُ وَقْفُ الْعَقَارِ (لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ - رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ - وَقَفُوهُ) وَلَا يَجُوزُ وَقْفُ

اولاد نہ رہے، اس لیے اپنی اولاد پر وقف کیا تو یہ وقف ہی نہ ہوگا صدقہ ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٢ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اور وہ پورا ہو رہا ہے، کیوں کہ کبھی ایسی چیز میں قربت ہوتی ہے جو محدود ہو، اور کبھی ہمیشہ کے لیے ہو اس میں قربت ہوتی ہے، اس لیے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد ثواب حاصل کرنا اور اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اب مختصر مدت کے لیے وقف کریں تب بھی ثواب ہو جائے گا، اور ہمیشہ کے لیے کریں تب بھی قربت حاصل ہو جائے گی، اس لیے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔ البتہ مختصر مدت کے لیے کرے تب بھی بعد میں فقراء اور مساکین پر وقف ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٣ بعض حضرات نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لیے وقف کرنا سب کے یہاں شرط ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں تابید [ہمیشہ] کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وقف اور صدقہ کا لفظ خود ہی اس کا پتہ دیتا ہے، کیوں کہ ہم نے بیان کیا کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ملکیت زائل کر دے اور کسی کو مالک نہ بنائے، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ اسی لیے متن میں کہا تھا کہ، چاہے فقراء کا نام نہ لے وقف کرنے سے وہ فقراء کے لیے ہی ہو جائے گا، یہی صحیح ہے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ تینوں کے یہاں یہ شرط ہے کہ وقف ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہے کہ ہمیشہ کی تصریح نہ بھی کرے تب بھی وقف اور صدقہ کا جملہ ایسا ہے کہ اس سے ہیشگی ہو ہی جاتی ہے، اسی لیے تو متن یہ کہہ دیا گیا کہ بعد میں وہ فقراء اور مساکین کے لیے ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٤ اور امام محمدؒ کے نزدیک، تابید [ہمیشہ] کا ذکر کرنا شرط ہے، اس لیے کہ وقف میں نفع اور غلے کا صدقہ ہے، اور یہ کبھی متعین دنوں کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے، اس لیے جب مطلق وقف کیا تو وہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا، اس لیے وقف میں ہمیشہ، کی صراحت کرنا ضروری ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ، غلے کا بھی وقف ہوتا ہے جو کبھی مختصر مدت کے لیے ہوتا ہے اور کبھی ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے، اس لیے مطلق وقف بولے گا تو ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا، اس لیے ہمیشہ کے وقف کے لیے ہمیشہ کی صراحت کرنی ہوگی، تب زمین کا وقف کامل ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۳۴) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا [اس لیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے وقف کیا ہے] اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف

مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ قَالَ-رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: لِ وَهٰذَا عَلَى الْإِرْسَالِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ (۳۰۳۵)وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأُكْرَتِهَا وَهُمْ عَبِيدُهُ جَازَ لِ وَكَذَا سَائِرُ آلَاتِ الْحِرَاسَةِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَرْضِ فِي تَحْصِيلِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُودًا كَالشُّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ،

کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

ترجمہ: لِ مصنف کہتے ہیں کہ منقولی چیز کا وقف مطلقا جائز نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہو سکتا ہے [کیوں کہ ان کے یہاں ہمیشہ کے لیے وقف کرنے کی شرط ہے]

یہاں پانچ اصول ہیں جن پر مسئلہ متفرع ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ رہتی ہو جیسے زمین، مکان، دکان صرف انہیں کا وقف جائز ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لیے ان کے یہاں ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے۔ اس لیے وہ چیز ہمیشہ رہے گی تب ہی اس کا وقف جائز ہوگا۔

اصول: امام ابو یوسف کا اصول یہ ہے زمین کا وقف جائز ہے اور اس کے تابع ہو کر ہل، بیل، زمین کی خدمت کے لیے غلام کا بھی وقف جائز ہے۔

اصول: امام محمد کے یہاں جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہے، جیسے زمین، ہتھیار، گھوڑا، اونٹ، کدال، ان چیزوں کا وقف کرنا بھی جائز ہے

اصول: امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کو باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہو ان سب چیزوں کو وقف کرنا جائز ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔ اور منقولی چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) اوپر گزرا کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں وقف کے لیے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ چیز ہمیشہ رہنے والی ہو، جو چیز منتقل ہونے والی ہو یا ٹوٹ پھوٹ جاتی ہو اس میں ہمیشہ کی قید نہیں لگا سکتے، اس لیے اس کا وقف بھی نہیں ہوگا، اور اگر منقولی چیز کو وقف کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے یہاں اس کو صدقہ کہا جائے گا۔ (۲) اوپر حضرت عمر کی زمین کے بارے میں حدیث گزری کہ انہوں نے خیبر کی زمین کو وقف کیا۔ (۳) حضرت عثمان کی یہ حدیث بھی ہے۔ **عن ابی سلمة بشیر بن بشیر قال لما قدم المهاجرون المدینة... فبلغ ذالک عثمان ﷺ فاشتراها بخمسة و ثلاثین الف درهم ثم اتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله اتجعل لی مثل الذی جعلته له عینا فی الجنة ان اشتریتها؟ قال نعم قال قد اشتریتها و جعلتها للمسلمین۔** (طبرانی الکبیر، **باب بشیر الاسلمی ابو بشیر**: ۲/۴۱، نمبر ۱۲۲۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان نے بیر رومہ کو وقف کیا۔

ترجمہ: (۳۰۳۵) امام ابو یوسف نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور ہلواہوں کے ساتھ، اور وہ ہلواہے اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

ترجمہ: لِ ایسے ہی کھیتی کے اور آلات، اس لیے کہ مقصود کے حاصل کرنے میں یہ زمین کے تابع ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز

۲ومُحَمَّدٌ مَعَهُ فِيهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنقُولِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلَأَنْ يَجُوزَ الْوَقْفُ فِيهِ تَبَعًا أَوْلَى.

(۳۰۳۶)وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَجُوزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ ۱وَمَعْنَاهُ وَقْفُهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، ۲وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِيهِ عَلَى مَا قَالُوا، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ. ۳وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ لِمَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

مقصود کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوسکتی اور تابع کے اعتبار سے ثابت ہوسکتی ہے، جیسے زمین کی بیع میں پانی[تابع ہوکر بیچی جاسکتی ہے، اور زمین کے وقف میں دیوار۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقولی ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

وجه: وہ فرماتے ہیں کہ بیل اور ہلواہا مستقل طور پر تو وقف نہیں ہوسکتے۔ کیوں کہ وہ منقولی چیز ہیں۔ لیکن زمین کے تابع ہوکر وقف ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہوسکتی ہے۔ جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہوکر بک سکتا ہے۔ یا صرف دیوار کو وقف کرو تو جائز نہیں ہے، لیکن زمین کو وقف کرے تو اس کے تابع ہوکر دیوار بھی وقف ہوجائے گی، جس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں اصل اور مقصود ہوکر وقف نہیں ہوسکتی، لیکن تابع ہوکر ہوسکتی ہے، ایسے ہی یہاں کھیتی کے آلات زمین کے تابع ہوکر وقف ہوسکتا ہے

اصول: ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہوکر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

لغت: **ضیعة:** کھیتی کی زمین۔ **اکرة:** کھیت میں کام کرنے والے مزدور، ہلواہا۔ **حراثة:** کھیتی کرنا۔

ترجمه: ۲ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اس لیے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بعض منقولی چیز کو الگ سے وقف کرنا جائز ہے، تو تابع کر کے بدرجہ اولی وقف کرنا جائز ہوگا۔

تشریح: آگے آرہا ہے کہ جن منقولی چیزوں کو وقف کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے اس کا وقف کرنا امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، پس جب مستقل طور پر وقف کرنا جائز ہے تو تابع کے طور پر بدرجہ اولی جائز ہوگا، اس اعتبار سے وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہوگئے۔

ترجمه: (۳۰۳۶) امام محمدؒ نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

ترجمه: ۱ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں وقف کردے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں منقولی چیز، مثلا گھوڑا، اونٹ، اور ہتھیار کو وقف کرنا جائز ہے، کیوں کہ صحابہ نے ایسا کیا ہے۔

ترجمه: ۲ مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ بھی امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی چیز کا وقف زمین کے تابع ہوکر جائز تھا، اس لیے ہتھیار اور گھوڑے کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ یہ زمین کے تابع نہیں ہے، لیکن احادیث میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کا تذکرہ ہے اس لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جائز ہوگیا۔

ترجمه: ۳ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز نہ ہو، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا، [کہ ہمیشہ والی

ﷺ وَجْهُ الإِسْتِحْسَانِ الْآثَارُ الْمَشْهُورَةُ فِيهِ: مِنْهَا قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ أَدْرُعًا وَأَفْرَاسًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَطَلْحَةُ حَبَسَ دُرُوعَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى» وَيُرْوَى أَكْرَاعَهُ. وَالْكُرَاعُ: الْخَيْلُ. وَيَدْخُلُ فِي حُكْمِهِ الْإِبِلُ؛ لِأَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُونَ عَلَيْهَا، وَكَذَا السِّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا ۵ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ وَقْفُ مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ كَالْفَأْسِ وَالْمَرِّ وَالْقَدُومِ وَالْمِنْشَارِ وَالْجِنَازَةِ وَثِيَابِهَا وَالْقُدُورِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمَصَاحِفِ.

چیز کا وقف ہوتا ہے، اور یہ ہمیشہ نہیں ہے اس لیے اس کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے۔]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس وقف کے بارے میں بہت سی حدیثیں مشہور ہیں، مثلاً حضور ﷺ کا قول، بہر حال خالد نے اپنے گھوڑے اور اپنی ذرہ اللہ کے راستے میں وقف کر دئے ہیں، اور حضرت طلحہؓ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں وقف کیا، اور ایک روایت میں اکراعہ، یعنی گھوڑے اللہ کے راستے میں دئے۔ اور اس کے حکم میں اونٹ بھی داخل ہوگا اس لیے کہ عرب اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے، ایسے ہی ہتھیار اونٹ پر لادا کرتے تھے۔

ترجمہ: گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کے بارے میں بہت سی مشہور حدیثیں ہیں، جنکی وجہ سے یہ چیزیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں پھر بھی استحسان کے طور پر اس کا وقف جائز ہے، اور عرب میں اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے اس لیے اونٹ کا وقف بھی جائز ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ہریرۃ قال امر رسول اللہ بصدقۃ فقیل منع ابن جمیل و خالد بن ولید و العباس بن عبد المطلب فقال النبی ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ و رسولہ و اما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعہ و اعتدہ فی سبیل اللہ** (بخاری شریف، **باب قول اللہ و فی الرقاب و الغارمین و فی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ** ص ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸/ مسلم شریف، **باب تقدیم الزکوۃ و منعہا** ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳/ ۲۲۷۷) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) حضرت ابو طلحہ نے زرہ نہیں اپنا قیمتی باغ وقف کیا تھا، حدیث یہ ہے۔ **یقول کان ابو طلحہ اکثر الانصار بالمدینۃ مالا من نخل... انی اری ان تجعلہا فی الاقربین قال ابو طلحہ افعل ذالک یا رسول اللہ فقسمہا ابو طلحہ فی اقاربہ و بنی عمہ۔** (بخاری شریف، **باب اذا وقف ارضا و لم یبین الحدود فہو جائز و کذالک الصدقۃ** ص ۴۵۸، نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں حضرت ابو طلحہ نے اپنا باغ چچازاد بھائیوں پر وقف کیا ہے۔ (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ **ان عمر حمل علی فرس لہ فی سبیل اللہ اعطاہا رسول اللہ فحمل علیہا رجلا فاخبر عمر انہ وقفہا یبیعہا فسأل رسول اللہ ان یبتاعہا فقال لا تبتاعہا و لا ترجعن فی صدقتک** (بخاری شریف، **باب وقف الدواب و الکراع و العروض و الصامت** ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے

ترجمہ: ۵ اور امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ منقولی چیز میں سے جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہو، جیسے کلہاڑا، پھاوڑا، کدال، آرا، تابوت اور اس کے کپڑے، ہانڈی، پتھر کی دیگیں، اور قرآن مجید۔

۶ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الْقِيَاسَ إِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ. ۷ وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ: الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الِاسْتِصْنَاعِ، وَقَدْ وُجِدَ التَّعَامُلُ فِي هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ. ۸ وَعَنْ نُصَيْرِ بْنِ يَحْيَى أَنَّهُ وَقَفَ كُتُبَهُ إِلْحَاقًا لَهَا بِالْمَصَاحِفِ، وَهٰذَا صَحِيحٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسَكُ لِلدِّينِ تَعْلِيمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً، وَأَكْثَرُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا وَقْفُهُ.

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ لوگ جن چیزوں کو وقف کیا کرتے ہیں اور اس کے وقف کرنے کا تعامل ہے ان چیزوں کو وقف کرنا جائز ہوگا، چاہے وہ چیز منقولی ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کلہاڑا وغیرہ۔

وجہ: (۱) **عن ابن عباس قال اراد رسول اللہ الحج... فقلت ما عندی ما احجک علیہ قالت احجنی علی جملک فلاں فقلت ذاک حبیس فی سبیل اللہ عز و جل قال اما انک لو احججتہا علیہ کان فی سبیل اللہ** (ابو داؤد شریف، باب العمرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۲) حضرت زہریؒ کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ **وقال الزہری فیمن جعل الف دینار فی سبیل اللہ و دفعہا الی غلام لہ تاجر یتجر بہا و جعل ربحہ صدقۃ للمساکین والاقربین** (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لیے وقف ہو۔

لغت: **الفاس:** کلہاڑی۔ **المرو:** پھاوڑا۔ **القدوم:** کدال۔ **المنشار:** آرا۔ **الجنازۃ:** تابوت، لکڑی کی وہ چار پائی جس میں مردے کو قبرستان تک لی جاتے ہیں۔ **القدور:** ہانڈی۔ **المراجل:** دیگ۔ **المصاحف:** قرآن کریم۔ **کراع:** گھوڑے۔ **حبس:** بروکنا، وقف کرنا۔

ترجمہ: ۶ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے اس لیے کہ قیاس کو حدیث کی وجہ سے چھوڑا جاتا ہے، اور حدیث صرف گھوڑے اور ہتھیار کے بارے میں ہے اس لیے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۷ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑا جاتا ہے، جیسے کہ بیٹھ بنوانے میں تعامل کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا، [اور اوپر ان چیزوں کے بارے میں تعامل ہے، کہ لوگ ان چیزوں کو وقف کرتے ہیں اس لیے ان چیزوں کا وقف جائز ہوگا]

تشریح: آپ کہیں کہ میرے پیر کے ناپ کا جوتا بنا دو اور اتنا روپیہ دوں گا، اس کو بیٹھ بنوانا کہتے ہیں، اس میں مبیع مجہول ہوتا ہے، کیوں کہ ابھی جوتا موجود نہیں ہے، لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے یہ جائز ہو گیا، اسی طرح جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے اس کا وقف کرنا جائز ہوگا۔

لغت: **استصناع:** صناع سے مشتق ہے، بیٹھ بنوانا۔

ترجمہ: ۸ نصیر بن یحیٰ نے قرآن کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے اپنی کتابوں کو وقف کیا تھا، اور یہ صحیح ہے، کیوں کہ بہت سارے لوگ دین کو پڑھنے اور پڑھانے اور قرأت کے لیے کتابیں وقف کرتے ہیں، اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں [کہ وہ کتابیں وقف کرتے ہیں]، اور جن چیزوں کا تعامل نہیں ہے ان کا وقف کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: حضرت نصیر بن یحیٰ کی طرح آج بھی بہت سے لوگ مسجدوں میں قرآن کریم وقف کرتے ہیں، اور امام محمدؒ کے قول پر عمل

۹ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ مَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ وَقْفُهُ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ، فَأَشْبَهَ الْعَقَارَ وَالْكُرَاعَ وَالسِّلَاحَ. ۱۰ وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِيهِ لَا يَتَأَبَّدُ، وَلَا بُدَّ مِنْهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ، بِخِلَافِ الْعَقَارِ. ۱۱ وَلَا مُعَارِضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعُ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلُ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ.

کرتے ہیں۔

ترجمہ: ۹ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو چیز باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو، اور اس کا بیچنا بھی جائز ہو اس کا وقف کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے اس لیے وہ زمین، گھوڑے اور ہتھیار کے مشابہ ہو گئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ [۱] ایک تو وہ چیز ہے جس کو استعمال کرو تو وہ ختم ہو جائے، جیسے کھانا، پانی۔ اس کا صدقہ ہوتا ہے وقف نہیں ہوتا۔ [۲] دوسری وہ چیز ہے جس کے بدلے میں کوئی چیز آتی ہے، جیسے درہم، دینار، اس بھی صدقہ ہوتا ہے، وقف نہیں ہوتا۔ اور [۳] تیسری وہ چیز ہے جو موجود رہے اور اس سے نفع اٹھایا جا سکے، اور اس کو بیچا بھی جا سکے، جیسے ہانڈی، تو اس کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے چاہے لوگوں میں اس کا تعامل نہ ہو، اس لیے وہ زمین اور ہتھیار کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ۱۰ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے وقف کرنے میں ہمیشگی نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم نے پہلے شرط لگائی [کہ وقف میں ہمیشگی ہونی چاہئے] اس لیے وہ درہم اور دینار کی طرح ہو گیا، بخلاف زمین کے۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لیے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے، اور منقولی چیزیں ہمیشہ نہیں رہتیں اس لیے اس کا وقف نہیں ہوگا، اور جو لوگ کرتے ہیں یہ صدقہ ہے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ درہم اور دینار کا وقف نہیں ہوتا، صدقہ ہوتا ہے اسی طرح اس کا بھی صدقہ ہوگا۔

وجہ: (۱) **انبانا ابن عباس ان سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ توفیت امه و هو غائب عنها فقال یا رسول اللہ ان امی توفیت و انا غائب عنها أینفعها شیء ان تصدقت به عنها؟ قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المحراف صدقة علیها۔** (بخاری شریف، باب **اذا قال ارضی و بستانی صدقة للہ عن امی،** ص ۴۵۶، نمبر ۲۷۵۶) اس حدیث میں فرمایا کہ باغ صدقہ ہے، اس لیے منقولی چیز صدقہ ہوگی۔

(۲) **وقال الزہری فیمن جعل الف دینار فی سبیل اللہ و دفعها الی غلام له تاجر یتجر بها و جعل ربحه صدقة للمساکین والاقربین** (بخاری شریف، **باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت** ص ۴۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول تابعی سے پتہ چلتا ہے کہ منقولی چیز صدقہ ہوگی۔

ترجمہ: ۱۱ حدیث میں جن چیزوں کے وقف کا ذکر ہے وہ معارض نہیں ہے، اور جس کا تعامل ہے وہ بھی معارض نہیں ہے، اس لیے باقی چیزیں اصل قیاس پر رہیں گی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے اور محاورہ استعمال کیا ہے، غور سے سمجھیں۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا جس چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو اس کا وقف جائز ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جن چیزوں کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے، یا جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے، ان کی تو ایک وجہ ہے کہ کسی کا ذکر حدیث میں ہے اور کسی پر لوگوں کا تعامل ہے اس

۱۲؎ وَهٰذَا لِأَنَّ الْعَقَارَ يَتَأَبَّدُ، وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّينِ، فَكَانَ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِيهِمَا أَقْوَى فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا قَالَ (۳۰۴۷) وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ، إلَّا أَنْ يَكُونَ مَشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَيَطْلُبُ الشَّرِيكُ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ ۱؎ أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِيكِ فَلِمَا بَيَّنَّا.

لیے امام محمدؒ نے اس کے وقف کو جائز قرار دیا، لیکن امام شافعیؒ نے جو ذکر کیا اس کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے اس لیے وہ اصلی قیاس پر رہے گا اور اس کا وقف جائز نہیں ہوگا، تاہم وہ صدقہ ہو جائے گا

ترجمہ: ۱۲؎ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ زمین ہمیشہ رہتی ہے، اور جہاد دین کا کوہان ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لیے دونوں میں قربت کا معنی قوی ہے، اس لیے ان دونوں کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ ان دونوں کے معنی میں نہیں ہوں گی، اس لیے اس کا وقف جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: متن میں دو چیزوں کے وقف کا تذکرہ ہے [۱] زمین کا [۲] اور ہتھیار کا، اس لیے یہاں زمین اور ہتھیار میں جوڑ پیدا کر رہے ہیں۔ جہاد دین کا بہت بڑا رکن ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لیے ہتھیار بھی ہمیشہ رہے گی، اس لیے وہ زمین کی طرح ہو گئی جو ہمیشہ رہے گی اس لیے ہتیار کا بھی وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۴۷) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔ مگر یہ کہ وقف مشترک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شریک تقسیم کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور تقسیم کرنا صحیح ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ وقف کا مالک بنانا ممنوع ہے اس کو پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے۔

تشریح: اس متن میں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے وقف کی چیز کو کسی کو مالک نہیں بنایا جا سکتا، اور نہ بیچی جا سکتی ہے۔ [۲] اور دوسرا ہے کہ اگر یہ زمین مشترک ہے تو اس کو تقسیم کی جا سکتی ہے۔

پہلی بات کہ اس زمین کا کوئی مالک نہیں بن سکتا، اس کو بیچ نہیں سکتا اس کے لیے حدیث گزر چکی ہے۔

وجہ: اس کے لیے یہ حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ۔ **ان عمر تصدق بمال.... فقال النبی ﷺ تصدق باصله لا یباع و لا یوهب و لا یورث و لکن ینفق ثمره.** (بخاری شریف، باب **وما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یأکل منه بقدر عمالته** ص ۴۸۸ نمبر ۲۷۶۴) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ وارث بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

[۲] اور دوسری بات کہ مشترک زمین ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا وقف ہی نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کو تقسیم کر کے وقف نہ کرے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے یہاں مشترک زمین کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے، اس لیے امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر یہ ہوگا واقف اس زمین کو تقسیم کرائے اور وقف کو مکمل کرے۔

وجہ: (۱) یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کراتا ہے اس لیے جائز ہوگا۔ (۲) **یقول کان ابو طلحه اکثر الانصار بالمدینة مالا من نخل... انی اری ان تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحه افعل ذالک یا رسول الله فقسمها ابو طلحه فی اقاربه و بنی عمه.** (بخاری شریف، باب **اذا وقف ارضا و لم یبن الحدود فهو جائز و کذالک الصدقة** ص ۴۵۸، نمبر ۲۷۶۹)

اس حدیث میں حضرت ابو طلحہؓ نے وقف کی زمین کو تقسیم کیا ہے۔

۲ وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمْيِيزٌ وَإِفْرَازٌ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِي غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ، إِلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرًا لِلْوَقْفِ فَلَمْ تَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا، ۳ ثُمَّ إِنْ وَقَفَ نَصِيبَهُ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيِّهِ، ۴ وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي ۵ أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِيَ مِنْ رَجُلٍ، ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذَلِكَ مِنْهُ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا،

ترجمہ: ۲ بہر حال وقف کا تقسیم کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس میں اپنے مال سے دوسرے کے مال کو علیحدہ کرنا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کیلی اور وزنی چیز کے علاوہ میں مبادلے کا معنی غالب ہے، لیکن وقف میں ہم نے وقف کو دیکھتے ہوئے علیحدہ کرنے کے معنی کو غالب کیا ہے، اس لیے اس میں بیع اور مالک بنانا نہیں ہوگا۔

لغت: افراز: دوسرے کے مال سے اپنے مال کو الگ کرنا بیع اپنے مال کو دیکر دوسرے کے مال کو لینا۔

تشریح: یہاں ایک قاعدے پر بحث ہے۔ تقسیم کے دو معنی ہیں [۱] ایک یہ ہے کہ اپنی کچھ زمین دیکر شریک کی کچھ زمین لے۔ جس کو بیع، کہتے ہیں، وقف میں یہ جائز نہیں ہے [۱] اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنی زمین شریک کی زمین سے الگ کر لی، جس کو افراز کہتے ہیں، یہ جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زمین وغیرہ کو تقسیم کرے تو اس میں بیع کا معنی ہی غالب ہے، اور یہ وقف کی زمین میں جائز نہیں ہے، اس لیے ہم اس کو افراز الگ کرنے کے معنی میں لیں گے، تا کہ جائز ہو جائے۔

ترجمہ: ۳ پھر اگر وقف کرنے والے نے اپنی زمین میں سے اپنے حصے کو وقف کیا تو شریک سے وہی تقسیم کرائے گا، اس لیے کہ واقف کو تقسیم کرانے کا حق ہے، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وصی کو اس کا حق ہے۔

تشریح: زید اور عمر کا ایک زمین میں حصہ تھا، زید نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو زید کو حق ہے کہ اپنا حصہ عمر سے تقسیم کرائے، اور اس کو وقف کر دے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ واقف کو یہ حق ہے کہ اس کو تقسیم کرائے، اور اس کے مرنے کے بعد اسکے وصی کو تقسیم کرانے کا حق ہے۔

ترجمہ: ۴ اور اگر اپنی خالص زمین میں سے آدھی زمین کو وقف کیا تو قاضی اس کو تقسیم کرائے گا۔

تشریح: یہاں ایک قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خود ایک آدمی اپنی زمین کو تقسیم نہیں کر سکتا، تقسیم کرنے کے لیے دوسرا آدمی تقسیم کروانے والا چاہئے۔ اب اپنی زمین وقف کیا تو قاضی اس کی زمین کو تقسیم کرائے گا، تا کہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہ ہو۔

ترجمہ: ۵ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے باقی حصے کو کسی آدمی سے بیچ دے، پھر خریدنے والا اس کو تقسیم کرائے،، پھر وقف کرنے والا مشتری سے اپنا حصہ خرید لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح: چونکہ ایک ہی آدمی تقسیم کرنے والا اور تقسیم کر کے لینے والا نہیں ہو سکتا اس لیے دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے آدھا تو پہلے وقف کر چکا تھا، اور باقی آدھے کو عمر کے ہاتھ میں بیچ دے، اور عمر اپنا حصہ لینے کے لیے تقسیم کرائے، اور بعد میں زید عمر سے خرید لے۔

نوٹ: آج کل کے زمانے میں زید وقف کی زمین تقسیم کر کے دے سکتا ہے، اس لیے یہ حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

۶ وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلُ دَرَاهِمَ إِنْ أَعْطَى الْوَاقِفُ لَا يَجُوزُ لِامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ، وَإِنْ أَعْطَى الْوَاقِفَ جَازَ وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءً قَالَ (۳۰۳۸) وَالْوَاجِبُ أَنْ يُبْتَدَأَ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَلِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ ۱ لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْغَلَّةِ مُؤَبَّدًا، وَلَا تَبْقَى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيَثْبُتُ شَرْطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً ۲ وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ، فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِهَا.

ترجمہ: ۶ اگر تقسیم میں درہم کے طور پر زیادہ دیا تو اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ وقف کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم سے خرید کر کچھ اور زمین وقف کیا۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ وقف کی زمین کو خریدنے کی صورت ہو جائز ہے۔ اور بیچنے کی صورت ہو جائز نہیں ہے۔۔ زید نے اپنی زمین تقسیم کی جس کے بدلے میں شریک کو زمین زیادہ گئی اور اس کے بدلے میں شریک نے زید کو پیسہ دیا تو یہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ گویا کہ زید نے وقف کی کچھ زمین کو بیچا، اور وقف کی زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، اس لیے یہ پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔
دوسری صورت یہ ہے زید کو زیادہ زمین ملی، جس کے بدلے میں زید نے کچھ پیسہ دیا، تو یہ سمجھا جائے گا زید نے پیسہ دیکر کچھ زیادہ زمین خریدا اور وقف کیا، یہ نہیں ہوا کہ وقف کی زمین کو بیچا، اس لیے یہ صورت جائز ہوگی۔ اس عبارت کو غور سے سمجھیں۔

ترجمہ: (۳۰۳۸) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

ترجمہ: ۱ اس لیے کہ وقف رنے والے کا مقصد ہے کہ ہمیشہ غلہ ملتا رہے اور مرمت کے بغیر ہمیشہ نہیں ملے گا اس لیے مرمت کی شرط اقتضاء ثابت ہے۔

تشریح: وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

وجہ: (۱) واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اس لیے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ **عن ابن عمر... لا جناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول** (بخاری شریف، **باب الوقف کیف یکتب** ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں ہے کہ نگراں مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیوں کہ وہ کام کرتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضور ﷺ کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ لا تقتسم ورثتی دینارا و لا درهما ما ترکت بعد نفقة نسائی و مؤنة عاملی فهو صدقة** (بخاری شریف، **باب نفقة القیم للوقف** ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

ترجمہ: ۲ اور اس لیے کہ نفع حاصل کرنے کی وجہ سے مرمت بھی لازم ہوگی، اور غلام کو خدمت کرنے کی وصیت کی تو اس کا نفقہ بھی اس

۳؎ ثُمَّ إنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ لَا يَظْفَرُ بِهِمْ، وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هَذِهِ الْغَلَّةُ فَتَجِبُ فِيهَا. ۴؎ وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِي مَالِهِ: أَيُّ مَالٍ شَاءَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ. وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْغَلَّةِ؛ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمْكِنُ مُطَالَبَتُهُ. ۵؎ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمَوْقُوفُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي وَقَفَهُ، ۶؎ وَإِنْ خَرِبَ يَبْنِي عَلَى ذَلِكَ الْوَصْفِ؛ لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوفَةً إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ. فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحَقَّةٍ عَلَيْهِ وَالْغَلَّةُ مُسْتَحَقَّةٌ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا إِلَى شَيْءٍ آخَرَ إِلَّا بِرِضَاهُ،

پر ہوگا، جس کی خدمت کی وصیت کی ہے۔

تشریح: مرمت کرنے کے لیے یہاں دو دلیلیں دی ہیں [۱] خراج بالضمان، یہ محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو فائدہ حاصل کرتا ہے اس کا خرچ فائدہ حاصل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مثلا زید نے یہ وصیت کی میرا غلام عمر کی خدمت کرے گا تو غلام کا نفقہ بھی عمر پر لازم ہوگی، اسی طرح وقف کی مرمت بھی وقف کے مال ہی سے نکالا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اگر فقراء پر وقف ہے، اور اس کی تعداد اتنی ہے کہ ان خرچ لینا مشکل ہے، اور ان سے قریب تر غلہ یہی وقف کی آمدنی ہے تو اسی آمدنی میں مرمت کا خرچ ہوگا۔

تشریح: جن فقراء پر وقف کیا انکی تعداد اتنی ہے کہ ان سے خرچ لینا مشکل ہے، اور وقف کا جو غلہ ہے اس کو مرمت میں خرچ کیا جا سکتا ہے تو اسی غلے کو خرچ کیا جائے گا۔

وجہ: فقراء سے لینا مشکل ہو تو غلے ہی سے خرچ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر کسی خاص آدمی پر وقف کیا تھا، کہ اس کے بعد فقراء پر وقف ہوگا تو اس آدمی کی زندگی میں جس مال سے چاہے مرمت میں خرچ کرے، اور غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ یہاں آدمی متعین ہے اس لیے اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: اگر متعین آدمی پر وقف کیا تھا تو اس کے مال ہی سے مرمت کا خرچ لیا جائے گا، پھر غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ وقف کی جو حالت پہلے تھی اتنا ہی مرمت کرانے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت کے مطابق مرمت کرا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یوں کر دے حرج نہیں، لیکن قانونی طور پر وہ اتنے ہی کا مستحق ہے۔

وجہ: وقف کو اسی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جس حالت پر وقف کیا تھا اس لیے اسی حالت تک برقرار رکھنے کا مستحق ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اگر وقف کی عمارت خراب ہوگئی تو اسی صفت پر بنائی جا سکتی ہے جس پر وہ پہلے تھی، اور اس کا غلہ وقف پر خرچ کیا جائے گا، اس سے زیادہ کا وہ مستحق نہیں ہے، اور غلے کا حقدار وہ ہے جس پر وقف کیا تھا، اس لیے اس کی رضامندی کے بغیر دوسری چیز پر خرچ نہیں کی جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت پر بنانے کا مستحق ہے، اس سے زیادہ جو غلہ ہے وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف کیا گیا ہے اس لیے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت خراب ہوگئی، تو وقف کرتے وقت اس عمارت کی جو حالت تھی اتنی بنائی جائے گی، اس سے زیادہ جو غلہ ہے

ے وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذَٰلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَعِنْدَ الْآخَرِينَ يَجُوزُ ذَٰلِكَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْعِمَارَةِ ضَرُورَةُ إِبْقَاءِ الْوَقْفِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي الزِّيَادَةِ. قَالَ (۳۰۳۹) فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلَى سُكْنَى وَلَدِهِ فَالْعِمَارَةُ عَلَى مَنْ لَهُ السُّكْنَى اِ لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ (۳۰۴۰) فَإِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذَٰلِكَ، أَوْ كَانَ فَقِيرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأُجْرَتِهَا، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ السُّكْنَى

وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف ہوا تھا اس لیے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت: خراب: عمارت کا خراب ہونا، ویران ہونا۔ **موقوف علیہ:** جس پر وقف کیا تھا۔

ترجمہ: ے اور اگر فقراء پر وقف ہو تب بھی بعض علماء کے نزدیک یہی حکم ہے [کہ اس کی رضامندی کے بغیر پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنائی جائے گی] اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے زیادہ بنائی جا سکتی ہے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لیے مرمت پر خرچ کیا جاتا ہے، اور زیادہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: کسی خاص آدمی پر وقف نہ ہو بلکہ عام فقراء پر وقف ہو تو بعض علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنا سکتے، اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ بھی وقف کے غلے سے بنا سکتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ فقیروں کے کام آ سکے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ عمارت کو پہلی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اس سے زیادہ کرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ کوئی کر دے تو ثواب ملے گا، اگرچہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۹) اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لیے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لیے رہائش ہے۔

ترجمہ: ا اس لیے ضمان کے مطابق خراج بھی لازم ہوتا ہے، اس لیے جس کے لیے غلام کی خدمت کی وصیت کی اسی پر اس کا نفقہ بھی لازم ہوگا، کی طرح ہو گیا۔

تشریح: کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لیے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لیے اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

وجہ: (۱) جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (۲) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ (۳) اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ **سمع انس بن مالک... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول اللہ! فقسمها ابو طلحة فی اقاربه و بنی عمه** (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا و لم یبین الحدود فهو جائز و کذلک الصدقة ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لیے بھی وقف کر سکتا ہے۔

لغت: سکنی: رہائش۔

ترجمہ: (۳۰۴۰) اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پر دے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہو گئی تو اس کو واپس کر دے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

لے لِأَنَّ فِي ذٰلِكَ رِعَايَةَ الْحَقَّيْنِ حَقِّ الْوَاقِفِ وَحَقِّ صَاحِبِ السُّكْنَى، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمِّرْهَا تَفُوتُ السُّكْنَى أَصْلًا، وَالْأَوَّلُ أَوْلَى، ٢ وَلَا يُجْبَرُ الْمُمْتَنِعُ عَلَى الْعِمَارَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِتْلَافِ مَالِهِ فَأَشْبَهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ فَلَا يَكُونُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلَانِ حَقِّهِ لِأَنَّهُ فِي حَيِّزِ التَّرَدُّدِ.

تشریح: جس کو رہنے کے لیے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آجائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وجہ: (ا) رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرا رہا ہے اور اس کی مرمت کرانا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لیے دوبارہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لغت: آجر: اجرت پر دینا۔ عمر: تعمیر سے مشتق ہے، عمارت تعمیر کرنا۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ تعمیر کرنے میں دونوں کے حقوق کی رعایت کرنا ہے، واقف کے حق کا بھی اور جو اس گھر میں رہتا ہے اس کے حق کا بھی، اس لیے کہ اگر تعمیر نہ کرے تو رہائش کے قابل ہی نہیں رہے گا، اس لیے تعمیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: گھر کی اجرت سے اس کی تعمیر کرنے میں واقف کا بھی فائدہ ہے کہ چیز محفوظ رہے گی، اور رہنے والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو دوبارہ رہنے کے لیے ملے گا، اس لیے اجرت سے گھر کی تعمیر کرائی جائے گی۔

ترجمہ: ٢ اور رہنے والا تعمیر نہ کرے اس کو تعمیر کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ظاہری طور پر اپنے مال کو ضائع کرنا ہے، اس لیے کھیتی کرنے میں بیج والا بیج ڈالنے سے رک جائے اس کے مشابہ ہو گیا، اس لیے تعمیر سے رکنا اپنے حق کو باطل کرنے کی رضامندی نہیں ہے، کیوں کہ وہ تردد میں ہے۔

اصول: گھر کی تعمیر پر خرچ کرنا ایک قسم کا اپنا ضائع کرنا ہے، اس لیے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: رہنے والا خود تعمیر نہیں کراتا تو قانونی اعتبار سے اس پر مجبور نہیں کیا سکتا۔

وجہ: اپنا پیسہ دوسرے کے گھر میں لگانا ایک قسم کا مال ضائع کرنا ہے، کیوں کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ قاضی خود اس گھر کی تعمیر کرا دے، اس لیے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں، کہ بٹائی پر کاشتکاری کرنے والا اگر اپنا بیج زمین میں نہ ڈالے تو اس کو مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ غلہ اس میں اگے یا نہ اگے اس کی کیا گارنٹی ہے؟ اسی طرح یہاں رہنے والے کو تعمیر کرانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت: فلا یکون امتناعه رضا منه ببطلان حقه لانه فی حیز التردد۔ حیز التردد: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ، وقف کے گھر میں رہنے والے کو اس بات کا خیال ہے کہ قاضی اس مکان کو بنا کر دے گا اس لیے وہ مکان کی مرمت نہیں کر رہا ہے۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ رہنے والا چونکہ تردد میں ہے اس لیے مرمت نہ کرنے کی وجہ سے گھر میں رہنے کا حق باطل نہیں ہوگا، بلکہ گھر

۳۔ وَلَا تَصِحُّ إِجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنَى لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ. قَالَ (۳۰۴۱) وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهِ ۱ے صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِي عِمَارَةِ الْوَقْفِ إِنْ احْتَاجَ إِلَيْهِ، وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْهُ أَمْسَكَهُ حَتَّى يَحْتَاجَ إِلَى عِمَارَتِهِ فَيَصْرِفَهُ فِيهِمَا؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْعِمَارَةِ لِيَبْقَى عَلَى التَّأْبِيدِ فَيَحْصُلَ مَقْصُودُ الْوَاقِفِ. ۲ے فَإِنْ مَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيهَا، وَإِلَّا أَمْسَكَهَا حَتَّى لَا يَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذَلِكَ أَوَانَ الْحَاجَةِ فَيَبْطُلَ الْمَقْصُودُ. ۳ے وَإِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلَى مَوْضِعِهِ بِيعَ وَصُرِفَ ثَمَنُهُ إِلَى الْمَرَمَّةِ صَرْفًا لِلْبَدَلِ إِلَى مَصْرِفِ الْمُبْدَلِ

تیار ہونے کے بعد دوبارہ اس کو رہنے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳ے جس کو رہنے کے لیے دیا ہے وہ دوسرے کو اجرت پر نہیں دے سکتا، کیوں کہ وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: جس کو گھر میں رہنے کے لیے دیا تھا وہ گھر کو اجرت پر رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتا، کیوں کہ وہ گھر کا مالک نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۱) جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلے سے تو حاکم اس کو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہو تا کہ اس میں اس کو صرف کرے۔

ترجمہ: ۱ے مرمت کرنا ضروری ہے تا کہ وقف ہمیشہ باقی رہے، اور واقف کا مقصود حاصل ہو۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تا کہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے۔

ترجمہ: ۲ے اگر ابھی اس گری ہوئی چیز کو لگانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو لگائے، ورنہ اس کو رکھ لے تا کہ ضرورت کے وقت مشکل نہ ہو اور مقصد باطل نہ ہو جائے۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت سے گری ہوئی چیز کو ابھی لگانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کو حفاظت سے رکھ دے تا کہ آئندہ اس کی ضرورت ہو تو اس کو لگا سکے۔

ترجمہ: ۳ے گرے ہوئے ٹکڑے کو اپنی پہلی جگہ پر لوٹانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت کو مرمت میں خرچ کیا جائے گا تا کہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو کچھ گری اس کو دوبارہ عمارت میں لگانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا، اور اس کی قیمت مرمت میں لگائی جائے گی، تا کہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

وجہ: (۱) ضرورت نہ ہو تو وقف کا مال بیچ سکتا ہے۔ **دخل شيبة بن عثمان الحجبي على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعت منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله قالت فكان شيبة بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله وابن السبيل** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبۃ و کسوتہا: ۵/۲۶۰ نمبر ۹۷۳۱)

(۳۰۴۲) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقْسِمَهُ يَعْنِي النَّقْضَ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ ۔ لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِلْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ فِيهِ. وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَصْرِفُ إِلَيْهِمْ غَيْرَ حَقِّهِمْ. قَالَ (۳۰۴۳) وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ إِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۲) گری ہوئی چیز کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لیے کہ یہ عین وقف کا جز ہے اور جن پر وقف کیا اس کا حق عین میں نہیں ہے، صرف اس کے منافع میں انکا حق ہے، عین تو اللہ تعالی کا حق ہے، اس لیے موقوف علیہ کو ان کے حق کے علاوہ نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو چیز فالتو ہو گئی ہیں اس کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا جن لوگوں کے لیے وہ عمارت وقف کی گئی ہے۔

وجہ: (۱) مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شیء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شیء ہے اس لیے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو برباد بھی نہیں کر سکتے اس لیے اس کو ضرورت کے موقع کے لیے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لیے محفوظ رکھا۔ **عن ابی وائل قال جلست الی شیبة فی هذا المسجد قال جلس الیّ عمر فی مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتها بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعله صاحباک قال هما المرآن یقتدی بهما** (بخاری شریف، **باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ** ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة**) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) **دخل شیبة بن عثمان الحجبی علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ان ثیاب الکعبة تجتمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعت منها لم یضرها ان یلبسها الجنب والحائض ولکن بعها واجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل اللہ قالت فکان شیبة بعد ذلک یرسل بها الی الیمن فتباع هناک ثم یجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل اللہ وابن السبیل** (سنن للبیهقی، **باب ماجاء فی مال الکعبة وکسوتها**: ۵/ ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

لغت: **نقض**: ٹوٹی ہوئی چیز۔

ترجمہ: (۳۰۴۳) اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لیے کر لے یا اس کی نگرانی اپنے لیے کر لے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] پہلا مسئلہ۔ واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں

لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ [۲] دوسرا مسئلہ۔ اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور میں خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ **عن انس ان النبی ﷺ رأی رجلا یسوق بدنة فقال له ارکبها فقال یا رسول اللہ انها بدنة فقال فی الثالثة او فی الرابعة ویلک او ویحک۔** (بخاری شریف، **باب هل ینتفع الواقف بوقفه** ص ۴۸۵ نمبر ۲۷۵۴) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے (۲) **فقال رسول اللہ ﷺ من یشتریها من خالص ماله فیکون دلوه فیها کدلاء المسلمین وله خیر منها فی الجنة** (دار قطنی، باب وقف المساجد و السقایات ج رابع ص ۱۲۳ نمبر ۴۳۹۴ / بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا او بئرا او اشتری لنفسه مثل دلاء المسلمین ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۸) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) **اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ما عاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لا یباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه** (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹ / دار قطنی، **کتاب الاحباس** ج رابع ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کر دی۔ (۲) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **اخبرنی غیر واحد من آل عمر و آل علی ان عمر ولی صدقته حتی مات و جعلها بعده الی حفصة وان علیا ولی صدقته حتی مات وولیها بعده حسن بن علی وان فاطمة بنت رسول اللہ ولیت صدقتها حتی ماتت وبلغنی عن غیر واحد من الانصار انه ولی صدقته حتی مات قال فی القدیم وولی الزبیر صدقته حتی قبضه اللہ وولی عمرو بن العاص صدقته حتی قبضه اللہ وولی المسور بن مخرمة صدقته حتی قبضه اللہ** (سنن للبیهقی، باب جواز الصدقة المحرمة وان لم تقبض ج ۶/ ص ۲۶۷ نمبر ۱۱۹۰۲) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی ہیں۔ اس لیے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لیے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

وجہ: (۱) اوپر یہ قاعدہ گزرا کہ امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو وقف کا مال سپرد کرنا ضروری ہے، جب سپرد کرنا ضروری ہے تو پھر اپنے پاس اس کو کیسے رکھ سکتا ہے۔ (۲) وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لیے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۳) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لیے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ **ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل اللہ اعطاها رسول اللہ فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها یبیعها فسأل رسول اللہ**

۱ قَالَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –: ذَكَرَ فَصْلَيْنِ شَرْطَ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهِ وَجَعْلَ الْوِلَايَةِ إِلَيْهِ. أَمَّا الْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَلَا يَجُوزُ عَلَى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. ۲ وَقِيلَ إِنَّ الِاخْتِلَافَ بَيْنَهُمَا بِنَاءً عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ. وَقِيلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ، ۳ وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ، وَفِيمَا إِذَا شَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سَوَاءٌ؛ ۴ وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوِ الْكُلَّ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ مَا دَامُوا

ان يبتاعها فقال لا تبتاعها و لا ترجعن فى صدقتك (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ اس لیے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں [۱] ایک ہے اپنے لیے غلے کی شرط لگانا، اور دوسرا ہے اپنے لیے وقف کی نگرانی لینا۔ بہر حال پہلا [یعنی اپنے لیے غلے کی شرط رکھنا] تو یہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر جائز ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے یہاں جائز نہ ہو، اور حضرت ہلال رازیؒ کا قول بھی یہی ہے، اور امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا۔

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے یہ شرط لگانا کہ وقف کے مال میں سے میں بھی کھاؤں گا، اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ یہ شرط لگانا جائز ہے۔ اور قیاس تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہ ہو، یہی رائے حضرت ہلال رازیؒ کا ہے، اور امام شافعیؒ کی بھی رائے یہی ہے۔

لغت: **هلال الرازی**: یہ ہلال بن یحییٰ بن مسلم البصری، الرائی ہیں۔

ترجمہ: ۲ بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قبضہ دینا، اور الگ کرنے کی شرط پر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اس سے بالکل الگ ہے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے یہاں یہ ضروری ہے کہ متولی کو قبضہ دے تب وقف مکمل ہوتا ہے، اس لیے ان کے یہاں واقف اپنے لیے نہ نگرانی رکھ سکتا ہے اور نہ اس سے کھانے کی شرط لگا سکتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے اس لیے ان کے یہاں اپنے لیے نگرانی کی شرط بھی لگا سکتا ہے اور وقف سے کھانے کی بھی شرط لگا سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس مسئلے کی بنیاد اوپر کے قاعدے پر نہیں ہے، بلکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

ترجمہ: ۳ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ واقف نے اپنی زندگی میں اپنے لیے وقف کا کچھ حصہ رکھا، اور مرنے کے بعد فقراء کے لیے کر دیا، یا زندگی میں پورا ہی مال اپنے لیے رکھا اور مرنے کے بعد فقراء کے لیے کر دیا، یہ دونوں صورتیں برابر ہیں۔

تشریح: وقف کا کچھ حصہ اپنے لیے رکھے، یا پورا ہی وقف اپنے لیے رکھے اور موت کے بعد فقراء کے لیے کر دے، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، یعنی ان دونوں صورتوں میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔

ترجمہ: ۴ وقف کا بعض حصہ، یا کل حصہ ام ولد کے لیے یا مدبر کے لیے ہو جب تک وہ زندہ رہیں، اور جب وہ مر جائیں تو یہ وقف فقراء کے لیے ہو جائے، تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے،

أَحْيَاءً، فَإِذَا مَاتُوا فَهُوَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ، فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ، وَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ أَيْضًا وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِي حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ. ۵ وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ – رَحِمَهُ اللَّهُ – أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيكِ بِالطَّرِيقِ الَّذِي قَدَّمْنَاهُ، فَاشْتِرَاطُهُ الْبَعْضَ أَوِ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ يُبْطِلُهُ، لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَتَحَقَّقُ فَصَارَ كَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ، وَشَرْطِ بَعْضِ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ. ۶ وَلِأَبِي يُوسُفَ مَا رُوِيَ «أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ» وَالْمُرَادُ مِنْهَا صَدَقَتُهُ الْمَوْقُوفَةُ، وَلَا يَحِلُّ

اور صحیح بات یہی ہے، کیوں کہ یہ بھی اپنے لیے ہی شرط لگانے کی طرح ہے۔

تشریح: اوپر تھا واقف کے لیے شرط لگائے، اب ہے کہ اس کے مدبر اور ام ولد غلام کے لیے شرط لگائے کہ جب تک وہ زندہ رہیں تو وہ استعمال کریں گے، اور جب وہ مر جائیں گے تو فقراء کے لیے ہو جائے گا۔ اس بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے، کیوں کہ چاہے اپنے لیے شرط لگائے یا اپنے غلام کے لیے شرط لگائے دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔

ترجمہ: ۵ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب تبرع اللہ کے لیے کرنا ہے، اب اس میں اپنے لیے بعض کی یا کل کی شرط لگانا وقف کو باطل کر دے گا، اس لیے اپنے لیے مالک بننے سے تبرع متحقق نہیں ہوگا، اس لیے صدقہ منفذہ کی طرح ہو گیا، یا اس طرح ہوا کہ مسجد کے بعض حصے کو اپنے لیے شرط لگا لے۔

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مطلب ہے کہ اللہ کے لیے تبرع کر دیا، اب اپنی ملکیت کی شرط لگا دی تو یہ تبرع نہیں رہا اس لیے اس طرح وقف نہیں ہوگا۔ اس کی دو مثالیں دیں ہیں، ایک صدقہ منفذہ کرے، یعنی اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں سے کچھ حصہ اپنے لیے ہو تو جس طرح یہ جائز نہیں ہے، وقف بھی جائز نہیں ہوگا، دوسری مثال یہ ہے کہ مسجد کے لیے زمین وقف کرے اور شرط لگائے کہ مسجد کا ایک ٹکڑا میرے لیے بھی ہو تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح وقف میں یہ شرط لگا دے کہ اس کا کچھ حصہ میرے لیے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت: صدقہ منفذہ: اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں کچھ حصہ میرے لیے بھی ہو، اس کو صدقہ منفذہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۶ امام ابو یوسفؒ کی دلیل۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنے صدقے سے کھاتے تھے، اور اس سے مراد وقف والا صدقہ ہے، اور اس سے کھانا حلال نہیں ہوگا مگر شرط لگا کر اس لیے یہ دلالت کرتا ہے کہ شرط لگانا صحیح ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہیں ملی۔ حضور اپنے صدقے سے کھاتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف میں شرط لگائی ہوگی اس میں سے کھاتے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وقف میں شرط لگانا جائز ہے۔

نوٹ: وقف کے مال میں سے واقف کھا سکے، یا اس پر نگرانی کر سکے اس کے لیے یہ حدیث ہے۔ **اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لا یباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه** (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر

الْأَكْلُ مِنْهَا إِلَّا بِالشَّرْطِ، فَدَلَّ عَلَى صِحَّتِهِ. ۷ وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ أَوِ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ، فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوكًا لِلّٰهِ تَعَالَى لِنَفْسِهِ لَا أَنَّهُ يَجْعَلُ مِلْكَ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ، وَهٰذَا جَائِزٌ، كَمَا إِذَا بَنَى خَانًا أَوْ سِقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً، وَشَرَطَ أَنْ يَنْزِلَهُ أَوْ يَشْرَبَ مِنْهُ أَوْ يُدْفَنَ فِيهِ. ۸ وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ الْقُرْبَةُ وَفِي الصَّرْفِ إِلَى نَفْسِهِ ذٰلِكَ، قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى نَفْسِهِ صَدَقَةٌ» ۹ وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَبْدِلَ بِهِ أَرْضًا أُخْرَى إِذَا شَاءَ

۲۸۷۹/ دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۷۱ نمبر ۴۳۷۹) (۲) اس میں وقف پر حضرت حفصہ نگرانی بھی کرے، اور جو نگرانی کرے وہ اس وقف میں سے کھائے بھی۔ (۲)۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر... لا جناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف ویطعم غیر معمول** (بخاری شریف، **باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط** ص ۴۸۲ نمبر ۲۷۳۷/ مسلم شریف، **باب الوقف**، ص ۱۴ نمبر ۱۶۳۲/ ۴۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ جو نگرانی کرے وہ اس میں سے کھائے بھی۔

ترجمہ: ۷ اور اس دلیل سے کہ وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو زائل کر کے قربت کے لیے اللہ کی ملکیت میں دینا، پس اگر بعض، یا کل کو اپنے لیے شرط لگائی تو اللہ کی مملوک کو اپنے لیے کیا، اپنی چیز اپنے لیے نہیں کیا، اور اللہ کی مملوک کو اپنے لیے کرنا جائز ہے، جیسے سراء خانہ بنائی، یا پانی کی سبیل بنائی، یا زمین کو مقبرہ بنایا اور شرط یہ لگائی کہ سراء خانہ میں ٹھہرے گا، یا سبیل سے پانی پیے گا، یا قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرے گا تو جائز ہے [اسی طرح وقف کو اپنے لیے کرنا جائز ہوگا]

تشریح: وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو ثواب حاصل کرنے کے لیے اللہ کی ملکیت میں دینا، پھر اس میں اپنا حصہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے مملوک کو اپنے لیے کیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مملوک کو اپنے لیے کرنا، اور یہ جائز ہے، اس کی تین مثالیں دی ہیں [۱] سراء خانہ بنایا، اور اس میں خود بھی ٹھہرنے کی شرط کی۔ [۲] پانی پلانے کی سبیل بنائی، اور خود بھی اس سے پینے کی شرط لگائی۔ [۳] اپنی زمین کو قبرستان بنایا اور اس میں اپنے لوگوں کو بھی دفن کی شرط لگائی تو یہ جائز ہے، اسی طرح وقف میں بھی اپنے کھانے کی شرط لگائی، یا اپنی نگرانی کی شرط لگائی تو یہ جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۸ اور اس لیے کہ وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی قربت ہے، چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنی ذات پر خرچہ کرے وہ بھی صدقہ۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، کہ وقف مطلب قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، اس لیے وقف میں اپنے لیے شرط لگائی تو اس سے ثواب بھی ملے گا اور جائز بھی ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن رسول اللہ ﷺ قال ما کسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ و ما انفق الرجل علی نفسہ واھلہ وولدہ وخادمہ فھو صدقۃ**۔ (ابن ماجۃ شریف، باب الحث علی المکاسب، ص ۳۰۷ نمبر ۲۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ذات اور اولاد پر خرچ کرے وہ بھی صدقہ ہے۔

ترجمہ: ۹ اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ جب چاہوں گا اپنی دوسری زمین سے اس کو بدلوں گا، تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ جائز ہے،

ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ. ۱۰ وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فِي الْوَقْفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَقْفُ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ بَاطِلٌ، وَهَذَا بِنَاءً عَلَى مَا ذَكَرْنَا. ۱۱ وَأَمَّا فَصْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ. وَذَكَرَ هِلَالٌ فِي وَقْفِهِ ۱۲ وَقَالَ أَقْوَامٌ: إِنْ شَرَطَ الْوَاقِفُ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ لَمْ تَكُنْ لَهُ وِلَايَةٌ. قَالَ مَشَايِخُنَا: ۱۳ الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ، لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ التَّسْلِيمَ إِلَى الْقَيِّمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَقْفِ، فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهُ وِلَايَةٌ فِيهِ. ۱۴ وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلِّي إِنَّمَا يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْ

اور امام محمدؒ کے یہاں وقف ہو جائے گا، اور شرط بیکار ہو جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۰ وقف میں اپنے لیے تین دن کا اختیار لیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں وقف بھی باطل ہے، اس کی بنیاد وہ دلیل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ [وقف میں حصہ لینا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز تھا اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں تھا]

تشریح: اوپر گزرا کہ وقف میں اپنے لیے شرط کی تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، اسی طرح واقف نے یہ شرط کی میں وقف ابھی کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ تین دن کے بعد کروں گا، اس لیے تین دن کا اختیار لیتا ہوں تو یہ خیار بھی جائز ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے یہاں اپنے لیے حصے کی شرط لگانا جائز نہیں تھا اس لیے تین دن کا اختیار لینا جائز نہیں ہوگا اس سے وقف ہی باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۱ وقف کے ولی ہونے کے بارے میں متن میں اس بارے میں تصریح کر دی ہے کہ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، یہی قول ہلال رازیؒ کا ہے اور ظاہر مذہب بھی یہی ہے، اس بات کو حضرت ہلالؒ نے کتاب الوقف میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ واقف اپنے لیے ولایت لے تو اس بارے میں متن میں تھا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ واقف کو ولایت ملے گی، اور یہی رائے ہلال رازیؒ کی ہے۔

ترجمہ: ۱۲ کچھ قوم نے کہا کہ وقف کرنے والا اپنے لیے ولایت لے تو اس کے لیے ولایت ہو جائے گی، اور اگر شرط نہ لگائے تو اس کے ولایت نہیں ہوگی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۳ مشائخ نے فرمایا کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ قول امام محمدؒ کا ہو اس لیے کہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وقف کے صحیح ہونے کے لیے متولی کو سپرد کرنا شرط ہے، پس جب سپرد کر دیا تو اب واقف کے لیے ولایت نہیں رہے گی۔

تشریح: اوپر جو کہا کہ اپنے لیے ولایت نہیں لی تو اس کو ولایت نہیں ملے گی۔ یہ قول امام محمدؒ کا ہونا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ متولی کو سپرد کرے، پس جب متولی کو سپرد کر دیا تو اب واقف کی ولایت نہیں رہے گی۔

ترجمہ: ۱۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ واقف کی جانب سے متولی ولایت لیتا ہے، اس لیے یہ محال ہے کہ خود واقف کی نگرانی کا حق نہ ہو، اور

جِهَتِهِ بِشَرْطِهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ الْوِلَايَةُ وَغَيْرُهُ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ، ۵ل وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَى هَذَا الْوَقْفِ فَيَكُونُ أَوْلَى بِوِلَايَتِهِ، كَمَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُونُ أَوْلَى بِعِمَارَتِهِ وَنَصْبِ الْمُؤَذِّنِ فِيهِ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوَلَاءُ لَهُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ. ۶ل وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وِلَايَتَهُ لِنَفْسِهِ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُونٍ عَلَى الْوَقْفِ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهِ نَظَرًا لِلْفُقَرَاءِ، كَمَا لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظَرًا لِلصِّغَارِ، ۷ل وَكَذَا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَيْسَ لِلسُّلْطَانِ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهِ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهُ لِأَنَّهُ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِحُكْمِ الشَّرْعِ فَبَطَلَ

دوسرا اس سے ولایت حاصل کرے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ متولی وقف کرنے والے سے نگرانی کا حق لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خود وقف کرنے والے کے پاس بھی ولایت ہو، کیوں کہ اس کے پاس ولایت نہ ہو تو دوسرا اس سے ولایت کیسے لیگا۔

ترجمہ: ۵ل اس وقف کے قریب خود واقف ہے اس لیے وہ ولایت کا زیادہ حقدار ہے، جیسے مسجد بنائی تو اس کی تعمیر کرنے کا زیادہ حقدار اور موذن متعین کرنے کا زیادہ حقدار واقف ہوتا ہے، اور غلام آزاد کیا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملتا ہے، اس لیے کہ وہ لوگوں سے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وقف میں وقف کرنے والے کو نگرانی کا زیادہ حق ملے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کرنے والے کو نگرانی کا حق ملے گا، اس کے لیے تین مثالیں پیش کر رہے ہیں [۱] مسجد بنائی تو مسجد بنانے والے کو مسجد کی تعمیر [۲] اور موذن متعین کرنے کا حق ملتا ہے، کیوں کہ وہ زیادہ قریب ہے، [۳] غلام آزاد کرے تو آزاد کرنے والے کو غلام کی ولاء ملتی ہے، کیوں کہ وہ غلام کے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وقف کرنے والا وقف کے زیادہ قریب ہے اس لیے اگر اس نے نگرانی کی شرط لگائی تو اس کو نگرانی کا حق ملے گا۔

ترجمہ: ۶ل اگر واقف نے اپنی ولایت کی شرط لگائی، اور واقف وقف پر اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو فقراء کی رعایت میں قاضی کو یہ حق ہے کہ اس سے وقف کی چیز چھین لے، جیسے کہ یتیم کی مصلحت کے لیے قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو نکال دے۔

تشریح: جو وقف کرنے والا تھا اور اپنے لیے نگرانی کی بھی شرط لگا رکھی تھی، لیکن وہ وقف کے لیے اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو قاضی کو یہ حق ہوگا کہ اس کو وقف سے ہٹا دے، کیوں کہ اس میں فقیروں کو فائدہ ہے، جیسے وصی یتیم کے لیے صحیح کام نہیں کرے تو قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو ہٹا کر دوسرے کو وصی متعین کر دے۔

وجہ: عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد و اذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴ من قال وصیة العبد حیث جعلها: ۶/ ۲۲۴ نمبر ۳۰۸۶۵ / مصنف عبد الرزاق، الوصیة حیث یضعها صاحبها و وصیة المعتوہ و وصیة الرجل ثم یفعل و الرجل یوصی بعبده: ۹/ ۹۵ نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصی متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔ اسی طرح نگراں متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔

ترجمہ: ۷ل ایسے ہی واقف نے یہ شرط لگائی کہ کسی بادشاہ یا قاضی کو میرے ہاتھ سے نکالنے کا اختیار نہیں ہوگا تب بھی قاضی دوسرے کو نگراں بنائے گا، کیوں کہ اس کی شرط شریعت کے حکم کے مخالف ہے اس لیے وہ شرط باطل ہو جائے گی۔

تشریح: واقف نے یہ شرط لگائی کہ مجھے کوئی قاضی، یا بادشاہ بھی نہیں نکالے گا، اور وہ اطمینان بخش کام نہیں کر رہا تھا تو قاضی اس کو نکال

فصل

(۳۰۴۴) وَإِذَا بَنَى مَسْجِدًا لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْهُ حَتَّى يَفْرِزَهُ عَنْ مِلْكِهِ بِطَرِيقِهِ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِذَا صَلَّى فِيهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مِلْكِهِ ۱؎ أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهُ لَا يَخْلُصُ لِلَّهِ تَعَالَى إِلَّا بِهِ، وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيهِ فَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ، وَذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ، ۲؎ أَوْ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فَقَامَ تَحَقُّقُ الْمَقْصُودِ مَقَامَهُ ۳؎ ثُمَّ يَكْتَفِي بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَذِّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَدْنَاهُ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ

دے گا، کیوں کہ واقف کی شرط شریعت کے خلاف ہے۔

فصل فی بناء المسجد

ترجمہ: (۳۰۴۴) اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی، پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہوگئی

تشریح: مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لیے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

وجہ: (۱) ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لیے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔ (۲) مسجد بنانے کے لیے یہ حدیث ہے۔ **عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا واللہ لا نطلب ثمنه الا الی اللہ** (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱)

لغت: **یفرزہ:** ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ کا حق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ نہ کر دیا جائے، اس لیے اس کو اپنی ملکیت سے الگ کرنا ضروری ہے۔ اور نماز پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سپرد کرنے کے لیے نماز پڑھوانا ضروری ہے، اور اسی قسم کی سپردگی کی شرط ہے، اور یہ مسجد میں نماز کے ذریعہ ہوگی۔

تشریح: مسجد کا مالک اللہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی ملکیت میں دینے کے لیے یہ طریقہ ہے کہ اس میں کم سے کم ایک آدمی کو نماز پڑھوا دے جائے۔ اس سے مالک کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی کو قبضہ دینا متعذر رہے تو مقصد کو متحقق کرنا اس کے قائم مقام ہے۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کو قبضہ دینا متعذر ہے، اس لیے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھوانے کو اس کے قائم مقام کر دی گئی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ پھر امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مسجد میں ایک آدمی کی نماز پڑھنا کافی ہے، اور یہی بات امام محمدؒ سے منقول ہے، اس لیے کہ سب کو نماز پڑھنا متعذر ہے اس لیے ایک آدمی کا پڑھ لینے کی شرط ہوگی۔ اور امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جماعت کے

بِالْجَمَاعَةِ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ لِذٰلِكَ فِي الْغَالِبِ (۳۰۴۵)وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْتُه مَسْجِدًا لِ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ؛ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيرُ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالَى بِسُقُوطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالْإِعْتَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. قَالَ: (۳۰۴۶)وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إِلَى الطَّرِيقِ، وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَإِنْ مَاتَ يُورَثُ عَنْهُ؛ لِ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالَى لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ،

ساتھ نماز پڑھنا شرط ہے، اس لیے اکثر مرتبہ اسی لیے مسجد بنائی جاتی ہے۔

تشریح: ایک روایت یہ ہے کہ ایک آدمی کی نماز پڑھ لینے سے مسجد وقف ہو جائے گی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تب مسجد وقف ہوگی، کیوں کہ مسجد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۵) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنا دی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا شرط نہیں ہے، اس لیے کہ بندے کے حق کو ساقط کرنا ہے، تاکہ بندے کا حق ساقط کر کے خالص اللہ کا حق کر دیا جائے، اور یہ غلام آزاد کرنے کی طرح ہو گیا، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لیے وقف کیا، اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آقا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے اپنا غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، اسی طرح صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لیے وقف کیا تو اس سے مسجد وقف ہو جائے گی۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کے یہاں کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے، صرف کہہ دینے سے مسجد وقف ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۰۴۶) کسی نے مسجد بنائی اور اس کے نیچے تہ خانہ بنایا، یا اس کے اوپر گھر بنایا، اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے پر کر دیا، اور مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی اس مسجد کو بیچ دینے کا حق ہوگا، اور اگر واقف مر جائے تو وہ مسجد وراثت میں تقسیم ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لیے کہ یہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، کہ مسجد کی زمین کے ساتھ واقف کا حق بھی متعلق ہے تو وہ مسجد وقف ہوگی یا نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ وقف نہیں ہوگی، اور دوسری روایت ہے کہ وقف ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں [۱] مسجد کے نیچے تہ خانہ ہے [۲] مسجد کے اوپر رہنے کا گھر ہے، اس کے باوجود مسجد کا راستہ الگ کر دیا، اور واقف نے مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی وہ وقف نہیں ہوگی۔ واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچ دے، اور اس کے مرنے سے وراثت میں تقسیم ہوگی۔ اس عبارت کا مطلب ہے کہ مسجد وقف نہیں ہوگی، وہ واقف کی ملکیت پر برقرار رہے گی۔ جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔ **محمد عن یعقوب [ابی حنیفہ] فی رجل جعل بیتہ مسجدا و تحتہ سرداب او فوقہ بیت و جعل باب المسجد الی الطریق و عزلہ فلہ ان یبیعہ و ان مات ورث عنہ۔ (جامع صغیر، باب فی حکم المسجد، ص ۱۲۰)**

وجہ: جب مسجد کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے تو وہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی اس لیے وہ وقف نہیں ہوگی سرداب: تہ خانہ۔

۲ وَلَوْ كَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازَ كَمَا فِي مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ. ۳ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ، وَذٰلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ. ۴ وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلَى عَكْسِ هٰذَا، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيمُهُ. ۵ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضِيقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذٰلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا. قَالَ (۳۰۴۷) وَكَذٰلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ ا يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورَثُ عَنْهُ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، وَلِأَنَّهُ

ترجمہ: ۲ اور اگر تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لیے ہوتو وقف جائز ہے جیسے بیت المقدس میں ہے۔

تشریح: [۳] یہ تیسری صورت ہے۔ بیت المقدس کے نیچے تہ خانہ ہے جو اصل مقدس بیت المقدس ہے، لیکن وہ اوپر کی بیت المقدس کے مصلحت کے لیے ہے اس لیے اس کا وقف جائز ہے، اسی طرح دنیا کے کسی بھی مسجد کا تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لیے ہو تو اس مسجد کا وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳ حضرت حسن سے امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ مسجد نیچے ہو اور اوپر رہنے کا ہو تو وہ مسجد ہے، کیوں کہ نیچے ہی کی مسجد ہمیشہ رہ سکتی ہے، اوپر کی مسجد ہمیشہ نہیں رہ سکتی [وہ ٹوٹ سکتی ہے]

تشریح: واضح ہے۔ **یتأبد:** ابد سے مشتق ہے، ہمیشہ رہنا۔

ترجمہ: ۴ اور امام محمدؒ کی روایت اس کا الٹا ہے [یعنی اوپر مسجد ہو اور نیچے رہنے کا ہو] اس لیے کہ مسجد کی عزت ہوتی ہے، اور اوپر مکان ہو یا کرائے کا گھر ہو تو اس کی تعظیم نہیں ہوگی۔

تشریح: مسجد عظمت کی جگہ ہے، اس لیے وہ اوپر ہو اور نیچے گھر تب ہی اس کی عظمت ہوگی، اس لیے امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اوپر مسجد ہو اور نیچے گھر تو مسجد وقف ہو جائے گی۔

لغت: **مستغل:** غلہ سے مشتق ہے، غلہ حاصل کرنے کا آلہ، یعنی ایسا گھر جو اجرت کے لیے بنایا ہو۔

ترجمہ: ۵ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ، جب وہ بغداد آئے اور گھروں کو تنگ دیکھا تو دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا، گویا کہ انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا، اور امام محمدؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ مقام ری آئے تو ضرورت کی وجہ سے دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ بغداد تشریف لائے، اور امام محمدؒ تشریف لائے اور دیکھا کہ تنگ جگہ میں گھر بنے ہوئے ہیں اور مسجد بھی تنگ جگہ میں بنی ہوئی ہے تو مسجد کے اوپر گھر ہو یا نیچے گھر ہو دونوں صورتوں میں مسجد کو وقف کرنے سے وقف ہو جائے گی، کیوں کہ اس کی سخت ضرورت ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۷) ایسے ہی اگر اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی۔ [تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی]

ترجمہ: ا تو واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچے اور اس کا وارث بنے، اس لیے کہ مسجد کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو روکنے کا حق نہ ہو اور

أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالَى (۳۰۴۸)وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ لِـ اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا، وَهٰكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ. قَالَ (۳۰۴۹)وَمَنِ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُورَثُ عَنْهُ لِـلِأَنَّهُ تَجَرَّدَ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلّٰهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلّٰهِ تَعَالَى، وَإِذَا أَسْقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ لَهُ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتَاقِ.

جب واقف کی ملکیت چاروں جانب ہے تو اس کو روکنے کا حق ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوئی، اس لیے کہ اپنے لیے بھی راستہ باقی رکھا، تو خالص اللہ کا حق نہیں ہوا۔

وجہ: یہ مسئلہ بھی اسی اصول پر ہے کہ مسجد میں جانے کا راستہ نہ ہو تو مسجد وقف نہیں ہوگی۔

تشریح: واقف کی ملکیت چاروں طرف ہے اور درمیان میں مسجد ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی اور اس کو وقف شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: مسجد اس کو کہتے ہیں جس میں کسی بندے کا حق متعلق نہ ہو، اور مسجد میں جانے کے لیے راستہ ہو اور وہ ہے نہیں ہے اس لیے شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ لیکن آگے آرہا ہے کہ مسجد دینے کے راضی ہو گیا ہے تو اس کے تحت میں راستہ دینے کے لیے بھی گویا کہ راضی ہو گیا ہے اس لیے مسجد وقف ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۰۴۸) امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسجد ہوگی اور اس کو نہ بیچ سکتا ہے، نہ اس کا وارث ہو سکتا ہے، اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: لـ انہوں نے مسجد ہونے کا اعتبار کیا، اور اسی طرح کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے کہ وہ مسجد ہو جائے گی، اس لیے کہ جب مسجد ہونے پر راضی ہوا، اور مسجد بغیر راستے کے نہیں ہوتی تو راستہ خود بخود داخل ہو جائے گا اور راسہ کا حق ہو جائے گا، جیسے اجرت کے مکان میں بغیر ذکر کے بھی راستہ داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مسجد وقف ہو جائے گی، اس لیے نہ یہ بیچی جائے گی، نہ وراثت میں تقسیم ہوگی اور نہ ہبہ کی جائے گی، اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے۔

وجہ: جب واقف مسجد دینے پر راضی ہوا تو اس کے تحت میں راستہ دینے پر بھی راضی ہو گیا، اس لیے راستہ خود بخود مل جائے گا، جس کی وجہ سے مسجد وقف ہو جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اجرت پر گھر دیا اور اس کے راستہ کا تذکرہ نہیں کیا تب بھی اس کو راستہ ملے گا، اسی طرح یہاں بھی مسجد کو راستہ ملے گا۔

ترجمہ: (۳۰۴۹) جس نے اپنی زمین کو مسجد بنائی تو اس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، نہ اس کو بیچ سکتا ہے، اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔

ترجمہ: لـ اس لیے کہ بندے کے حق سے نکل چکی ہے اور خالص اللہ کی ہو چکی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری چیزیں اللہ کی ہیں، اور جب بندے نے اپنا حق ساقط کر دیا تو وہ اپنی اصل کی طرف چلی گئی [یعنی اللہ کی طرف چلی گئی] اور اس سے بندے کا تصرف ختم

۲؎ وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُودُ إِلَى مِلْكِهِ، ۳؎ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَعُودُ إِلَى مِلْكِ الْبَانِي، أَوْ إِلَى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ؛ لِأَنَّهُ عَيَّنَهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ، وَقَدْ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيرِ الْمَسْجِدِ وَحَشِيشِهِ إِذَا اسْتُغْنِيَ عَنْهُ.

ہو گیا، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے کہ آقا کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

تشریح: کسی نے اپنی زمین کو مسجد بنا دی تو وہ وقف ہو گئی، اب نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وراثت میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وجہ: (۱) ہر چیز اصل میں اللہ کی ہے، اور بندے کا حق عارضی ہے، پس بندے نے اپنا حق ختم کر دیا تو یہ چیز اللہ کی ہو گئی۔ (۲) حدیث میں یہ ہے۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فما تأمر نی؟ بہ قال ان شئت حبست اصلھا و تصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول** (بخاری شریف، **باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط** ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷/ مسلم شریف، **باب الوقف**، ص ۴۱ا نمبر ۱۶۳۲/ ۴۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ وقف ہونے کے بعد نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ میں دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر مسجد کی چاروں طرف مکانات ویران ہو گئے اور اب مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اس لیے کہ بندے کا حق اس مسجد سے ختم ہو گئی اس لیے دوبارہ اب اس کی ملکیت نہیں ہو گی۔

تشریح: مسجد کے چاروں طرف کے مکانات ویران ہو گئے تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اور وہ زمین مالک کی طرف واپس نہیں جائے گی۔

وجہ: (۱) اس لیے کہ بندے کی ملکیت سے وہ نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو چکی تھی اس لیے اب دوبارہ اس واقف کی ملکیت میں واپس نہیں جائے گی۔ (۲) اس قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابی وائل قال جلست الی شیبۃ فی ھذا المسجد قال جلس الیّ عمر فی مجلسک ھذا فقال ھممت ان لا ادع فیھا صفراء ولا بیضاء الا قسمتھا بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعلہ صاحباک قال ھما المرآن یقتدی بھما** (بخاری شریف، **باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ** ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ**) اس قول صحابی میں ہے کہ بیت اللہ کا وہ سامان جس کی کعبہ کو ضرورت نہیں ہے اس کو بھی مسلمانوں میں تقسیم نہیں کرتے۔ (۳) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ** (آیت ۱۱۴، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ کی مسجد کو جو خراب کرتا ہے وہ ظالم ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسجد بنانے والے کی ملکیت ہو جائے گی، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی ہو جائے گی، اس لیے کہ واقف نے ایک خاص قربت [نماز] کے لیے متعین کی تھی اور وہ اب نہیں ہو رہی ہے [تو چیز واقف کی طرف چلی جائے

ل إِلَّا أَنَّ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ فِي الْحَصِيرِ وَالْحَشِيشِ إِنَّهُ يُنْقَلُ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ. قَالَ (۳۰۵۰)وَمَنْ بَنَى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْ ذَلِكَ حَتَّى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛

گی] جیسے مسجد کی چٹائی اور گھاس کی ضرورت نہ رہے [تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اصلی مالک کی طرف چلی جاتی ہے]

ترجمہ: ل امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف نے نماز کے لیے یہ جگہ دی تھی، اور مکانات ویران ہونے کی وجہ سے اب اس میں نماز نہیں ہوگی، اس لیے واقف کا مقصد پورا نہیں ہوا اس لیے یہ جگہ واقف کی طرف لوٹ جائے گی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مسجد کی چٹائی کام کی نہ رہے تو اس کو باہر پھینک دیتے ہیں اسی طرح اس مسجد کی ضرورت نہیں رہی تو اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائے۔

وجہ: (۳) دخل شيبة بن عثمان الحجبي على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعت منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله قالت فكان شيبة بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله وابن السبيل (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبۃ و کسوتھا: ۵/ ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔ اسی طرح مسجد کام کی نہ رہے تو وہ مالک کی طرف لوٹ جائے گی۔ یا کم سے کم وہ مسجد باقی نہیں رہے گی۔

نوٹ: یورپ میں بہت سے مکانوں کو خرید کر نماز کے لیے مسجد کے طور پر بنا لیتے ہیں، اور مسجد کی طرح اس کا احترام کرتے ہیں، بہت بعد میں بڑی جگہ لے کر وہاں مسجد بناتے ہیں، اور پہلی جگہ کو واپس مکان میں تبدیل کر دیتے ہیں اور بیچ دیتے ہیں، اور بعض مرتبہ اس کو مکتب کے کام میں لاتے ہیں، شاید یہ امام محمدؒ کے مسلکے پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

لغت: حصیر: چٹائی۔ حشیش: مسجد کا چھپر بنانے کے لیے گھاس استعمال کرتے ہیں اس کو حشیش، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ل البتہ امام ابو یوسفؒ چٹائی، اور گھاس وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۳۰۵۰) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لیے یا سرائے بنائی مسافروں کے لیے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔

اصول: اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلا مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے کوئی پیاسا پانی پی

لِ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ، أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبَ مِنَ السِّقَايَةِ، وَيُدْفَنَ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوْ الْإِضَافَةُ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ (۳۰۵۱)وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ لِ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ، إِذِ التَّسْلِيمُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَازِمٌ.

لے تب وقف مکمل ہوگا۔

تشریح: یہاں چار چیزوں کا تذکرہ ہے، جس کے لیے لوگ زمین وقف کرتے ہیں اور اس میں پانی کی سبیل، سراء خانہ، فوج کے رہنے کے مکانات، اور مقبرہ بناتے ہیں، اور اس میں کبھی کبھار خود بھی رہتے اور استعمال کرتے ہیں، چونکہ اس کو خود بھی استعمال کرتے ہیں، اس لیے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ جب تک حاکم وقف ہونے کا فیصلہ نہ کردے وہ چیز وقف نہیں ہوگی، صرف کہنے سے کہ وقف کردیا، یا مسافر کو رکھ دیا اس سے وہ وقف نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کرلے تو وقف مکمل ہوگا۔

لغت: سقایۃ: مسافر کو پانی پلانے کی سبیل۔ **خانا:** سراء خانہ، جس میں مسافر ٹھہرتے ہیں۔ **ابن السبیل:** راستے کے بیٹے، اس سے مراد ہے، مسافر۔ **رباط:** ربط سے مشتق ہے، باندھنا، یہاں مراد ہے چھاونی، فوج کے رہنے کے لیے مکان۔ **مقبرۃ:** قبرستان۔

ترجمہ: لے اس لیے کہ ان چیزوں میں موقوفہ چیز سے بندے کا حق منقطع نہیں ہوا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ واقف بھی اس سے نفع اٹھاتا ہے، چناں چہ سراء خانہ میں خود بھی ٹھہر جاتا ہے، چھاونی میں خود بھی رہتا ہے، سبیل سے پانی پیتا ہے، اور قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرتا ہے اس لیے وقف ہونے کے لیے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے، یا موت کے بعد منسوب کرے، جیسے کہ فقراء پر وقف کے بارے میں ہوتا ہے، بخلاف مسجد کے اس لیے کہ واقف کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق باقی نہیں رہتا، اس لیے حاکم کے فیصلے کے بغیر بھی خالص اللہ تعالی کے لیے ہوگیا، اس لیے مسجد وقف ہوجائے گی۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے لیے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں، اور سرائے خانے وغیرہ کو وقف کرنے کے لیے حاکم کے فیصلے کی ضرورت کیوں ہے، فرماتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے بعد اس میں عام آدمی کی طرح نماز پڑھتا ہے، اس کو اپنی جائداد کی طرح استعمال نہیں کرپاتا، اس لیے وقف کرتے ہی خالص اللہ کا ہوگیا اس لیے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سرائے خانے وغیرہ میں وقف کرنے کے بعد بھی اس میں اپنی جائداد کی طرح ٹھہرتا ہے اس لیے وہ ابھی خالص اللہ کا حق نہیں ہوا، البتہ اب حاکم اس کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے گا تب وہ خالص اللہ کا حق ہوگا، اور وقف مکمل ہوگا، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۳۰۵۱) اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔

ترجمہ: لے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ ہے اس لیے کہ سپرد کرنا ان کے یہاں لازم نہیں ہے، اس کے بغیر بھی وقف لازم ہوجاتا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کا اصول گزر گیا ہے کہ واقف صرف یہ کہہ دے کہ، میں وقف کیا، اسی سے اس کی ملکیت ان چیزوں میں بھی ختم

(۳۰۵۲)وَعِندَ مُحَمَّدٍ إذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ؛ ا؎لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِندَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ،وَذَلِكَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ.وَيُكْتَفَى بِالْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ فِعْلِ الْجِنسِ كُلِّهِ، وَعَلَى هَذَا الْبِئْرُ الْمَوْقُوفَةُ وَالْحَوْضُ. ۲؎وَلَوْ سُلِّمَ إلَى الْمُتَوَلِّي صَحَّ التَّسْلِيمُ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا؛ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ، وَفِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنُوبِ عَنْهُ، ۳؎وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيلَ لَا يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ لَا تَدْبِيرَ لِلْمُتَوَلِّي فِيهِ، وَقِيلَ يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى مَنْ يَكْنُسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ، فَإِذَا سُلِّمَ إلَيْهِ صَحَّ

ہوجائے گی اور وقف مکمل ہوجائے گا،ان کے یہاں حاکم کے فیصلے،اور متولی کو سپرد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ:(۳۰۵۲)اور امام محمدؒ کے یہاں سبیل سے ایک آدمی نے پانی پی لیا،سرائے خانے میں کچھ آدمی ٹھہر گئے، چھاونی میں کچھ آدمی ٹھہر گئے،اور قبرستان میں لوگوں نے دفن کر دیا تو واقف کی ملکیت ختم ہوگئی۔

ترجمہ:ا؎اس لیے کہ ان کے یہاں سپرد کرنا شرط ہے،اور ہر چیز کی سپردگی اس کے انداز سے ہوتی ہے،اور یہ اس کی سپردگی کا انداز ہے جو ہم نے ذکر کیا۔اور ایک آدمی کا دفن وغیرہ ہوجانا کافی ہے،اس لیے کہ تمام کا کرنا ناممکن ہے،اور اسی اصول پر ہے وقف کیا ہوا کنواں اور حوض۔

تشریح:امام محمدؒ کے یہاں وقف مکمل ہونے کے لیے متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے،لیکن ہر چیز کے سپرد کرنے کے الگ الگ طریقے ہیں،اس چیز کو اس طریقے پر سپرد کر دیا تو اس سے وقف مکمل ہوجائے گا،مثلا سبیل کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے ایک آدمی پانی پی لے، سرائے خانے کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں مسافر ٹھہر جائے، چھاونی کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں فوج ٹھہر جائے،قبرستان کا طریقہ یہ ہے اس میں ایک آدمی کو دفن کر دیا جائے،اور کنواں کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے آدمی پانی نکال لے،اور حوض کا طریقہ ہے کہ اس سے ایک آدمی وضو کر لے تو اس سے متولی کو سپرد کرنا سمجھا جائے گا اور اس سے واقف کی ملکیت ختم ہو کر وقف مکمل ہو جائے۔ایک آدمی کا استعمال کر لینا اس لیے کافی ہے کہ سب کا استعمال کرنا ناممکن ہے،اس لیے ایک ہی آدمی کے استعمال کو کافی سمجھا گیا ہے۔ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو باضابطہ سپرد کرے۔

ترجمہ:۲؎اور اگر ان چیزوں کے متولی کو سپرد کر دیا تب بھی سپرد کرنا سمجھا جائے گا،اس لیے کہ جن لوگوں پر وقف کیا ہے یہ متولی اس کے نائب ہیں،اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے۔

تشریح:اوپر چھ چیزوں کا تذکرہ گزرا،اگر ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو سپرد کر دیا تب بھی سپرد سمجھا جائے گا،اور وقف مکمل ہوجائے گا،کیوں کہ جن لوگوں پر وقف کرنا ہے،متولی ان کا نائب ہے،اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے،اس لیے متولی کے قبضہ کرنے سے ان لوگوں کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور وقف مکمل ہوجائے گا۔

ترجمہ:۳؎مسجد میں کسی نے نماز نہیں پڑھی بلکہ ابھی متولی کو سپرد کر دی،تو بعض حضرات نے کہا کہ سپرد نہیں ہوگا،کیوں کہ متولی کو کوئی دخل نہیں ہے،اور بعض حضرات نے کہا کہ سپرد ہوجائے گی اس لیے کہ جھاڑو دینے اور دروازہ بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے[اس لیے متولی کو کچھ نہ کچھ دخل تو ہوا]اس لیے جب اس کو سپرد کر دیا تو سپرد ہوگیا[اور وقف مکمل ہوگیا]

تشریح:اوپر یہ گزرا کہ مسجد میں ایک آدمی نماز پڑھ لے تو وہ وقف ہوجاتی ہے،لیکن کسی نے نماز نہیں پڑھی اور اس کے متولی کو سپرد کر

التَّسْلِيمُ. ٤ وَالْمَقْبَرَةُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَا قِيلَ؛ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلِّيَ لَهُ عُرْفًا. وَقِيلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّقَايَةِ وَالْخَانِ فَيَصِحُّ التَّسْلِيمُ إِلَى الْمُتَوَلِّي؛ لِأَنَّهُ لَوْ نُصِّبَ الْمُتَوَلِّي يَصِحُّ، وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ. ٥ وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنَى لِحَاجِّ بَيْتِ اللَّهِ وَالْمُعْتَمِرِينَ، أَوْ جَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنَى لِلْمَسَاكِينِ، أَوْ جَعَلَهَا فِي ثَغْرٍ مِنَ الثُّغُورِ سُكْنَى لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ. أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغُزَاةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَدَفَعَ ذَلِكَ إِلَى وَالٍ يَقُومُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ، وَلَا رُجُوعَ فِيهِ لِمَا بَيَّنَّا ٦ إِلَّا أَنَّ فِي الْغَلَّةِ تَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ، وَفِيمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانِ وَالِاسْتِقَاءِ مِنَ الْبِئْرِ وَالسِّقَايَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ

دیا تو اس سے وقف ہوگا یا نہیں۔ ایک روایت ہے کہ وقف نہیں ہوگی، کیوں کہ متولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وقف ہوجائے گی، کیوں کہ مسجد میں جھاڑو دینے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ متولی کو دخل ہے، اس لیے سرائے خانہ کی طرح اس کو بھی سپرد کردے تو وقف ہوجائے گی **یکنس**: جھاڑو دینا۔

ترجمہ: ٤ اور مقبرہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کی طرح ہے [یعنی متولی کو سپرد کرنے سے سپرد نہیں ہوگا] اس لیے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا۔ اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ وہ سبیل، اور سرائے خانے کی طرح ہے کہ متولی کو سپرد کرنے سے سپرد ہوجائے گا، کیوں کہ مقبرہ کا متولی متعین کرے تو صحیح ہے، اگر چہ یہ عادت کے خلاف ہے۔

تشریح: مقبرے میں کسی عام آدمی کو دفن نہیں کیا اور اس کو متولی کو سپرد کردیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجد کی طرح وقف نہیں ہوگا، اس لیے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سرائے خانے کی طرح وقف ہوجائے گا، کیوں کہ اگر چہ عام عادت میں اس کا متولی نہیں ہوتا لیکن اگر اس کا متولی بنانا چاہے تو بن سکتا ہے شرعا کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے متولی بنا کر اس کے سپرد کردیا تو وقف ہوجائے گا۔

ترجمہ: ٥ اگر مکہ مکرمہ میں اپنا گھر حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے لیے وقف کردیا۔ یا مکہ مکرمہ کے علاوہ میں اپنا گھر مسکینوں کے ٹھہرنے کے لیے وقف کردیا، یا سرحد پر کوئی چھاونی غازیوں کے ٹھہرنے کے لیے کردیا۔ یا زمین کا غلہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لیے کردیا، اور ایسے والیوں کو سپرد کردیا جو اس کی سرپرستی کرتا ہو تو وہ جائز ہے [یعنی وقف ہوگیا] اور اب اس کو واپس نہیں لے سکتا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ اللہ کے لیے ہوگیا ہے۔

تشریح: یہاں چار باتیں بیان کی ہیں [۱] مکہ مکرمہ میں اپنا گھر تھا اس کو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے وقف کردیا۔ [۲] مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں اور گھر تھا اس کو مسکینوں کے ٹھہرنے کے لیے وقف کردیا۔ [۳] سرحد پر کوئی مکان تھا مجاہدین کے ٹھہرنے کے لیے اس کو وقف کردیا۔ [۴] اپنی زمین کے غلے کو اللہ کے راستے میں دے دیا، اور ان چیزوں کے متولی کو سپرد کردیا جو اس کی سرپرستی کرتا تھا تو یہ جائز ہے، اور اس سے وقف مکمل ہوجائے گا۔

لغت: **سکنی**: قیام کرنا۔ **ثغر**: سرحد۔ **مرابط**: ربط سے مشتق ہے، وہ لشکر جو سرحد کے پاس رہتا ہو۔

ترجمہ: ٦ البتہ غلے کے بارے میں یہ کہ [اگر غلے کو وقف کیا تو] وہ فقراء کے لیے ہوگا، مالداروں کے لیے نہیں۔ اور اس کے علاوہ جو

الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ، وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفَصْلَيْنِ. فَإِنَّ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيدُونَ بِذَلِكَ فِي الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ، وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ تَشْمَلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيرَ فِي الشُّرْبِ وَالنُّزُولِ. وَالْغَنِيُّ لَا يَحْتَاجُ إِلَى صَرْفِ هَذَا الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ہے سرائے خانے میں ٹھہرنا، کنویں سے پانی نکالنا اور اس کو پینا وغیرہ اس میں مالدار اور فقیر دونوں برابر ہیں، اور دونوں فصلوں میں فرق کی چیز عرف ہے۔ اس لیے کہ غلہ وقف کرو تو عرف میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف فقراء کے لیے ہے۔ اور اس کے علاوہ کے وقف میں فقیر اور مالدار دونوں کے لیے برابر حق سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی پینے میں اور سرائے میں ٹھہرنے میں مالدار اور فقیر دونوں کی ضرورت برابر ہے۔ لیکن غلہ کے خرچ کرنے میں مالدار کو اس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس کے پاس غلہ موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح: عرف میں یہ ہے کہ غلہ وقف کرو تو وہ صرف فقیروں کے لیے ہوتا ہے، اور سرائے خانہ وقف کرو، سبیل وقف کرو تو وہ غریب اور مالدار دونوں کے لیے سمجھا جاتا ہے، اس لیے زمین کا غلہ وقف کیا تو اس سے صرف فقیر فائدہ اٹھائے، مالدار فائدہ نہ اٹھائے، اور سرائے خانہ وقف کیا تو اس میں مالدار بھی ٹھہر سکتا ہے اور غریب بھی ٹھہر سکتا ہے۔

وجہ: کنواں سے پانی پینے کی ضرورت غریب اور مالدار دونوں کو ہے اس لیے کنواں وقف کیا تو دونوں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور غلہ مالدار کے پاس ہے اور فقیر کے پاس نہیں ہے اس لیے غلہ وقف کیا تو اس کو صرف مالدار کھا سکتا ہے، مالدار نہیں کھا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ کے فضل سے آج ساتویں جلد کی شرح ختم ہوئی۔

آخر الدعوان الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم

ثمیر الدین قاسمی، مانچسٹر
۱۲/۱/۲۰۱۶ء